میرزا یگانہ
شخصیت اور فن

تحقیقی مقالہ
برائے
پی ۔ ایچ ۔ ڈی

مقالہ نگار
نجیب الدین جمال
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

نگران
جناب پروفیسر **ڈاکٹر فرمان فتح پوری**
ایم اے، پی ۔ ایچ ۔ ڈی، ڈی لٹ
سیکرٹری اردو ڈکشنری بورڈ ۔ کراچی

اس مقالے کی منظوری ایڈوانسڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ بورڈ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان نے مراسلہ نمبر GEN/Ph.D(URDU)/81-82/3827 مورخہ ۳۰ر جولائی سنہ ۱۹۸۳ کے تحت دی ۔

انتساب

اپنی خوش سلیقہ بیوی

ریحانہ ——— اور

اپنی خوش آواز بیٹیوں

عمارہ، وردہ، تشبیہ اور تلمیح

کے نام

جن کے پاؤں کی آہٹ

مرے دل میں گونجتی ہے

نجیب جمال

۱۸؍ جولائی ۱۹۸۸ء

فہرست مشمولات

دیباچہ حدیث دل ۔ صفحہ ا

صفحہ

باب اوّل ۔ یگانہ کا عہد اور اس کا وسیع تر سیاسی و سماجی، تہذیبی و تمدنی، فکری و مذہبی اور علمی و ادبی پس منظر 1

یگانہ کا زمانہ (1884 - 1956ء) -- انیسویں صدی اور شعری طرز احساس -- بیسویں صدی اور اردو غزل -- جنگ آزادی اور منہدم ہوتی ہوئی تہذیب کے ملبے سے نئی تہذیب کا جنم -- مشینی انقلاب کے اثرات -- غزل کی حیات نو -- یگانہ کا سیاسی شعور -- انڈین نیشنل کانگریس کی تشکیل -- تقسیم بنگال اور اس کی تنسیخ -- انجمن خادمان ہند -- سیوا سمتی -- سودیشی تحریک -- سوشل سروس لیگ -- تحریک خلافت -- عدم تعاون کی تحریک کا خاتمہ -- مایوس طبقے کی سوچ -- ہندوستان کی سیاست کے بارے میں یگانہ کا رد عمل -- سیاسی حالات کے اثرات سماجی زندگی پر -- پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں بے روزگاری، مہنگائی، بھوک اور مفلسی -- اشتراکی فلسفۂ حیات کی کشش -- سماجی گھٹن، احساس مغائرت، تنہائی، معاشی بدحالی، مشکوک مستقبل اور غیر مطمئن حال -- مشترکہ خاندانی نظام کا شیرازہ بکھرنا --

عظیم آباد اور لکھنو کی تاریخی، تہذیبی اور تمدنی حیثیت -- لکھنو، ایک انتہائی دل فریب تہذیب کا مرکز -- لکھنو کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کے خاص پہلو -- لکھنو کے شرفاؑ کی وضع داریاں -- دسترخواں کے آداب -- تفریحی مشاغل -- تعیش پسندی -- شاہدان بازاری کی کثرت -- ڈیرہ دار طوائفیں -- تعزیہ اٹھانا -- عشرہ محرم اور چہلم کی دھوم اور لکھنو کی تہذیبی زندگی -- خوشی اور غمی کی رسمیں -- چکن اور کامدانی کی تہذیب -- لکھنو کی ایجادات و اختراعات -- تہذیبی اور تمدنی زندگی کا عروج -- واجد علی شاہ کی معزولی اور سماجی

شیرازے کا انتشار -- بیسویں صدی کی ابتدائی دھائیاں اور لکھنو -- دیوار چمن کی خستگی --

اورنگ زیب کی وفات کے بعد مسلمانوں کا مجروح تشخص اور شاہ ولی اللہ کے نظریات -- وجود باتی اور مظہریاتی احدیث میں اشتراک کا تصور -- مسلم تشخص کے لئے یک جہتی اور آزادئ فکر کے لئے اجتہاد کی اہمیت -- تحریک جہاد -- انیسویں صدی میں بنگال میں " برھمو سماج " تحریک --"علی گڑھ تحریک"-- مذہب اور سماج کی مطابقت -- سرسید پر شاہ ولی اللہ کے اثرات کا تجزیہ -- مرزا غلام احمد قادیانی کے نظریات -- جدید علم الکلام -- ندوۃ العلماء لکھنو -- " معارف" لکھنو -- دارالمصنفین، اعظم گڑھ -- دارالعلوم دیوبند -- فرنگی محل، لکھنو اور درس نظامی -- لکھنو کا خاندان اجتہاد -- مذکورہ مذھبی اداروں کے یگانہ کی زندگی اور فن پر بالواسطہ یا بلا واسطہ اثرات --

1857ء کے بعد فکر و علمی افلاس کا تجزیہ -- " علی گڑھ تحریک" اور " برھمو سماج تحریک " کی تحصیل علوم عقلیہ کی طرف توجہ -- سوسائٹیوں، مدرسوں اور کالجوں کا قیام ، اخبارات اور رسائل کا اجراٴ -- " دھلی کالج " کے قیام کے مقاصد - کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیوں کا قیام -- دارالعلوم (1867ء) ، اورنٹل کالج لاھور(1870ء) ، محمڈن اینگلو اورنٹل کالج (1877ء) ، آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (1886ء) کی تاسیس -- تہذیب الاخلاق (1870ء) کا اجراء -- جامعہ عثمانیہ (1917ء)، دارالترجمہ (1917ء) ارر جامعہ ملّیہ اسلامیہ (1920ء) کا قیام -- بیسویں صدی کی ذھنی بیداری میں اخبارات کا کردار -- علمی و ادبی ماحول کا یگانہ کی ذھنی تربیت میں حصہ -- ھیت کے نت نئے تجربات -- بیسویں صدی کا طرز احساس اور شعری اظہار -- مربوط اظہار کی ضرورت اور نظم کا فروغ -- غزل کی آزمائش کا وقت -- اردو غزل کی تربیت کا نیا انداز -- رسالہ مخزن -- ادب میں واقعیت اور عقلیت کے پہلو بہ پہلو تخیلیت اور رومانیت کا فروغ -- مغرب کے زیر اثر نتیجہ خیز نظموں کا رواج -- جدید نظم نگاری کی تحریک -- شعری اسالیب میں تبدیلیاں -- " انجمن ترقی پسند مصنفین " کا قیام(1936ء) اور مقاصد - سماجی اور تاریخی واقعیت پر مبنی بیانیہ ادب کی اھمیت -- " حلقہ ارباب ذوق " --

آزاد نظم کی قبولیت -- ادب کی جمالیاتی قدروں پر زور -- آزاد تلازمات اور ہیت کے تجربوں کا رواج -- یگانہ کا ردعمل -- شاعری میں قافیے کی ضرورت اور غزل کی حمایت میں یگانہ کے مضامین -- بیسویں صدی کی اردو شاعری میں عالی حوصلگی اورضمیرداری کا فروغ -- یگانہ کی شاعری میں بیسویں صدی کے فرد کی نفسی الجھنوں اور کشاکش حیات کی تفہیم -- حواشی --

باب دوم - حیات یگانہ 39

نام -- تاریخی نام -- تخلص اور اس میں تبدیلیاں -- اسلاف -- ترکہ -- ننھیال -- عالی نسبی اور برتری کا احساس -- پیدائش -- وطن مولود -- ابتدائی نشو و نما -- بچپن کے حالات -- والد کا انتقال -- ابتدائی تعلیم و تربیت -- شعر گوئی کا آغاز -- بیتاب عظیم آبادی سے تلمذ -- شاد کی شاگردی -- کلکتہ یونیورسٹی سے 1903ء میں میٹرک کے امتحان میں کامیابی -- تلاش معاش میں کلکتہ اور مٹیابرج کا سفر -- واپسی -- لکھنو آمد -- آب و ہوا اور دلچسپیوں کا اثر -- مستقل قیام -- پیارے صاحب رشید سے استفادہ -- حلیہ -- شادی -- سسرال -- کنیز حسین (یگانہ بیگم) -- اولاد --

غزلیات کا پہلا مجموعہ " نشتر یاس"(1914ء) -- عروض و قوافی کی مبادیات پر مبنی رسالہ " چراغ سخن "(1915ء) -- اہل لکھنو اور یگانہ کی کاغذی جنگ کا آغاز -- معیارالادب (معیار پارٹی) لکھنو کے ہم خیال شعراء کی جماعت کے متوازی " انجمن خاصان ادب " کا قیام -- لکھنو کے مشاعروں میں یگانہ کا بائیکاٹ -- یگانہ کا قطعہ فخریہ(1920ء) -- یگانہ تخلص کرنے کی بنیاد -- " ترانہ شقشقیہ " (1920ء) کی تصنیف اور یگانہ کے اظہار فضیلت کا تجزیہ -- "کار امروز " لکھنو (1920ء) کا اجرا -- لکھنو میں گزر بسر -- ملازمت کی تلاش میں حیدرآباد جانا (1915ء) اور بیمار ہو کر واپس آنا -- منشی نول کشور پریس لکھنو میں ملازمت -- " اودھ اخبار " کی ادارت -- " شہرت کا ذبہ المعروف بہ خرافات عزیز " (1925ء) کا پریس میں دیا جانا (1923ء) اور نول کشور پریس سے یگانہ کی برطرفی -- اسلامیہ ہائی سکول اٹاوہ میں بحیثیت استاد تعیناتی -- ماہوار ادبی رسالہ " صحیفہ " اٹاوہ (جنوری 1925ء)کا اجراً -- علی گڑھ میں ملازمت -- " اردو مرکز " لاھور سے وابستگی -- " پیسہ اخبار " سٹریٹ میں قیام -- " انجمن ارباب علم " کے مشاعرے -- " اردو

ترتیب -- "ڈیڑھا بنگلہ (بھاٹی دروازہ) میں قیام -- "آیات وجدانی" (1927ء) کی اشاعت -- لکھنو واپسی -- تلاش روزگار میں حیدرآباد روانگی -- رجسٹریشن و اسٹامپ کے محکمے میں سب رجسٹرار متعین ہونا -- اہل خانہ کے ساتھ آگرہ روانگی اور قیام -- ملازمت کے سلسلےمیں عثمان آباد اور لاتور تبدیلی -- رباعیوں کے مجموعے "ترانہ" کی اشاعت (1933ء) -- یگانہ کے ساتھ "چنگیزی" کے لاحقے کا اضافہ -- آیات وجدانی طبع دوم (1934ء) -- "غالب شکن" کی اشاعت (1934ء) -- "غالب شکن دو آتشہ" (1935ء) -- مختلف مقامات پر تبادلے -- ریٹائرمنٹ (1942ء) -- شعلہ کا منہ بولا بیٹا بن کر نازک وقت میں آڑے آنا -- پنشن کے بعد یگانہ کا حیدرآباد میں قیام -- آیات وجدانی جدید (طبع سوم 1946ء) کی ترتیب اور تدوین -- بمبئی روانگی -- واپسی -- سرکاری مسافر خانہ، نام پلی (حیدرآباد) میں سکونت -- علی اختر ہاؤس میں قیام -- لکھنو آمد -- جون 1947ء میں حیدرآباد روانگی -- سخت بیماری کے عالم میں لکھنو واپسی (مارچ 1949ء) -ایک بار پھر قسمت آزمانے کے لئے حیدرآباد روانگی (15 جون 1949ء) اور لکھنو واپسی (مارچ 1950ء) -- تمام اولاد کا ایک ایک کر کے جدا ہوا -- پہلے یگانہ بیگم اور بعد میں یگانہ کی کراچی روانگی (1951ء) -- پاکستان میں یگانہ کے شب وروز -- ہندوستان کے اخبارات میں یگانہ کے خلاف یورش -- پاکستان میں یگانہ کی گرفتاری کا قضیہ -- زائد قیام کا مسئلہ اور لکھنو واپسی -- بیگم کی ہندوستان واپسی کے لئے کوششیں -- لکھنو میں یگانہ کے خلاف مسلم ہجوم کی متشددانہ یورش اور اس کا پس منظر -- یگانہ کی دماغی حالت -- لکھنو میں قیام کا مسئلہ -- گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے ماہانہ گزارہ الاؤنس -- یگانہ بیگم کے ہندوستان میں مستقل قیام کی کوششیں -- یگانہ کی بیماری اور "پہلا مکان شاہ گنج" اور پھر "جناب کی گلی" میں قیام -- مسودات کو آکسفورڈ سے چھپوانے کی کوشش -- پروفیسر مسعودحسن رضوی ادیب کے یہاں قیام -- یگانہ بیگم کی پاکستان روانگی -- تنہائی -- انتظار مرگ -- انتقال -- حواشی --

باب سوم -- شخصیت اور کردار

================

غلامانہ ذہنیت سے نفرت -- جرأت گفتار اور ہمت کردار -- اہل لکھنو کی اجتماعی نفسیات -- لکھنو کے بااثر علمی و ادبی حلقے سے علیحدگی کے نتیجے میں اجنبیت،

معاشرت -- یگانہ کی انا کی جولانی اور ان کی انتہاپسندی -- لکھنو کی سوسائٹی کے بے لچک اخلاقی اور شعری معیار -- نرگسی مزاج ، بمقابلہ نرگسی سماج -- خود پسندی اور خود ستائشی کی راہ -- یگانہ کی مثالی انا کا تجزیہ -- تحفظِ ذات کا عمل -- خود نمائی کی مثالیں -- یاس سے یگانہ بننے کا جواز -- چنگیزیت اور غالب شکنی کی اصل وجوہ -- یگانہ کی اذیت پسندی -- مٹنے اور گرنے میں امتیاز -- " یگانہ " شخصیت اور برتاؤ کا مکمل نمونہ -- یگانہ کی بے گانہ روی کا تجزیہ -- غم و غصے کی تلخی کے باوجود " اُجڑے دیار " اور " تماشائے ناگوار " میں بلا کی کشش -- دنیا کو لائقِ تمنا اور شایانِ آرزو سمجھنا -- مردم بے زار یا مردم گزیدہ -- ایک جانب یگانہ کا مترنم لحن ، ہمہ تن شعریت اور جذب کی کیفیت اور دوسری جانب زہرخند اور طنز منتہی -- ذات اور حالات سے اوپر اٹھنے کی کوشش -- ذہنی تضادات -- رسوم پرستی کی مخالفت -- یگانہ کی تشکیک اور مذہب اور اعتقادات کے بارے میں ان کے انتہاپسندانہ نقطۂ نظر کا تجزیہ -- یگانہ کی طبیعت میں قناعت اور استغنا -- درباداری اور اس کے لوازمات (قصیدہ گوئی) سے گریز -- حسابِ دوستاں -- بحیثیت خاوند ، باپ اور انسان -- حسنِ معاشرت -- ملازمت کا ریکارڈ -- بحیثیت شاگرد -- بحیثیت استاد -- " یگانہ " ذاتی زندگی میں کردار کی مستقل مزاجی اور شخصیت کے منفرد تیور کی مثال -- حواشی --

باب چہارم - یگانہ کا فن (محرکات و عناصر ترکیبی) 139

معاشی تنگ دستی اور فن کارانہ تجسّس -- تخلیقی وسائل اور متوازن اندازِ فکر -- عدم قبولیت اور نراجیت -- آرٹ، مذہب اور فکر -- شاعری کے منفی رجحانات اور اس کے محرکات -- حریفوں سے معرکہ آرائی -- جاگیردارانہ سماج کے اثرات -- احساسِ محرومی -- سماجی ہنگام اور یگانہ کے لہجے کی کھرج -- حقیقتِ حیات اور اصلِ کائنات کے بارے میں طنزیہ لب و لہجے کے اسباب -- انسان کی عظمت کا احساس اور اس کی اختیاری حدود کا تجربہ -- شاعری کے ڈرامائی عناصر -- پینترے بازی یا پہلوداری -- معین شخصیت کا اظہار -- بلند آہنگی -- انا کا اثبات اور اس کا تزلزل -- بکھراؤ کے باوجود ترتیب -- مخصوص اندازِ فکر -- تصورِ فن -- محاورے کے استعمال سے کَن لگانے کا ہُنر -- زندگی اور فطرت کے حقائق کا بیان -- بہتر

مردانہ -- مزاحمتی رویّہ -- اردو شاعری کی مانوس آوازیں اور یگانہ کا جداگانہ انداز -- انتہا پسندی -- فن، جدوجہد کا استعارہ --

یگانہ کے فکر و فن کی تنظیم میں عرفی اور صائب کا حصہ -- آتش، میر، اور غالب کے اثرات -- شاد کی صحبت -- یگانہ کے فن اور سوچ کے مستقل محور، خدا کا وجود، مذہب کی افادیت، مذہب اور آرٹ، انسان کی مجبوری -- یگانہ کی بے دماغی اور مذہبی آزاد خیالی کا تجزیہ -- ذاتی زندگی میں محبت کے عملی تجربے کی کمی -- ترسنے کی کیفیت -- حسن، صداقت اور حسن، ضمیر کے نئے تصورات -- منقلب ہوتے ہوئے دور کے فرد کے مسائل "شاعری" تنقید حیات -- ہم آہنگ طرز خیال اور مکمل شخصیت -- حواشی --

باب پنجم - یگانہ ایک غزل گو 160

اردو غزل کی روایت اور اس کا مزاج -- اردو غزل کا جذباتی سکول -- یگانہ کی غزل پر لکھنو کے اثرات -- "نشتر یاس" کے حوالے سے یگانہ کی غزل گوئی کا تجزیہ -- "یاس"، لکھنو کی اختیاری غم انگیزی کا غماز -- غزل کے ذہنی و جذباتی منظرنامے میں تبدیلی -- یگانہ کے ذہنی تضادات -- داخلی شخصیت، خارجی ماحول اور یگانہ کی غزل -- حسن و عشق کے بارے میں رویّہ -- کلاسیکیت اور رومانویت، دو بڑے ذہنی اور جذباتی رویّے -- آفاقی اپیل -- مربوط سلسلۂ خیال -- مطلعوں میں تخلص کا استعمال -- ربط، وجدانی اور استفہامیہ انداز -- علم کی حقیقت سے انکار -- درد، مشترک -- غزل کا رجائی آہنگ -- غزل میں عالی ہمتی اور کشاکش، حیات کا اظہار -- محاورے کا استعمال -- "غزل" ایک ذریعۂ اظہار -- حسن و عشق کی مرکزیت سے انکار -- طنزیہ اظہار -- ایمائی اور رمزیہ بیان -- ناپائیداریٔ حیات کا مضمون -- تغزل -- موضوعات -- ڈرامائی عناصر -- فکر اور وجدان کا رچاؤ -- احساس، تنہائی اور زعم، یکتائی -- ایذا طلبی -- تخیلی آزادی -- خبط، مذہب کے خلاف رویّہ -- یگانہ کے یہاں خدا پرستی اور ارادہ پرستی کا مفہوم -- یگانہ کے مقطعے -- حواشی --

باب ششم — یگانہ بحیثیت رباعی نگار 194

رباعی کا فن — رباعی کے اوزان — ماہئیت اور تاریخ — رباعی کے مختلف نام — اردو رباعی کی روایت اور یگانہ کی رباعی — یگانہ کی رباعی کے محرکات — کیفیتِ ہجر کا بیان — ذات کے اظہار کا وسیلہ — احساس تنہائی کا شعر و نغمہ میں ڈھلنا — محبت کا مضمون — رباعی کی اساس ، کیفیت — بلند خیالی اور عمیق فکری — فکر کی درست سمت — حکیمانہ رویّہ — یگانہ کی تشکیک کا تجزیہ ۔ " دل " یگانہ کی رباعیوں کا مرکزی استعارہ — یگانہ کی خود پسندی اور انانیت — یگانہ کی " مزاحیہ " رباعیوں کا تجزیہ — یگانہ کی رباعی پر گیت اور دوہے کے اثرات — ہندی بھاشا اور ٹھیٹ اردو لہجہ — سلینگ کا استعمال — شاعرانہ نقطۂ نظر — فن کا مکمل برتاؤ — حواشی —

باب ہفتم — یگانہ کے ادبی معرکے 220

یگانہ کی لکھنو آمد اور شعری فضا — " نشتر یاس" اور " چراغ سخن " کی اشاعت اور شعرائے لکھنو سے محاذ آرائی کا آغاز — لکھنو کے مشاعروں میں یگانہ کے بارے میں پڑھی جانے والی ہجو — عزیز لکھنوی کے ایک شعر پر یگانہ کی پھبتی — عروض کی بحثیں — یگانہ کی غزل پر اعتراضات — رسالہ " نظارہ " میرٹھ (جولائی 1918ء) میں عزیز لکھنوی کے کلام پر یگانہ کے پچھتر اعتراضات — یگانہ کے لہجے کی جارحیت کے محرکات — لکھنو اور بیرونِ لکھنو مشاعروں میں یگانہ کا بائیکاٹ — انجمن معیارِ ادب لکھنو کے متوازی انجمن خاصانِ ادب لکھنو — یگانہ کا اظہارِ فضیلت — " شہرت کا ذبہ المعروف بہ خرافات عزیز " کی اشاعت اور یگانہ کی " اودھ اخبار " لکھنو سے برطرفی — شعرائے لکھنو اور غالب کومپلیکس — غالب اور یگانہ کا اشتراک ذہنی — غالب کے بارے میں یگانہ کے مضامین کا تجزیہ اور غالب دشمنی کی حقیقت ۔ " محاسنِ کلام غالب " کی اشاعت اور یگانہ کا رد عمل — ترانہ کی " مزاحیہ " رباعیاں ۔ مخالفانہ رد عمل — غالب شکنی کے عوامل اور " غالب شکن " کی شان نزول — "غالب شکن " یا غالب کے طرف دار — یگانہ بنام غالب کی مثل کا داخل دفتر ہونا —

اقبال اور یگانہ — ادب آموز کا جارحانہ لہجہ — ادب آموز کی حقیقت ۔

" شعرائے حال میں یگانہ کا درجہ " -- " ادب خبیث " کی بحث -- دبی چنگاریاں۔
حواشی --

باب ہشتم - متفرق شعری تخلیقات اور نثری تحریریں (فنی جائزہ) 273

اظہار کے روایتی اور غیر روایتی سانچے -- قطعات -- سہرا -- مثلث -- نعت -
نظم -- فارسی شاعری -- ترجمہ -- تنقیدی و تحقیقی مضامین -- جوابی مضامین
-- مختلف شعرا کے کلیات میں کتابت کی غلطیوں کی اصلاح سے متعلق مضامین --
تبصرے -- اشتہار نما مضامین -- تاریخی مضامین -- مذہبی مضامین -- علمی
مضامین -- انشائی مضامین -- لسّانی موضوعات -- سوانحی تحریریں -- ترجمہ
-- خطوط -- حواشی --

باب نہم - یگانہ کی مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کا اجمالی جائزہ 336

باب دہم - یگانہ کے غیر مدّون کلام اور متفرق تخلیقات پر ایک نظر 366

باب یاز دہم - یگانہ کا پیرایۂ زبان و بیان 392

شاعری ایک وحدت -- تغزل، اردو شاعری میں اظہار کا مقبول ترین پیرایہ --
یگانہ کا لہجہ -- غیر عشقیہ واردات کے اظہار کا پیرایہ -- متروک اور مہنّد لفظوں
کا استعمال -- ناسخ کے اصلاحِ زبان کے ضابطے اور یگانہ کا انحراف -- اردو شاعری
کا رخ ٹھیٹھ اردو محاورے اور زبان کی طرف -- طاقت اور توانائی سے بھرپور لہجہ -
محاوروں کا مخصوص استعمال، ہنر اور عیب کی صورت -- محاورہ، خیال اور معنی
کی ترسیل کا ذریعہ -- ٹھیٹھ اردو کا استعمال -- زبان کا وسیع تر تصور --
نظم معرّیٰ اور نظم آزاد کی نئی لسّانی تشکیلات کے مقابل غزل میں ٹھیٹھ اردو
کے الفاظ کا استعمال -- یگانہ کی شعری زبان کی ثانوی خصوصیات -- ضرب الامثال،
کہاوتوں اور روزمرہ کا استعمال -- رمزیت -- استعارے اور علامت کا استعمال --
تمثیلی پیرایۂ بیان -- کیفیت میں ڈوبی ہوئی زبان -- حواشی --

باب دو از دهم ۔	یگانہ کی ادبی و شاعرانہ قدر و قیمت کا تعین	412

یگانہ کی جستجو ۔۔ بھرپور ڈرامائی انداز کے ساتھ غزل کے احیاء کی کوشش ۔۔ معرکہ آرائی کے سبب مفید تبدیلیاں ۔۔ جدید نقادوں کی آرا ۔۔ یگانہ کی فیصلہ کن بحثیں ۔۔ یگانہ کی شاعری کا منظر انداز کیا جانا ۔۔ مغلیہ تہذیب کے آخری نقاد ۔۔ نیا ترانۂ شوق ۔۔ یگانہ رد کئے جانے سے قبولیت تک ۔ جدید اردو شعراء پر یگانہ کے اثرات ۔۔ اردو غزل کا تیسرا نام؟ ۔۔ یگانہ کی شاعری، بیسویں صدی کے فرد کی ذہنی کیفیات اور منفی رد عمل کی ترجمان ۔۔ یگانہ اور معاصرین ۔۔ جدید غزل کا ذہنی افق اور یگانہ کی غزل ۔۔ یگانہ اور جدید ترین نسل ۔۔ یگانہ کی غزل کا مستقبل ۔۔ حواشی ۔۔

ضمیمہ نمبر1	مشاعروں میں پڑھی جانے والی یگانہ کی غزلیں/ قطعہ/ مثلث	438
ضمیمہ نمبر2	یگانہ کی بیاضیں (نمونہ) (قلمی)	445
ضمیمہ نمبر3	یگانہ کا قطعہ تاریخ (قلمی)	447
ضمیمہ نمبر4	یگانہ کی اولاد کی تفصیل ولادت (قلمی)	448
ضمیمہ نمبر5	روزنامہ " قومی آواز " لکھنو ، صبح اڈیشن (اڈیٹر حیات اللہ انصاری) اشاعت یکم اپریل 1953ء ، جلد 8 نمبر (89)	449
ضمیمہ نمبر6	خطوط یگانہ بہ نام یگانہ بیگم (غیر مطبوعہ)	450
ضمیمہ نمبر7	خطوط یگانہ بہ نام دوارکاداس شعلہ، مسعودحسن رضوی ادیب، بلنداقبال، آغا جان، شیخ انصار حسین، باقر حسین رضوی (غیر مطبوعہ)	454
ضمیمہ نمبر8	جوش ملیح آبادی کا خط بہ نام یگانہ (غیر مطبوعہ)	464
ضمیمہ نمبر9	اپنا کیریکٹر (قلمی)	465
ضمیمہ نمبر10	دوارکاداس شعلہ اور راغب مرادآبادی کے کلام پر اصلاحیں (قلمی)	467
ضمیمہ نمبر11	کلیات صائب کی جلد کے اوراق پر یگانہ کی تحریریں (قلمی)	469
ضمیمہ نمبر12	" گنجینہ " میں کتابت کی غلطیوں کے کلفذات (قلمی)	471
کتابیات		475

تحقیقی مقالہ 'کہنے' کی چیز نہیں، 'کچھ' ثابت کر کے دکھانے کی چیز ہے۔

[illegible]

(دیباچہ)

حدیث دل

مقالے کی تکمیل کے بعد جب یہ سطریں لکھنے بیٹھا ہوں تو اک گونہ اطمینان کے باوجود ایک خلش سی محسوس کر رہا ہوں کہ شاید میں وہ سب کچھ کہہ نہیں پایا جو کہنا چاہتا تھا یہ جانتے ہوئے بھی کہ

ع کون دنیا میں کہہ سکا ہے

میرزا یگانہ کی شخصیت اور فن پر مقالہ لکھنے کا خیال مجھے 1979ء میں آیا جب ایم اے کے امتحان کے لئے مقالہ نگاروں کا زبانی امتحان لینے کی غرض سے جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری ملتان یونیورسٹی تشریف لائے۔ وہ یگانہ کی شخصیت اور فن پر تحقیقی کام کرانے کے لئے کسی مناسب آدمی کی تلاش میں تھے۔ یہ ان کا حسن ظن تھا کہ انہوں نے مجھے یگانہ پر مقالہ لکھنے کی دعوت دی۔ میں نے فوراً حامی بھر لی وجہ یہ تھی کہ شاعری سے مجھے ایک قلبی مناسبت رہی ہے اور میں گذشتہ بارہ سال سے یونیورسٹی میں شاعری کا پرچہ پڑھا رہا ہوں۔

آغاز کار سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ یگانہ کی شخصیت اور فن تحقیق کرنے والوں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں " غالب شکن " یگانہ سے تو ضرور واقف تھا مگر " غالب شکنی " کے اصل محرکات سے بے خبر تھا۔ اسی طرح یگانہ کی شخصیت کے بعض دیگر متنازعہ پہلوؤں سے بھی ناآشنا تھا۔

یگانہ پر تحقیقی کام کا آغاز کرنے کے لئے پہلا مرحلہ مواد کی دستیابی کا تھا۔ خاص کر یگانہ کی تصانیف اور ان کے مختلف ایڈیشن کی تلاش ایک دشوار عمل تھا کیونکہ یہ سب عرصۂ دراز سے نایاب ہیں۔ بہرحال میں نے اللہ کا نام لے کر یگانہ پر مواد جمع کرنے کا آغاز کیا۔ خوش

خطوط اور مسودات تک رسائی ہو گئی۔ لیاقت لائبریری کراچی سے عندلیب شادانی کی فروخت شدہ کتب میں سے بعض مطلوبہ نایاب کتب حاصل ہو گئیں۔ پروفیسر لطیف الزماں خاں کا نادر کتب خانہ بھی میرے لئے نعمت بے بہا ثابت ہوا اور میں نے مقالے کا خاکہ اور کتابیات مرتب کر کے یونیورسٹی میں جمع کرا دیا۔ اس طرح 1983ء میں مجھے " میرزا یگانہ ۔ شخصیت اور فن " کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھنے کی باقاعدہ اجازت مل گئی ۔ میری خواہش اور درخواست پر اس مقالے کے محرک اوّل جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری نگران مقرر کئے گئے اور یوں میں نے ان کی رہنمائی میں تحقیق کے زینے پر پہلا قدم رکھا۔

ملتان میں رہتے ہوئے یگانہ کے بارے میں تمام ضروری مواد جمع کرنا ناممکن تھا چنانچہ اس کے لئے میں نے کراچی ، لاہور اور بعض دوسرے مقامات کے سفر کئے۔ کراچی کے قومی اور ذاتی کتب خانوں سے نہایت قیمتی مواد ہاتھ آیا ، اس سلسلے میں نیشنل میوزیم کراچی ، بیدل لائبریری ، کتب خانہ انجمن ترقیٔ اردو ، کتب خانہ اردو لغت بورڈ وغیرہ بہت نمایاں ہیں۔ ذاتی کتب خانوں میں مشفق خواجہ اور حمید الدین شاہد صاحب کے ذخیروں سے مجھے خاص طور پر ایسے نوادر ہاتھ آئے جو کہیں اور دستیاب نہ تھے۔ کراچی میں یگانہ کے اعزا و احباب نے بھی فراخ دلی سے میری مدد کی ان میں بلند اقبال (یگانہ کی بڑی صاحب زادی) آغا جان (یگانہ کے بڑے صاحب زادے) پروفیسر شیخ انصار حسین اور باقر حسنین رضوی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

کراچی کے بعد میں نے لاہور اور راولپنڈی کی لائبریریوں کا رخ کیا۔ پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی وساطت سے مجھے پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور پبلک لائبریری لاہور سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا۔ جناب خلیل الرحمان داؤدی نے اپنے کتب خانے سے " صحیفہ " اٹاوہ کا نایاب شمارہ عنایت کیا۔ سید انصار ناصری سے ملاقات کے لئے میں راولپنڈی گیا انہوں نے " صلائے عام " دھلی کی مضبوط جلدیں کھلوا کر مجھے یگانہ کے ان تمام مضامین کی نقول عطا کیں جو بیسویں صدی کی دوسری دھائی میں " صلائے عام " میں شائع ہوئے تھے۔

مقامی طور پر ڈاکٹر طاہر تونسوی کی وساطت سے ڈاکٹر نیر مسعود تک بذریعہ مراسلت رسائی ہوئی انہوں نے چند ایسے رسائل مجھے ارسال کئے جن میں یگانہ پر مضامین شائع ہوئے تھے یا یگانہ کے فن پر خصوصی گوشے مخصوص کئے گئے تھے۔ میرے بعض استفسارات کے جوابات بھی انہوں نے تفصیل سے دئیے اور بعض قیمتی اطلاعات فراہم کیں۔

پاکستان میں جناب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ، جناب مجتبیٰ حسین ، جناب ڈاکٹر سجاد باقر رضوی ، جناب شمیم احمد ، جناب نظیر صدیقی اور جناب ڈاکٹر سلیم اختر سے مل کر بھی میں نے

بہت کچھ حاصل کیا۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے مجھے یگانہ کی کتابیں " چراغ سخن " طبع دوم اور " غالب شکن دو آتشہ " کی نقول فراہم کیں۔

اس طرح یگانہ کی شخصیت اور فن سے متعلق ایک بڑا ذخیرہ میرے پاس جمع ہو گیا اس ذخیرے کو اپنی سہولت کے مطابق ترتیب دینے کے بعد میں نے مقالہ لکھنے کا آغاز کیا اور بے تکان لکھتا چلا گیا۔ بعد میں تسوید کا کام تقریباً ایک سال میں مکمل ہو گیا۔

ضمیموں کے علاوہ اس مقالے میں کل بارہ ابواب ہیں۔ پہلا باب چار حصوں پر مبنی ہے جس میں یگانہ کی زندگی اور شخصیت کو سیاسی و سماجی، تہذیبی و تمدنی، فکری و مذہبی اور علمی و ادبی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے حصے میں سیاسی و سماجی تناظر میں 1857ء کو حد امتیاز مان کر بات شروع کی گئی ہے اور بیسویں صدی کی متصادم تحریکوں اور متضاد نظریات کی طرف اشارے کر کے یگانہ کے سیاسی شعور کو موضوع بنایا گیا ہے، خاص طور پر تحریک خلافت کی ناکامی کے اثرات پر بحث کر کے ہندوستان کے مایوس طبقے کی ذہنی کیفیات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں یگانہ کے عہد کو تہذیبی و تمدنی پس منظر میں دیکھا گیا ہے اور خاص طور پر عظیم آباد اور لکھنو کی تاریخی، تہذیبی اور تمدنی روایات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس حصے میں بیسویں صدی کے آغاز میں لکھنو پر منڈلانے والی فلاکت کے نتیجے میں متاثر ہونے والی زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں فکری و مذہبی حوالے سے یگانہ کے عہد کا جائزہ لیا گیا ہے اور شاہ ولی اللہ کے دستورالعمل اور تحریک جہاد سے لے کر انیسویں صدی کی اصلاح احوال کی دو بڑی تحریکوں " برھمو سماج تحریک " اور " علی گڑھ تحریک " کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے اور مذہبی معاملات میں عقل پسندی کے عمل دخل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مرزا غلام احمد قادیانی کے نظریات، جدید علم الکلام، ندوۃ العلما، معارف، دارالمصنفین، دارالعلوم دیوبند، فرنگی محل، درس نظامی اور لکھنو کے خاندان اجتہاد کے عام زندگی پر اثرات کا جائزہ لے کر ان تمام فکری و مذہبی آثار و افکار کے اثرات یگانہ کے کلام پر تلاش کئے گئے ہیں۔ علمی و ادبی تناظر میں یگانہ کے عہد کو دیکھتے ہوئے جدید علوم و فنون کی درس گاہوں کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کی صحافت کے کردار کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ادبی حوالے سے رسالہ " مخزن " لاہور کی رومانوی تحریک، " انجمن ترقی پسند مصنفین " اور حلقۂ ارباب ذوق " کے اثرات کا تجزیہ کر کے یگانہ کے رد عمل کو ظاہر کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں یگانہ کی سوانحی زندگی کو زمانی ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس باب

سوانحی مضامین سے مدد لی گئی ہے اور خصوصی طور پر یگانہ کی صاحب زادی بلند اقبال سے یگانہ کی نجی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ اس باب میں پاکستان میں یگانہ کی آمد ، گرفتاری اور زائد قیام کے مسئلے کی اصل حقیقت بعض اہم دستاویزی حوالوں سے واضح کی گئی ہے۔ باب کے آخر میں یگانہ کی دماغی حالت کا تجزیہ کیا گیا ہے اور لکھنو میں ان کے خلاف مسلم ہجوم کی متشددانہ یورش اور اس کا حقیقی پس منظر واضح کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں یگانہ کی شخصیت اور کردار کو موضوع بنایا گیا ہے اس باب میں اہل لکھنؤ کی اجتماعی نفسیات کے حوالے سے لکھنو کے بااثر علمی و ادبی حلقے سے علیحدگی کے نتیجے میں پنپنے والی یگانہ کی مثالی انا اور ان کی انتہاپسندی کا تجزیہ کیا گیا ہے اور ان کی " بیگانہ روی " پر بحث کی گئی ہے۔ اسی باب میں یگانہ کے ذہنی تضادات، تشکیک، مذہب اور اعتقادات کے بارے میں ان کے انتہاپسندانہ نقطۂ نظر کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے آخری حصے میں یگانہ کی بعض معاشرتی حیثیتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

چوتھا باب یگانہ کے فن کے محرکات و عناصر ترکیبی پر مبنی ہے اس باب میں یگانہ کے فن کارانہ تجسس کے حوالے سے ان کی شاعری کے مثبت اور منفی رجحانات اور اس کے محرکات پر بحث کی گئی ہے اور ان کے طنزیہ لب و لہجے کے اسباب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یگانہ کے فکر و فن کی تنظیم میں عرفی ، صائب، میر، آتش، غالب اور شاد کے اثرات کا جائزہ بھی اس باب میں شامل ہے، یگانہ کی بے دماغی اور مذہبی آزاد خیالی کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔

پانچویں باب میں یگانہ کی غزل گوئی کا جائزہ لیا گیا ہے اور یگانہ کی داخلی شخصیت اور خارجی ماحول کے حوالے سے یگانہ کی غزل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ غزلوں میں حسن و عشق کے بارے میں ان کے رویے، مربوط سلسلۂ خیال ، مطلعوں میں تخلص کا استعمال ، استفہامیہ انداز، رجائی آہنگ اور محاورے کے استعمال کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ یگانہ نے غزل کو ایک ذریعۂ اظہار بنایا تھا۔ اسی باب میں یگانہ کے طنزیہ اظہار، ایمائی اور رمزیہ بیان ، تغزل ، ڈرامائی لب و لہجے اور فکر اور وجدان کے رچاؤ جیسے عناصر پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ یگانہ کے احساس تنہائی اور زعم یکتائی کا تجزیہ بھی اس باب میں شامل ہے۔ آخر میں یگانہ کی غزلوں کے مقطعوں کے حوالے سے ان کے بعض ذاتی رجحانات کا اندازہ لگایا گیا ہے۔

چھٹے باب میں یگانہ کی رباعیوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے موضوعات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ رباعی کے حوالے سے یگانہ کے حکیمانہ رویے، تشکیک، خودپسندی اور انانیت کا تجزیہ بھی اس باب میں شامل ہے آگے چل کر یگانہ کی " مزاحیہ " رباعیوں کا جائزہ بھی لیا

گیا ھے۔ آخر میں یگانہ کے شعری اظہار پر بحث کی گئی ھے اور انھوں نے رباعیوں میں جس ٹھیٹھ اردو لہجے اور زبان کو برتا اس پر اظہار خیال کیا ھے۔

ساتواں باب یگانہ کے ادبی معرکوں کی تفصیل پر مبنی ھے یگانہ کی معرکہ آرائیوں کی یہ تفصیل پہلی بار وضاحت سے منظر عام پر آ رھی ھے۔

آٹھویں باب میں یگانہ کی متفرق شعری تخلیقات اور نثری تحریروں کا فنی جائزہ لیا گیا ھے۔ اس باب کی قابل ذکر خصوصیت یہ ھے کہ راقم نے یگانہ کے مجموعی طور پر ستّر سے زیادہ نثری مضامین (بعض مضامین اقساط میں شائع ھوئے) مختلف رسائل اور کتب سے تلاش کر کے ان کی نثر نگاری کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ھے۔ یگانہ کے تحقیقی نوعیت کے مضامین اور لسانی موضوعات پر مبنی مضامین خاص طور پر اھم ھیں ان مضامین کے منظر عام پر آنے سے یگانہ کے فن کی ایک مضبوط جہت سامنے آ سکتی ھے اگر " اشارۂ توفیق غائبانہ " ھوا تو انشاء اللّٰہ بہت جلد یگانہ کے مضامین کا ایک موثر انتخاب شائع ھو سکے گا۔ اس باب میں الگ سے یگانہ کے غیر مطبوعہ خطوط کے حوالے سے ان کے فن اور شخصیت کے بعض گوشوں پر بھی بحث کی گئی ھے۔

نواں باب یگانہ کی مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کے اجمالی جائزے پر مبنی ھے اس باب میں یگانہ کی مطبوعہ تصنیفات کے مختلف ایڈیشنوں کے حوالے سے یگانہ کی فکر کے ارتقاء کو ظاھر کیا گیا ھے اور گاھے گاھے یگانہ کی غیر مطبوعہ بیاضوں سے بھی مدد لی گئی ھے۔

دسواں باب تحقیق کے باب میں بہت اھمیت کا حامل ھے اس میں یگانہ کے غیر مطبوعہ غیر مدوّن کلام اور متفرق تخلیقات پر نظر ڈالتے ھوئے اسے تمام ضروری حوالوں کے ساتھ مرتب کیا گیا ھے۔

گیارھویں باب میں یگانہ کے پیرایۂ زبان و بیان پر روشنی ڈالی گئی ھے۔ یگانہ نے اردو شاعری کا رخ جس طرح ٹھیٹھ اردو محاورے اور زبان کی طرف موڑا اس باب میں اس کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ھے۔ اس سلسلے میں میرا استدلال یہ ھے کہ نظم معریٰ اور نظم آزاد کی نئی لسانی تشکیلات کے غلغلے کے مقابل یگانہ نے شعوری طور پر غزل اور رباعی میں ٹھیٹھ اردو کے الفاظ کے استعمال کو فروغ دیا تاکہ غزل کی زبان کی نئی لغت تشکیل پا جائے۔ اس زبان کے امکانات کو بعد میں فراق نے روشن تر کیا۔ اس باب میں یگانہ کی محاورہ دانی کا جائزہ بھی لیا گیا ھے اور ان کی شعری زبان کے جملہ اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ھے۔

آرائیوں کے سبب اردو شاعری میں رونما ہونے والی مفید تبدیلیوں کے حوالے سے یگانہ کی ادبی حیثیت کا تعین کیا گیا ہے، یگانہ کی شاعری کے نظر انداز ہونے سے قبول عام تک کی روداد کا تجزیہ بھی اس باب میں کیا گیا ہے۔ یگانہ اورمعاصرین کی غزل کے موازنے کے علاوہ جدید تر غزل اور جدید تر نسل کے مزاج اور یگانہ کی غزل اور مزاج کے اشتراک باہمی کو ظاہر کر کے یگانہ کی غزل کے مستقبل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مقالے کے آخری حصے میں بارہ ضمیموں کو مرتب کر کے یگانہ کی زندگی اور فن کے بعض ناگزیر حوالوں اور ضروری کوائف کو پہلی مرتبہ منظر عام پر لایا گیا ہے۔

یگانہ کی شخصیت اور فن پر مقالہ لکھتے ہوئے میں نے اپنی پوری توجہ اس امر پر مرکوز رکھی ہے کہ یگانہ کی ذات اور فن کا کوئی گوشہ نظر انداز نہ ہونے پائے۔میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ یگانہ کی شخصیت کے حوالے سے ان کے فن اور ان کے فن کے ناتے سے ان کی ذات کا سراغ لگاؤں۔

اس مقالے کی تیاری میں متعدد افراد اور اداروں نے میری فراخ دلانہ مدد کی ہے ان سب کا مختصراً ذکر دیباچے کی ابتدا میں کر چکا ہوں لیکن تشکر و سپاس کا فریضہ رہ گیا ہے۔ میں جناب مشفق خواجہ، جناب خواجہ حمیدالدین شاہد ، محترمہ بلند اقبال ، جناب آغا جان ،جناب پروفیسر شیخ انصارحسین ، جناب باقر حسنین رضوی ، جناب مرزا ظفرالحسن (مرحوم) ، جناب کمال الدین احمد (انچارج مخطوطات نیشنل میوزیم کراچی) ، جناب پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمدزکریا ، جناب خلیل الرحمان داؤدی ، جناب سید انصار ناصری ، جناب ڈاکٹر نیر مسعود ، جناب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ، جناب مجتبیٰ حسین ، جناب ڈاکٹر سجاد باقر رضوی ، جناب شمیم احمد ، جناب نظیر صدیقی اور جناب ڈاکٹر سلیم اختر کا تہہ دل سے احسان‌مند ہوں کہ انہوں نے اس کام میں میری مخلصانہ مدد فرمائی۔

میں اپنی جامعہ کے وائس چانسلر جناب ڈاکٹر محمد نذیر رومانی کا دل کی گہرائیوں سے شکرگزار ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً مجھ سے میرے مقالے کے بارے میں استفسار فرما کر مجھے جلد از جلد مقالہ مکمل کرنے کی تلقین کی۔ میری فیکلٹی کے ڈین جناب ڈاکٹر خواجہ امتیاز علی نے ہر مرحلے پر میرا حوصلہ بڑھایا میں ان کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ جناب ڈاکٹر ممتاز حسین بخاری ، ڈین فیکلٹی آف سائنس کا بھرپور تعاون مجھے حاصل رہا ان کا شکریہ ادا کرنا بھی مجھ پر واجب ہے۔

میرے قابل احترام اساتذہ میں جناب پروفیسر ڈاکٹر اے بی اشرف، جناب پروفیسر سیّد صفدر

اساتذہ، جناب ڈاکٹر اسد اریب، جناب پروفیسر اسلم انصاری، جناب ڈاکٹر منہاج الدین اور جناب پروفیسر سیّد افتخار حسین شاہ نے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔ میں ان کا ممنون احسان ہوں۔

جناب عرش صدیقی کو میں اپنے استاد کا مقام دیتا ہوں انہوں نے ہمیشہ مجھے اپنا فرض یاد دلایا ان کی پیار بھری ڈانٹ نے میرے لئے "عمل انگیز" کا کام کیا ہے میں ان کے لئے بھی سراپا سپاس ہوں۔

میرے احباب میں پروفیسر لطیف الزماں خاں، ڈاکٹر انوار احمد، ڈاکٹر طاہر تونسوی، ڈاکٹر محمد امین، پروفیسر حسین سحر، ڈاکٹر عبدالرؤف شیخ اور جاوید اختر بھٹی نے مجھے مقالے کے سلسلے میں نہایت قیمتی مشورے دئیے اور مواد کی فراہمی میں معاون ہوئے میں ان سب کا شکرگزار ہوں۔

میرے عزیز ترین دوست زاہد حسین زاہد کی وجہ سے کراچی کے فاصلے سمٹ گئے تھے، وہ میرے لئے خضر راہ ثابت ہوئے، ان کا بے حد شکریہ

میری عزیز شاگرد مسرت حفیظ نے مجھے یگانہ سے متعلق بہت سا مواد ارسال کیا اسی طرح میرے عزیز شاگرد محمد جاوید بلوچ نے مقالے میں ٹائپ کی غلطیاں درست کرنے میں میری مدد کی میرے تمام شاگردوں کی دعائیں میرے شامل حال رہیں ان سب کی جگہ میرے گوشۂ دل میں ہے۔

مجھے ہمیشہ فخر رہے گا کہ جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری جیسی شفیق، مہربان اور سایہ دار شخصیت کی رہنمائی اور قربت مجھے حاصل رہی۔ اس مقالے کے موضوع کے انتخاب سے لے کر آخری سطر تک تمام مراحل میں ان کی رہنمائی اور مشورہ شامل ہے۔ میں ان کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔

میں اس موقع پر اپنی بیوی ریحانہ اور اپنی پیاری بیٹیوں عمارہ، وردہ، تشبیہہ اور تلمیح کا بھی بطور خاص شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے مجھے گھر میں ہر طرح کی سہولت اور رعایت دی۔ میری مراد بیوی کی فرمائشوں اور بچیوں کی شرارتوں میں کمی سے ہے۔

میں اپنے شعبے کے سنئیر سٹینوگرافر، جناب محمد جمیل قریشی کا بھی شکرگزار ہوں جنہوں نے بڑی محنت اور محبت سے اس مقالہ کو بروقت ٹائپ کر کے مجھے سرخرو کیا۔ محمد نوشاد غضنفر (لائبریری اسسٹنٹ، انسٹی ٹیوٹ آف بیالوجی) بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے مقالے کی فوٹو کاپیاں نہایت احتیاط سے تیار کیں۔

آخری سطور لکھتے ہوئے مجھے اپنا مرحوم دوست طارق بشیر جامس بے طرح یاد آ رہا ہے۔ وہ جو میرے وجود کو ہمیشہ کے لئے کھوکھلا کر گیا اور جس کے ڈوبتے بدن کا ہاتھ میں دیکھ پاتا تو اپنی جان پر کھیل کر بھی اسے بچا لیتا۔ اسی کے ایک شعر پر اس "حدیث دل" کو ختم کرتا ہوں

دوست بچھڑیں گے سگے بھائی جدا ہو جائیں گے
گھر سے نکلو گے تو سب رشتے ہوا ہو جائیں گے

نجیب جمال
(نجیب الدّین جمال)
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبہ ادبیات اردو

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی
ملتان، 21 جولائی 1988ء

باب اوّل

یگانہ کا عہد اور اس کا وسیع تر سیاسی و سماجی ، تہذیبی و تمدنی ، فکری و مذہبی اور علمی و ادبی پسمنظر

==================================

یگانہ کا زمانہ (1884 - 1956ء) -- انیسویں صدی اور شعری طرز احساس -- بیسویں صدی اور اردو غزل -- جنگ آزادی اور منہدم ہوتی ہوئی تہذیب کے ملبے سے نئی تہذیب کا جنم -- مشینی انقلاب کے اثرات -- غزل کی حیات نو -- یگانہ کا سیاسی شعور -- انڈین نیشنل کانگریس کی تشکیل -- تقسیم بنگال اور اس کی تنسیخ -- انجمن خادمان ہند -- سیوا سمتی -- سودیشی تحریک -- سوشل سروس لیگ -- تحریک خلافت -- عدم تعاون کی تحریک کا خاتمہ -- مایوس طبقے کی سوچ -- ہندوستان کی سیاست کے بارے میں یگانہ کا رد عمل -- سیاسی حالات کے اثرات سماجی زندگی پر -- پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں بے روزگاری ، مہنگائی ، بھوک اور مفلسی -- اشتراکی فلسفۂ حیات کی کشش -- سماجی گھٹن ، احساس مغائرت ، تنہائی ، معاشی بدحالی ، مشکوک مستقبل اور غیر مطمئن حال -- مشترکہ خاندانی نظام کا شیرازہ بکھرنا --

عظیم آباد اور لکھنو کی تاریخی ، تہذیبی اور تمدنی حیثیت -- لکھنو ، ایک انتہائی دل فریب تہذیب کا مرکز -- لکھنو کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کے خاص پہلو -- لکھنو کے شرفاؑ کی وضع داریاں -- دستخواں کے آداب -- تفریحی مشاغل -- تعیش پسندی -- شاہدان بازاری کی کثرت -- ڈیرہ دار طوائفیں -- تعزیہ اٹھانا -- عشرۂ محرم اور چہلم کی دھوم اور لکھنو کی تہذیبی زندگی -- خوشی اور غمی کی رسمیں -- چکن اور کامدانی کی تہذیب -- لکھنو کی ایجادات و اختراعات -- تہذیبی اور تمدنی زندگی کا عروج -- واجد علی شاہ کی معزولی اور سماجی شیرازے کا انتشار -- بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیاں اور لکھنو -- دیوار چمن کی خستگی --

اورنگ زیب کی وفات کے بعد مسلمانوں کا مجروح تشخص اور شاہ ولی اللّٰہ کے نظریات -- وجودیاتی اور مظہریاتی احدیت میں اشتراک کا تصور -- مسلم تشخص کے لئے یکجہتی اور آزادئ فکر کے لئے اجتہاد کی اہمیت -- تحریک جہاد -- انیسویں صدی میں

کی مطابقت -- سرسید پر شاہ ولی اللہ کے اثرات کا تجزیہ -- مرزا غلام احمد قادیانی کے نظریات -- جدید علم الکلام -- ندوۃ العلماء لکھنو -- " معارف" لکھنو -- دارالمصنفین ، اعظم گڑھ -- دارالعلوم دیوبند -- فرنگی محل، لکھنو اور درس نظامی -- لکھنو کا خاندان اجتہاد -- مذکورہ مذھبی اداروں کے یگانہ کی زندگی اور فن پر بالواسطہ یا بلاواسطہ اثرات --

1857ء کے بعد فکر و علمی افلاس کا تجزیہ -- " علی گڑھ تحریک " اور " برھمو سماج تحریک " کی تحصیل علوم عقلیہ کی طرف توجہ -- سوسائیٹیوں ، مدرسوں اور کالجوں کا قیام، اخبارات اور رسائل کا اجرا -- " دھلی کالج " کے قیام کے مقاصد - کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیوں کا قیام -- دارالعلوم (1867ء) ، اورینٹل کالج لاھور(1870ء) ، محمڈن اینگلو اورنٹل کالج (1877ء) ، آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (1886ء) کی تاسیس -- تہذیب الاخلاق (1870ء) کا اجرا -- جامعہ عثمانیہ (1917ء)، دارالترجمہ (1917ء) اور جامعہ ملّیہ اسلامیہ (1920ء) کا قیام -- بیسویں صدی کی ذھنی بیداری میں اخبارات کا کردار -- علمی و ادبی ماحول کا یگانہ کی ذھنی تربیت میں حصہ -- ھیت کے نت نئے تجربات -- بیسویں صدی کا طرز احساس اور شعری اظہار -- مربوط اظہار کی ضرورت اور نظم کا فروغ - غزل کی آزمائش کا وقت -- اردو غزل کی تربیت کا نیا انداز -- رسالہ مخزن -- ادب میں واقعیت اور عقلیت کے پہلو بہ پہلو تخیلیت اور رومانیت کا فروغ -- مغرب کے زیر اثر نتیجہ خیز نظموں کا رواج -- جدید نظم نگاری کی تحریک -- شعری اسالیب میں تبدیلیاں -- " انجمن ترقی پسند مصنفین " کا قیام(1936ء) اور مقاصد -- سماجی اور تاریخی واقعیت پر مبنی بیانیہ ادب کی اھمیت -- " حلقۂ ارباب ذوق " -- آزاد نظم کی قبولیت -- ادب کی جمالیاتی قدروں پر زور -- آزاد تلازمات اور ھیت کے تجربوں کا رواج -- یگانہ کا رد عمل -- شاعری میں قافیے کی ضرورت اور غزل کی حمایت میں یگانہ کے مضامین -- بیسویں صدی کی اردو شاعری میں عالی حوصلگی اور ضمیرداری کا فروغ -- یگانہ کی شاعری میں بیسویں صدی کے فرد کی نفسی الجھنوں اور کشاکش حیات کی تفہیم -- حواشی --

یگانہ(1884-1956ء) کی ذھنی نشو و نما کا پس منظر ھندوستان کا انیسویں صدی کا آخری اور بیسویں صدی کے نصف اوّل کے کچھ بعد تک کا دور ھے۔ انیسویں صدی مسلمانوں کے لئے مجموعی طور پر زوال اور انحطاط کی صدی تھی۔ ھوتا آیا ھے کہ ھر زوال کا دور اپنے جلو میں پراسراریت سمیٹے ھوئے ھوتا ھے چنانچہ اس دور کے ادب اور شاعری میں ایک تحیر آمیز اور رنگین طرز احساس تسلسل کے ساتھ نظر آتا ھے۔ تاھم انیسویں صدی کے نصف آخر میں پیدا ھونے والی نسل کے یہاں روایتی اسلوب کے ساتھ نئے زمانے کا تجزیاتی شعور بھی ملتا ھے اور یہ غالباً اس ذھنی انقلاب کا اثر تھا جو انیسویں صدی کی کوکھ سے جنم لے کر بیسویں صدی کی پوری زندگی پر محیط ھو گیا تھا اور غزل گوئی پر خصوصاً اثر انداز ھو رھا تھا۔

اردو غزل کو ھمیشہ سے پوری اردو شاعری کے قائم مقام ھونے کا مرتبہ حاصل رھا ھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں غزل کے روایتی اجزا کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ مراجعت کا یہ سفر ابھی جاری تھا کہ غزل نے نئے فکری اور سماجی عمل کے ذریعے اپنے بے رنگ خاکے میں رنگ بھرا اور یہ ایک بار پھر تہذیبی رجحانات کو سمیٹ کر معاشرتی حقیقتوں اور سیاسی و سماجی تقاضوں کو موضوع بنانے لگی۔ اس اعتبار سے حسرت اور اقبال کے بعد یگانہ کی غزل کا مطالعہ ایک نئی جہت کا پتہ دیتا ھے۔

یگانہ کے عہد کو سیاسی و سماجی تناظر میں دیکھئیے تو 1857ء کی جنگ آزادی کو

جب غدر کا نام دیا گیا تو ہر شعبۂ زندگی پر زوال کے نمایاں اثرات مرتب ہوئے اور اس کے زیر اثر برعظیم کی زندگی کا سیاسی ، سماجی ، تہذیبی ، تمدنی ، مذہبی ، علمی اور ادبی منظرنامہ برابر تبدیل ہوتا رہا۔ آخر کار جنگِ آزادی کے بعد ہندوستان میں ایک منہدم تہذیب کے ملبے سے ایک نئی تہذیب نے جنم لیا اور یگانہ نے اسی نئے ماحول کی منافقانہ زندگی کا تجربہ کیا تھا اور مذہب سے لے کر سیاست تک بدلتے ہوئے رویّوں کو بھانپ کر ان کا اصل چہرہ دکھانے کی کوشش کی تھی۔ خود شناسی ، زندہ رہنے کا عزم، ذاتی کردار کی بلندی اور اجتماعی ضمیر کی بیداری جیسے عناصر یگانہ کے زمانے کی ضرورتیں تھیں۔ یگانہ کے یہاں ایذاطلبی اور زور آزمائی کا انداز گہرے انسانی المیوں کے ادراک کے باوجود زندگی کرنے کی خواہش کا پتہ دیتا ہے۔ وہ ایک ایسے زمانے میں زندہ تھے " جس میں سماجی شیرازہ بندی کے بکھر جانے سے کسی قدر کا تعین مشکل تھا۔ " (1) ایسے میں تمام ہزیمتوں اور بہت کچھ بے زاری کے باوصف یگانہ اپنے عہد ، اطراف اور معاملات زندگی سے بے گانہ نہیں رہے۔

یوں تو انیسویں صدی ہندوستان کی تاریخ میں زوال اور غلامی کی صدی کی حیثیت سے یاد کی جاتی رہے گی مگر جس طرح تاریک بادلوں کے کنارے روشن ہوتے ہیں بالکل اسی طرح جاتے جاتے اس پیرانہ سال صدی کے افق سے نجات کا سورج طلوع ہونا شروع ہوا۔ ہندوستان میں آزادی کی تحریکوں نے ایک ایک کر کے جنم لیا اور یوں تمام پابندیوں ، رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود راستے بنتے چلے گئے۔ اگرچہ جاگیردارانہ نظام کے پنجے اب بھی برعظیم کی کوکھ میں گڑے ہوئے تھے تاہم مشینی انقلاب نے ہندوستان کے کسان کو دیہات کی کھلی فضا سے نکال کر مشینوں کی گھٹی ہوئی دنیا میں دھکیل دیا تھا۔ مزدور کا پسینہ سونا اگل رہا تھا مگر اس کی اپنی زندگی کھولیوں میں پڑی خون تھوک رہی تھی اور اس کے باوجود کہ ناکامی کی داد دینے والا کوئی نہیں تھا (2) ستاروں کا قتل پکار پکار کر صبح کی گواہی دے رہا تھا۔

بیسویں صدی کو عالمی سطح پر انسان کی بیداری کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔ ہندوستان

میں علاقائی اور ملک گیر سطح پر ان گنت تحریکوں نے جنم لیا تاہم ہندوستان میں یہ صدی
متصادم تحریکوں اور متضاد نظریات کے حوالے سے بھی پہچانی جاتی ہے۔ فرد ایک طرف تو
سلیم احمد کے الفاظ میں " سرمایہ دارانہ نظام میں قدیم روایات اور تہذیبوں کو توڑتا ہے
اور ان کے مذہبی ، اخلاقی ، معاشرتی ، سیاسی اور معاشی اوضاع کو مسترد کر کے بالآخر
تنہائی ، احساس مغائرت، مکمل منفیت اور زندگی کی مہملیت سے دوچار ہوتا نظر آتا ہے اور
دوسری طرف اشتراکی نظام میں ایک نئی جبریت اور خارجی تنظیم کے ایک نئے دباؤ کا سامنا
کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔" (3)

اوپر تلے دو عالمی جنگوں نے پورے یورپ کو سراسیمہ کر دیا تھا۔ تمام عرصۂ جنگ میں
خاص طور پر ہندوستان کی دولت کو سمیٹنے اور افرادی قوت کو جنگ کی آگ کا ایندھن بنانے
کی کوشش کی گئی۔ یہ کوئی نیا جبر یا کوئی نئی رسم نہیں تھی مگر اس مرتبہ کے جبر نے خلق
کو ظلم سے ٹکرانے کا حوصلہ اور آگ میں پھول کھلانے کا قرینہ عطا کیا۔

بیسویں صدی میں غزل کی گل بدنی پر بھی بڑا کڑا وقت آ پڑا تھا۔ سیاسی واقتصادی
حالات، سماجی مسائل، معاشرتی اقدار، مذہبی اور اخلاقی صورت حال کو موضوع بنانا شاعری
کی ضرورت بن گیا تھا۔ مگر یہ پہلا موقع نہیں تھا جب غزل کے وجود کو خطرہ لاحق ہوا ہو
اس سے پہلے بھی دو چار بہت سخت مقام آ چکے تھے مگر یہ ہمیشہ کی سخت جاں تھی اس مرتبہ
بھی بچ نکلی۔ بلاشبہ اس کی حیات نو میں حسرت و شاد ، جگر و اصغر اور فانی و فراق کے
ساتھ یگانہ کا بھی بڑا حصہ ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ میر کے دھیمے اور نرم لہجے کی روایت
کے متوازی جو توانائی اور قوت کے لہجے کی روایت سودا سے شروع ہوئی آتش کے یہاں جس کی
نمود ہوئی اور غالب کے یہاں جس کی تکمیل ہوئی اس لب و لہجے کی بھرپور تکمیل بیسویں
صدی میں اقبال کے بعد یگانہ ہی کے یہاں ہوئی ہے۔

یگانہ کے سیاسی تناظر سے ہمارے نقادوں کو دلچسپی نہیں رہی۔ یہ واقعہ ہے

کہ سیاسی اور سماجی شعور کی اصطلاحیں ہماری تنقید میں بڑی بے احتیاطی سے استعمال ہوئی ہیں۔ کسی بھی عہد کے سیاسی حالات و واقعات کا اثر طبائع پر مزاج کی مخصوص ساخت کے مطابق ہوتا ہے۔ یگانہ سیاسی صورت حال کے بارے میں اپنی ایک رائے رکھتے تھے۔ خصوصاً
(4)
سیاسی رہنماؤں اور ان کی سیاسی پالیسیوں کے بارے میں ان کی نہایت سوچی سمجھی رائے تھی وگرنہ شوق آزادی اور منزل کی دھن انھیں بھی گدگداتی تھی۔ یگانہ کی شاعری میں بعض ایسی تراکیب ، اصطلاحات اور مضامین بار بار آتے ہیں جن سے سیاسی صورت حال میں ان کی دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر " رہبران خود گم را "، " امیدوار رہائی "، " قفس بدوش"، " پیام انقلاب "، " شور جرس"، " حکم خزاں "، " ہوس بانگ درا "، " گرفتاران ساحل "، " ساحل امید "، " موسم گل کی خبر"، " آواز سلاسل "، " فریاد بے اجازت"، " اندیشۂ فردا "، " غفلت امروز "، " منزل موہوم"، " سواد منزل " وغیرہ ۔ تاہم یگانہ اپنے زمانے کے سیاسی حالات سے مطمئن نہ تھے (5) ان کے کلام میں " اسیر بال و پر"، " منزل موہوم"، " غفلت امروز " اور " اندیشۂ فردا " کے ساتھ قفس کے مضامین بار بار آتے ہیں۔

یگانہ کا زمانہ تحریکوں کے علاوہ انجمن سازی کا زمانہ بھی تھا۔ جس کی وجہ سے ہندوستان میں سیاسی اعتبار ہی سے نہیں سماجی اعتبار سے بڑی تبدیلیاں آئیں۔ سرسید نے علمی تحریک کے ذریعے کوشش کی تھی کہ مسلمان انگریزی تعلیم حاصل کر کے نئے حالات میں زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں اور انگریزوں کو مسلمانوں کی طرف سے جو بدگمانیاں ہیں وہ دور ہو جائیں انھوں نے مسلمانوں کو سیاست میں حصہ لینے کے بجائے تعلیم کی طرف متوجہ کیا گویا فی الوقت بگاڑ کی بجائے سمجھوتے کے نظریے کو اپنایا گیا۔ ہندوؤں کی تو پہلے ہی سے بہت سی انجمنیں کام کر رہی تھیں اور خاص کر صوبائی سطح پر وہ بہت فعال تھیں۔ مسٹر ہیوم جو ایک برطانوی عہدے دار تھے انھوں نے آل انڈیا انجمن کا خاکہ مرتب کیا جس میں شامل ہو کر ہندوستانی اپنے معاشرتی مسائل پر بحث کر سکیں۔ مسٹر ہیوم نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ اس کے سالانہ

اجلاسوں کے صدر صوبوں کے گورنر ہوں جس سے ان کا مقصد ملکی سطح پر انجمن سازی کو روکنا اور ہندوؤں کی سرکاری طور پر سرپرستی کر کے ان کو خوش رکھنا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے " مسٹر ہیوم کی تجویز پر 1885ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے نام سے ہندوؤں کی ایک ملک گیر سیاسی جماعت منظر عام پر آ گئی۔ " (6) جس کا " پہلا اجلاس 28 دسمبر 1885ء کو بمبئی میں منعقد ہوا۔ " (7) اس اجلاس میں ہندوستان کے تمام علاقوں سے ~~بہتر~~ 72 مندوبین شریک ہوئے " جن کو بڑی کوششوں سے جمع کیا گیا تھا۔ " (8) انڈین نیشنل کانگریس انگریزوں نے بنائی اور عرصہ دراز تک اس کی لگامیں انھیں کے ہاتھوں میں رہیں اس کے سالانہ اجلاسوں میں شرکت کے لئے انگلستان سے بااثر انگریز آتے تھے، ہندو چاہتے تھے کہ انگریز کسی طرح ہندوستان میں برطانوی طرز کی پارلیمنٹری گورنمنٹ قائم کر دیں۔ مرکز اور صوبوں کی کونسلوں کے انتخابات ہوں۔ دیکھنے میں تو یہ باتیں بہت دلکش لگتی تھیں مگر اس میں قباحت یہ تھی کہ مخلوط انتخابات کے نتیجے میں مسلمان اقلیت میں ہونے کی وجہ سے پس کر رہ جاتے۔ اسی اثنا میں انگریزوں نے اپنی انتظامی سہولت کی خاطر بنگال کو جو ایک بڑا صوبہ تھا " 19 جولائی 1905ء کو لارڈ کرزن کے حکم سے دو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ " (9) ایک مشرقی صوبہ جس میں مسلمان اکثریت میں تھے اس کا صدر مقام ڈھاکہ کو قرار دیا گیا اور دوسرا مغربی صوبہ جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی اس کا دارالخلافہ کلکتہ کو بنایا گیا۔

بنگال کی تقسیم مسلمانوں کے لئے مفید تھی، انھیں ایک ایسا صوبہ مل جاتا تھا جس میں وہ اکثریت میں ہو جاتے تھے تاہم ہندوؤں کے مطالبے پر اسے 1911ء میں منسوخ کر دیا گیا۔ اس سے پہلے اور بھی کئی سیاسی و سماجی تحریکیں، مسلمانوں کے خلاف کام کر رہی تھیں۔ (10)

ان حالات میں ہندوستان کی سماجی زندگی برابر متاثر ہوتی رہی۔ سرسیّد نے 1870ء میں تہذیب الاخلاق کا اجرا کیا تھا جس نے نئی نسل کی تربیت کا فریضہ سر انجام دیا۔ اُسے انقلابات زمانہ سے خبردار کیا اور سماجی تعصب سے بالاتر ہونے کا درس دیا۔ 1892ء میں

گوکھلے نے "انجمن خادمان" ہند کے ذریعے تمام فرقوں میں باھمی خوش دلی کے فروغ، باھمی امداد، تعلیمی اداروں یا تحریکوں کی امداد اور نیچ ذات کے لوگوں کی اصلاح کی ذمہ داری لی۔ 1904ء میں کنزرو نے الہ آباد میں "سیوا سمتی" کے نام سے ادارہ قائم کیا جس کا مقصد اتفاقی حادثوں، قدرتی آفات اور بڑے بڑے اجتماعوں خاص طور پر میلوں ٹھیلوں میں عوام کی خدمت کرنا تھا۔ سودیشی تحریک کی وجہ سے ملک میں ھندوستانیت کا چرچا ھوا، ذات پات کی بندشیں ڈھیلی پڑنے لگیں اور رجعت پسندی اور رسوم پرستی کو زوال آنے لگا۔ "سوشل سروس لیگ" نے بھی عام آدمی خاص کر مزدوروں کی فلاح کے لئے کام کیا۔

پہلی جنگ عظیم سے پہلے ترکوں کی عثمانی سلطنت کو دنیائے اسلام کی سب سے بڑی سلطنت کی حیثیت حاصل تھی اور اسے مرکز خلافت تصور کیا جاتا تھا۔ اس لئے تمام دنیا کے مسلمان اِس خلافت سے جذباتی وابستگی رکھتے تھے بالخصوص ھندوستان میں ترکی کے سلطان کو خلیفۃ المسلمین کی حیثیت میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عزیز احمد کے مطابق سقوط خلافت تک ھندوستان کے بعض مقامات پر جمعوں کے خطبوں میں خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا۔ (11) 1911ء میں یوروپی ممالک نے سازش کر کے طرابلس پر اٹلی سے حملہ کرا کے وھاں قبضہ کر لیا اور بلقان کی ریاستوں میں بغاوت کرا دی۔ ان جنگوں میں ھندی مسلمانوں کی ھمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں۔ 1914ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑی تو ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دیا جبکہ دوسری جانب برطانیہ اور دوسرے اتحادی ممالک تھے۔ جنگ نومبر 1918ء میں ختم ھو گئی جس میں جرمنوں، ترکوں اور ان کے حلیفوں کو شکست ھوئی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں اور فرانسیسیوں نے خفیہ معاھدوں کے ذریعے ترکوں کی سلطنت کے حصے بخرے کئے استنبول پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا اور خلیفہ ان کے ھاتھوں بے بس قیدی بن گیا۔ علاوہ ازیں مقامات مقدسہ پر بھی ان کا قبضہ ھوتا دکھائی دیتا تھا ھندوستان کے مسلمانوں کے لئے یہ سب باتیں ناقابل قبول اور شدید غم و غصے کا باعث تھیں چنانچہ ستمبر 1919ء میں خلافت اور مقامات

مقدسہ کی حفاظت کے لئے "آل انڈیا مجلس خلافت" کا قیام عمل میں آیا اور ہندوستان میں تحریک خلافت کے نام سے ملک گیر تحریک کا سلسلہ شروع ہوا اس تحریک میں برصغیر کے مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف سخت رویّہ اختیار کیا تحریک کی قیادت مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کر رہے تھے۔ اسی زمانے میں کانگریس نے انگریزوں کے خلاف عدم تعاون کی تحریک شروع کر رکھی تھی اس لئے انگریز دشمنی میں ایک بار پھر مسلمان اور ہندو متحد ہو گئے۔ عدم تعاون کی تحریک اور خلافت تحریک کی وجہ سے مسلم لیگ پس منظر میں چلی گئی۔

تحریک خلافت دن بدن زور پکڑتی گئی۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہڑتالیں ہوئیں جلسے جلوس ہوئے اور جیلیں بھرنا شروع ہو گئیں۔ لاکھوں روپیہ چندہ ہوا عورتوں نے زیور تک چندے میں دے دئیے۔ ہندوستان بارودخانہ بن گیا جسے چنگاری دکھانے کی دیر تھی۔ تحریک کے دوران لوگوں نے خطابات لوٹا دئیے انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا انگریزی سکولوں سے بچوں کو اٹھا لیا گیا لوگوں نے سرکار کی ملازمت ترک کر دی اور بہت سے مسلمان ہندوستان کو دارالحرب سمجھ کر یہاں سے ہجرت کر گئے۔ برطانوی حکومت نے بھی شدید رد عمل کا مظاہرہ کیا اور تحریک کو کچلنے کے لئے سارے سامراجی حربے استعمال کئے، نظربندوں کو جسمانی اذیتیں دیں، ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں، اہم رہنماؤں کو جیل میں ڈال کر بغاوت کے مقدمے چلائے۔ تحریک کے قائدین جیلوں میں گئے تو قیادت گاندھی کے ہاتھ میں آ گئی " 5 فروری 1922ء کو کانگریس کے رضاکاروں نے عدم تشدد کو بالائے طاق رکھ کر ضلع گورکھپور کے ایک تھانے چورا چوری پر حملہ کر دیا۔ " (12) تو گاندھی نے اس واقعہ کے بعد عدم تعاون کی تحریک کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ اس فیصلے کے بعد تحریک خلافت کا زور بھی ٹوٹ گیا۔ " خلافت تحریک کے ختم ہوتے ہی ہندوؤں اور مسلمانوں کا مختصر ہنی مون (Honey Moon) ختم ہو گیا۔ " (13)

ادھر ترکی میں اتاترک نے قوم پرست ترکوں کو جمع کر کے بہت سے ترک علاقے اتحادی

فوجوں سے واپس لے لئے اور نیشنل اسمبلی قائم کر کے ترکی کے خلیفہ کو معزول اور منصب خلافت کو ھمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ گویا مرے تھے جن کے لئے ......

اس تمام صورت حال کو دیکھتے ھوئے ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو حالات سے سخت مایوس تھا سیاست کو مفاد پرستی کا نام دیتا تھا۔ اسے منافقت کی پوٹ قرار دیتا تھا اور ھندوستان کے رھنماؤں کو گم کردہ منزل سمجھتا تھا۔ تحریک خلافت میں جس طرح جذباتی شدت کے ساتھ حصہ لیا گیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ادھر تو جان خلافت پر دینے کا عزم کیا جا رھا تھا اور ادھر خود ترکوں نے خلافت کو دیس نکالا دے دیا۔ ظاھر ھے کہ یہ تحریک بری طرح ناکام ھو گئی مگر اپنے پیچھے ایک سوالیہ نشان چھوڑ گئی۔

یگانہ ھندوستان کی اسی جذباتی سیاست سے متنفر تھے اور اسے "بیداری موھوم" کا نام دیتے تھے(14) چنانچہ انھوں نے ترک موالات اور خلافت تحریک کے نتائج پر شدید رد عمل کا اظہار کیا، یگانہ کا ایک شعر ھے

ع اسیر و شوق آزادی مجھے بھی گدگداتا ھے
مگر چادر سے باھر پاؤں پھیلانا نہیں آتا

اس شعر کی وضاحت وہ ان الفاظ میں کرتے ھیں

" آزادی و حریت کا جذبہ انسانیت کی جان ھے مگر کوئی جذبہ ھو کوئی قوت ھو اگر اعتدال اور سلامت روی کے ساتھ نہیں ھے تو اس کا نتیجہ بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ترک موالات کے ھنگامے نے ملک کو جو نقصان پہنچائے ھزاروں ھندوستانیوں کی آئندہ زندگی کو تباہ کر ڈالا اس کا سبب کیا تھا وھی چادر سے باھر پاؤں پھیلانا۔ حد اعتدال سے تجاوز کرنا۔ اعتدال پسند، دور اندیش محبان وطن وہ مہلک ھنگامہ دیکھتے تھے اور ھاتھ ملتے تھے

کچھ کہتے تھے تو بھلا ان کی کون سنتا تھا۔" (15)

یہی زمانہ اودھ اخبار لکھنؤ میں یگانہ کی ادارت کا تھا جب ہندوستان کے اخبارات میں آگ لگی ہوئی تھی۔ ان کی صاحبزادی بلند اقبال بیگم کا کہنا ہے " اس زمانے میں بھائی ابّا انگریزی کا اخبار ڈیلی نیوز باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔" (16) ہندوستان کی سیاست کے بارے میں یگانہ کا شدید مخالفانہ ردعمل اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ تمام حالات سے واقف تھے اور اچھی یا بری ایک رائے رکھتے تھے۔ ہندوستان کے لوگ اپنے لیڈروں کی خواہشوں پر آنکھ بند کر کے اپنے آپ کو بھینٹ چڑھاتے رہے۔ یگانہ نے اس پر سخت برھمی کا اظہار کیا۔ (17) تاہم جہاں کہیں انھیں بے لوث قربانی اور مظلومیت کا صحیح رنگ نظر آیا اس کا انھوں نے سنجیدگی سے تذکرہ کیا ان کے احباب کی ان سے خط و کتابت میں ایک اشارہ اس طرف ملتا ہے۔

1921ء میں ملابار (جنوبی ہند) کے عربی النسل " موپلا " مسلمانوں نے انگریزی حکومت کے جور و ستم کے خلاف ایک منظم تحریک شروع کی تھی جسے کچلنے کے لئے انگریزوں نے جبر و تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ اس موقع پر جیل کی ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں حبسِ دم سے ستّر موپلا جانباز شہید ہوئے تھے۔ یگانہ کے احباب میں سے ایک صاحب قاضی امین الرحمان صدیقی نے اپنا ایک قطعہ تاریخ اس سانحہ سے متعلق یگانہ کو برائے مشورہ بھیجا تھا، قطعہ تھا

چو بیدم بماند ندا از حبس دم	بیک لحظہ هفتاد اسیرانِ ظلم
بلوحِ سرِ مدفنِ ایں گروہ	بباید نبشتن " شهیدانِ ظلم" (18)

یگانہ نے اس کے جواب میں لکھا

" اگرچہ فنِ تاریخ گوئی میں مجھے ذرا بھی دخل نہیں ہے میں اس سے کوسوں بھاگتا ہوں مگر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ آپ نے مادہ تاریخ خوب صورت نکالا ہے " شہیدانِ ظلم" اگرچہ بجائے خود جامع لفظ ہے مگر آپ نے پہلے دو مصرعوں میں واقعات کی

طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔" (19)

یگانہ کے کلام نے ہندوستان کی سیاسی تاریخ کے چند بہت اہم واقعات دیکھے ہیں پہلی جنگ عظیم، تحریک خلافت، ترک موالات، سیاسی ہنگامے، جیل پھانسیاں، گولیاں، آزادی کے نعرے، جنگ عظیم دوم اور پھر آزادی۔ یہ درست ہے کہ حالات سے باخبر ہونے کے باوجود اپنے طور پر سیاست کے رخ کو غیر متعین سمجھتے ہوئے انہوں نے براہ راست سیاسی موضوعات کو شاعری کا حصہ نہیں بنایا لیکن ہندوستان کے سیاسی حالات اور بالخصوص دونوں عالمی جنگیں جس طرح بھوک، غربت، مہنگائی اور اقتصادی کساد بازاری لے کر آئیں اس کی وجہ سے یگانہ تمام عمر رھین ستم ھائے روزگار رہے اور پامال رہے۔

بیسویں صدی کے سیاسی حالات ہندوستان کی سماجی زندگی پر بھی برابر اثر انداز ہوئے۔ انگریز ہندوستان کی معیشت کو تھوڑے عرصے میں زیادہ سے زیادہ نچوڑنا چاہتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں بے روزگاری مہنگائی، بھوک اور مفلسی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کے لفظوں میں

" اس دور کی عمومی زندگی میں امید و بیم کے ہنگام میں شدید بے چینی اور عدم اطمینان کی کیفیت پائی جاتی ہے جسے عصرنو کی تمہید کہا جا سکتا ہے۔" (20)

پہلی جنگ عظیم کے دوران (اکتوبر 1917ء) روس میں بالشویک انقلاب آیا اس کی کامیابی کو دیکھ کر ہندوستانی نوجوان نے اشتراکی فلسفہ حیات کی کشش کو محسوس کیا اور وہ جمہوریت کے علاوہ معاشی مساوات کا خواب دیکھنے لگا۔ سائنس کی تکنیک اور یوروپی فلسفہ نے سوچنے سمجھنے کا نیا انداز دیا۔ صنعتی سماج کی بنیاد پڑی۔ روٹی کھیتوں کے بجائے کارخانوں میں پیدا ہونے لگی اور مزدور کا ہاتھ آجر کے لئے لوہے کی ناف سے کستوری پیدا کرنے لگا۔ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آ گئی۔ سماجی اعتبار سے یہ زمانہ قدروں کی پامالی، یقین کی

بے حرمتی ، انسان کی ناقدری اور تہذیبی تنزلی کا ہے۔ سماجی گھٹن ، احساس مفائرت ، تنہائی ، معاشی بدحالی ، مشکوک مستقبل اور غیر مطمئن حال کی نوحہ گری تخلیق کا جوھر قرار پائی۔ بیسویں صدی اپنے ساتھ ایک بڑی مصیبت اور بھی لائی ھندوستانی سماج ھمیشہ سے مشترکہ خاندانی نظام میں جکڑا ھوا تھا۔ خاندان کے لوگ اکائی کی طرح جڑے ھوئے تھے مگر بیسویں صدی میں سماج کی اس مضبوط اور مشترکہ دیوار میں دراڑ آ گئی اور خاندان کا شیرازہ بکھر گیا ، بقول محمد حسن عسکری

" سماج زروں میں بٹ گیا اور ھر زرہ خود مختار رھنے پر مصر ھوا۔ " (21)

یوں اپنے آپ سے ٹوٹے ھوئے، کٹے ھوئے اور بھٹکے ھوئے لوگوں کی قطار میں کوئی داخلی رشتہ باقی نہیں رہ گیا۔

اب اس عہد کو تہذیبی و تمدنی پس منظر میں دیکھئے۔ یگانہ بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں عظیم آباد سے لکھنؤ آئے تھے ۔ ھندوستان کے یہ دونوں شہر تاریخی ، تہذیبی اور تمدنی روایات کے حامل ھونے کی وجہ سے شہرت رکھتے ھیں۔ ان دونوں شہروں میں پائی جانے والی قدر مشترک کے حوالے سے عبدالماجد دریابادی نے درست لکھا ھے کہ

"یہ خصوصیت بہار ھی میں دیکھنے میں آئی ھے کہ وھاں کا رنگ ڈھنگ بالکل اودھ کا ھے۔ پٹنہ کا تمدن لکھنؤ کے تمدن کا مثنٰی ھے۔" (22)

دلّی کی تہذیبی بساط الٹ جانے کے بعد جن علاقوں کو اھمیت حاصل ھوئی اور جو علم و فن کا مرکز بن گئے ان میں عظیم آباد کا نام خاصا نمایاں ھے۔ عظیم آباد کا نام ذھن میں آتے ھی بیدل، راسخ اور شاد کے علاوہ یگانہ کا نام بھی ذھن میں آتا ھے۔ عظیم آباد علم و فن اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا مگر جب یگانہ لکھنؤ آئے تو یہاں کی دلچسپیوں اور ماحول نے دامنِ دل کو کچھ ایسے انداز سے کھینچا کہ یگانہ تمام زندگی اسے چھڑا نہ سکے۔ یگانہ خاک

عظیم آباد تھے اور اس پر انہیں ناز بھی بہت تھا مگر لکھنؤ سے انھوں نے دل لگایا تھا اور یہ لگی عمر کے ساتھ ہی ختم ہوئی۔ دھلی کی اجڑی ہوئی محفل صحیح معنوں میں لکھنؤ ہی میں جمی تھی، بقول شرر

"اودھ نے نئی سجاوٹوں کے ساتھ مشرقی تمدن کا آخری نمونہ پیش کیا تھا۔" (23)

دھلی کی ھند اسلامی تہذیب تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ اپنے پہلو میں رعنائی کے صدھزار پہلو سمیٹ کر لکھنؤ میں جلوہ گر ھو گئی تھی، یہاں کے رنگین نظاروں سے کوئی کافر ھی منہ موڑ سکتا تھا۔ (24)

لکھنؤ دریائے گومتی کے دونوں کناروں پر دور دور تک آباد ھے۔ منشی نول کشور نے اس کا تعارف اس طرح کرایا ھے

" شہر کو کسی بلند مقام سے دیکھا جائے تو جہاں تک نظر جائے وھاں تک درخت، باغ، مینار، گنبد، عالی شان مکانات اور بعض جگہ چمکتی ہوئی کلسیاں نظر پڑتی ھیں۔" (25)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لکھنؤ ایک انتہائی دل فریب تہذیب کا مرکز رھا ھے اپنے سرسبز و شاداب باغات، شاھی عہد کی پرتکلف عمارتوں، دریائے گومتی کے پرفضا کناروں، حضرت گنج کے نشاط انگیز ماحول، چوک کی چہل پہل، خوش شکل و خوش ادا طوائفوں، خوش لباس لوگوں، حسین چہروں، پکوانوں کے بھبکوں، کھٹے میٹھے ذائقوں اور اپنی علمی و ادبی محفلوں کی وجہ سے لکھنؤ عالم میں انتخاب تھا۔ لکھنؤ کی تہذیب نے دنیا کو دوپلی ٹوپیوں، شربتی انگرکھوں، چوڑی دار پاجاموں، بڑے بڑے ریشمی رومالوں اور ریشم کے کڑھے ھوئے کرتوں سے روشناس کرایا۔ انواع و اقسام کے لذیذ کھانوں کے ذائقے فراھم کئے۔ تکلم کے نئے نئے قرینے پیدا کئے، سیر و تفریح کے ھنگام برپا کئے۔ معاشرے میں طوائف کو ایک خاص منزلت عطا کی۔ غرض

اس تہذیب میں خوبیوں کی کمی نہیں تھی ۔ مرزا جعفر حسین لکھنؤ کی آخری بہار کے عینی شاہد ہیں، ان کا تبصرہ حقیقت پسندانہ ہے، وہ لکھتے ہیں

" لکھنؤ کی تہذیب اپنی جگہ پر ایک ایسی حسین و جمیل اور پرکیف دنیا تھی جس کو شاہانِ اودھ کے دورِ اقتدار میں بسایا اور آباد کیا گیا تھا ان حکمرانوں نے اس کی بنیادکچھ ایسی ہنرمندی اور اتنے خلوص و انہماک سے رکھی تھی کہ انتزاع سلطنت کے تخمیناً اسی برس بعد تک اس کے آثارموجود تھے لیکن بیسویں صدی کی چوتھی دھائی میں یہ عمارت بالآخر پوری طرح نیست و نابود ہو گئی ۔ " (26)

لکھنؤ کے شرفاؑ کی وضع داریاں مشہور تھیں لباس، طعام، میل ملت، غرض زندگی کے ہر شعبے میں وضع داری کو دخل تھا وہ گھروں میں جس طرح بھی رہتے ہوں لیکن باہر نکلتے تو سر پر ٹوپی حسب دستور پہنی ہوتی تھی اور پوشاک کے سب بٹن بند رہتے تھے۔ اس وضع داری سے ڈیرہ دار طوائفیں تک متاثر تھیں۔ پشواز پہننا کہ جس سے بدن ڈھک جاتا تھا۔ شرافت و متانت سے گفتگو کرنا، شائستگی کا معیار برقرار رکھنا، ان کے آداب میں/یہ داخل تھا کہ کوئی

لکھنؤ کے عام گھرانوں میں رہن سہن کے آداب میں یہ شامل تھا۔

شخص اپنے کسی قریبی عزیز کے گھر میں جہاں مستورات سامنے ہوتی تھیں بغیر دستک دئیے یا آوازہ لگائے داخل نہیں ہوتا تھا۔ بعض لوگ تو خود اپنے ہی گھر میں داخل ہونے سے قبل مصنوعی طور پر کھانس لیتے تھے یا کہتے تھے " ہم آ رہے ہیں " یہ دستور یگانہ کے زمانے تک باقاعدگی سے برقرار رہا۔ یگانہ کی صاحبزادی بلندااقبال بیگم اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں

"وہ خود اپنے گھر میں بھی آواز دئیے بغیر کبھی داخل نہیں ہوتے تھے۔ ہمیشہ دروازے پر ٹھہر کر آواز دیتے تھے کہ میں آ رہا ہوں اور ہاتھ کی چھڑی سے کھٹ کھٹ کر دیتے تھے جب اندر سے کوئی کہہ دیتا کہ آ جائیے تب آتے۔ " (27)

اس دور میں کھانا کھانے کی تیاری اور دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا اپنے مخصوص طرز اور تہذیب کے تحت فن کے درجے پر پہنچ گیا تھا۔ دسترخوان تختوں کے چوکے پر بچھایا جاتا تھا سب سے پہلے خاندان کا بزرگ بیٹھتا اس کے بیٹھنے سے قبل کسی کا بھی بیٹھ جانا بدتہذیبی میں شمار ھوتا اس طرز معاشرت کی ایک جھلک یگانہ کے بھانجے پروفیسر شیخ انصار حسین نے اپنے مضمون " میرزا یگانہ یادیں اور ملاقاتیں " میں بیان کی ھے۔(28) کھانا کھانے کے بعد اور عمومی محفلوں میں گلوری پیش کرنا جزو تواضع تھا پان بنانے اور پان کھانے کا انداز لکھنؤ سے مخصوص ھو گیا تھا اب بھی بہت سے لوگ لکھنؤ کی تہذیب کو طنزیہ پاندان کی تہذیب کہتے ھیں۔

لکھنؤ میں تفریحی مشاغل میں عجیب عجیب اختراعات ھوئیں خصوصاً بٹیر بازی، کبوتر بازی، مرغ بازی اور پتنگ بازی کے فن میں بڑے بڑے کمالات پیدا کئے گئے۔ بٹیر بازی کے قصے تو آج بھی دھرائے جاتے ھیں۔(29) لکھنؤ میں تفریحی اجتماعات کا بھی ایک مخصوص معیار تھا ان اجتماعات میں کشتی لڑنے، ڈنڈ پیلنے اور مگدر ھلانے کا دستور تھا۔ علاوہ ازیں لکڑی چلانے برچھا ھلانے اور تیر اندازی کا مظاھرہ کیا جاتا تھا۔ بنوٹ کے فن کو لکھنؤ میں خصوصی اھمیت حاصل تھی۔(30)

طوائف ایک ایسا لفظ، ایک ایسا وجود کہ جس کے تصور میں آتے ھی رات، روشنی، رنگ و نور، رقص و موسیقی اور بن ٹھن کر بیٹھنے کا انداز سب مل کر ایک پیکر ستم میں ڈھل جاتے ھیں۔ جاگیردارانہ تمدن کی آخری نشانی جسے کبھی معاشرے کے لئے کلنک کا ٹیکہ کہا گیا اور کبھی تہذیب کے ماتھے کا جھومر، لکھنؤ میں طوائف کے ساتھ " تماش بینی "یا" عیاشی " کی اصطلاح رائج تھی ان دونوں اصطلاحوں کا استعمال بھی علیحدہ علیحدہ تھا اسی طرح پیشہ ور عورتوں کے بھی درجات تھے۔ پیشہ ور عورتوں میں بلند پایہ عورتوں کو طوائف کہتے تھے۔ وہ ڈیرے دار طبقے سے تعلق رکھتی تھیں(31) اور معاشرے نے ان کو بلند مقام دے رکھا تھا۔ ڈیرے دار

کی اصطلاح کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ان کے آباء خیمے یا ڈیرے همراہ لائے تھے یہ بھی کہا جاتا تھا کہ یہ طوائفیں جب میلوں میں یا محرم اور چہلم کے سلسلے میں کسی کربلا (32) میں شرکت کرنے جاتی تھیں تو قریبی میدان میں اپنا ڈیرہ نصب کر کے اس میں اپنی نشست گاہ بنا لیتی تھیں رؤسا اور عمائدین بھی ایسے اجتماعات کے متصل اپنی چھولداریوں میں تشریف فرما ہوتے تھے اسی رئیسانہ شان کی بدولت ان طوائفوں کو ڈیرے دار کہا جانے لگا ۔ یہ طوائفیں بہت مہذب اور خدا ترس ہوتی تھیں (33) ان کی اکثریت محلوں میں سکونت پذیر تھی ۔ مرزا جعفر حسین لکھتے ہیں

"یہ طبقہ بیسویں صدی کی دوسری دھائی تک رہا ۔" (34)

تعزیہ خالص ہندوستان کی چیز اور تعزیہ اٹھانا لکھنؤ کی تہذیب کا لازمہ تھا ۔ تعزیے کے جلوسوں میں مہندی، علم اور ذوالجناح کے نکلنے کی روایات کا تعلق بھی اسی تہذیب سے ہے روز عاشور طلوع آفتاب کے بعد تعزیے اٹھنے کی گہما گہمی شروع ہو جاتی ۔ مرزا جعفر حسین رقم طراز ہیں

"سب تعزیوں کے لئے نخاس تک پہنچ جانے کے بعد صرف ایک راستہ اور ایک قبرستان تھا ۔ تال کٹورہ کی کربلا، جہاں سب تعزیے دفن ہوتے تھے ۔" (35)

سوگواری اور گریہ و زاری کا ایک سماں بندھا رہتا اکھاڑے ہوتے ڈھول تاشوں کی دھوم ہوتی گتکے کے کمالات پیش کئے جاتے لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع ہوتے لیکن پوری فضا غم کی کیفیت میں ڈوبی رہتی ۔ دن بھر فاقہ کھینچا جاتا، کربلا میں خصوصیت کے ساتھ ازدحام ہوتا، کربلا کے باہر رؤسا کی چھولداریوں اور ڈیرے دار طوائفوں کے پڑاؤ کی وجہ سے میلے کی سی شان پیدا ہو جاتی ۔ عصر کے بعد عموماً سادہ پلاؤ سے فاقہ شکنی کی جاتی بعض بڑے امام باڑوں میں یہی دستور تھا البتہ گھروں میں "ست نجے" کا رواج تھا یہ غذا سات قسم کے اجناس کو بھون کر تیار

هوتی تھی جو اس واقعہ کی یاد تازہ کرتی تھی جب شہادت حسین کے بعد خیموں میں آگ لگا دی گئی تھی اور اجناس کی قسم میں جو کچھ بھی تھا سب بھن گیا تھا۔ ست نجے کے اصل غذائی عناصر مسور اور چاول ہوتے تھے بعض خاندانوں میں ماش کی دال اور چاول کا رواج تھا۔ (36)

عشرہ محرم کے بعد چہلم کی دھوم لکھنؤ کی تہذیبی زندگی کا ایک بڑا حصہ تھی
" چہلم کے دن تال کٹورہ میں اور پوری وکٹوریہ سٹریٹ پر جو میلوں لمبی ہے آدمیوں کا ہجوم ، ان میں جوش و انہماک، تعزیوں کی جاذبیت اور مرجعیت ، مرثیہ اور نوحہ خوانوں کی آواز کا گداز لکھنؤ کی فضا میں موجود رہتا۔ " (37)

لکھنؤ میں خوشی اور غمی کی رسموں کو جاننا ہو تو مثنوی " سحرالبیان " کا مطالعہ کرنا چاھئیے لکھنؤ کے معاشرے نے خوش رھنا سیکھ لیا تھا اس لئے خوشی کی تقریب کے بہانے بھی بہت تھے بچے کی پیدائش سے لے کر جشن شادی تک ان گنت رسومات کے ذریعے دل کے بہلانے کا سامان کیا گیا تھا۔ اسی طرح مرگ کے موقعہ پر سوئم، دسویں، بیسویں، مہینے، چہلم، سہ ماھی چھ ماھی اور برسی کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں عام دستور تھا کہ کسی قریبی عزیز کی برسی سے قبل شادی بیاہ نہیں کر سکتے تھے یہ تمام رسومات اھتمام و التزام سے ہوتی تھیں۔

لکھنؤ کی تہذیب کو چکن اور کامدانی کی تہذیب بھی کہہ سکتے ھیں۔ چکن کے کرتے، اچکنیں اور انگرکھے لکھنؤ کی تہذیب کا ملبوس تھے۔ چکن سازی کو لکھنؤ میں صنعت کی حیثیت حاصل تھی۔ کامدانی کے کام کو چکن سازی کی روپہلی شکل کہا جا سکتا ھے۔ کامدانی میں سونے کے تاروں سے کام کیا جاتا تھا مردانے ملبوسات میں ٹوپیوں اور کرتوں پر کامدانی ھوتی تھی عورتیں تقریبات میں کامدانی کے دوپٹے استعمال کرتی تھیں۔ لکھنؤ میں عموماً پشواز کا رواج رھا۔ ساڑھی کے رائج ھونے کے بعد کامدانی کے کام میں بہت ترقی ھوئی۔

کار چوبی اور سلمے ستارے کا کام طلائی اور نقرئی زیورات کی بنوائی، پیتل اور تانبے

کے ظروف اور مٹی کے برتنوں کی گھڑائی میں لکھنؤ نے کیا کیا ایجادات،کیا کیا اختراعات نہیں کیں
" دولت اور معاش کی فراوانی کے سبب سے ڈھاکہ، بنگال، گجرات، مالوہ، حیدر آباد، دلّی،
لاہور، پشاور، کابل، کشمیر اور ملتان سے علماؑ، ادیب، اھل حرفت، سپاھی، رقاص، موسیقار اور
اسی قبیل کے فن کار وھاں کھنچ کر آ گئے تھے۔" (38) بلکہ یہ کہنا مناسب ھو گا کہ ان تمام
علاقوں کے فن کی صورتیں لکھنؤ میں ایک قالب میں ڈھل گئی تھیں جس نے تہذیبی اور تمدنی
زندگی کو عروج پر پہنچا دیا۔

واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد لکھنؤ کی دنیا اندھیر ھو گئی تھی۔ انگریزوں نے
فی الفور پرانی ثقافت کو مٹانے کے بجائے رفتہ رفتہ مشرقی تمدن پر مغرب کی ملمع کاری شروع کی
تھی جس کے نتیجے میں تہذیبی یک جہتی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، پہلی ٹھیس مذھب
کے نام پر لگی جب شیعہ سنّی تنازعہ کو ھوا دے کر سماجی شیرازے کو منتشر کر دیا گیا دسترخواں
بچھنے کا دستور کیا رخصت ھوا جیسے گھروں کی کھی کھی رخصت ھو گئی۔ پالکی، فینس اور
ٹم ٹم کی جگہ موٹر کار اور موٹر رکشا نے لے لی۔ رفتہ رفتہ پرانی تہذیب کے انداز ختم ھوئے۔ رؤسا
نے وضع داریاں نبھانے کی کوشش کی تو اپنے آپ کو مہاجنوں کے ھاتھ گروی رکھ دیا۔ مرزا جعفر
حسین اس ساری صورت حال کا تجزیہ کرتے ھوئے لکھتے ھیں

> " بیسویں صدی کی پہلی دھائی میں فلاکت پوری طرح منڈلانے لگی
> شال، دوشالے، پشمینے، جامہ داریں اور مہر مائیں بھی بازار میں
> آنے لگیں۔ قلمی نسخے اور مخطوطات بے رحمی کے ساتھ نخاس کے
> بازاروں میں پیش ھوتے تھے۔" (39)

بیسویں صدی کی چوتھی دھائی کے شروع ھونے تک مسندیں اٹھ چکی تھیں، مصاحبین اور ڈیرہ دار
طوائفوں کے طبقے ناپید ھو گئے تھے یہ بات علامت تھی کہ جاگیردارانہ نظام اپنا بستر بوریا لپیٹ
چکا تھا۔ تعیش بے جا کا جو انجام فطری طور پر ھوتا ھے وھی اس جاگیردارانہ معاشرے کا ھوا۔

احتشام حسین نے درست لکھا ہے کہ

" لکھنؤ نے اپنے حصار کے اندر تازہ ہواؤں کو آنے ہی نہیں دیا
لکھنؤ کی تہذیب میں ایک بیمار حسینہ کا حسن تھا توانائی
اور بھرپور زندگی سے خالی۔ " (40)

اخلاقی اور مادّی قدریں بدلنا شروع ہوئیں تو لکھنؤ کی آخری بہار بھی اجڑ گئی دیوار چمن خستہ ہو کر آسرا ڈھونڈنے لگی اور پھر جب ایک ستّر سال کے بوڑھے کے منہ پر کالک مل کر اس کے گلے میں جوتیوں کے ہار پہنا کر اسے گدھے پر بٹھایا گیا اس پر ملامت کے پتھر برسائے گئے اس کے منہ پر تھوکا گیا اور اسے لکھنؤ کے بازاروں میں گھسیٹا گیا تو یہ دیوار بالکل ہی بیٹھ گئی وقت اور حالات نے تہذیب کی نکسیر پھوڑ دی تھی۔

فکری و مذہبی اعتبار سے بھی یگانہ کا عہد پر آشوب تھا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد برصغیر میں مسلمانوں کے مجروح تشخص کو ابھارنے کا فریضہ شاہ ولی اللّٰہ نے انجام دیا یہ وہ عہد تھا جب شاہی تخت کے پایوں میں درباری سازشوں کا گھن لگ گیا تھا جس کے نتیجے میں مغل اقتدار سمٹنا شروع ہو گیا تھا۔ جاٹوں، سکھوں، مرہٹوں اور روہیلوں نے الگ قیامت مچا رکھی تھی اور" ایسٹ انڈیا کمپنی امربیل کی طرح ہندوستان کی زندگی پر چھا گئی تھی۔ "(41) نادر شاہ درانی نے عروس البلاد دھلی کے گہنے بھی لوٹے اور آبرو بھی۔ شاہ ولی اللّٰہ نے ایک خط کے ذریعے حکمرانوں کو سیاسی زوال کی طرف متوجہ کرنا چاھا سیاسی سطح پر یہ کاوش ولی اللّٰہ کا کارنامہ نہیں۔ ان کا اصل کارنامہ ہندوستانی مسلمانوں میں یک جہتی کو فروغ دینے کی کوشش ہے۔ چنانچہ انھوں نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نظریوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے وجودیاتی اور مظہریاتی احدیت میں اشتراک کا تصور پیش کیا۔ شاہ ولی اللّٰہ نے اجتہاد، تقلید اور فقہ کے دبستانوں کے معاملے میں بیچ کی راہ تلاش کی۔ آزادیٔ فکر کے لئے اجتہاد کو ضروری قرار دیا۔ اپنی مشہور تصنیف "حجۃ اللّٰہ البالغہ" میں سماجی ارتقاء کو مذہبی اور اخلاقی

حوالوں کے بجائے پیداواری قوتوں، ذرائع آمدن اور دولت کی تقسیم کے عمل کے ذریعے دیکھا۔ انھوں نے محنت کش یا پیشہ ور طبقے کی بدحالی کو تمدنی زوال کا سبب قرار دیا۔(42) اور جاگیردارانہ نظام کی پیدا کردہ غیر انسانی صورت حال کو بدلنے پر زور دیا انھوں نے معاشی حالات کو سیاسی، سماجی اور تہذیبی اداروں کی بنیاد ٹھہرایا۔ برصغیر کی مسلم فکر کے ارتقاء میں شاہ ولی اللہ کا حقیقی کردار یہ ہے کہ وہ یک جہتی کو ابھار کر مسلم تشخص کی دریافت کرنا چاہتے تھے۔"شاہ ولی اللہ کی تحریک نے مسلمانوں میں جو بیداری پیدا کر دی تھی وہ آگے چل کر مسلمانوں کے بڑے کام آئی۔"(43) ان کی فکر کے واضح اثرات سر سیّد احمد خاں کے یہاں نظر آتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ کا ایک اور بڑا کام یہ ہے کہ " انھوں نے قرآن، حدیث، فقہ اور تصوف کا ایک ایسا دستورالعمل مرتب کر دیا جس پر علماء، صوفیاء، فقہا اور عام مسلمان زیادہ سے زیادہ متفق ہیں۔" (44) " شاہ ولی اللہ نے مصلح یا مجدّد ہونے کا دعویٰ نہ کیا لیکن تجدید و اصلاح کا پورا سامان مہیا کر دیا تھا(45) ان کے بڑے صاحبزادے اور جانشین شاہ عبدالعزیز نے ان کے کام کو پھیلایا مگر اس کا سب سے موثر اظہار سید احمد بریلوی کی زیر قیادت تحریک جہاد کے نام سے ہوا جسے سیّد حسن ریاض ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے آزادی کی واقعی جنگ قرار دیتے ہیں۔(46) اس تحریک کا اصل مقصد سنّت رسول کا اتباع اور سکھوں کے خلاف جہاد تھا مگر اس کا رخ انگریزوں سے بیزاری کی طرف بھی تھا۔

انیسویں صدی میں بنگال میں " برھمو سماج " تحریک نے راجہ رام موھن رائے کی قیادت میں زور پکڑا اور انہیں وہاں وہی حیثیت حاصل ہوئی جو شمالی ھند میں سرسیّد کو حاصل تھی " برھمو سماج بنیادی طور پر معاشرتی اور مذھبی تحریک تھی اس میں صرف وھی لوگ شامل ہو سکتے تھے جو خدائے واحد کی ذات پر ایمان اور بت پرستی سے نفرت کرتے تھے یہ اصلاحی تحریک تھی جس نے عقل سلیم کو راھنما بنانے کا سبق دیا۔" (47) اس کے مقاصد میں " ھندو مذھب

میں مناسب تبدیلی سے سیاسی بہبود و سماجی فلاح کی راہ ھموار کرنا تھا۔"(48) رام موہن رائے نے سب سے پہلے ستی کی رسم کو ممنوع قرار دینے کی اعلانیہ تحریک چلائی " 1828ء میں لارڈ بنٹک نے قانوناً اس رسم کو ممنوع قرار دے دیا۔ " (49) بےگانہ نے ستی کی رسم کے خلاف ایک مضمون بعنوان " رسم و رواج " قلم بند کیا تھا۔(50)

انیسویں صدی ھی میں اصلاح احوال کی دوسری زبردست تحریک سرسید احمد خاں کی تحریک تھی یہ سماجی ، معاشی ، علمی اور مذھبی تحریک تھی۔ سرسید وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے مذھب اور زندگی کے گہرے تعلق کو سمجھنے کی کوشش کی اور اسے سماجی تناظر میں دیکھا۔ مشرق و مغرب کے ٹکراؤ سے پیدا ھونے والے تحرک کی ایک صورت علی گڑھ تحریک کے نام سے پہچانی جاتی ھے۔ عمرانی نقطۂ نظر سے بھی اس تحریک کا مطالعہ ھندوستان کی سیاسی ، سماجی ، تعلیمی ، معاشی ، نفسیاتی اور مذھبی صورت حال کو جاننے کا موقعہ فراھم کرتا ھے۔

سرسیّد کا ابتدائی علمی اور تحقیقی کام جو آثارالصنادید ، رسالہ اسباب بغاوت ھند، تبیین الکلام، مضامین تہذیب الاخلاق ، خطبات احمدیہ اور تفسیر قرآن میں نظر آتا ھے وھی ھمیشہ ان کا زادِ راہ بنا رھا مذھب اور عقل کی مطابقت محض ان کے جذبۂ اجتہاد و تجدد کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ اصلاحِ احوال اور اصلاحِ رسوم کا ذریعہ بھی تھی۔ وہ شیعیت کے اس عقیدے کو درست تسلیم کرتے تھے کہ ھر عہد میں مجتہد کا ھونا ضروری ھے۔(51) سرسیّد کے خیال میں شاہ ولی اللّٰہ نے بھی بہت سے حوالوں سے یہ بات کہی ھے۔(52) سرسیّد کے بقول

> "علم سے مراد علوم دینیہ نہیں ھیں محض روزہ، نماز وغیرہ
> عبادت نہیں جس طرح علوم دینیہ کا پڑھنا فی نفسہٖ عبادت
> نہیں اسی طرح علوم دنیوی کا پڑھنا عبادت نہیں لیکن علوم
> دنیوی اس لئے پڑھے جائیں کہ ان سے مذھبی علوم کے سمجھنے
> میں مدد ملے گی تو ان کا پڑھنا عبادت ھو جاتا ھے۔ اس

وقت مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ امور معاش و تمدن و حسن
معاشرت اور علم کی ابتری و خرابی کے سبب روز بروز خراب و
ذلیل و حقیر ہوتے جاتے ہیں اور واعظ و مولوی صاحب و پیرجی
خدا اور رسول کے دشمن ان کو روز بروز تباہ کرتے جاتے ہیں۔" (53)

دیکھا جائے تو اس دور کے افکار میں سب سے زیادہ اہمیت عقل پسندی کو حاصل رہی یہ رجحان یورپ سے ہندوستان پہنچا تھا " یورپ میں حقیقت تک رسائی اور اس کے ادراک کا سب سے بڑا ذریعہ اور معیار عقل ہے۔" (54) سرسیّد چاہتے تھے کہ مذہب کو کٹر ملائیت کے شکنجے سے آزاد ہو کر علوم جدیدہ کی روح سے ہم آہنگ ہونا چاہئیے انھوں نے دین اور سیاست کے درمیان حائل چنگیزیت کو مٹانے کی کوشش کی جس کی بنیاد پر بیسویں صدی کے مسلمان مفکروں، مدبّروں، علماءؑ اور سیاست دانوں نے اپنے نظریات کی تعمیر کی، یہی سرسیّد کی سب سے بڑی عطا ہے۔

انیسویں صدی کے آخری عشرے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے کشف اور الہام ظاہر ہوئے۔ 1891ء میں انہوں نے مسیح موعود اور مہدی الزماں ہونے کا دعویٰ کیا۔ (55) جس کی وجہ سے ان میں اور عام مسلمانوں میں اختلاف اور مخالفت کا دروازہ کھلا انھوں نے قادیان سے " ریویو آف ریلیجنز " کا اجرا کیا اور اسے اپنے خیالات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اب جہاد بالسیف کا زمانہ نہیں بلکہ جہاد بالقلم اور جہاد باللّسان یعنی تحریری اور زبانی تبلیغ کا زمانہ ہے۔ مرزا غلام احمد کے نظریات نے لوگوں کی ایک بڑی جمعیت کو گرویدہ بنایا ان کی جماعت برصغیر کی مذہبی جماعتوں میں آج بھی سب سے زیادہ منظم اور سرگرم عمل ہے۔

جدید علم الکلام کے مرتبین میں سرسیّد کے بعد شبلی کا نام بڑا نمایاں ہے۔ 1894ء میں لکھنؤ میں ندوۃ العلماءؑ قائم ہوا جس کا مقصد قدیم علماءؑ اور علی گڑھ کے مدبّرین کے انتہائی

نقطہ ھائے نظر میں اعتدال اور توازن کا راستہ تلاش کرنا تھا اور اس کے ساتھ نصاب تعلیم کی اصلاح ، علوم دین کی ترقی ، تہذیب اخلاق ، شائستگی اطوار کا فروغ، علماء کے باھمی نزاعات کا رفع کرنا عام مسلمانوں کی صلاح و فلاح اس کے مقاصد تھے۔ شبلی نے اس کے قواعد و ضوابط مرتب کئے تھے وہ ندوہ کے معتمد بنائے گئے مگر جلد ھی شبلی اور ندوہ کے دوسرے اراکین میں اختلافات نے شبلی کو ندوہ چھوڑنے پر مجبور کیا اور " وہ جولائی 1913ء میں ندوہ کی معتمدی سے الگ ھو گئے۔ " (56) اردو زبان کا سب سے بااثر اسلامی رسالہ " معارف "(57) ندوہ کی نشانیوں میں سے ھے۔ ندوہ کے چراغ کی لو مدھم پڑی تو اس سے تیل لے کر دارالمصنفین کی لو بڑھائی گئی جو آج بھی قدیم اسلامی علوم کی اشاعت کا اھم مرکز ھے۔

شاہ ولی اللہ کے دستورالعمل کو جس ادارے نے ھندوستان کے قریے قریے تک پہنچایا وہ دارالعلوم دیوبند ھے جو علوم اسلامیہ کی تحصیل کا آج بھی برصغیر میں سب سے اھم منبع ھے۔ " اس میں فرنگی محل کی طرح منطق ، صرف و نحو اور فقہ ھی پر سارا وقت صرف نہیں ھوتا تھا بلکہ حدیث کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا جو شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کی خصوصیت تھی۔ " (58) اس کے اساتذہ میں مولانا محمودالحسن محدث، مولانا انور شاہ محدث، مولانا شبیر احمد عثمانی (جو مولانا اشرف علی تھانوی سے فیض یافتہ تھے) شامل تھے۔

لکھنؤ میں فرنگی محل کو مذھبی حلقوں میں بلند مرتبہ حاصل تھا۔ فرنگی محل کی مختصر روایت کچھ یوں ھے کہ " سہالی " کے ممتاز عالم دین اور صوفی بزرگ ملّا قطب الدین انصاری کے ضلع بارہ بنکی کے عثمانی شیخ زادوں کے ھاتھوں قتل کے بعد اورنگ زیب نے ایک فرمان کے ذریعے لکھنؤ میں واقع فرنگی محل ان کے خاندان کو عطا کر دیا تھا۔ ملّا قطب الدین کے چار صاحبزادے تھے جن میں منجھلے نظام الدین تھے۔ تدریس میں ان کا فطری ذوق درجۂ کمال پر تھا اسی صلاحیت کی بناء پر انھوں نے ایک ایسا نظام تعلیم مرتب کیا جو درس نظامی کے نام سے شہرہ آفاق ھوا ، جو شرر کے لفظوں میں :

" مدت دراز سے ہندوستان ہی کا نہیں سارے ایشیا کا نصاب
تعلیم ہے علمی کمالات کے ساتھ اس میں ولیانہ برکتیں بھی
مضمر تصور کی جاتی ہیں۔ " (59)

اس نصاب میں صرف و نحو، منطق و حکمت، فقہ و اصول فقہ، علم تفسیر و حدیث، علم کلام اور علم ریاضی سے متعلق کتابیں شامل تھیں۔ ہندوستان میں فارسی اور عربی پر زوال آیا تو ان زبانوں کی درس گاہیں بھی آہستہ آہستہ ویران ہو گئیں مگر آج سے ستّر پچھتر سال اُدھر کا زمانہ ایسا ضرور تھا جو ان درس گاہوں اور ان کی فکر سے برابر اثر قبول کر رہا تھا۔

لکھنؤ میں سید دلدار علی کے خانوادہ " خاندان اجتہاد " کو بھی بڑی فضیلت حاصل تھی۔ شہر میں شیعہ مجتہدوں کا قدیم ترین خاندان یہی تھا۔ مولوی دلدار علی نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں اپنے آبائی وطن قصبہ نصیر آباد ضلع رائے بریلی سے ہجرت کر کے تحصیل علم کی خاطر لکھنؤ آئے۔ " یہاں فرنگی محل میں سلسلہ درس جاری رکھ کر فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ " (60) مولوی دلدار علی وہ پہلے شیعہ عالم دین تھے جنھوں نے شیعوں میں نماز جمعہ باجماعت پڑھانا شروع کی۔ انہوں نے شیعیت اور تصوف میں بھی حدفاصل قائم کی۔ لکھنؤ میں ابتدا میں مولوی دلدار علی کو مجتہد اور عالم دین کی حیثیت سے فضیلت حاصل رہی بعد میں یہ فضیلت انہی کے خاندان کو منتقل ہوئی پھر رفتہ رفتہ دوسرے مقامات سے شیعہ عالم آ کر شہر میں آباد ہوئے تو نظریاتی اختلاف، باہمی رقابتوں، رنجشوں اور اختلافات کا سبب بن گیا۔ خاندان اجتہاد جس جگہ آباد تھا اسے جناب کی گلی کہا جاتا تھا۔ یگانہ کا قیام وفات سے کچھ عرصہ پہلے مئی 1954ء سے دسمبر 1954ء تک یہاں رہا۔ بیسویں صدی میں سیاسی سطح پر اس خاندان کا معمولی یا غیر معمولی کردار دکھائی نہیں دیتا تاہم " فرنگی محل " اور " خاندان اجتہاد " یہ دونوں ادارے مسلمانان لکھنؤ کے قدیم کلچر کے مذہبی معاملات میں پہلے بھی نمائندے تھے اور اب بھی ہیں۔ " (61)

تھے جن کا یگانہ کی زندگی اور فن پر بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر پڑا۔ یگانہ کے کلام، نظم و نثر میں ایسے داخلی شواہد ملتے ھیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اورنگ زیب کے مقابلے میں داراشکوہ کی وسیع المشربی، شاہ ولی اللّٰہ کے آزادانہ نقطہ نظر، سرسیّد کے جدید علم الکلام اور فرنگی محل کے افکار سے کسی حد تک متاثر رہے۔ تاھم لکھنؤ کے خاندان اجتہاد اور یگانہ کے درمیان نظریاتی تناؤ موجود تھا۔ بہر طور یگانہ کے زمانے تک مذھب تہذیب و ثقافت کے تمام شعبوں پر کسی نہ کسی انداز میں محیط رہا۔ بعد میں اس کے بیچ سے نکل جانے کی وجہ سے سیاست چنگیزی بنی۔ فلسفہ باغی ھوا اور سائنس انسانیت کی دشمن ھو گئی۔ اگلی منزل معاشرتی زندگی تھی پہلی زد اخلاقیات پر پڑی پھر انسانی تعلقات متاثر ھوئے اور آخر آخر خاندان کی اکائی منتشر ھو گئی۔ گویا مذھبی تہذیب ایک اکائی تھی اور جدید تہذیب اس اکائی سے محروم کوئی بے سمت، بے جہت اور بکھری ھوئی چیز ہے۔

خالص علمی نقطہ نظر سے اس عہد کو دیکھا جائے تو اندازہ ھوتا ہے کہ 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے ھاتھوں پٹ جانے کے بعد ھندوستان کے لوگوں میں فکری و علمی افلاس کا احساس شدید ھو گیا تھا یہی وہ لمحہ تھا جب قدامت اپنی تمام بچی کھچی قوت اور توانائیوں کو سمیٹ کر جدیدیت سے ٹکرا گئی تھی۔ فکری و علمی افلاس اپنے ساتھ غلامی، محکومی اور نقاھت لے کر آیا۔ ایسے میں ایک طرف تو وہ طبقہ تھا جو پرانے معیاروں ھی کو سب کچھ جانتا تھا اور دوسری طرف وہ لوگ تھے جو روحانیت کے مقابلے میں مادّیت کی طرف جھکتے جا رھے تھے اور جن میں گرد و پیش کا تجزیہ کرنے کا شعور موجود تھا۔ سرسیّد کی علمی و ادبی تحریک نے اسی لمحے میں جنم لیا۔ علی گڑھ تحریک کے پس منظر میں شاہ ولی اللّٰہ کے علمی نظریات دکھائی دیتے ھیں یا پھر "برھمو سماج" کے بانی بنگال کے رھنما راجہ رام موھن رائے کے وہ افکار جو قدامت اور جدیدیت کا امتزاج تھے اور جن کے ذریعے وہ مغرب کو مشرق کی تہذیبی اور

روحانی عظمت سے متعارف کرانا چاہتے تھے۔ راجہ رام موہن رائے اور سرسیّد کی سوچ ،فکر اور حکمت عملی میں غضب کی مماثلت موجود ہے۔ سرسیّد بھی راجہ صاحب کی طرح علوم عقلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی تحصیل کو وقت کی سب سے بڑی ضرورت دے کر عملی سطح پر اس کے فروغ کے لئے کام کیا۔ سوسائٹیاں، مدرسے اور کالج قائم کئے اور اپنے نظریات و افکار کی ترویج کے لئے اپنے بڑے بھائی سیّد محمد کے اخبار " سیدالاخبار" سے کام لیا اور پھر خود بھی " سائنٹیفک سوسائٹی گزٹ" اور " تہذیب الاخلاق " کا اجرا کیا جنھیں برصغیر کی علمی و ادبی تاریخ میں خاصا نمایاں مقام حاصل ہوا۔

دھلی کالج کی تاسیس (1825ء) کے مقاصد میں اگرچہ میکالے کی تعلیمی پالیسی (62) کے علاوہ ھندوستانی کلرک سستے داموں خرید کر سیاسی بے اطمینانی کم کرنا تھا مگر بقول عتیق صدیقی

" یہی کالج آگے چل کر مغربی علوم اور مغربی خیالات کی تبلیغ و اشاعت کا مرکز اور ھماری نشاۃ الثانیہ کی تحریک کے ان نوخیز پودوں کی آبیاری کا بڑا منبع بن گیا جن کی فورٹ ولیم کالج نے تخم ریزی کی تھی دلی کالج نے وقت کے شدید تقاضوں کو جس طرح پورا کیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ھے کہ اس کالج کے فارغ التحصیل طالب علموں میں مؤرخ ، سائنس دان، ادیب، نقاد ریاضی داں اور اخبار نویس بھی نکلے جو اردو اخبار نویسی کے سابق الاوّلوں میں گنے جاتے ھیں۔ " (63)

دھلی کالج کا روشن پہلو یہ ھے کہ اس درس گاہ میں مے کالے کے منصوبے کا وہ پہلو ثمر بار نہ ہو سکا جس کا مقصد ھندوستانی سر میں انگریزی دماغ رکھنا تھا۔

1857ء کا سال ایک ایسی حدفاصل بن کر آیا جہاں قدیم اور جدید ایک دوسرے سے

جدا ہو گئے۔ اس سال کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ یگانہ نے کلکتہ یونیورسٹی سے 1903ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا تھا۔ 1867ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ 1870ء میں " تہذیب الاخلاق " کا اجرا ہوا۔ " تہذیب الاخلاق " نے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، تہذیبی، علمی اور ادبی پہلوؤں کا احاطہ کیا اور ذہنی انقلاب کی راہیں کشادہ کیں۔ اسی سال لاہور میں "اورینٹل کالج" قائم ہوا جہاں السنہ مشرقی کی تدریس کے ساتھ ساتھ یورپی علوم و فنون جدید ہندوستانی زبانوں (عربی، فارسی، ہندی اور اردو) کے ذریعے پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ 1877ء میں سرسیّد نے جدید تعلیم کو فروغ دینے کے لئے "محمڈن اینگلو اورینٹل کالج" قائم کیا جس نے آگے چل کر مسلمانان ہند کی فکری و علمی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا۔ سرسیّد ہی نے 1886ء میں "آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کی بنیاد ڈالی، جس نے "آل انڈیا مسلم لیگ" کے قیام کی راہ ہموار کی۔

1917ء میں حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا جس کا سہرا میر عثمان علی خاں والی حیدر آباد کے سر ہے۔ اس ادارے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام مغربی علوم زبان اردو میں پڑھائے جانے لگے اس کے ساتھ انگریزی زبان کی تعلیم بھی لازمی مضمون کے طور پر برقرار رہی۔ مغربی علوم و فنون کی درسی کتابوں کے اردو ترجموں کے لئے 1917ء میں "دارالترجمہ" قائم ہوا جہاں مستند اور معیاری کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ 1920ء میں علی گڑھ میں مولانا محمد علی جوہر کی کوششوں سے "جامعہ ملّیہ اسلامیہ" کا قیام عمل میں آیا 1925ء میں اسے دھلی منتقل کر دیا گیا۔ جامعہ ملّیہ اسلامیہ اس خواھش کا مظہر تھی کہ گورنمنٹ کے اثر سے بچ کر اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے اور صنعت و حرفت کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے چنانچہ اس میں مختلف مفید پیشوں کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔

سرسیّد نے "تہذیب الاخلاق" کے ذریعے صحافت کو جن مقاصد کے لئے استعمال کیا اس نے ترقی اور ذھنی بیداری کو فروغ دیا اور زندگی میں پرانے نقطۂ نظر، کہنگی، فرسودگی،

تعطل اور جمود کو دور کیا۔ "تہذیب الاخلاق" کے بعد " اخبار عام " لاہور " مسلم گزٹ " لکھنؤ، " اردوئے معلیٰ " علی گڑھ، " مخزن " لاہور " معارف " ندوہ، " زمیندار " لاہور، " الہلال " کلکتہ، " کامریڈ " اور " ہمدرد " دہلی وغیرہ نے نئی نسل کو خبر کی اہمیت کا احساس دلایا۔ محمد علی جوہر، ظفر علی خاں اور حسرت موہانی نے صحافت کو قدر اوّل کی چیز بنا دیا۔ یگانہ ظفر علی خاں کی علمی و ادبی اور صحافتی کارناموں کے بہت معترف تھے، ان کا ایک غیر مطبوعہ شعر ہے

ے بننے کو گرامی بنے اقبال بنے جب جانیں کوئی ظفر علی خاں بن جائے

خود یگانہ بھی " اودھ اخبار " لکھنؤ کے مدیر رہے۔ اودھ اخبار منشی نول کشور پریس لکھنؤ سے روزانہ شائع ہوتا تھا اور ہر لحاظ سے معیاری اخبار تھا۔ جس میں قومی اور بین الاقوامی خبروں کے علاوہ سماجی، علمی اور ادبی موضوعات پر گراں قدر مضامین شائع ہوتے تھے اودھ اخبار اصلاحِ معاشرہ کا حامی اور مشرقیت کا علم بردار تھا۔

بیسویں صدی کے اس علمی و ادبی میں ماحول میں یگانہ کے شعور نے انگڑائی لی وہ کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس پاس تھے۔ انگریزی میں ان کی استعداد کا ثبوت اس بات سے مل جاتا ہے کہ وہ 1904ء میں کلکتہ آئے اور وہاں شہزادہ محمد یعقوب علی مرزا اور شہزادہ محمد یوسف علی مرزا کی انگریزی تعلیم پر مقرر ہوئے۔(64) یگانہ نے عمر کے آخری حصے میں ایک کتاب 'ISLAM' کے عنوان سے انگریزی زبان میں مرتب کی. بے شمار مضامین علمی، ادبی، تاریخی، تہذیبی، معاشرتی اور تنقیدی نوعیت کے تحریر کئے۔ ان کے مطبوعہ مضامین میں سے چند مضامین ایسے ہیں جن پر " تہذیب الاخلاق " کے مضامین کے اثرات واضح طور پر محسوس ہوتے ہیں۔(65) یگانہ کے نثری مضامین ہندوستان کے مؤقر جرائد میں شائع ہوتے تھے۔ ہندوستان میں مختلف علوم کی درس گاہوں نے شاعری کے بجائے نثر کو فروغ دیا۔ اس اعتبار سے علوم کے تناظر میں یگانہ کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔(66) خاص طور پر ان کے تحریر کئے ہوئے وہ

مضامین بہت اہم ہیں جن میں یگانہ نے لسانی مشکلات پر فیصلہ کن بحث کی ہے۔(تفصیل باب ہشتم میں درج ہے۔)

ادبی حوالے سے یگانہ کا عہد ہئیت کے نت نئے تجربات کی طرف مائل دکھائی دیتا ہے۔ شاعری میں ہئیت کے تجربوں کی شروعات تو حالی کے زمانے سے ہو جاتی ہے مگر اس کی تکمیل کا مرحلہ بیسویں صدی کی فضاؤں میں طے ہوا چنانچہ بیسویں صدی نظم کے عروج کی صدی ثابت ہوئی۔ دہلی اور لکھنؤ کی سیاسی و تہذیبی مرکزیت ختم ہو جانے کے بعد شاعری اب ان حوالوں سے آزاد ہو چکی تھی۔ بیسویں صدی نے شاعری کو یہ موقعہ فراہم کیا کہ وہ تنگنائے غزل کے کناروں کو پھلانگ جائے چنانچہ اس صدی کے طرز احساس کو ایک ایسی ہئیت کی ضرورت تھی جو شعری اظہار سے ہم آہنگ ہو۔ اب ہر نیا دن نئے مسائل کو لے کر طلوع ہونے لگا تھا مشینوں کی گڑگڑاہٹ میں انسانی زندگی گم ہوتی جا رہی تھی۔ شہروں کے لوگ کارخانوں کی چمنیوں سے نکلنے والے دھویں کی مانند ہیولے بننے لگے تھے۔ ان کی الجھنیں، ان کی پریشانیاں، ان کی مصیبتیں اور ان کے دکھ نا مختتم ہو گئے تھے۔ فرد اپنی اکائی سے بچھڑ گیا تھا اس کی ذات بہت سے خانوں میں منقسم ہو گئی تھی اور اس کے وجود کی دیواریں چٹخ کر منہدم ہونے لگیں تھیں چنانچہ ایسے ادب کی ضرورت محسوس کی جانے لگی جو وجود آشنا ہو اور جس کے اظہار میں ربط اور تسلسل ہو تاکہ وہ غیر مربوط زندگی کا مربوط اظہار کر کے دکھوں کا مداوا کر سکے اور انسانی محرومیوں پر امید کی نفسیاتی شعاعیں ڈال سکے۔اس ضرورت کو نظم نے پورا کیا۔ غزل نے ابھی زندگی سے آنکھیں چار کرنا نہیں سیکھا تھا یہ ابھی تک مشاعروں کے سامعین کی جذباتی زندگی کو تھپکیاں دے رہی تھی۔ چنانچہ جب نظم کو فروغ حاصل ہوا تو غزل کو کفنانے کے مشورے بھی بہم ہوئے یہی وقت غزل کی آزمائش کا تھا اور آزمائش کی اسی گھڑی میں یگانہ کی غزل نے جنم لیا۔ اسی لمحے شاد، حسرت، فانی اصغر، جگر اور فراق نے صحیح معنوں میں غزل کی صحت مند اور جاندار روایات کو زندہ کیا۔ یوں بیسویں صدی کے آغاز ہی سے اردو غزل کی تربیت نئے انداز اور جدید شعور کے حوالے سے ہوئی۔ فراق کے لفظوں میں

" جذباتی سکول کا اثر جب مٹنے لگا اور یاس، حسرت، جگر، اصغر اور فانی وغیرہ کا دور شروع ہوا اس وقت سے اردو غزل گوئی لکھنؤ کی تنگ و تاریک گلیوں سے نکل کر ہندوستان کی کھلی فضا میں آ گئی۔ " (67)

اور بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی

" زندگی میں تنوع اور رنگا رنگی کی جو خصوصیات پیدا ہو رہی تھیں انہوں نے غزل میں بھی اپنا رنگ دکھایا۔ "(68)

بیسویں صدی کے آغاز میں ہی رسالہ " مخزن " لاہور نے شعر و ادب میں واقعیت اور عقلیت کے مقابلے میں تخیلیت اور رومانیت کا عنصر داخل کر دیا اور مادیت اور عینیت کے مقابلے میں خالص ادبیت اور جمال پرستی کو فروغ دیا۔ اس رجحان کو سجاد حیدر یلدرم، عبدالرحمان بجنوری، مہدی افادی، سجاد انصاری، قاضی عبدالغفار اور نیاز فتح پوری وغیرہ نے آگے بڑھایا۔ مخزن نے اپریل 1901ء میں جنم لیا اس کے جملہ مقاصد میں اردو نظم میں مغربی خیالات، فلسفہ اور سائنس کا رنگ بھرنا اور نتیجہ خیز نظم کو رواج دینا تھا۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کی کوشش میں اقبال بھی شامل تھے۔(69) شرر نے جدید نظم نگاری کی جو تحریک شروع کی تھی وہ مخزن کے ذریعے پروان چڑھی۔ بعد میں تاجور نجیب آبادی نے " ہمایوں " کے ذریعے اسے آگے بڑھایا اور "نیرنگ خیال"، "پیمانہ"، "نگار"، "زمانہ"، "ایوان"، "یادگار"، "ہزار داستان"، "عالمگیر"، "ادبی دنیا"، "کارواں"، "مخزن"(دور جدید) "شاہکار" اور "رومان" نے اسے قبول عام عطا کیا۔

بیسویں صدی کے اوائل میں مغرب میں سرمایہ داری کا عروج فسطائیت کا بھیانک روپ دھار رہا تھا۔ 1917ء میں روس میں مزدور کو فتح ہوئی۔ جس کے نتیجے میں اشتراکی اور اشتمالی خیالات تمام دنیا میں پھیل گئے۔ پہلی عالمی جنگ نے سرمایہ داری اور سامراجیت کے پردے فاش کئے چنانچہ شاعری اب ارتقا کی ایک سیدھی لکیر پر چلنے کے بجائے نئے زاویوں سے آگے بڑھی۔

ایک جانب اقبال تھے تو دوسری جانب رومان پسند شعراءُ جوش، اختر شیرانی اور عظمت اللّٰہ خاں۔ غزل میں یگانہ، حسرت، فانی، اصغر اور فراق کے طرز احساس، لہجے اور رویّے میں نئے عہد کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی آئی۔ لکھنؤ روایت پسندوں کا گھر تھا۔ وہاں بھی غزل کے اسلوب میں آہستہ آہستہ تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ غرض ادبی منظرنامہ بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہا تھا کہ چوتھی دھائی میں دو نئی ادبی تحریکوں نے جنم لیا اور شاعری کی روایت کا رخ اپنے اپنے بہاؤ کی جانب موڑ دیا۔

ہندوستان میں چوتھی دھائی سے جو دو نئی تحریکیں ابھریں وہ اپنی نوعیت میں پہلی دو تحریکوں سے بہت مختلف تھیں ان دونوں تحریکوں کا اپنا اپنا حلقۂ اثر تھا اپنا اپنا منشور تھا اور اپنے اپنے ادبی رسائل تھے۔ گویا ادیبوں کی دو آزاد مملکتیں وجود میں آ گئی تھیں جن کے تعلقات آپس میں بہتر نہ تھے۔

1930ء میں دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑا اقتصادی بحران پیدا ہوا جس کے نتیجے میں حکومتوں کا وجود خطرے میں پڑ گیا بمبئی اور کلکتہ میں صنعتی ترقی کے ساتھ آجر اور مزدور کے ناخوشگوار تعلقات کے دور کا آغاز ہوا اسی زمانے میں ادب کا مقصد یہ قرار پایا کہ ہندوستان میں بھوک، افلاس، روٹی، مکان اور کپڑے کے جو مسائل روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں ان کو موضوع بنایا جائے۔ انہی تصورات کے ساتھ 1936ء میں " انجمن ترقی پسند مصنفین " کی بنیاد رکھی گئی جس کے اہم مراکز لکھنؤ، الہ آباد، دھلی، بمبئی اور لاھور تھے۔ ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس 15 اپریل 1936ء کو لکھنؤ میں منعقد ہوئی جس میں منشی پریم چند نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا

"ھماری کسوٹی پر وہ ادب کھرا اترے گا جس میں تفکر ہو، آزادی کا جذبہ ہو، حسن کا جوھر ہو، تعمیر کی روح ہو، زندگی کی حقیقتوں کی روشنی ھو جو ھم میں حرکت اور ھنگامہ اور بے چینی

پیدا کرے۔ سلائے نہیں کیونکہ اب اور سونا موت کی علامت

ہو گی۔ " (70)

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر ہندوستان میں سماجی اور تاریخی واقعیت پر مبنی بیانیہ ادب کو اہمیت حاصل ہوئی۔ ترقی پسند ادب کے اثرات مرتب ہی ہو رہے تھے کہ یورپ علامتیت اور شعور کی رو کی زد میں آ گیا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ ہندوستان کا ادب اس سے متاثر نہ ہوتا۔ چنانچہ ترقی پسند تحریک کے متوازی کئی اور لہریں سامنے آ گئیں۔ کم و بیش اسی زمانے میں " حلقہ ارباب ذوق " کا آغاز ہوا حلقے کی شاخیں دہلی اور شمالی ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں قائم کی گئیں اس فورم سے ادب کو قائم بالذات اور ادب کی جمالیاتی قدر کو سب سے اہم قرار دیا گیا۔ ادب کے تجزیے اور تخلیق کے لئے علم نفسیات سے مدد لی گئی تاکہ تجربے کے داخلی پہلوؤں اور تخلیق کار کے لاشعور تک رسائی ہو سکے۔ نفسیات نے آزاد تلازمۂ خیال کو اہمیت دی نتیجہ یہ ہوا کہ نئے نئے امیجز کی تلاش کا سلسلہ شروع ہوا اور آزاد نظم کو بطور خاص قبولیت حاصل ہوئی۔ مصرعوں میں بحروں کے ارکان کو کم و بیش کرنے کا جواز یہ کہہ کر پیش کیا گیا کہ اس طرح ہر مصرعے میں جذبات کا اتار چڑھاؤ فطری آہنگ کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔ فرانس کی علامتی تحریک سے استفادہ کیا گیا تکنیک پر زور دے کر زبان اور ہئیت کے تجربے کئے گئے اور سیاسی و معاشی تصورات سے علیحدگی اختیار کی گئی۔ "حلقہ ارباب ذوق" کے متعلقین نے ہئیت کے ابتدائی تجربوں کو مزید آگے بڑھایا۔ آزاد تلازمات اور ہئیت کے تجربوں کے اعتبار سے اسے ترقی پسند تحریک کا رد عمل کہنا چاہئیے۔

ان دونوں تحریکوں کے آئینے میں بیسویں صدی کے دوسرے ربع کے ادب کے خد و خال دیکھے جا سکتے ہیں جب فرائیڈ کی تحلیل نفسی اور مارکس کے مادّی جدلیات کے نظریے سے اردو کے شعراء متعارف ہوئے۔ بیسویں صدی میں کئی اہم ادبی رویّے عمودی اور افقی خطوط کی صورت میں ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ "مخزن" کی رومانی تحریک ایک

عصری خط کی صورت میں ترقی پسند تحریک اور حلقۂ ارباب ذوق کے افقی خطوط پر گرتی نظر آتی ہے۔ یگانہ نے غزل کی حمایت میں ترقی پسندوں اور حلقۂ ارباب ذوق کے متعلقین کے خلاف کئی مضامین لکھے اور نہایت شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ جوش ملیح آبادی کو غزل کی مخالفت میں کمر بستہ دیکھ کر یگانہ نے بڑی سخت تنقید کی اور ان کی شاعری کو زیٹ زہٹ کا نام دے کر دو طویل مضامین لکھے۔(71) ترقی پسندوں کی شاعری کو بھی انہوں نے یہی نام دیا قافیے سے محروم شاعری کو جسے حلقۂ ارباب ذوق نے ادب لطیف کا نام دیا تھا۔ یگانہ نے اسے ادب خبیث کہا(72) اور اپنی رو میں نظم آزاد کی تحریک کو اوباشانہ قرار دیا(73) یگانہ اپنے انتہا پسند موقف پر آخر تک ڈٹے رہے انہوں نے شاعری میں قافیے کی ضرورت پر مضامین لکھے اور اپنی تصانیف میں اسکی اہمیت پر تفصیل سے بحث کی۔(74) درحقیقت وہ غزل کی حمایت میں کچھ بھی کر گزرنے پر آمادہ تھے یگانہ لکھتے ہیں

> "ناعاقبت اندیش لوگ کس ڈھٹائی سے اپنی تحریر و تقریر میں
> شیخیاں بگھارتے رہتے ہیں کہ غزل گوئی کا دور ختم ہو گیا
> غزل مر گئی، غزل دفن ہو گئی وغیرہ وغیرہ حالاں کہ یہ
> امر ناممکن ہے کبھی ایسا نہ ہو گا۔" (75)

بیسویں صدی کی اردو شاعری خواہ وہ نظریاتی رہی ہو یا غیر نظریاتی ایک بات ہمیشہ اس کے حق میں جائے گی کہ اس میں جو عالی حوصلگی پائی جاتی ہے وہ اس فطری تقاضے کی مظہر ہے جسے ہم ضمیر کے نام سے جانتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ بیسویں صدی کے فرد کی نفسی الجھنوں اور مصائب (دل کے جانے والے سانحوں سے الگ) کی تفہیم بغیر کسی منشور یا بغیر کسی ازم کے اگر کسی کے یہاں ممکن ہے تو وہ یگانہ کی شاعری ہے کہ جس کے یہاں پہاڑ کاٹنے والے آدمی کا حوصلہ اپنی زمین سے ہار جاتا ہے تو اس کی شکست اور پسپائی کا منظر دیدنی ہوتا ہے۔

حــواشــی

1) سجاد باقر رضوی، مقالہ " یــگانہ کی غزل "، بحوالہ تہذیب و تخلیق، صفحہ 191، مطبوعہ مکتبہ ادب جدید لاہور، طبع اوّل اپریل 1966ء۔

2) ــہ کون دیتا ہے دادِ ناکامی خونِ فرہاد برسرِ فرہاد (یــگانہ)

3) مقالہ " میرزا یــگانہ کی شاعری "، بحوالہ تخلیقی ادب (2)، مرتبہ مشفق خواجہ، صفحہ 34، مطبوعہ عــصری مطبوعات کراچی، 1980ء۔

4) راہبرانِ خود گم را جز دعا چہ فرمایم پا شکستہ و حیراں ماندہ در وطن تنہا (یــگانہ)

5) ملاحظہ کیجئے " آیات وجدانی " کے محاضرات، صفحات 80،81،82، مطبوعہ مطبع کریمی لاہور، طبع اوّل 1927ء۔

6) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، " اردو ھندی تنازعہ "، صفحہ 189، نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع اوّل 1977ء۔

7) ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، بحوالہ اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، صفحہ 92، مطبع جامع پنجاب لاہور، 1966ء۔

8) Lovelt, Sir verney, A History of the Indian Nationalist Movement, page 35 London 1968.

9) بحوالہ اردو ھندی تنازعہ، صفحہ 232۔

10) تفصیل کے لئے دیکھئے " اردو ھندی تنازعہ " کا تیسرا باب

11) Studies in Islamic Culture in the Indian environment, page 11, Oxford 1964.

12) D.G Tendulker, Mahatma Vol.II page 110, Bombay 1951.

13) برٹین اینڈ مسلم انڈیا، لنــدن، بحوالہ " حصول پاکستان "، صفحہ 180، پروفیسر احمد سعید، مطبوعہ ایجوکیشنل امپــوریم لاہور، 1975ء۔

14) بیــداریٔ موہوم کا پردہ نہ ھٹا کہنے کے لئے وقت بہت خوب کــٹا
کیا جانیے کل سے آج تک کیا گزری پانی کتنــا بہا ھے پل کتنا گھٹا (یــگانہ)

15) بحوالہ " آیات وجدانی "، طبع اوّل صفحہ 81۔

16) بلنــد اقبال بیگم سے ان کی صاحبزادی شہناز بیگم کی رہائش گاہ واقع 10/4-A-3 ناظم آباد کراچی پر ایک ملاقات، مورخہ 10 نومبر 1984ء۔

17) غیرت ہی نہیں جاؤ جہنم میں پڑو   جوتے غیروں کے کھاؤ آپس میں لڑو
کیوں خاک وطن کو کر رہے ہو ناپاک   آباد کرو حیل اللہ ہٹ کے سڑو (یگانہ)
(یہ رباعی یگانہ کے کسی شعری مجموعے میں شامل نہیں۔ "نیرنگ خیال" لاہور (سالنامہ)
دسمبر 1933ء، صفحہ 80 پر طبع ہوئی۔)

18) " نوادر ادب " بحوالہ اورینٹل کالج میگزین لاہور، صفحہ 50، فروری 1964ء

19) ایضاً صفحہ 51 --- یگانہ نے آیات وجدانی طبع اوّل میں اپنے ایک شعر
پہنا دیا ہے طوق غلامی تو ایک دن   میری طرف بھی مالک تقدیر دیکھنا
کی وضاحت کرتے ہوئے اس واقعہ کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے " اس شعر کی
لذت ان فقیروں سے پوچھئے جو زنجیر غلامی میں جکڑے ہوئے ہوں مگر بوئے حریت و آزادی
باقی ہو۔ " صفحہ 82۔

20) بحوالہ " اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر "، صفحہ 42۔

21) بحوالہ۔جھلکیاں، صفحہ 24، مرتب سہیل عمر، نعمانہ سہیل، مطبوعہ مکتبہ الروایت
لاہور، 1981ء۔

22) بحوالہ۔مقالات ماجد، صفحہ 178، مطبع اور سال اشاعت ندارد

23) بحوالہ۔گذشتہ لکھنؤ، "مشرقی تمدن کا آخری نمونہ"، صفحہ 171، مطبوعہ کراچی 1956ء۔

24) لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی   ہوس سیر و تماشا ہے سو وہ کم ہے ہم کو (غالب)

25) مقالہ " لکھنؤ "، بحوالہ " تصویر " ہریانہ، (منشی نول کشور نمبر)، صفحہ 24، جولائی
اگست 1979ء۔

26) بحوالہ " قدیم لکھنؤ کی آخری بہار "، صفحہ 11، مطبوعہ ترقی اردو بیورو نئی دہلی 1981ء،

27) مضمون " بھائی ابّا "، بحوالہ تخلیقی ادب (2)، صفحہ 396۔

28) ملاحظہ کیجئے تخلیقی ادب (2)، صفحہ 415۔

29) پنڈت رتن ناتھ سرشار نے " فسانۂ آزاد " میں "صف شکن" کو لکھنؤ کی معاشرت کا ایک
مستقل کردار بنا دیا ہے۔ (ن ج)

30) اس سلسلے میں ملاحظہ ہو خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کا مضمون " گوہر بیگم "، مطبوعہ
رسالہ " باغ و بہار " ملتان (مارچ 1935ء، صفحہ 9 تا 12) اور یگانہ کا مضمون
" گوہر بیگم "، مطبوعہ رسالہ " باغ و بہار " ملتان (مئی 1935ء، صفحہ 9-10)

31) مرزا ہادی رسوا نے اپنے ناول " امراؤ جان ادا " میں خانم کے روپ میں ڈیرہ دار طوائف
کی زندہ تصویر بنا دی ہے۔ (ن-ج)

32) لکھنؤ میں مختلف ناموں کی کربلائیں تھیں جیسے کربلائے تال کٹورہ، کربلا فضل حسین (جہاں یگانہ دفن ہیں) وغیرہ اصل میں تو یہ گورستان ہیں-(ن-ج)

33) " امراؤ جان ادا " کے مولوی صاحب نے امیرن کو تہذیب و اخلاق کے ساتھ خدا ترسی کی تعلیم بھی دی تھی- (ن-ج)

34) بحوالہ قدیم لکھنؤ کی آخری بہار، صفحہ 199

35) ایضاً ، صفحہ 335

36) ایضاً ، صفحہ 337

37) ایضاً ، صفحہ 356

38) ایضاً ، صفحہ 404

39) ایضاً ، صفحہ 551 - یگانہ نے علم عروض پر اپنی تصنیف " چراغ سخن " طبع دوم (مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ دسمبر 1921ء) کے مختلف صفحوں پر درج ذیل کتابیں کی فروخت کے اشتہار دئیے تھے-

(1) سرّ اکبر از داراشکوہ،عہد اورنگ زیب کا مخطوطہ بہ خط خلیفہ محمد شفیع(قیمت تیس روپے)

(2) دیوان شوکت بخاری، پرانا قلمی نسخہ(قیمت بیس روپے)

(3) دیوان حکیم شفائی ،قلمی (قیمت بیس روپے)

جب یگانہ کی تنگ دستی بڑھی تو انہیں مجبوراً سستے داموں کتابیں بیچنا پڑیں- یگانہ کے اس سرمایے میں سے میر غلام علی آزاد بلگرامی کا فارسی تذکرہ " ماثرالکرام موسوم بہ سرو آزاد " مسعودحسن رضوی ادیب کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے(بحوالہ نیر مسعود کا مضمون " میرزا یگانہ(بہ حوالۂ ادیب) ، مطبوعہ دو ماہی اکادمی لکھنؤ، جنوری فروری 1985ء صفحہ 22) یگانہ نے اپنے ایک خط بنام ضیاءالدین بدایونی میں اس طرف یوں اشارہ کیا ہے " تنگ دستی کے ہاتھوں مجھے اپنی عمر بھر کے سرمایہ یعنی کتب خانہ تک کوڑیوں کے مول بیچ کر سر بصحرا ہونا پڑا- " (نقوش، مکاتیب نمبر،حصہ دوم، نومبر 1957ء)

40) مقالہ " لکھنؤ ادبی مرکز "،بحوالہ انتخاب احتشام حسین، صفحہ 107 ،مرتب فقیر احمد فیصل مطبوعہ لاہور اکیڈمی لاہور، سال اشاعت ندارد -

41) ایضاً ، صفحہ 124

42) شاہ ولی اللہ کے ہم عصر نظیر اکبر آبادی نے ان کے عمرانی افکار کو اس طرح قبول کیا ہے

جتنے بھی آگرہ میں ہیں کارخانہ جات — سب پر پڑی ہیں آ کر روش کی مشکلات

43) بحوالہ اردو ہندی تنازعہ، صفحہ 5

44) شیخ محمد اکرام، بحوالہ رود کوثر، صفحہ 586، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع ہفتم 1979ء۔

45) شیخ محمد اکرام،بحوالہ موج کوثر، صفحہ 14، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع یازدہم 1982ء۔

46) بحوالہ پاکستان ناگزیر تھا، صفحہ 20، مطبوعہ کراچی یونیورسٹی، اشاعت چہارم اگست 1984ء۔

47) ڈاکٹر انور سدید، بحوالہ اردو ادب کی تحریکیں(ٹائپ مسودہ)، صفحہ 314(مقالہ برائے پی ایچ ڈی)۔

48) محمد عتیق صدیقی، بحوالہ ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں)، صفحہ 132، مطبوعہ انڈس پبلی کیشنز کراچی، طبع دوم 1980ء۔

49) ایضاً، صفحہ 133

50) ملاحظہ کیجئے "نظارہ" میرٹھ، جولائی 1916ء

51) بحوالہ انتخاب احتشام حسین، صفحہ 143

52) ایضاً، صفحہ

53) ایضاً، صفحہ 150 ۔ یگانہ نے رسمی عبادات پر اپنے اشعار میں بہت کچھ اظہار خیال کیا ہے

کہیں رسمی عبادت روح کو بیدار کرتی ہے + نماز بے عمل سے حق مذہب رائگاں کیوں ہو

یگانہ یاد خدا کو وجدانی کیفیت سمجھتے ہیں جو ظاہر اور شعوری کوشش سے سوا ہے

ہو رہے گا سجدہ بھی جب کسی کی یاد آئی

یاد جانے کب آئے زندہ داریٔ شب کیا

یگانہ کہتے ہیں " شب زندہ داروں کی سجدہ بازیاں ایک طرف اور ارباب ذوق، ارباب فکر و نظر کا سجدۂ تہہ دل ایک طرف بعض اوقات ایسے واردات و مشاہدات سے سامنا ہوتا ہے کہ دل بے اختیار سجدہ میں جھک جاتا ہے اور یہی سچی عبادت ہے۔" (مقالہ "آرٹ اور مذہب" قلمی مسودہ، مملوکہ بلند اقبال بیگم) عبادات و شعائر پر یگانہ نے بہت تنقید کی ہے لیکن یہ تنقید اصل میں مذہب کا لبادہ اوڑھنے والے ان لوگوں پر ہے جنہوں نے مذہب کو خوف ناک چیز بنا رکھا ہے یگانہ نے اس موضوع پر بہت کچھ کہا ہے اور بعض اوقات نہایت سخت لہجے میں کہا ہے

۔ کس قدر واعظ مکار ڈراتا ہے مجھے   جیسے دوزخ کی ہوا کھا کے ابھی آیا ہے

۔ سب ترے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا   سر پھرا دے انسان کا ایسا خبط مذہب کیا

54) ڈاکٹر سیّد عبداللہ،بحوالہ سرسیّد اور ان کے نامور رفقاء، صفحہ 20، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1986ء

55) بحوالہ موج کوثر، صفحہ 178

56) ایضاً ، صفحہ 189

57) شروع میں معارف کے ایڈیٹر شبلی کے شاگرد عزیز مولانا سیّدسلیمان ندوی تھے جنھوں نے معارف کو سب سے موثر اسلامی رسالہ بنایا۔ معارف میں ایک آدھ مضمون ادبی نوعیت کا بھی شامل کیا جاتا تھا۔ سیّدسلیمان ندوی کتابوں پر تبصرے بھی کرتے تھے۔ معارف کے اپریل 1934ء کے شمارے میں انہوں نے یگانہ کے رباعیوں کے مجموعے " ترانہ " پر تبصرہ شائع کیا تھا۔

58) بحوالہ موج کوثر، صفحہ 208

59) بحوالہ گزشتہ لکھنؤ، صفحہ 26،مرتبہ شمیم انہونوی، مطبوعہ نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ لکھنؤ، طبع دوم اگست 1974ء۔

60) بحوالہ قدیم لکھنؤ کی آخری بہار، صفحہ 229

61) ایضاً ، صفحہ 232

62) میکالے ہندوستان میں انگریزی تعلیم کے مقاصد کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے

"We must at present do our best to form a class who may be interpreters between us and millions whom we govern_a class of persons, Indian in blood and colour, but English in tastes, in opinions, in morals and in intellect."
(Macaulay's Minutes on Education in India,page.115)

بحوالہ اکبر الہ آبادی(تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)، از ڈاکٹر خواجہ محمدزکریا، صفحہ 171 مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، مئی 1980ء ۔

63) بحوالہ ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں)، صفحہ 320 ۔

64) بحوالہ " آیات وجدانی " طبع اوّل؛ صفحہ 10۔

65) ملاحظہ کیجئے یگانہ کے مضامین

(1) "فلسفہ ہمدردی"، مطبوعہ " نظارہ " میرٹھ،دسمبر 1915ء .

(2) "مسرت ہمدردی"، مطبوعہ " نظارہ " میرٹھ،جون 1916ء .

(3) "مسئلہ انتقام" ، مطبوعہ " نظارہ " میرٹھ، جنوری 1916ء ۔

(4) "رسم و رواج کا اثر"، مطبوعہ " نظارہ " میرٹھ،جولائی 1916ء۔

(5) "دامن گلچیں"۔ذیلی عنوانات درج ذیل ہیں۔

(6) "کاھلی داخل فطرت ھے" ، مطبوعہ نیاز لدھیانہ ،فروری 1922ء ۔

(7) "اب کیا ھے"، مطبوعہ باغ و بہار ملتان، جولائی 1935ء ۔

(66) دارالعلوم دیوبند ، ندوۃ العلماء ، دارالمصنفین اور فرنگی محل جیسے علمی اداروں کے افکار و نظریات کا تذکرہ فکری و مذھبی منظرنامے میں کیا جا چکا ھے۔

(67) بحوالہ اردو غزل گوئی ، صفحہ 68-69، مطبوعہ ادارہ فروغ اردو لاھور، 1955ء ۔

(68) بحوالہ غزل اور مطالعۂ غزل ، صفحہ 552، مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ، ستمبر 1955ء ۔

(69) خلیل الرحمان اعظمی، مقالہ " جدید اردو نظم پہلی جنگ عظیم سے ترقی پسند تحریک تک " ، بحوالہ " نگار پاکستان "سالنامہ 1965ء، صفحہ 176 ۔

(70) مقالہ " ادب کی غرض و غایت " بحوالہ " زمانہ " کان پور، اپریل 1936ء، صفحہ 205 ۔

(71) ملاحظہ کیجئے " آیات وجدانی "(جدید) ، مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد، طبع سوم 1946ء ۔

(72) ملاحظہ کیجئے یگانہ کے مضامین

(1) " ادب خبیث " مطبوعہ " آج کل " دھلی ، یکم جنوری 1945ء ۔

(2) " ادب خبیث " مطبوعہ " آج کل " دھلی ، یکم اکتوبر 1945ء ۔

(3) " ادب خبیث " مطبوعہ آیات وجدانی (جدید) ، طبع سوم ۔

(73) بحوالہ " ادب خبیث " مطبوعہ آج کل دھلی، یکم جنوری 1945ء، صفحہ 10 ۔

(74) ملاحظہ کیجئے یگانہ کی تصانیف (1) نشتر یاس (2) چراغ سخن (3) آیات وجدانی ۔

(75) بحوالہ آیات وجدانی (جدید) ، صفحہ 304 ۔

باب دوم

حیات یگانہ

نام -- تاریخی نام -- تخلص اور اس میں تبدیلیاں -- اسلاف -- ترکہ -- ننھیال -- عالی نسبی اور برتری کا احساس -- پیدائش -- وطن مولود -- ابتدائی نشوو نما -- بچپن کے حالات -- والد کا انتقال -- ابتدائی تعلیم و تربیت -- شعر گوئی کا آغاز -- بیتاب عظیم آبادی سے تلمذ -- شاد کی شاگردی -- کلکتہ یونیورسٹی سے 1903ء میں میٹرک کے امتحان میں کامیابی -- تلاش معاش میں کلکتہ اور مٹیابرج کا سفر -- واپسی -- لکھنو آمد -- آب و ہوا اور دلچسپیوں کا اثر -- مستقل قیام -- پیارے صاحب رشید سے استفادہ -- حلیہ -- شادی -- سسرال -- کنیز حسین (یگانہ بیگم) -- اولاد --

غزلیات کا پہلا مجموعہ " نشتر یاس"(1914ء) -- عروض و قوافی کی مبادیات پر مبنی رسالہ " چراغ سخن "(1915ء) -- اہل لکھنو اور یگانہ کی کاغذی جنگ کا آغاز -- معیارالادب (معیار پارٹی) لکھنو کے ہم خیال شعراء کی جماعت کے متوازی " انجمن خاصان ادب " کا قیام -- لکھنو کے مشاعروں میں یگانہ کا بائیکاٹ -- یگانہ کا قطعۂ فخریہ(1920ء) -- یگانہ تخلص کرنے کی بنیاد -- " ترانۂ شفقیہ " (1920ء) کی تصنیف اور یگانہ کے اظہار فضیلت کا تجزیہ -- " کار امروز " لکھنو (1920ء) کا اجرأ -- لکھنو میں گزر بسر -- ملازمت کی تلاش میں حیدرآباد جانا (1915ء) اور بیمار ہو کر واپس آنا -- منشی نول کشور پریس لکھنو میں ملازمت -- " اودھ اخبار " کی ادارت -- " شہرت کاذبہ المعروف بہ خرافات عزیز " (1925ء) کا پریس میں دیا جانا(1923ء) اور نول کشور پریس سے یگانہ کی برطرفی -- اسلامیہ ہائی سکول اٹاوہ میں بحیثیت استاد تعیناتی -- ماہوار ادبی رسالہ " صحیفہ " اٹاوہ (جنوری 1925ء) کا اجرأ -- علی گڑھ میں ملازمت -- " اردو مرکز " لاہور سے وابستگی -- " پیسہ اخبار " سٹریٹ میں قیام -- " انجمن ارباب علم " کے مشاعرے -- " اردو مرکز " کا بند ہو جانا -- لاہور کے احباب -- اردو انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب -- " شیرھا بنگلہ "(بھاٹی دروازہ) میں قیام -- " آیات وجدانی "(1927ء) کی اشاعت -- لکھنو واپسی -- تلاش روزگار میں حیدرآباد روانگی -- رجسٹریشن و اسٹامپ کے محکمے

میں سب رجسٹرار متعین ہونا ۔۔ اہل خانہ کے ساتھ آگرہ روانگی اور قیام ۔۔
ملازمت کے سلسلے میں عثمان آباد اور لاتور تبدیلی ۔۔ رباعیوں کے مجموعے " ترانہ "
کی اشاعت (1933ء) ۔۔ یگانہ کے ساتھ " چنگیزی " کے لاحقے کا اضافہ ۔۔ آیات وجدانی
طبع دوم (1934ء) ۔۔ " غالب شکن " کی اشاعت (1934ء) ۔۔ " غالب شکن دو آتشہ "
(1935ء) ۔۔ مختلف مقامات پر تبادلے ۔۔ ریٹائرمنٹ (1942ء) ۔۔ شعلہ کا منہ بولا
بیٹا بن کر نازک وقت میں آڑے آنا ۔۔ پنشن کے بعد یگانہ کا حیدرآباد میں قیام ۔۔
آیات وجدانی جدید (طبع سوم 1946ء) کی ترتیب اور تدوین ۔۔ بمبئی روانگی ۔۔ واپسی
۔۔ سرکاری مسافر خانہ، نام پلی (حیدرآباد) میں سکونت ۔۔ علی اختر ہاؤس میں قیام
۔۔ لکھنو آمد ۔۔ جون 1947ء میں حیدرآباد روانگی ۔۔ سخت بیماری کے عالم میں
لکھنو واپسی (مارچ 1949ء) ۔ ایک بار پھر قسمت آزمانے کے لئے حیدرآباد روانگی (15 جون
1949ء) اور لکھنو واپسی (مارچ 1950ء) ۔۔ تمام اولاد کا ایک ایک کر کے جدا ہونا ۔
پہلے یگانہ بیگم اور بعد میں یگانہ کی کراچی روانگی (1951ء) ۔۔ پاکستان میں یگانہ
کے شب و روز ۔۔ ہندوستان کے اخبارات میں یگانہ کے خلاف یورش ۔۔ پاکستان میں یگانہ
کی گرفتاری کا قضیہ ۔۔ زائد قیام کا مسئلہ اور لکھنو واپسی ۔۔ بیگم کی ہندوستان
واپسی کے لئے کوششیں ۔۔ لکھنو میں یگانہ کے خلاف مسلم ہجوم کی متشددانہ یورش
اور اس کا پس منظر ۔۔ یگانہ کی دماغی حالت ۔۔ لکھنو میں قیام کا مسئلہ ۔۔
گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے ماہانہ گزارہ الاؤنس ۔۔ یگانہ بیگم کے ہندوستان
میں مستقل قیام کی کوششیں ۔۔ یگانہ کی بیماری اور " پہلا مکان شاہ گنج "
اور پھر " جناب کی گلی " میں قیام ۔۔ مسودات کو آکسفورڈ سے چھپوانے کی کوشش ۔۔
پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کے یہاں قیام ۔۔ یگانہ بیگم کی پاکستان روانگی ۔۔ تنہائی
۔۔ انتظار مرگ ۔۔ انتقال ۔۔ حواشی ۔۔

یگانہ کا اصل نام مرزا واجد حسین اور تاریخی نام مرزا فضل حسین نہیں(1) مرزا فضل علی بیگ تھا۔ ابتداً میں یاس تخلص کیا مگر بعد میں تخلص اور عرفیت میں تبدیلی آتی رہی۔ عظیم آباد میں یاس عظیم آبادی کہلاتے تھے ۔ لکھنؤ آ کر یاس یگانہ ہو گئے پھر یاس کا استعمال ترک کر دیا اور میرزا یگانہ لکھنوی لکھنے لگے اور آخر آخر یگانہ چنگیزی ہو گئے۔

یگانہ اپنے آپ کو چنگیزی النسل قرار دیتے تھے ان کے ددیہالی بزرگوں میں میرزا حسن بیگ چغتائی اور مرزا مراد بیگ چغتائی یہ دونوں بھائی ایران سے ہندوستان آ کر شاہان مغلیہ کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے اور حسن خدمت کے صلہ میں جاگیریں پا کر عظیم آباد جا بسے یگانہ کے اسلاف اور پھر یگانہ کو وراثت میں ملنے والے مواضعات مملوکہ کے بارے میں یگانہ کے اولین مجموعۂ کلام " نشتر یاس" کے مقدمہ نگار حامد علی خاں لکھتے ہیں

> " مرزا واجد حسین نام تخلص یاس ابن مرزا پیارے صاحب ابن مرزا آغا صاحب ابن حاجی احمد علی صاحب ابن مرزا روشن علی ابن مرزا حسن بیگ۔ موخرالذکر بزرگ اطراف ایران سے زمانۂ شاہی میں ہندوستان تشریف لائے اور سرکار دھلی کی فوج میں ملازم ہوئے انہیں خدمات کے صلہ میں چند جاگیریں پرگنۂ حویلی عظیم آباد میں بادشاہ کی طرف سے عطا ہوئیں انہیں جاگیروں میں ایک موضع رسول پورہ بھی تھا جو وراثتاً مرزا یاس کو پہونچا اس کے علاوہ اور بھی مواضعات مرزا یاس کو ملے جو حاجی احمدعلی صاحب کے حاصل کئیے ہوئے تھے انہیں مواضعات کے محاصل پر مرزا یاس کا معاش ہے۔ "(2)

یگانہ نے اپنی بعض تصانیف میں اپنے سلسلہ نسب کی تفصیلات بھی دی ھیں۔ آیات وجدانی جدید (صفحہ 3) میں یگانہ نے اپنا جو شجرہ نسب درج کیا ھے وہ زیادہ مکمل ھے علاوہ ازیں ان کے خاندانی کوائف نشتر یاس، " آیات وجدانی " (طبع اوّل) اور " خودنوشت " (مطبوعہ علی گڑھ میگزین) میں بھی درج ھیں۔ آیات وجدانی (طبع اوّل) میں یگانہ اپنے مورث اعلیٰ میرزا حسن بیگ چغتائی کے ایران سے ھندوستان آنے کے بعد کے حالات کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ھیں

" دو تین پشتوں تک تو تلوار ھاتھ میں رھی پھر سرکار دھلی سے جاگیریں پا کر مغلپورہ میں عیش و اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے پہلے تو تلورئے تھے مگر آخر میں نرے جاگیردار اور گھٹتے گھٹتے زمیندار رہ گئے۔ " (صفحہ 9)

میرزا حسن بیگ چغتائی کو مغلیہ سلطنت کی خدمت کے صلے میں جو جاگیر ملی وہ نسلاً بعد نسل ان کی اولاد پر منتقل ھوتی رھی اس کا کچھ حصہ یگانہ کے والد کو بھی ملا تھا جسے انھوں نے یگانہ کے بچپن ھی میں فروخت کر دیا تھا۔ اس لئے یگانہ کو والد کی طرف سے آبائی مکان کے سوا کچھ نہ ملا جو کچھ ملا وہ ان کے والد کے رشتے کی پھوپھی امتہ الزھرا بیگم کی طرف سے ملا جنھوں نے لڑکپن میں یگانہ کو گود لیا تھا۔

یگانہ ننھیال کی طرف سے بھی عالی نسب تھے۔ ان کے نانا مرزا علی حسن خان صاحب عرف بڑے باہو صاحب اور پرنانا نواب آغا جان صاحب شہر عظیم آباد کے ممتاز رئیسوں میں تھے۔ نانہالی بزرگوں کا سلسلہ لکھنو سے تھا اس سلسلے میں خود یگانہ آیات وجدانی جدید میں لکھتے ھیں " میرے نانہالی بزرگ لکھنؤ سے عظیم آباد میں جا بسے تھے اور مرشدآباد سے بھی ان لوگوں کے تعلقات تھے۔ " (صفحہ 5) یگانہ نے اپنے نانا نواب میرزا علی حسن خاں عرف بڑے باہو صاحب کو اپنے لڑکپن میں دیکھا تھا کشیدہ قامت، چھریرا بدن، سرپر پنجگوشہ ٹوپی، چوٹی دار انگرکھا، ہرکا پائجامہ کوئی ستّر برس کا سن ھو گا یہ وہ وقت تھا کہ ان کی تمام جائیدادیں تباہ ھو چکی تھیں گھر تک کھد چکا تھا نواب نصیر حسین خاں عرف چڑیا والے

نواب کے لڑکوں کو پڑھانے پر نوکر ہو گئے تھے۔

ان تمام حالات کے پیش نظر اگر دیکھا جائے تو یگانہ کو ترکے میں عالی نسبی اور ماضی کی یاد کے سوا کوئی بڑا اثاثہ نہ ملا کہ جس کے سہارے وہ اطمینان سے زندگی گزار سکتے۔ تاہم ورثے میں انہیں برتری کا احساس ضرور ملا تھا چنانچہ جب تک بچی کھچی جائیداد کا تنکا بھی باقی رہا یگانہ نے ملازمت کی ضرورت محسوس نہیں کی، مگر پھر بقا کی جنگ لڑنے کے لئے انہیں سرگرم عمل ہونا پڑا اس دوران برتری کے مستقل احساس نے طرح طرح کے رنگ بدلے اس بحر اضطراب میں جسے دنیا کہتے ہیں یگانہ کا سفینۂ حیات ہمیشہ دھارے پر رہا جسے گرداب مٹا نہ سکا مگر جسے ساحل بھی نصیب نہ ہو سکا۔

یگانہ 27 ذی الحجہ 1301ھ بمطابق 17 اکتوبر/1884ء کو جمعہ کے دن عظیم آباد کے تاریخی محلہ مغلپورہ میں پیدا ہوئے(3) عظیم آباد کا محلہ مغل پورہ تیموریوں، چغتائیوں اور قزلباشوں کا مسکن تھا یگانہ کے لفظوں میں

" اس مغل پورہ کی حالت لکھنؤ کے محلہ مفتی گنج کی سی تھی
جہاں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کے شرفا بھی تھے اور ایک سے ایک نامی
بانکے بھی موجود تھے۔ " (4)

آیات وجدانی جدید کے مطابق یہ وہی محلہ تھا جہاں دھلی کے شہزادگان و رؤسا رہتے تھے۔ نواب آصف الدولہ کے دو بھائی مرزا جنگلی اور مرزا مینڈو کی بھی اسی محلہ میں سکونت تھی یہی محلہ یگانہ کے بزرگوں کا مسکن تھا (صفحہ 9) یگانہ کے ننھیالی بزرگوں نے یہاں ایک بہت بڑا امام باڑہ بھی تعمیر کرایا تھا جو اپنی آراستگی کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ (صفحہ 7)

یگانہ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے یگانہ کی بڑی صاحب زادی بلند اقبال نے ایک ملاقات میں راقم کو بتایا کہ " ان کے تیرہ بہن بھائی اور بھی ہوئے تھے مگر سب کے سب کم سنی ہی میں فوت ہو گئے ان کی ایک بہن جن کا نام چندا بیگم تھا کسی مہلک وبائی بیماری میں

مبتلا ہو کر اپنی شادی کے چند ہی مہینوں بعد عین عالم شباب میں انتقال کر گئیں۔ یگانہ اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ ان کے پاس پیتل کا ایک چھوٹا سا خوب صورت گلدان تھا جو ان کی پسند پر بہن کے جہیز کے برتنوں کے ساتھ خریدا گیا تھا اور جسے اپنی بہن کی نشانی کے طور پر انہوں نے ہمیشہ جگو جگو کر رکھا۔" (5)

یگانہ کا بچپن خاصے اطمینان سے گزرا تاہم جاگیردارانہ طور طریقے رخصت ہو چکے تھے والد کی جائیداد ایک ایک کر کے مقدمے بازی کی نذر ہوتی گئی اس کے باوجود فکر معاش نے بڑے مسئلے کی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ ان کے والد نے انہیں اُس زمانے کے اعتبار سے بہترین مدرسے اور سکول میں تعلیم دلوائی مگر والد کا سایہ بہت جلد ان کے سر سے اٹھ گیا۔ بلند اقبال کا کہنا ہے

"بھائی ابّا بتاتے تھے کہ ان کی عمر تیرہ برس تھی جب ان کے والد کا انتقال ہوا۔" (6)

یگانہ اس وقت سکول کی ابتدائی جماعت میں زیر تعلیم تھے والد کے انتقال کے بعد ان کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

دستور زمانہ کے مطابق یگانہ ابتدائی تعلیم کے حصول کے لئے مولانا محمدسعید حسرت عظیم آبادی کے مدرسہ واقع محلہ مغل پورہ میں داخل کئے گئے۔ اس وقت ان کی عمر پانچ چھ برس کی رہی ہو گی۔ یہاں مولوی وزیر علی صاحب رنگ پوری اور مولوی محمد عظیم صاحب پشاوری سے یگانہ نے درسیات فارسی کی تکمیل کی اس کے بعد عظیم آباد کی معروف درس گاہ محمڈن اینگلو عربک سکول میں نام لکھوایا گیا۔

یگانہ اس وقت تک شعر گوئی کی طرف مائل ہو چکے تھے جس کے لئے زمین حسرت عظیم آبادی کے مدرسے میں ہموار ہوئی۔ سکول کے ہیڈماسٹر مولوی اعظم علی خاں نے یگانہ کی شعر گوئی کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے ان کے ذوق شعری کی تربیت کا اہتمام کیا آیات وجدانی (طبع

اوّل) کے دیباچے میں درج ہے۔ " سکول کے ہیڈماسٹر مولوی اعظم علی خاں صاحب اور ان کے استاد مولوی سیّد علی خاں صاحب بیتاب نے نہایت شفقت اور توجہ سے مرزا صاحب (یگانہ) کو تعلیم دی۔ " (صفحہ 10) بے تاب عظیم آباد کے معروف شاعر تھے اور شاد عظیم آبادی کے تلامذہ میں شامل تھے۔ یگانہ کی صحیح دماغی نشوونما، مذاق شاعری کی اصلاح اور رموز فصاحت و بلاغت کی تعلیم بھی بے تاب ہی نے فرمائی۔ بیتاب بہت مقبول مختار تھے اور فوجداری مقدمے لڑتے تھے۔ علم و ادب کا ذوق ان کو فطرت نے بخشا تھا وجدانی شاعر تھے۔ بیتاب کو اپنی مصروفیتوں کے باعث فرصت کم رہنے لگی تو انہوں نے یگانہ کو اپنے استاد شاد کی خدمت میں پیش کر دیا شاد سے تلمذ ہونے کا ذکر یگانہ نے اپنی تصانیف میں بارہا فخریہ انداز میں کیا ہے۔

یگانہ نے 1903ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے دوسرے درجے میں میٹرک کا امتحان پاس کیا(7) آیات وجدانی جدید کے مطابق وہ سکول میں ہمیشہ اوّل آتے رہے جس کے صلے میں وظیفے، انعامات اور تمغے حاصل کئے ۔ میٹرک میں پڑھائی کے دوران نواب کاظم علی خاں صاحب رئیس سنگی دالان عظیم آباد کے پوتے نواب ابوالحسن خاں(جن کا جوانی میں انتقال ہوا) کے ٹیوٹر مقرر ہوئے ان لوگوں سے یگانہ کے ننھیالی عزیزوں کی رشتہ داری بھی تھی جس کا علم یگانہ کو اپنی والدہ کے ذریعے ہو چکا تھا مگر یگانہ نے اپنی مٹی ہوئی خاندانی وجاہت کے پیش نظر اس تعلق کو ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی ۔

یگانہ اگرچہ وثیقہ دار تھے مگر جائیداد اتنی نہیں رہ گئی تھی کہ بیٹھ کر کھاسکتے چنانچہ انہیں تلاش معاش میں گھر سے نکلنا پڑا ۔ 1904ء میں انہوں نے کلکتہ اور مٹیابرج کا سفر اختیار کیا اور وہاں شہزادہ میرزا محمد مقیم بہادر (واجدعلی شاہ کے نواسے) کے مرشدزادوں محمد یعقوب علی مرزا اور محمد یوسف علی مرزا کے انگریزی کے اتالیق مقرر ہوئے۔ مگر مٹیابرج کی آب و ہوا راس نہ آئی کچھ دنوں بعد بیمار ہو کر عظیم آباد لوٹ آئے۔ اس علالت کا سلسلہ

قریباً سال بھر تک جاری رہا صحت کی حالت اس درجہ بگڑ گئی کہ امید زیست نہ رہی تبدیلی آب و ہوا کے لئے لکھنو آئے اور یہاں جھوائی ٹولہ میں قیام کر کے حکیم محمد عبدالعزیز صاحب لکھنوی سے رجوع کیا لکھنو کی آب و ہوا اور رنگا رنگ دلچسپیوں کا یگانہ پر اتنا خوشگوار اثر ہوا کہ ترک وطن کر کے لکھنو کو وطن بنا لینے کا قصد مصمم کر لیا۔ یگانہ پہلی مرتبہ 1905ء میں لکھنؤ آئے پھر کچھ دنوں بعد عظیم آباد گئے اور وہاں اپنی جائیداد کا کچھ حصہ فروخت کر کے دوبارہ لکھنو آ گئے اور اسے مستقل مستقر بنا لیا۔ یگانہ دوسری مرتبہ جب مستقل قیام کے ارادے سے لکھنؤ آئے تو 1906ء تھا " خود نوشت " کے مطابق اس مرتبہ وہ دھلی اجمیر، الہ آباد، بنارس وغیرہ کی سیاحت کرتے ہوئے لکھنو آئے۔(صفحہ 156) یگانہ نے لکھنؤ آنے کے بعد کچھ عرصہ انگریزی دفتروں میں ملازمت کی اس دوران مواضعات مملوکہ کی خبرگیری کے لئے ان کا عظیم آباد آنا جانا رہا۔لکھنو کی فضا شاعرانہ تھی گھر گھر مشاعرے منعقد ہوتے تھے چنانچہ یگانہ کو بھی قدرتاً شعر و شاعری کے مشغلے میں انہماک زیادہ رہنے لگا۔ لکھنؤ آ کر یگانہ نے اپنا کلام استفادے اور اصلاح کی غرض سے معروف مرثیہ نگار شاعر پیارے صاحب رشید کو دکھایا اور خود بھی مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ مشاعرے عموماً طرحی ہوتے تھے۔ اساتذہ کی زمینیں منتخب کی جاتی تھیں اور ان میں طبع آزمائی ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یگانہ کے پہلے مجموعہ کلام نشتر یاس میں بیشتر غزلیں اساتذہ کی زمینوں میں ہیں۔

لکھنؤ میں یگانہ حکیموں کے معروف محلے جھوائی ٹولہ میں کرائے کے مکان میں مقیم ہوئے۔ یگانہ کے اس زمانے کے حلیے کے بارے میں نورالحسن لکھتے ہیں

> " گندمی رنگ، اوسط قد ، لمبی لمبی مونچھیں ، چال البیلی ، ڈھیلے ڈھالے کپڑے، غرارہ دار پائجامہ، کالی بالوں والی ایرانی ٹوپی ،عینک لگی ہوئی، لکڑی ھاتھ میں ، جھومتے جھامتے پیدل پھرتے تھے بعض وقت بے ساختہ قہقہہ لگاتے۔ " (8)

انھی دنوں یگانہ کے رشتے کی بات لکھنؤ میں طے ہوئی اور 1913ء میں ان کی شادی ہو گئی۔

یگانہ نے آیات وجدانی طبع اوّل اور آیات وجدانی جدید میں اپنی شادی اور سسرالی عزیزوں کے بارے میں تفصیلات درج کی ہیں، آیات وجدانی (جدید) میں لکھتے ہیں

" وقتاً فوقتاً عظیم آباد جا کر اور جائیداد کا کچھ عرصۃ فروخت کر کے لکھنؤ میں بے فکری سے بسر کرتا رہا۔ حسن اتفاق سے ایک سال میرے مکرم و محترم نواب سیّد محمد رضا خاں عرف بنّا صاحب موج عظیم آبادی اپنے علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لائے انہیں کی وساطت سے لکھنؤ کے ایک معزز متوسط گھرانے میں میری شادی ہوئی یہ واقعہ 1913ء کا ہے میرے خسر جناب حکیم مرزا محمد شفیع صاحب اور نواب بنّا صاحب موج سے دیرینہ مراسم تھے۔" (صفحہ 8)

یگانہ کے خسر محلہ شاہ گنج لکھنو کے رہنے والے تھے۔لکھنؤ کے صاحب علم لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا نہایت پرہیز گار اور دین دار آدمی تھے اُن کے نواسے پروفیسر ڈاکٹر شیخ انصار حسین نے راقم کے مکتوب کے جواب میں لکھا (17 فروری 1985ء)

" یگانہ کے خسر میرے نانا جان حکیم محمدشفیع صاحب تھے ان بزرگ کا تعلق لکھنؤ کے مشہور خاندان حکماً سے تھا خصوصاً ان کے بھائی حکیم محمدتقی صاحب کا مطب نخاس لکھنؤ میں تھا۔"

میرزا محمدشفیع اور مرزا محمدتقی کے ایک بڑے بھائی اور بھی تھے جن کا نام مولوی مرزا محمد عسکری تھا جو ایک مرد ثقہ تھے۔ حکیم مرزا محمدشفیع کی پہلی بیوی کنیز فاطمہ سے تین بیٹے میرزا محمد فصیح ، میرزا محمد رضی/ اور میرزا محمد وصی اور دو بیٹیاں کنیز رضا اور کنیز حسین ہوئیں۔ دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تیسری بیوی انجو بیگم سے تین بیٹیاں ذاکیہ بیگم (پروفیسر ڈاکٹر شیخ انصار حسین کی والدہ محترمہ) راضیہ بیگم اور ھاجرہ بیگم ہوئیں۔ حکیم محمدشفیع صاحب کی پہلی بیوی کنیز فاطمہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی کنیز حسین یگانہ سے منسوب ہوئیں جن کی پرورش حکیم صاحب کی تیسری اہلیہ انجو بیگم نے مثل اپنی اولاد کے کی اور انہیں کے ہاتھوں

شادی کے جملہ امور انجام پائے۔ یگانہ کی شادی کے موقعہ پر نواب محمد عسکری مرزا خاں صاحب عرف ببن صاحب بلیغ نے ایک قطعہ تاریخ کہا تھا جس کے آخری شعر میں شادی کا سن عیسوی نکالا تھا، شعر ہے۔

لکھے ھیں پھر یاد سن عیسوی بلیغ ہے جشن "عقدیاس" کا مد نظر کہیں(10)
1913ء

کنیز حسین، یگانہ کی اہلیہ کا نام تھا جو اپنے نام سے کم اور یگانہ بیگم کے نام سے زیادہ پہچانی جاتی ھیں۔ یہ نام انہیں یگانہ نے دیا تھا۔ یگانہ بیگم یگانہ کے اچھے اور برے دنوں کی مونس و غم گسار اور رفیق و ہمدم تھیں۔ ہمسفری کا یہ عرصہ تینتالیس برس پر محیط تھا اس مدت میں بہار و خزاں کے کتنے ھی موسم بیتے، حوادث کی کتنی ھی آندھیاں چلیں روزگار کے بکھیڑوں نے یگانہ کو کبھی یہاں پٹخا تو کبھی وھاں۔ اٹاوہ، علی گڑھ، لاھور، عثمان آباد آگرہ، لاتور، یادگیر اور پھر لکھنؤ ۔ آج اس شہر میں کل نئے شہر میں جانے کس لہر میں۔

اس تمام شہر بدری میں یگانہ اور یگانہ بیگم کا پل پل کا ساتھ رہا۔تمام دکھ ھی دکھ ھونے کے باوجود یگانہ کو رفاقت کا سکھ میسر تھا ویسے بھی خود یگانہ نے ایک رباعی میں کہا تھا کہ

ع سکھ ھی سکھ ھو تو پھر اجیرن ھو جائے

ان کا اور یگانہ بیگم کا خاردار جھاڑی اور چڑیا کا ساتھ تھا۔(11)

یگانہ کے اپنی بیگم کے نام کچھ خطوط راقم کے پاس ھیں جن سے معلوم ھوتا ہے کہ وہ ہمیشہ خطوط میں اپنی بیگم کو " محرم رازمن " کہہ کر مخاطب کرتے تھے کبھی کبھار ان سے چھیڑ چھاڑ بھی کر لیتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے اپنے خطوط میں ایک بہت ھی دلچسپ ناٹک رچایا تھا جس کا مرکزی کردار خود ان کی ذات تھی ان خطوط میں یگانہ کی ایک بالکل مختلف شخصیت سامنے آتی ہے جو اپنے تلخ اور کڑوے کسیلے دنوں کو میٹھے اور رسیلے دنوں میں بدلنے کا سامان کرتی ھوئی دکھائی دیتی ہے خطوط جس زمانے میں لکھے گئے یہ زمانہ یگانہ کی زندگی

میں نسبتاً فراغت اور اطمینان کا زمانہ تھا وقت نے سر کھجانے کی ذرا سی مہلت دی تو بیگم سے چہلیں کرنے کو جی چاہنے لگا چونکہ ان خطوط میں یگانہ یکسر مختلف نظر آتے ہیں اور یہ خطوط پہلی مرتبہ منظر عام پر آ رہے ہیں۔ اس لئیے ان کی نقول ضمیمے میں دی جا رہی ہیں ملاحظہ کیجئیے ضمیمہ نمبر

یگانہ اور ان کی بیگم کے تعلقات ہمیشہ مثالی رہے۔ دونوں نے مل کر نہایت ذمہ داری کے ساتھ اپنی اولاد کی دیکھ بھال اور تربیت کی اور دونوں اپنی زندگیوں ہی میں اپنی بیٹیوں کے فرض سے فارغ ہو گئے تھے۔ تاہم عمر کے آخری حصے میں آپس کے تعلقات میں اس وقت دراڑ سی پڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جب یگانہ بیگم اولاد کی محبت میں پاکستان(کراچی) منتقل ہو گئیں مگر یگانہ جن کے دل و دماغ/میں ہوائے لکھنو بھری ہوئی تھی لکھنؤ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے ۔ اس وقت بھی نہیں جب لکھنؤ میں ان پر عرصۂ زندگی تنگ ہو گیا تھا۔ صورت حال کچھ یوں تھی کہ ایک طرف یگانہ تھے اور ان کی لکھنؤ میں رہنے کی ضد تھی اور دوسری طرف اولاد اور اس کا مستقبل تھا۔ بیوی اور ماں کے درمیان کشمکش میں جیت ماں کی ہوئی ۔ یگانہ پر تو پیغمبری وقت پڑا تھا انہیں تنہائیوں کا مداوا کرنے والے رفیق کی ضرورت تھی یگانہ بیگم نے ایک وفا شعار بیوی کی طرح ان کا ساتھ دیا تھا مگر مشکل یہ تھی کہ صورت بیوی اور ماں میں تقسیم ہو گئی تھی ۔ یگانہ مفلسی ، بیماری، ضعف اور بے گھری کے سبب تلخی اور چڑچڑے پن کا شکار تھے اگرچہ انہوں نے یگانہ بیگم کو بڑی محبت اور کوشش سے پاکستان سے بلایا تھا مگر یہاں آ کر وہی اُن کے چڑچڑے پن اور بے دماغی کا نشانہ بن گئیں شوہر کی طرف سے محبت کے دو بولوں میں کمی ہوئی تو ممتا اولاد کا سہارا ڈھونڈنے لگی اور یگانہ بیگم اپنی اولاد کے پاس واپس پاکستان چلی آئیں۔ بلند اقبال نے یگانہ کی زندگی کے اس دردناک پہلو کے حوالے سے راقم کو بتایا

" اماں پہلے دن ہی سے لکھنو میں رہنا نہیں چاہتی تھیں وہ اپنے بچوں میں رہنا چاہتی تھیں اور ان کی اور ہم سب کی خواہش

> بہی تھی کہ بھائی ابّا ھمارے ساتھ یہاں پاکستان میں رہیں مگر اس بات پر بھائی ابّا کسی صورت آمادہ نہیں ہوتے تھے چنانچہ ان کی خبرگیری کے لئے اماں کو طوعاً کرہاً لکھنو جانا پڑا لکھنو میں معاشی حالات موافق نہیں تھے جس نے ذھنی پریشانی میں اضافہ کیا بھائی ابّا اماں کو ھر صورت روکنا چاھتے تھے معاشی تنگیوں سے آپس کے تعلقات میں رنجش پیدا ھوتی چلی گئی جس کی وجہ سے ساتھ رھنا ناممکن ھو گیا۔ اٹھتے بیٹھتے کی بک بک جھک جھک سے اماں کی ذھنی حالت بھی شدید متاثر ھوئی وگرنہ وہ بھائی ابّا کی دیکھ بھال کے خیال ھی سے لکھنؤ گئی تھیں۔" (12)

اس تمام روداد سے متعلق راقم کا خیال ھے کہ یگانہ کی عمر کے آخری حصے میں ان کے دل میں اپنی بیگم کی طرف سے میل آیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یگانہ کو بیماری، بےبسی اور تنہائی کے عالم میں ان کی ضرورت تھی۔ اپنے وطن کو چھوڑ کر جس سرزمین سے انہوں نے دل لگایا تھا وھی اب کربلا ھو کر ان کے خون کی پیاسی ھوئی تھی تو حقیقت پسندی کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ بھی وھاں سے ھجرت کر جاتے مگر وہ اپنی جان اپنا وقار اور اپنی آبرو تک داؤ پر لگا کر لکھنو سے چمٹے رھے۔ ضیا عظیم آبادی نے درست لکھا ھے کہ

> "جس معاشرے میں فن کی قدردانی سماجی حیثیت دیکھ کر کی جاتی ھو وھاں ایک غریب الوطن، مفلس اور بیمار شاعر کا کیا کام" (13)

یوں یگانہ اپنے شعب العینی تصورات کے ساتھ لکھنؤ میں رہ گئے اور ان کی بیگم نے بچوں کے پاس پاکستان میں رھنے کو ترجیح دی شعلہ کے نام یگانہ کے جو ترانوے خطوط نیشنل میوزیم آف پاکستان کے مخزونہ مخطوطات میں موجود ھیں ان میں سے ایک خط محررہ 9 ستمبر 1955ء سے معلوم ھوتا ھے کہ یگانہ بیگم آخری مرتبہ 2 ستمبر 1955ء کو لکھنؤ سے کراچی کے لئے روانہ ھوئیں

ان کے جانے کے بعد یگانہ پانچ ماہ اور زندہ رہے۔

یگانہ بیگم کا انتقال 4 جنوری 1981ء کو کراچی میں ہوا۔ بلند اقبال نے راقم کو بتایا کہ " اکثر بھائی آبا کو خواب میں دیکھتی تھیں اور ہمیشہ یاد کرتی تھیں۔ 1974ء میں مرزا حیدر بیگ(یگانہ کے چھوٹے صاحب زادے) کا مکان واقع انچولی (النور سوسائٹی کراچی) مکمل ہو گیا تو میرے یہاں سے وہاں منتقل ہو گئیں۔ دماغ تقریباً ماؤف ہو گیا تھا گھر سے نکل جاتیں تو ڈھونڈھ کر لانا پڑتا گھر کے بیرونی دروازے پر تالا ڈالنا پڑتا انتقال سے دو سال پہلے اپنے بچوں تک کی پہچان ختم ہو گئی تھی۔ دماغی عدم توازن کی وجہ سے آغا جان(یگانہ کے بڑے صاحب زادے) بھائی آبا کے روپ میں نظر آتے ان سے کہتیں " حقہ پہنچنے کا بھر لائیں۔ آپ تھک گئے ہوں گے لیٹ جائیے" انتقال سے کچھ دن پہلے میرے گھر آئیں گھر میں گر جانے کی وجہ سے ان کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی پلاسٹر چڑھا ہوا تھا اس دن پہچان لیا کہنے لگیں " میرا دل چاہ رہا ہے اپنے باپ کی قبر پر لے چلو"میں نے جواب دیا " اماں یہ کیسے ممکن ہے ان کی قبر تو لکھنو میں ہے اور آپ یہاں کراچی میں ہیں"تو کہا " کیا یہاں قبرستان نہیں ہے ا (یگانہ کے خسر حکیم مرزا محمدشفیع کی تیسری بیوی انجو بیگم کے پہلے شوہر سے تھے یگانہ کے آخری دنوں کے مونس و غمگسار) تو روز جاتے ہیں زیادہ دور نہیں مجھے لے چلو۔"(14) غرض اسی تمنا اور عالم دیوانگی میں سدھار گئیں اور یوں کتاب عمر کا قصہ مختصر ہو گیا۔

یگانہ کے یہاں سات بچے پیدا ہوئے شادی کے دوسرے سال پہلی اولاد نرینہ پیدا ہوئی مگر صرف ایک ہفتہ زندہ رہے بقیہ اولاد کی ولادت کی تاریخیں یگانہ نے اپنے قلم سے ایک بیاض (مملوکہ بلنداقبال) میں درج کی ہیں تفصیل یوں ہے :

(1) بلنداقبال(حسن بانو) 5/4 ذی الحجہ 1334ھ مطابق 13 اکتوبر 1916ء وقت آٹھ بجے دن یوم سہ شنبہ مقام جھوائی ٹولہ لکھنو۔

(2) آغا جان 23 ذی الحجہ 1339ھ مطابق 1920ء یوم دو شنبہ 9 بجے شب مقام باغ قاضی لکھنؤ ۔

(3) ام صفریٰ یکم فروری 1924ء مطابق 1342ھ یوم جمعہ وقت صبح مقام شاہ گنج لکھنؤ
وفات یکم محرم 1348ھ شاہ گنج لکھنؤ

(4) مریم جہاں 13 محرم 1344ھ مطابق 24 جولائی 1926ء یوم شنبہ دو بجے دن لاہور

(5) حیدر بیگ شب یکشنبہ 17 ذی الحجۃ 1348ھ مطابق 17 مئی 1930ء عثمان آباد

(6) عامرہ بیگم یوم سہ شنبہ پونے پانچ بجے صبح 14 محرم 1350ھ مطابق 2 جون 1931ء
مقام عثمان آباد

یگانہ کی اولاد سے متعلق ان کی بڑی صاحب زادی بلند اقبال نے ایک ملاقات (مورخہ 10 نومبر 1984ء) میں راقم کو جو تفصیلات بتائیں ان کے مطابق یگانہ اپنے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں سے زیادہ پیار کرتے تھے اور ان کے نام کے ساتھ "صاحب" کا لاحقہ لگا کر انہیں احترام سے بلاتے تھے۔ بلند اقبال اور مرزا حیدر بیگ کے نام خطوط سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ بلند اقبال کی شادی شہریار مرزا عرف شلن صاحب سے 1940ء میں لکھنؤ میں ہوئی۔ یگانہ ان دنوں ملازمت کے سلسلے میں دکن میں تھے۔ شہریار مرزا یگانہ کے عزیزوں میں سے نہ تھے۔ رخصتی کے موقع پر یگانہ نے جو الوداعی کلمات کہے وہ آج بھی بلند اقبال کے لوح دل پر نقش ہیں یگانہ نے کہا تھا "مجھے یقین ہے کہ تم میری امیدوں پر پوری اترو گی اور ہر قدم پر اپنے فرائض ادا کرو گی اب پیچھے مڑ مڑ کر مجھے مت دیکھنا۔"

بلند اقبال کے یہاں تین بچے پیدا ہوئے بڑے صاحب زادے مرزا جاوید اقبال انجنئیر ہیں اور کنیڈا میں مقیم ہیں منجھلے صاحبزادے مرزا پرویز اقبال پاکستان ائیر فورس میں ونگ کمانڈر کے عہدے پر تعینات ہیں سب سے چھوٹی صاحبزادی شہناز اقبال ہیں جو اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں ان کے شوہر آرمی افسر ہیں۔ بلند اقبال کے شوہر مرزا شہریار کا انتقال جولائی 1983ء میں کراچی میں ہوا۔

آغا جان یگانہ کے بڑے صاحبزادے ہیں ریٹائر ہو چکے ہیں ملازمت کے آخری ایام میں ریڈیو پاکستان اسلام آباد کی عالمی سروس سے وابستہ رہے۔ یگانہ نے آغا جان کو اپنی ملازمت کے زمانے

میں دکن بلا لیا تھا۔ شعلہ کے نام یگانہ کے ایک خط (محررہ 13 جون 1946ء) سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے 1944ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اسی خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ 1946ء میں یگانہ کے کہنے پر زیڈ اے بخاری کی کوشش سے انہیں آل انڈیا ریڈیو بمبئی میں عارضی طور پر ملازمت مل گئی تھی۔ یگانہ جب 1951ء کے آخر میں پاکستان آئے تو آغا جان اس وقت ریڈیو پاکستان پشاور سے وابستہ تھے یگانہ ان سے ملنے پشاور گئے تھے ۔ آغا جان تجرد کی زندگی گزار رہے ہیں۔ لغت کے مطالعہ کا خاص شوق رکھتے ہیں ان کے پاس اردو فارسی اور عربی لغات کا نادر ذخیرہ ہے شکل و صورت چال ڈھال لباس اور گفتگو کرنے کے انداز سے وہ یگانہ کی پرچھائیں معلوم ہوتے ہیں۔

ام صغریٰ بنت یگانہ کا انتقال نہایت کم سنی میں ہو گیا تھا۔ شعلہ کے نام یگانہ کے ایک خط (محررہ 10 جولائی 1929ء) سے ظاہر ہوتا ہے کہ ام صغریٰ کا انتقال 10 جون 1929ء کو ہوا گویا انتقال کے وقت ان کی عمر پانچ سال چار ماہ تھی ۔ یگانہ کو ام صغریٰ کے انتقال کا بڑا ملال تھا وہ ان دنوں ملازمت کے سلسلے میں عثمان آباد دکن میں تھے۔ ام صغریٰ کی یاد میں یگانہ نے ایک رباعی بھی کہی تھی

دیکھو صغریٰ یہ حال میرا کیوں ہے	منھ میری طرف سے تم نے پھیرا کیوں ہے
چاروں جانب تھیں چار شمعیں روشن	آج ایک طرف گھر میں اندھیرا کیوں ہے

مریم جہاں یگانہ کے قیام لاہور کے دوران پیدا ہوئیں۔ یگانہ ان دنوں مولانا تاجور نجیب آبادی کے " اردو مرکز "سے وابستہ تھے۔ تاجور نے لاہور کے مشہور ناشر کتب عطرچند کپور کے تعاون سے لاہور میں " اردو مرکز " قائم کیا تھا تاکہ اردو ادب کا انتخاب شائع کر کے اسے صوبے کے مدارس میں نصاب کے طور پر رائج کیا جائے مگر یہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا یگانہ تاجور کی معاونت کے لئے لاہور آئے ہوئے تھے مالک رام کے مطابق انہوں نے چنگڑ محلے پیسہ اخبار گلی میں مکان کرائے پر لے رکھا تھا(15) مریم جہاں اسی مکان میں پیدا ہوئیں مریم جہاں کی شادی 1945ء میں ہوئی ان کے شوہر کا نام سید ابن علی تھا اور وہ پونا میں مقیم تھے۔

سید ابن علی تدریس کے پیشے سے وابستہ تھے اور بھوانی پیٹھ میں کالج میں پروفیسر رہے۔ مریم جہاں کا انتقال اکتوبر 1982ء کو پونا میں ہوا۔ مریم جہاں کے چار بچے ہیں بڑی بیٹی فرزانہ سید ابن علی کی شادی لکھنؤ کے حکیموں کے خاندان اور یگانہ کے دور پرے کے سسرالی عزیزوں میں ہوئی ان دنوں کراچی میں مقیم ہیں بڑے صاحبزادے سید ظفر انجنئیر ہیں اور کویت میں ملازم ہیں۔ چھوٹی بیٹی شاهینہ سید کی شادی الیکٹریکل انجنئیر اختر عباس سے ہوئی یہ بھی کھیت میں ہیں چھوٹا بیٹا نوید ایم کام ہے اور پونا ہی میں ملازم ہے۔

مرزا حیدر بیگ یگانہ کے چھوٹے صاحب زادے ہیں اشر (سائنس) تک تعلیم کیننگ کالج لکھنو سے حاصل کی اور پاکستان چلے آئے۔ حیدر بیگ کے نام یگانہ کا ایک غیر مطبوعہ (مملوکہ بلنداقبال) خط خصوصی اهمیت کا حامل ہے۔ یگانہ لکھتے ہیں (10 جون 1953ء) "تم نے پوچھا ہے کہ کوئی ایسا بڑا کام بتائیں جو آپ نہ کر سکے ہوں وہ میں انجام دوں۔ خدا تمہارے ارادے اور حوصلے میں برکت دے فطرت خود کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر دے گی ارادہ نیک اور بلند رہنا چاهئیے۔ افسوس اتنا ہی رہ گیا کہ میں پردیس میں رہا اور تمہیں میرے پاس رہنے کا موقع نہیں ملا۔ خیر بڑی چیز ہے فطرت کی بخشی ہوئی صلاحیت،اسے اچھی طرح سمجھنا اوس کی نگہداشت کرنا اور اوس سے کام لینا چاهئیے جب موقع ملے۔خدا تمہیں روز افزوں ترقی دے اور قلب مطمئن عطا فرمائے۔" (سلطان بہادر روڈ لکھنو) مرزا حیدر بیگ آرامکو میں ملازم ہو کر سعودی عرب چلے گئے تھے۔ 1955ء میں انجنئیرنگ کی تعلیم کے لئے امریکہ گئے آج کل کینیڈا میں مقیم ہیں وہیں یہودی خاندان کی جرمن نژاد خاتون سے شادی کر لی۔ ان کے چار بچے ہیں اور کینیڈا ہی میں زیر تعلیم ہیں بڑے صاحبزادے یوسف مرزا ہیں جن کی عمر تئیس سال ہے ان سے چھوٹی شہلا ہیں ان کی عمر بائیس سال ہے پھر سبرینہ مرزا ہیں عمر بیس سال اور سب سے چھوٹے صاحب زادے اسحاق مرزا ہیں جن کی عمر سولہ سال ہے۔

مرزا حیدر بیگ اپنے والد کی مناسبت سے اپنے نام کے ساتھ چنگیزی کا لاحقہ بھی لگاتے

ھیں ان کا ایک ذاتی مکان انچولی (النور سوسائٹی کراچی) میں ھے جس میں یگانہ بیگم انتقال سے قبل مقیم تھیں آج کل اس میں عامرہ بیگم رہتی ھیں۔

یگانہ کی سب سے چھوٹی صاحب زادی عامرہ بیگم ھیں عامرہ بیگم کی شادی 1950ء میں لکھنو میں محمد عالم سے ھوئی مگر عامرہ بیگم کے شوھر کا انتخاب غلط ثابت ھوا محمد عالم یگانہ بیگم کے دور کے رشتہ دار تھے بظاھر بہت صالح اور دین دار تھے مگر بباطن دھوکے باز اور فریبی تھے۔ محمد عالم پر لکھنو میں غبن کا مقدمہ قائم ھوا تو جرم کے خوف سے فرار ھو کر ڈھاکہ چلے گئے۔ ان کا اتہ پتہ ملا تو بادل نخواستہ عامرہ بیگم کو ڈھاکہ بھیجا گیا۔ محمد عالم نے ڈھاکہ میں نام بدل لیا تھا جس کا علم یگانہ کے آغا جان کے نام ایک غیرمطبوعہ خط (مملوکہ بلند اقبال) سے ھوتا ھے یگانہ لکھتے ھیں (18 نومبر 1952ء) " میں تم سے کیا کہوں اوس نالائق نے تم لوگوں سے کیا بیر باندھا ھے نوکری تو تغلب وتصرف کے ھاتھوں گئی مگر وہ جب لکھنو سے ڈھاکہ روانہ ھوا تو اپنا نام بدل کر وھاں پہونچا اپنا نام رکھا ھے میرزا حیدر بیگ ولد میرزا یگانہ مرحوم ۔ آفاق بیگم میرے ھاں آئی تھیں اور مجھ سے کہتی تھیں کہ یہ نام رکھا ھے۔" عامرہ بیگم کو ان حالوں میں دیکھ کر واپس بلانے کی تدبیریں کی جانے لگیں۔ بمشکل ان کے شوھر نے انھیں سوار کرایا اور وہ بھی اس حالت میں کہ ایک ڈھائی سال کی بچی کو گھر پر روک لیا ابھی آٹھ دن ھی گزرے تھے کہ پیچھے پیچھے خود بھی آ گئے مگر عامرہ بیگم کوان کے ساتھ نہ بھیجا گیا چنانچہ واپس جا کر انھوں نے دوسری شادی کر لی ۔ لڑکی ذرا بڑی ھوئی تو لوگوں نے احساس دلایا چنانچہ اُسے بھیج دیا ۔ بلند اقبال نے راقم کو بتایا کہ " عامرہ بیگم کے شوھر دیکھنے میں متقی اور پرھیزگار تھے زیارتیں کر آئے تھے ان سے مل کر ایک نظر میں اندازہ نہیں ھوتا تھا کہ حضرت کن گنوں کے ھیں بھائی ابّا کو ان کی ظاھرداری اور مکر و ریا سے سخت چڑ تھی انھیں اپنی زندگی میں جن لوگوں سے شدید ذھنی اذیت پہنچی تھی ان میں محمدعالم کا نام سر فہرست تھا ۔ بعض قدروں پر سے ان کے اعتماد اٹھ جانے کا سبب بھی ذھنی اذیت تھی" (16)

عامرہ بیگم کے چار بچے ھیں بڑا لڑکا مرزا محمدسلیم امریکہ میں کمپیوٹرنگ سے وابستہ ھے

ان سے چھوٹی نسرین کی شادی کراچی میں ہوئی ہے ان سے چھوٹی ناہید بی ایس سی کر کے ملازمت کر رہی ہیں سب سے چھوٹے بیٹے مرزا کامران مقامی کالج میں ٹائپسٹ ہیں۔

یگانہ نے 1914ء میں اپنا پہلا مجموعہ کلام " نشتر یاس" اور 1915ء میں عروض و قوافی کی مبادیات پر مبنی رسالہ " چراغ سخن " شائع کیا انہی دنوں اہل لکھنو نے یگانہ کو لکھنو کا نہ مان کر ان کے کلام اور زبان پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا یگانہ نے " نشتر یاس" میں " ماہئیت شاعری " اور " چراغ سخن " میں " شعر و سخن " کے عنوان سے دیباچے لکھ کر سخنوران لکھنو کے بارے میں سخت زبان استعمال کی انہوں نے " شعر و سخن " کے آخری حصے میں " اہل زبان و زبان دان " کے عنوان سے اپنے خیالات کا اظہار کر کے بڑی صفائی سے اپنے آپ کو نہ صرف اہل زبان بلکہ زبان دان بھی ثابت کیا۔ ان دو کتابوں کی اشاعت کے بعد لکھنو میں یگانہ کی مخالفت میں شدت آ گئی۔ شفق لکھنوی کے یہاں آرزو لکھنوی کی صدارت میں منعقد ہونے والے مشاعرے میں میاں ظریف لکھنوی نے برسر محفل ان کی ہجو پڑھی۔ ایک اور ذمی شاعر متخلص بہ آس نے بہ زبان فارسی آتش اور یگانہ کی ہجو میں رجز لکھی جسے چھوٹے چھوٹے بچے چوک کے بازار میں یہ کہتے ہوئے بیچتے پھرتے تھے " یاس اور آس کی جھپٹ ایک پیسے کو" (17) یہی نہیں یگانہ کی ایک غزل کے بعض اشعار پر غلیظ مصرعے لگائے گئے جس میں ان کے والدین کی شان میں گستاخیاں کی گئی تھیں۔ مرزا پور کا گنوار صفدر مرزا پوری ان مصرعوں کو لکھنو میں سناتا پھرتا تھا۔ یگانہ کا خیال تھا کہ پس پردہ معیار پارٹی کے ارکان سرگرم عمل ہیں جن میں عزیز لکھنوی سرفہرست ہیں۔ معیار پارٹی لکھنو کے ہم خیال شاعروں کی جماعت تھی جس میں اس وقت کے معروف شعراؑ عزیز لکھنوی، صفی لکھنوی اور ثاقب لکھنوی شامل تھے یہ لوگ " معیار" کے نام سے ایک رسالہ بھی نکالتے تھے جس کے ایڈیٹر اہر لکھنوی تھے اس طرح لکھنوی شعراؑ کی ایک انجمن تشکیل پا گئی تھی جس کا باقاعدہ نام تو " معیار الادب" تھا مگر یہ " معیار پارٹی " کے نام سے مشہور تھی۔ لکھنؤ اور نواح لکھنؤ کے مشاعروں میں اس کی اجارہ داری قائم تھی۔ رسالہ " معیار" میں " نشتر یاس" پر ایک ریویو شائع کیا گیا تھا جس میں " نشتر یاس" اور اس کے تقریظ نگاروں پر

پھبتیاں کسی گئی تھیں۔ جواباً یگانہ کا رد عمل بھی خاصا شدید تھا انھوں نے بھی شعرائے لکھنو کے کلام پر بالعموم اور عزیز لکھنوی کے کلام پر بالخصوص اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا۔ چشمک اور لاگ کا یہ دو طرفہ سلسلہ طول پکڑتا چلا گیا اس چشمک کی ابتدا پنڈت برج نرائن چکبست کے یہاں منعقد ہونے والے مشاعرے سے ہوئی جس میں یگانہ کا ٹھٹھا اڑایا گیا تھا تفصیل یگانہ نے "خودنوشت" میں تحریر کی ہے۔ یگانہ نے خودنوشت 1914ء میں تحریر کی تھی اس وقت تک " نشتر یاس" شائع نہیں ہوئی تھی اور اس مجادلے کی انتہا یگانہ کی اودھ اخبار کی ملازمت سے برطرفی پر ہوئی مرزا جعفر حسین اس تمام صورت حال پر ان لفظوں میں تبصرہ کرتے ہیں

" لکھنؤ کی بزم سخن ایک ایسا اکھاڑہ بن گئی جس میں یہاں کے تمام مشاہیر اور ان کے شاگرد ایک طرف تھے اور دوسری طرف یاس عظیم آبادی اپنی قدرت زبان سے تن تنہا مقابل تھے۔" (19)

یہ وہ زمانہ تھا جب پہلی عالمی جنگ چھڑ چکی تھی اور پوری دنیا اس کی لپیٹ میں ہونے کی وجہ سے محاذ جنگ پر برسرپیکار تھی۔ ہندوستان پر برطانیہ کی نو آبادی ہونے کی وجہ سے اس جنگ کے اثرات بہت شدید تھے۔ ان حالات میں مرزا جعفر حسین کے مطابق " یاس اور یگانہ کے بیچ پہلی جنگ عظیم کا بحران اور انتشار تھا ہم عصروں کی آپسی سازشیں اور خود یگانہ کی بے باک فطرت اور سرکشی تھی۔" (20) چنانچہ وہ چشمک جو شاعرانہ انّا کے پھیلاؤ کا شاخسانہ تھی رفتہ رفتہ مجادلے کی صورت میں ڈھلنے لگی اور ایک دوسرے پر تحریری اعتراضات کی صورت اخبارات و جرائد کے صفحاتپر دیکھی جانے لگی۔

یگانہ نے لکھنو کی ہوا کو مخالف دیکھتے ہوئے لکھنو میں اپنے قدم جمانے کی کوشش کی اور معیار پارٹی کے متوازی " انجمن خاصان ادب لکھنؤ" قائم کر دی اس انجمن کے بارے میں تفصیلات انھوں نے اپنے اشتہار نما مضمون (مطبوعہ "مخزن" لاہور ،جولائی 1919ء) میں شائع کیں مگر یہ انجمن اپنے دل فریب مقاصد کے باوجود کامیاب نہ ہو سکی اور اس کے اعمال میں کوئی نیکی نہ لکھی جا سکی الٹا یگانہ کے بارے میں ان کے مخالفین کے رویّے میں شدت آتی چلی گئی

اور لکھنؤ کے مشاعروں میں یگانہ کے بائیکاٹ کا حربہ استعمال کیا گیا ادھر اسی نسبت سے یگانہ کے رویے میں بھی سختی بڑھتی گئی جس کی ایک صورت 13 اپریل 1920ء کو اس وقت ظاہر ہوئی جب یگانہ ایک مشاعرہ (منعقدہ درگاہ شاہ ارزاں) میں شرکت کے لئے عظیم آباد گئے۔ یگانہ نے اس مشاعرہ میں ایک قطعہ فخریہ پڑھا۔ لکھنو واپس آ کر انہوں نے اس قطعہ میں ایک شعر کا اضافہ کر کے اسے روزنامہ "ھمدم" لکھنو میں شائع کروا دیا، شعر تھا

جان سے بڑھ کر سمجتے ھیں مجھے یاس اھل دل
آبروئے لکھنو خاک عظیم آباد ھوں

اس اضافی شعر نے غضب ڈھایا خصوصاً مصرع ثانی پر اھل لکھنو کا سیخ پا ھونا لازمی تھا یگانہ نے ھرچند اس شعر کو معمولی تفاخر پر محمول کیا تھا مگر اس پر رد عمل اتنا شدید تھا کہ یگانہ نے اس سے لطف لیتے ھوئے ایک مرتبہ پھر شعرائے لکھنو کے کلیجے پر ھاتھ ڈال دیا اور درج ذیل شعر کا اضافہ کیا

لکھنو کے فیض سے ھیں دو دو سہرے میرے سر
اک تو استاد یگانہ دوسرے داماد ھوں

آیات وجدانی (طبع اوّل) کے مطابق یاس کے ساتھ یگانہ تخلص کرنے کی بنیاد یہیں سے پڑی۔ (صفحہ 215) اگرچہ مذکورہ شعر میں لفظ یگانہ ضرورت معنی کے تحت آیا تھا مگر یہ لفظ انہیں ایسا بھایا کہ ھمیشہ کے لئے نام کا حصہ بن گیا راھی معصوم رضا کے لفظوں میں

"یہی وہ مقام ھے جہاں سے یاس کی عمارت گرنے لگتی ھے اور یگانہ کی تعمیر شروع ھوتی ھے۔" (21)

1920ء ھی میں یگانہ نے ترانہ شقشقیہ تصنیف کیا آیات وجدانی (طبع اوّل) میں اس کی وجہ تصنیف یہ بتائی کہ "لکھنؤ مردہ پرستی اور فرعونیت کے مرض میں مبتلا ھے اس لئے اظہار فضیلت کا ناگوار فرض ادا کر کے ناواقفوں کی تلقین اور تنبیہہ ضروری ھے۔" (صفحہ 318) گویا یگانہ کے احساس تنہائی نے نراجیت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ "ترانہ شقشقیہ" کے لہجے نے لکھنو

کے سمند ناز پر ایک تازیانے کا کام کیا۔

1920ء کا ایک اور اہم واقعہ یگانہ کا لکھنو سے رسالہ "کار امروز" کا اجراء کرنا تھا جس سے یگانہ کے ایک دیرینہ شوق کی تکمیل ہوئی "کار امروز" کا پہلا شمارہ دسمبر 1920ء میں شائع ہوا رسالے کے مقاصد کے حوالے سے یگانہ فروری مارچ 1921ء کے شمارے میں "گزارش" کے عنوان سے لکھتے ہیں "میرا نصب العین تو یہ ہے کہ اس رسالے کے ذریعے علم و عمل کا شوق پیدا کرنے والے خیالات پھیلائے جائیں محض تفریح و تفنن طبع مقصود نہیں ہے۔ شعر و سخن کو میں ایک مقدس فن سمجھتا ہوں اور اس فن میں مجھے جس قدر انہماک ہے وہ اسی نقطہ نظر سے ہے۔"

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ لکھنو سے باہر منعقد ہونے والے مشاعروں میں بھی یگانہ کا منظم بائیکاٹ شروع ہو گیا اس سلسلے کی ایک کڑی 5 نومبر 1922ء کو الہ آباد میں پنڈت مدن موھن ناتھ ایم اے، ایل ایل بی کے یہاں منعقد ہونے والا مشاعرہ تھا جس میں یگانہ کا لکھنو سے باہر پہلی مرتبہ بائیکاٹ کیا گیا۔ "شہرت کا ذبہ" کے مطابق یہ بائیکاٹ لکھنو کے سرکردہ شعراء صفی، ثاقب، محشر، ناطق اور دوسرے کئی لکھنوی شعراء کی طرف سے کیا گیا۔(صفحہ 7)

یگانہ لکھنو آنے کے بعد بہت دنوں تک تو اپنی آبائی جائیداد فروخت کر کے گزر بسر کرتے رہے مگر یہ جائیداد اتنی نہیں تھی کہ وہ تمام عمر بیٹھ کر اس سے کھا سکتے۔ شادی کے بعد ذمہ داریوں میں اضافے کے ساتھ گھر اور گرھستی کا خیال پیدا ہوا۔ آمدنی کا کوئی باقاعدہ ذریعہ تو تھا نہیں اخراجات بڑھے تو ملازمت کی ضرورت محسوس ہوئی اس وقت کے مسلمانوں کی نگاھیں سلطنت حیدر آباد (دکن) پر لگی ہوئی تھیں چنانچہ یگانہ بھی تلاش معاش میں حیدر آباد گئے مگر چوتھے ہی روز واپس ہوئے۔ بلند اقبال کے مطابق "بھائی ابّا کو نزلے کی شکایت ہمیشہ رھی حیدرآباد جا کر نزلہ ناقابل برداشت ہو گیا تھا صرف ایک دن اور ایک رات وھاں

گزاری اماں بتاتی تھیں یہ میری پیدائش سے سال بھر پہلے کی بات ھے۔"(22) بلند اقبال کی تاریخ پیدائش 13 اکتوبر 1916ء ھے۔ اس اعتبار سے یگانہ 1915ء کے اواخر میں حیدرآباد گئے ھوں گے یہ نکتہ قابل غور ھے کہ یگانہ اس وقت اگر حیدرآباد رہ گئے ھوتے تو شاید یاس عظیم آبادی کے یگانہ لکھنوی اور پھر یگانہ چنگیزی بننے کی نوبت نہ آتی۔

بلند اقبال کی پیدائش کے بعد اخراجات مزید بڑھے۔ یگانہ کچھ عرصہ ٹیوشن کرتے رھے (23) آبائی مکان کی فروخت کے بعد یگانہ کا واحد ذریعہ آمدنی امتہ الزھرا بیگم (والد کے رشتے کی پھوپھی) کے ترکے کے محاصل رھے یہ سب اثاثہ بھی 1918ء تک فروخت ھو گیا "آیات وجدانی" (طبع اوّل) کے مطابق امتہ الزھرا بیگم کی چھوڑی ھوئی جائیداد سے یگانہ کے لکھنو آنے کے بعد دس بارہ سال تک بسر ھوتی رھی (صفحہ 9-10) بلند اقبال کا کہنا ھے کہ "بھائی ابّا کے منشی نول کشور پریس میں ملازم ھونے تک انہی اثاثوں کی فروخت سے گزر بسر ھوئی (24) اس اعتبار سے یگانہ تخمیناً 1918ء میں منشی نول کشور کے مطبع میں ملازم ھوئے۔ آگے چل کر یگانہ نے اودھ اخبار کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ "شہرت کا ذبہ" کے دیباچے میں درج ھے "روزانہ اخبار کی ادارت سے مرزا صاحب ھندوستان اور یورپ کی سیاست سے بھی کسی قدر آگاھی رکھتے ھیں۔" (صفحہ 29) شہرت کا ذبہ 1920ء میں مرتب ھوئی (شہرت کا ذبہ صفحہ 95) گویا یگانہ 1920ء میں اودھ اخبار کے مدیر تھے اور ملازمت سے برطرف کئے جانے تک وہ ادارت کے فرائض سنبھالے رھے۔ ھریانہ سے شائع ھونے والے ماھنامہ "تعمیر" کے منشی نول کشور نمبر (جولائی اگست 1979ء) میں اودھ اخبار کے مدیران کی جو فہرست مرتب کی گئی ھے (صفحہ 77) اس میں یگانہ کا نام موجود ھے۔ رسالہ "چاند" الہ آباد کے ایڈیٹر نمبر (نومبر دسمبر 1930ء) میں بھی یگانہ کی رباعیاں شائع ھوئی تھیں۔

اودھ اخبار کی ملازمت کے دوران یگانہ کے حالات بہت بہتر ھو گئے تھے چنانچہ وہ اپنے کنبے سمیت جھوائی ٹولہ کے کرائے کے چھوٹے سے مکان سے قاضی کے باغ والے کرائے کے نسبتاً بہتر مکان میں منتقل ھو گئے (25) غالب شکن (طبع اوّل 1934ء) میں درج ھے کہ یگانہ اودھ

اخبار میں ساٹھ روپے ماھانہ تنخواہ پاتے تھے۔(صفحہ 8) جو اس زمانے کے حساب سے نہایت معقول مشاھرہ تھا تاھم اطمینان کا یہ عرصہ بہت مختصر ثابت ھوا۔

" شہرت کا ذبہ " کے مطالعہ سے پتہ چلتا ھے کہ یگانہ 1920ء سے اسے مرتب کر رھے تھے جس کا علم ان کے مخالفین کو بھی تھا۔ چنانچہ جیسے ھی 1923ء میں " شہرت کا ذبہ " کو پریس میں دیا گیا (صفحہ 95) ویسے ھی بقول یگانہ رخنہ اندازیوں کی بیسیوں صورتیں پیدا کی گئیں۔ آخر موقع پا کر پاس عظیم آبادی کی روزی پر کمین گاہ سے حملہ کیا گیا ایسی سازشیں کی گئیں کہ مجھے اودھ اخبار سے ترک تعلق کر کے دربدر ھونا پڑا لکھنو چھوڑ کر اٹاوہ اور اٹاوہ سے علی گڑھ کی ٹھوکریں کھانا پڑیں(صفحہ 95) نول کشور پریس سے یگانہ کی ملازمت 1923ء میں ختم ھوئی۔(26) جس کے بعد کئی سال تک یگانہ کا ستارہ گردش میں رھا اور وہ پرآشوب زمانے کی سختیوں کو جھیلتے رھے۔ بلند اقبال ان دنوں کا حال لکھتی ھیں " چار چھوٹے چھوٹے بچوں کی بھوک کی نقاھت سے کمھلائی ھوئی صورتیں دیکھیں گھر میں دو دو دن تین تین دن بعض اوقات چولہا جلنے کی نوبت نہیں آتی۔ مال دنیا میں کچھ قیمتی نایاب کتابیں اور معمولی گرھستی تھی جو اس آڑے وقت میں کام آتی۔ " (27) یگانہ کو خود بھی اپنے کتب خانے کے کوڑیوں کے مول بک جانے کا صدمہ تھا " شہرت کا ذبہ " میں لکھتے ھیں " جو واقعہ سب سے زیادہ جاں گسل ھے وہ یہ ھے کہ میری عمر کا سرمایہ یعنی کتب خانہ تنگ دستی کے ھاتھوں کوڑیوں کے مول لٹ گیا (صفحہ 15) پروفیسر ضیا احمد بدایونی کے نام اپنے ایک مکتوب میں یگانہ نے لکھا (12 دسمبر 1924ء) " تنگ دستی کے ھاتھوں مجھے اپنی عمر بھر کا سرمایہ یعنی کتب خانہ تک کوڑیوں کے مول بیچ کر سر بہ صحرا ھونا پڑا۔ " (28) یگانہ کو تلاش معاش میں لکھنو بھی چھوڑنا پڑا جو اب ان کا روحانی وطن تھا۔

اودھ اخبار سے ملازمت ختم ھونے کے بعد یگانہ تقریباً ایک سال لکھنؤ میں بے روزگار رھے۔ جنوری 1924ء میں وہ اٹاوہ پہنچے جہاں اردو محلہ میں قیام کیا۔(29) اسلامیہ ھائی سکول اٹاوہ کے ھیڈ ماسٹر مولوی الطاف حسین یگانہ کے دوستوں میں سے تھے جن کی بدولت یگانہ کو

سکول میں تیس روپے ماہوار کی ملازمت مل گئی (30) اور وہ اردو کے استاد کی حیثیت سے تعینات ہو گئے۔ (31) یگانہ تمام عمر مولوی الطاف حسین کے ممنون اور دل کی گہرائیوں سے معترف رہے انہوں نے مولوی الطاف حسین کی مدح میں دو رباعیاں بھی کہی تھیں۔

اٹاوہ سے یگانہ اپنے ایک خط میں مولوی ضیا احمد بدایونی کو لکھتے ہیں (12 دسمبر 1924ء) " بندہ نواز میں اردو لٹریچر کے لئے ایک خاص مشن رکھتا ہوں مگر افسوس صد افسوس کہ اپنے مشن اور اپنے پیغام کو اہل وطن تک پہنچا نہیں سکتا۔ اگر 1925ء تک میں کوئی رسالہ جاری کر سکا تو خیر، ورنہ میری مستقبل کی تاریکی مجھے زندہ درگور کر دے گی۔ " (32) اٹاوہ میں قیام کے دوران یگانہ کی تمام تر توجہ رسالے کے اجراء پر رہی جس میں بالآخر انہیں کامیابی ہوئی اور انہوں نے اردو محلہ اٹاوہ سے جنوری 1925ء میں اردو کا ماہوار ادبی رسالہ "صحیفہ" کے نام سے جاری کیا مگر وسائل نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ایک ہی شمارہ شائع ہو سکا۔

اٹاوہ میں پڑھے جانے والے مشاعروں کی تاریخوں کا تعین کرنے سے یگانہ کے قیام اٹاوہ کا اندازہ ہوتا ہے آیات وجدانی (طبع اوّل) میں ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے

زحمت سجدہ ہے فضول بت کدۂ مجاز میں ہو گی نماز کیا قبول کعبۂ خانہ ساز میں

محاضرات میں درج ہے، "یہ غزل 1923ء میں بمقام لکھنو اسلامیہ ہائی سکول اٹاوہ کے سالانہ مشاعرہ کے لئے کہی گئی تھی مگر اتفاق ایسا ہوا کہ مرزا صاحب اس مشاعرے میں نہ جا سکے" (صفحہ 185) یگانہ کی بیاض (نیشنل میوزیم نمبر 903-1957) کے مطابق یہ مشاعرہ 10 فروری 1923ء کو منعقد ہوا یہی زمانہ یگانہ کے اودھ اخبار کی ملازمت سے سبکدوش کئے جانے کا ہے اور غالباً اسی پریشانی کی وجہ سے وہ مشاعرے میں شریک نہ ہو سکے۔ بیاض سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یگانہ نے اٹاوہ میں پہلا مشاعرہ دسمبر 1923ء میں پڑھا۔ یہ مشاعرہ پڑھنے یگانہ جب اٹاوہ گئے ہوں گے غالب امکان ہے کہ اسی وقت مولوی الطاف حسین نے یگانہ کو سکول میں ملازمت کی پیشکش کی ہو گی۔ بلند اقبال کا کہنا ہے کہ " ہم سب کو نانا ابّا کے مکان واقع شاہ گنج میں چھوڑ کر

بھائی ابّا اٹاوہ چلے گئے ان کے جانے کے بعد ام صغریٰ پیدا ہوئیں۔ " (33) ام صغریٰ یکم فروری 1924ء کو بمقام شاہ گنج لکھنؤ میں پیدا ہوئیں گویا یگانہ جنوری 1924ء میں اٹاوہ آئے ہوں گے بیاض ہی کے مطابق انہوں نے اٹاوہ میں آخری مشاعرہ یکم مارچ 1925ء کو پڑھا یہ اسلامیہ ہائی سکول اٹاوہ کا سالانہ مشاعرہ تھا جس میں یگانہ نے پہلی مرتبہ غزل کے بجائے مثلث پڑھا۔

اسی زمانے میں علی گڑھ کے ایک چھاپہ خانے میں یگانہ کو پروف ریڈر کی ملازمت مل گئی (34) اور وہ علی گڑھ منتقل ہو گئے۔ " شہرت کا ذبہ " کے ٹائٹل پیج پر درج ہے " صرف ٹائٹل پیج مطلع النور پریس علی گڑھ میں باھتمام عبد المقتدر چھپا۔ " اسی صفحے پر سال اشاعت 1925ء درج ہے امکان غالب ہے کہ یگانہ خود بھی اسی پریس سے وابستہ ہوئے تھے۔ وہ علی گڑھ میں تقریباً چھ مہینے رہے۔(35) یہاں ان کا قیام "بالائے قلعہ" میں رہا (" شہرت کا ذبہ " کا عقبی صفحہ) یگانہ نے بیاض میں وہ غزل بھی درج کی ہے جو انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جوبلی کے موقع پر منعقد ہونے والے مشاعرے (25 دسمبر 1925ء) میں پڑھی تھی۔

گویا یگانہ 1925ء کے آخر تک علی گڑھ میں تھے اس کے بعد لاہور چلے آئے بلند اقبال لکھتی ہیں " 1926ء میں لاہور آنا شروع ہوا وہ اس طرح کہ تاجور نجیب آبادی نے جو نشر و اشاعت کا ادارہ قائم کیا تھا اس میں زیر طباعت کتابوں کی اصلاح کے لئے بلاوا آ گیا ہم لوگوں کو علی گڑھ سے لکھنو پہنچا کر خود لاہور چلے گئے جب مکان وغیرہ کا بندوبست کر لیا تو سب کو اپنے پاس بلا لیا۔ " (36)

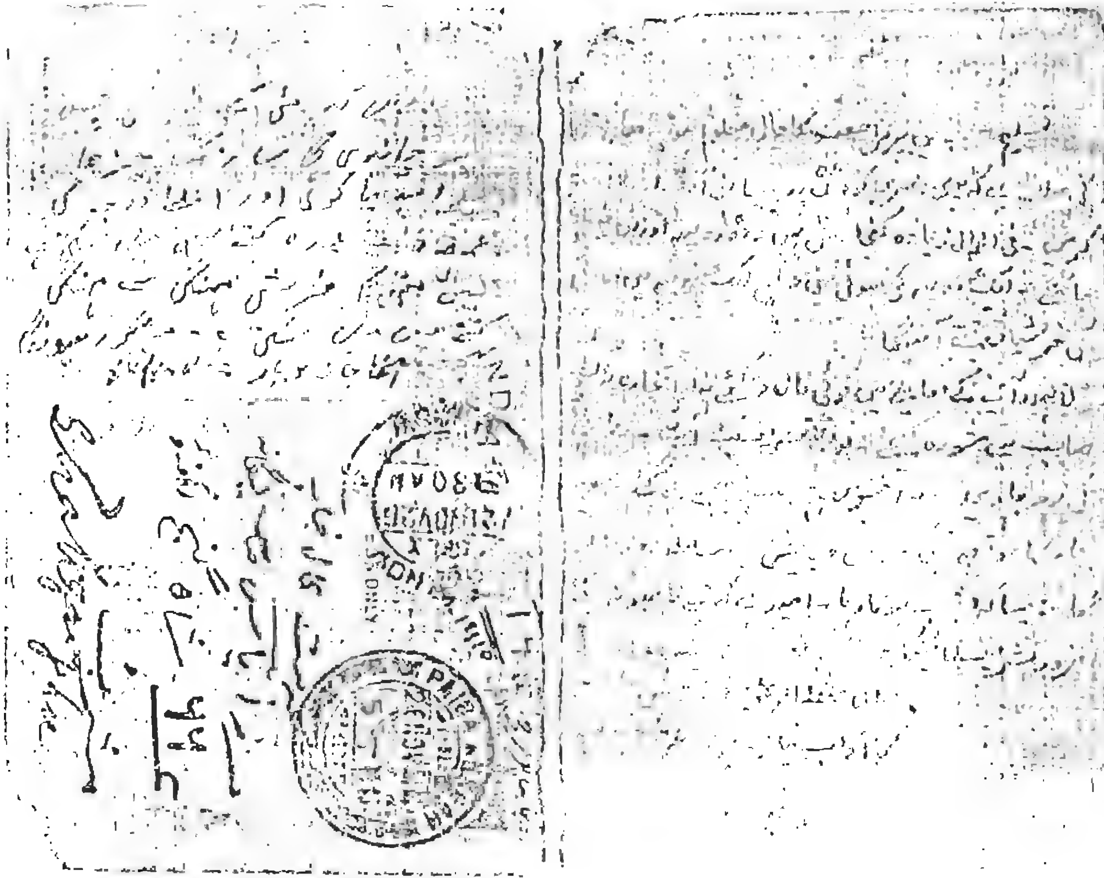
علامہ تاجور نجیب آبادی نے مشہور تاجر کتب عطرچند کپور کے تعاون سے لاہور میں "اردو مرکز " قائم کیا تھا تاکہ اردو ادب کا صحت مند انتخاب شائع کیا جائے۔ ڈاکٹر احمر رفاعی لکھتے ہیں " تاجور کے معاونین میں اصغر گونڈوی، سیماب اکبر آبادی، جگر مراد آبادی اور یگانہ قابل ذکر ہیں۔(37) " اردو مرکز " انار کلی میں قائم کیا گیا تھا۔(38) " اصغر، جگر اور یگانہ کو چنگڑ محلے کے ایک مکان میں ٹھہرایا گیا تھا۔ دو تین ماہ بعد یگانہ اپنے متعلقین کے آنے پر

" پیسہ اخبار " سٹریٹ پر ایک علیحدہ مکان کرائے پر لے کر وہاں منتقل ہو گئے۔ "(39) ان دنوں فہیم گوالیاری ان کے صبح شام کے جلیس تھے۔(40)

" اردو مرکز " کے علاوہ تاجور نے " انجمن ارباب علم " کی بنیاد بھی ڈالی تھی جس کا مقصد لاہور کی ٹھہری ہوئی ادبی زندگی میں مشاعرے کی گہماگہمی سے ہلچل پیدا کرنا تھا شعلہ کے مطابق یگانہ پہلی مرتبہ تاجور کی دعوت پر " انجمن ارباب علم " کے مشاعرے میں شرکت کے لئے آئے تھے وہ لکھتے ہیں " میرزا یگانہ سے میری ملاقات لاہور میں انجمن ارباب علم کے مشاعرے میں 1926ء میں ہوئی۔ میں نے عرض کی کہ حضور اگر آپ کل تک یہیں رہیں تو مجھے شرف نیاز کا موقع عطا فرمائیے گا میرزا نے فرمایا کیوں بھئی ایسی کیا بات ہے جب جی میں آئے چلے آؤ میں دو چار دن تو ابھی رکوں گا ہی۔ "(41) شعلہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یگانہ 1926ء کے اوائل میں مشاعرے میں شریک ہونے کے لئے لاہور آئے تھے بعد میں جب تاجور نے اردو مرکز کی بنیاد ڈالی تو وہ بغرض ملازمت لاہور آئے۔ مالک رام نے یگانہ کے ان دنوں کے حلیے کی تفصیل ان لفظوں میں رقم کی ہے

> " انجمن ارباب علم و ادب کا مشاعرہ تھا یہیں مرزا یاس یگانہ کو پہلی مرتبہ دیکھا اور سنا۔ مشاعرے کی صدارت سر شیخ عبدالقادر مرحوم نے کی تھی انہوں نے میرزا سے اپنا کلام سنانے کو کہا تو وہ منبر پر تشریف لائے لگ بھگ 45 برس کا سن، متوسط قد، سانولا رنگ، تیکھا ناک نقشہ، بڑی بڑی ذہین اور چمکدار سیاہ آنکھیں چشمہ لگائے ہوئے یہ بڑی گھنی مونچھیں، جنہیں بھرپور تاؤ دے رکھا تھا سر پر اونچی دیوار کی سیاہ کپڑے کی ٹوپی اور گلے میں معمولی سپید کپڑے کی شیروانی جس کے بائیں طرف کی جیب کے باہر گھڑی کی زنجیر دکھائی دے رہی تھی نیچے سپید لٹھے کا پاجامہ پیروں میں سیاہ رنگ کا پمپ شو اور ہاتھ میں ہلکی سی بید کی چھڑی یہ تھے میرزا یاس عظیم آبادی۔ " (42)

یگانہ کے نام مرزا فہیم بیگ گوالیاری کے خط (محررہ 26 نومبر 1926ء) کا عکس



(خط کا مکمل متن ۔ اصل خط عجائب گھر، لاہور میں محفوظ ہے۔)

برادر مکرم دام لطفہ

تسلیم ! واپسی پر مراجعت کا حال معلوم ہوا، میاں حفظ الرحمان کی صلاح ہے کہ پہلی دوسری کو دس روپیہ کا منی آرڈر ارسال خدمت کریں۔ فی الحال زیادہ کی گنجائش نہیں دو روپیہ اور بھی بھیجے جائیں گے۔ ایک روپیہ کی چھوٹی سی دیگچی ایک روپیہ میں دو مٹی کی فرشیاں لیتے آئیےگا۔

لاہور آنے کے معاملے میں کوئی فال دیکھئیے نہ استخارہ نہ کسی صاحب سے مشورہ کیجئے۔ فوراً تشریف لے آئیے۔ زمانے کی رو جاری ہے۔ افسوس ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ سوچ بچار کا موقعہ نہیں پس و پیش میں معاملہ دور جا پڑے گا۔ جیسا کہ اب تک ہوتا رہا۔ امید ہے کہ مجھے ناامید نہ کیجئے گا۔ ضرور تشریف لائیے گا۔

میاں حفظ الرحمان اور تپش صاحب کا اداب نیاز میری طرف ....

مرزا فہیم بیگ گوالیاری

(دوسری طرف) مرزا صاحب مہربانی کر کے جلدی فرماویں مٹی کی فرشی جس پر چاندی کا سا رنگ چڑھا ہوا ہو یا کوئی اور اعلیٰ درجے کی، عمدہ سے عمدہ کتنے میں مل سکتی ہے یعنی مٹی کی فرشی مہنگی سے مہنگی کتنے میں مل سکتی ہے، مشکور ہونگا۔

آغا جان کو پیار ۔

" اردو مرکز " کا قیام جس مقصد کے لئے عمل میں آیا تھا اس میں کامیابی نہ ہونے کی وجہ سے بالآخر اس کی بساط سمیٹ لی گئی وہ تمام اصحاب جنہیں تاجور نے یکجا کر دیا تھا ایک ایک کر کے رخصت ہوئے۔ نومبر 1926ء تک یگانہ کا " اردو مرکز " سے تعلق ختم ہو چکا تھا۔ اور وہ اپنے اھل خانہ کے ساتھ لکھنؤ آ گئے۔ لکھنو پہنچ کر انہیں مرزا فہیم گوالیاری کا خط ملا جس میں انہیں میاں حفظ الرحمان کے ایماً پر لاہور آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ فہیم گوالیاری نے انہیں لکھا تھا۔(26 نومبر 1926ء) " لاہور آنے کے معاملے میں کوئی فال دیکھئے نہ استخارہ، نہ کسی صاحب سے مشورہ کیجئے فوراً تشریف لے آئیے زمانے کی رو جاری ھے افسوس ھم بہت پیچھے رہ گئے سوچ بچار کا موقعہ نہیں پس و پیش میں معاملہ دور جا پڑے گا جیسا کہ اب تک ھوتا رھا۔ امید ھے کہ مجھے ناامید نہ کیجئے گا، ضرور تشریف لائیے گا۔"(43) خط میں معاملہ دور جا پڑنے کا تذکرہ ملتا ھے۔ اسی خط میں میاں حفظ الرحمان کی طرف سے یگانہ کو دس روپے کا منی آرڈر بھیجنے (غالباً زاد سفر کے لئے) کے بارے میں بھی تحریر ھے۔

لاھور میں یگانہ کے تعلقات مرزا فہیم بیگ کے علاوہ مولانا حفظ الرحمان منہاس سے انتہائی دوستانہ رھے تھے۔ مرزا فہیم کے خط میں جس معاملے کا ذکر ملتا ھے اس کی حقیقت یہ تھی کہ منہاس "حفظ العلوم" کے نام سے انگریزی انسائیکلو پیڈیا کی طرز پر اردو انسائیکلوپیڈیا مرتب کر رھے تھے اس کام میں مرزا فہیم گوالیاری ان کے معاون خصوصی اور اس دفتر کے مہتمم تھے۔ مالک رام کے مطابق " منہاس لاھور ھی کے رھنے والے تھے اور غالباً منشی محبوب عالم بانی و مدیر "پیسہ اخبار" کے عزیزوں میں تھے۔" (44) انہوں نے یگانہ کو شاعری میں استعمال ھونے والے محاورات کی فہرست بنانے کی ذمہ داری سونپی اور اس کام کا انہیں معاوضہ ادا کیا۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے ایک ملاقات میں راقم کو ابوالاثر حفیظ جالندھری کے حوالے سے بتایا کہ لاھور میں یگانہ کی بے روزگاری کے دنوں میں ایک صاحب حیثیت اور ادب نواز شخص نے ان کی مدد کرنا چاھی تو انہوں نے انکار کر دیا چنانچہ ان صاحب نے شاعری میں استعمال ھونے والے محاورات کی تدوین کا کام یگانہ کے سپرد کیا تاکہ ان کے روزگار کا حیلہ ھو جائے۔(45) قرائن

سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ شخصیت حفظ الرحمان منہاس کی تھی۔ لکھنو سے یگانہ دسمبر 1926ء میں دوبارہ لاہور آئے اور " چنگڑ محلے کی سکونت ترک کر کے بیرون بھاٹی دروازہ میلارام کے سینما کے مقابل کرائے کے مکان میں اٹھ آئے اس مکان کی شکل کچھ عجیب بے ڈھنگی سی تھی یگانہ نے اس کا نام "ٹیڑھا بنگلہ" رکھ دیا اور اپنے خطوط میں بھی یہی نام استعمال کرنے لگے۔" (46)

ان دنوں یگانہ کا کوئی باقاعدہ ذریعۂ معاش نہیں تھا۔ " 1927ء کے آغاز میں انہوں نے لاہور کے مشہور تاجر کتب اور پبلشر شیخ مبارک علی سے اپنا دوسرا مجموعۂ کلام شائع کرنے کا معاہدہ کیا جس کی رو سے پہلے ایڈیشن کے پانچ سو روپے طے ہوئے سو روپے پیشگی ادا کیا گیا بقیہ کتاب چھپ جانے کے چھ مہینے بعد دینے کا وعدہ کیا۔" (47) یوں 1927ء ہی میں آیات وجدانی شائع ہوئی معاہدے کی بقیہ رقم کے حوالے سے مالک رام لکھتے ہیں جہاں تک مجھے معلوم ہے ناشر نے اس کے بعد انہیں صرف ایک سو روپیہ اور ادا کیا تھا بقیہ حساب دوستاں کی مد میں چلا گیا۔" (48)

یگانہ مئی 1928ء تک لاہور میں رہے بلند اقبال لکھتی ہیں " مئی 1928ء میں میرے نانا ابّا کے انتقال پر وہ لاہور سے ایک دن پیشتر پہنچ گئے تھے اس کے بعد واپس نہیں گئے لکھنو ہی میں پریشان حالی سے وہ زمانہ کٹتا رہا پھر دکن جانے کی دل میں ٹھانی۔" (49) شعلہ کے نام یگانہ کا جو پہلا خط ملتا ہے وہ عثمان آباد دکن سے 10 جولائی 1928ء کو لکھا گیا۔ شعلہ ہی کے نام ایک دوسرے خط محررہ 20 ستمبر 1928ء سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکھنو سے حیدرآباد پہنچے تھے اور پھر وہاں سے بسلسلہ ملازمت عثمان آباد چلے گئے تھے۔ دونوں خطوط نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی میں محفوظ ہیں۔ حیدرآباد میں یگانہ کے قیام کے بارے میں نورالحسن لکھتے ہیں " وہ حیدرآباد آئے اور عابد منزل میں میرے برادر بزرگ علمبردار صاحب اور غلام پنجتن صاحب کے مہمان ہوئے۔" (50) یگانہ حیدرآباد میں مولانا رشید ترابی کے اصرار پر کچھ دن ان کے یہاں بھی مہمان رہے۔(51) حیدرآباد کی شامیں شعری محفلوں سے آباد

شعری محفلوں کی یاد دلاتا ہے۔

وہ نامراد اجل بزم یاس میں بھی نہیں　　یہاں بھی فانیؔ آوارہ کا پتا نہ ملا

یگانہ حیدرآباد میں تھے کہ مرزا بشیر یار جنگ (انسپکٹر جنرل رجسٹریشن و اسٹامپ) کی سفارش پر انہیں رجسٹریشن و اسٹامپ کے محکمے میں سب رجسٹرار تعینات کیا گیا۔(52) ان کی پہلی تقرری عثمان آباد کی بلدیہ میں ہوئی یہاں سے یگانہ کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ان کی زندگی اب ایک دھارے پر بہہ نکلی تھی لان جانسن کے لفظوں میں " اور ایک کمزور تختہ تباھی کو روک لیتا ہے۔" (53)

ملازمت مل جانے کی وجہ سے یگانہ کے حالات کچھ بہتر ہو چلے تھے " وہ ان دنوں چالیس روپیہ ماہوار مشاھرہ پاتے تھے۔" (54) اس ملازمت سے اتنا ضرور ہوا کہ تصور شام و سحر اور گرفت سایۂ دیوار و در سے یگانہ کی پہلی مرتبہ آشنائی ہوئی۔اسی اثنا میں لکھنو میں طاعون کی وبا نے زور پکڑا اور یگانہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی اس وبا کا شکار ہو کر انہیں داغ مفارقت دے گئی اس مرتبہ دفتری مجبوریاں ان کے پاؤں کی زنجیر بنیں یگانہ نے اپنی حالت زار کا بیان شعلہ کے نام ایک خط میں اس طرح کیا ہے۔ (این ایم نمبر 1963،215/29)

(10 جون 1929ء) " آج ایک مہینہ ہوا کہ میری پیاری صغریٰ نے ھمیشہ کے لئے ہم لوگوں کو داغ مفارقت دے دیا میں پردیس میں تنہا ھوں۔۔۔
میں ستمبر کے پہلے ھفتے کے قبل عثمان آباد سے ھل نہیں سکتا
اب اس میں جو بھی گزر جائے۔"

یگانہ ستمبر 1929ء کے پہلے ھفتے میں لکھنو آئے روانگی دکن کی تاریخ یکم اکتوبر مقرر کی اور بیوی بچوں کو بھی ساتھ لے جانے کا ارادہ باندھا۔ 23 ستمبر کو انہیں شعلہ کا خط ملا جس کے مطابق 11 اکتوبر کو شعلہ کی شادی ہونا قرار پائی تھی۔(55) چنانچہ یگانہ نے اپنا ارادہ ملتوی کیا اور شعلہ کی شادی میں شریک ہونے لاھور گئے۔ شعلہ کی شادی سے فارغ ہو کر یگانہ اپنے اھل خانہ کو لے کر عثمان آباد آ گئے جہاں انہوں نے اپنے کنبے کے ساتھ

مبارزالدین خاں صاحب اوّل تعلقدار ضلع عثمان آباد کے یہاں قیام کیا (56) مگر ایک مرتبہ پھر قربت دوری کے بہانے ڈھونڈنے لگی بلنداقبال کہتی ہیں "عثمان آباد آنے کے آٹھ دس دن بعد ہی آغا جان جوڑوں کے درد میں مبتلا ہو گئے خدا خدا کر کے سال بھر میں کچھ افاقہ ہوا۔ 1932ء میں بیماری کا پھر حملہ ہوا ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ انہیں آب و ہوا راس نہیں آ رہی چنانچہ بچوں کی زندگی کو مقدم جانتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ سب کو واپس بھیج دیا جائے مگر اس مرتبہ منزل لکھنو نہیں تھی بلکہ دھلی تھی خیال تھا کہ دھلی میں ایک سے ایک نامی گرامی حکیم اور ڈاکٹر موجود ہے پھر دھلی میں بھائی ابّا کے بہت سے جاننے والے بھی تھے چنانچہ بھائی ابّا ہم سب کو لے کر دلّی کے لئے نکلے۔" (57)

یگانہ اکتوبر 1932ء میں آگرہ پہنچے اور گزری منصور علی خاں احاطہ محمد حسین کردستانی میں قیام کیا۔ عثمان آباد سے دھلی جانے کے لئے نکلے تھے مگر آگرہ سٹیشن پر اپنے دیرینہ دوست نجم آفندی کے اصرار پر آگرہ میں رھنے کا ارادہ کیا۔ (58) یگانہ 30 دسمبر 1932ء تک خود بھی آگرہ میں مقیم رہے ادھر عثمان آباد سے ان کا تبادلہ کر دیا گیا۔ ایک خط میں شعلہ کو لکھتے ھیں (این ایم نمبر 59/215-1963) (28 دسمبر 1932ء) " اس تین مہینے کی رخصت کی وجہ سے میرا تبادلہ ہو گیا .... میں پہلے ھی سمجھتا تھا کہ طویل رخصت لینے سے یہ سب قباحتیں پیدا ہو جاتی ھیں مگر کیا کرتا آغا جان کی علالت اور ماں کی مامتا پر نظر رکھ کر سب کچھ گوارا کرنا پڑا .... میں پرسوں 30 دسمبر کو حیدرآباد روانہ ہو جاؤں گا اور وھاں سے پھر اپنے مستقر پر پہنچ کر خط لکھوں گا۔"

صبا اکبرآبادی نے یگانہ کو آگرہ میں دیکھا تھا وہ ان کے ان دنوں کے حلیے کے بارے میں لکھتے ھیں " مرزا صاحب جب کبھی گھر سے نکلتے تو سیاہ وارنش کا پمپ شو، سیاہ موزے، سفید چوڑی مہریوں کا پاجامہ، چائنا سلک کی شیروانی، سر پر سولا ھیٹ، آنکھوں پر رنگین شیشوں کی عینک اور چھتری تان کر نکلتے تھے۔ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک میرزا یگانہ

کا یہی لباس تھا شام کو گاگلز اتار دیتے اور سولاھیٹ کی جگہ ایرانی ٹوپی اوڑھ لیتے۔" (59)

یـگانہ کا تبادلہ عثمان آباد سے لاتـور (دکن) ھوا تھا جہاں پہنچ کر یـگانہ نے اپنی کتب کی طباعت پر توجہ دی۔ 1933ء میں ان کی رباعیـوں کا مجموعہ "ترانہ" کے نام سے اردو بک سٹال لاھور نے شائع کیا۔ حیدرآباد (دکن) میں قیام کے دوران یـگانہ نے اپنے نام کے ساتھ "چنگیزی" کے لاحقے کا اضافہ بھی کر لیا تھا اور وہ اپنےآپ کو میرزا یـگانہ چنگیزی لکھنوی لکھنے لگے تھے۔ "ترانہ" کے سرورق پر ان کا یہی نام درج ھے۔ 1934ء میں یـگانہ نے "آیات وجدانی" کا دوسرا ایڈیشن دلی پرنٹنگ پریس دھلی سے شائع کیا۔ یـگانہ نے اس ایڈیشن کا انتساب چنگیز خاں کے نام کیا۔ اسی سال انھوں نے لاتـور سے "غالب شکن" طبع کی اور پھر ایک سال بـعد بہت سے اضافوں کے ساتھ اس کا دوسرا ایڈیشن "غالب شکن دو آتشہ" کے نام سے شائع کیا۔ آیات وجدانی (طبع دوم) غالب شکن (طبع اوّل) غالب شکن دو آتشہ (طبع دوم) میں یـگانہ نے اپنے نام "مرزا یـگانہ چنگیزی لکھنوی" سے پہلے "امام الـغزل" لکھا اور "غالب شکن دو آتشہ" میں نام کے بـعد "علیہ السلام" کے لفظ شامل کئے۔ یہ یـگانہ کی مـعرکہ آرائیـوں کے نقطۂ عروج کا زمانہ تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے، باب ھفتم "یـگانہ کے ادبی مـعرکے")

یـگانہ 1938ء تک لاتـور میں رھے ملازمت کے ان دس سالوں میں اگرچہ وہ بیشتر اپنے اھل خانہ سے دور رھے مگر اس کے باوجود یہ نسبتاً اطمینان کا زمانہ تھا ان دنوں گھر کا خرچ اجلا چلنے لگا تھا۔ یـگانہ کے ایک مضمون "گوھر بیگم" سے مـعلوم ھوتا ھے کہ وہ 1935ء میں کچھ عرصہ کے لئے "مرھٹـواری" میں بھی رھے، لکھتے ھیں "آج کل مرھٹـواری کے جنـگل میں زندگی بسر کر رھا ھوں۔" (60) تاھم یہ بھی ممکن ھے کہ یـگانہ اپنی پیشہ ورانہ ذمـہ داریوں کو نبھانے کی خاطر کچھ عرصہ کے لئے وھاں گئے ھوں ۔ اس تمام عرصہ میں یـگانہ کے خاندان کـی بے قرار زندگی کو قرار میسر آیا۔ پھر اچانک ایک افتاد پڑی۔ "1938ء میں نواب بشیر یار جنگ کا عین عالم شباب میں انتـقال ھو گیا۔" (61) مرزا بشیر یار جنگ کی زندگی میں یـگانہ کـو ملازمت کے سلسلے میں تحفـظ حاصل تھا مگر ان کی وفات کے بـعد صورت حال مختلف ھو گئی ۔

یگانہ رجسٹری جیسے منفعت بخش محکمے کے لئے مناسب آدمی نہیں تھے اس لئے وہ بہت سی نگاھوں میں کھٹکتے تھے۔ بشیر یار جنگ کی زندگی میں تو کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ یگانہ کا بال بھی بیکا کرتا مگر ان کی آنکھ بند ھوتے ھی لوگ آنکھیں دکھانے لگے بلنداقبال نے راقم کو بتایا " بھائی ابّا کا تبادلہ ایک ایسے دور افتادہ مقام پر کر دیا جو دلدلی علاقہ تھا اور جہاں آبادی نہ ھونے کے برابر تھی وھاں تقریباً سال بھر کسالا جھیلا اس تبادلے کی وجہ سے پورے کنبے کی مالی اور ذھنی پریشانیوں میں اضافہ ھوا مگر بھائی ابّا کے دل و دماغ پر اس کا اثر سوا تھا۔ " (62)

لاتور(دکن) سے تبدیل ھو کر یگانہ سیلو(دکن) گئے سیلو سے انھوں نے 31 مئی 1938ء کو ایک طویل خط فراق گورکھپوری کو ان کے طویل مضمون " غزل اور دور حاضر" کے جواب میں تحریر کیا۔ بعد میں یہ خط " نیرنگ خیال " لاھور (نومبر 1942ء) میں شائع ھوا۔ فراق کا یہ مضمون نگار لکھنو (1936ء) میں شائع ھوا تھا اس کے علاوہ یگانہ نے سیلو سے ایک اور خط (محررہ 17 مئی 1938ء) دل شاہ جہاں پوری کے نام ارسال کیا تھا جو بعد میں " الحمرا " لاھور (اگست 1956ء) میں شائع ھوا سیلو میں یگانہ کے قیام کی یادگار ان کا ایک قطعہ تاریخ بھی ھے جس کا ذکر باب ھشتم میں کیا گیا ھے۔

سیلو تبدیل ھونے کے بعد تھوڑے تھوڑے وقفے سے یگانہ نے " پربھنی اور ھنگولی کی خاک چھانی "(63) مالک رام کے نام یگانہ کے ایک خط سے معلوم ھوتا ھے کہ وہ اسی زمانے میں کیوت میں بھی رھے۔ " (64)

1939ء میں یگانہ کا تبادلہ ایک نسبتاً بہتر مقام یادگیر ھو گیا مگر اب مہنگائی نے شکنجہ کسنا شروع کر دیا۔ ھندوستان جیسے محکوم ملک کے لئے یہ سال اقتصادی بدحالی لے کر آیا ساری دنیا دوسری عالمی جنگ کا ایندھن بن گئی عالمی سطح پر کساد بازاری کا بازار گرم ھو گیا اشیائے ضرورت نایاب ھو گئیں اور مہنگائی اس قدر بڑھ گئی کہ مقررہ آمدنی رکھنے

والے طبقے کی سانسیں اکھڑنے لگیں۔ بنگال میں قحط پڑا جس سے وہ آدمی جو زندہ تھا اس کے ضمیر میں پھانس چبھ گئی جنگ کی وجہ سے جو حالات پیدا ہوئے اس سے استحصالی قوتوں نے خوب خوب ہاتھ رنگے۔ یگانہ خود تو یادگیر میں تھے اور ان کے اہل خانہ لکھنو میں جہاں وہ آگرہ سے منتقل ہو گئے تھے۔ گویا خانہ داری کا سلسلہ دھرا تھا اس پر ہوش ربا گرانی، ان حالات میں بھی بقول مالک رام " ان کی خودداری، دیانت داری، راست بازی اور فرض شناسی اجازت نہیں دے سکتی تھی کہ وہ اپنی مقررہ تنخواہ کے علاوہ کسی بالائی آمدنی کے روادار ہوتے" (65)

یگانہ یادگیر میں چار سال رہے اور وہیں سے اواخر 1942ء میں ریٹائر ہوئے۔ یگانہ کی ریٹائرمنٹ کے بارے میں اعظم حسین اعظم لکھتے ہیں " اواخر 1942ء میں جب کہ مرزا یگانہ کی ملازمت 55 سالہ کی بنا پر ختم ہونے والی تھی پرنس معظم جاہ بہادر نے مرزا صاحب سے خود فرمایا کہ آپ وظیفے سے پہلے چھ ماہ کی باتنخواہ رخصت لے کر میرے پاس کیوں نہیں آ جاتے۔ پرنس کی یہ تجویز سن کر مرزا صاحب دل میں بہت گھبرائے کہ یہ تو وہی بات کہہ رہے ہیں جو مجھ ایسے شخص سے کبھی ممکن نہیں یعنی درباداری۔ میرزا صاحب نے پرنس کی تجویز کا جواب نہیں دیا اور خاموش رہے ادھر ان کا انسپکٹر جنرل رجسٹریشن بھی اس امر کا خواہاں ہوا کہ مرزا صاحب وظیفے سے پہلے چھ مہینے کی رخصت لے کر جگہ خالی کر دیں تو وہ اپنا مہرہ اس جگہ بٹھا دے مرزا صاحب نے رخصت نہیں لی مگر انسپکٹر جنرل نے مرزا صاحب کا تبادلہ تعلقہ یادگیر سے ایسی جگہ کیا جہاں مرزا صاحب جانا پسند نہیں کرتے تھے آخر وہ نہیں گئے اور رخصت لے کر ملازمت سے سبک دوش ہو گئے۔ " (66)

ریٹائرمنٹ کے بعد یگانہ کو ایک مرتبہ پھر بدترین اقتصادی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ شعلہ کے نام لکھے گئے یگانہ کے ایک خط (محررہ 26 مارچ 1949ء) سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی آمدنی کم ہو کر پنشن کے پندرہ روپوں تک محدود ہو گئی تھی ایسے نازک وقت میں شعلہ آڑے آئے اور انھوں نے منہ بولا بیٹا بن کر یگانہ اور ان کے اہل خانہ کی زندگی میں قدم قدم پر نمایاں کردار ادا کیا۔ شعلہ نے اس معاملت کی تفصیل اپنے مضمون " یہ تیس برس کا قصہ ہے "(مطبوعہ

تخلیقی ادب(2) کراچی) میں بیان کی ہے شعلہ اور یگانہ کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی اس سے بھی تعلقات کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یگانہ بیگم، بلند اقبال اور عامرہ بیگم کی بھی شعلہ سے مراسلت تھی یہ تمام خطوط نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی میں محفوظ ہیں ان خطوط میں منہ بولے رشتوں کی مہک موجود ہے۔ نیشنل میوزیم میں رکھی ہوئی منی آرڈر کی رسیدوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے شعلہ نے یگانہ بیگم کو اپریل 1944ء کے درمیان گھر کے خرچ کے لئے پچاس روپے ماہوار باقاعدگی سے بھیجے تھے۔ شعلہ کے نام یگانہ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے 1943ء کے بعد یگانہ کے گھریلو اخراجات کی ذمہ داری قبول کی تھی یگانہ لکھتے ہیں (این ایم نمبر 1963-215/27)

(26 ستمبر 1946ء) " اب مجھے لکھنو جانا چاہئیے وہاں پہنچ کر تین مہینے آرام
کر لینے کے بعد میرا قیاس یہ ہے کہ تم پر جو ماہانہ اخراجات کا
بوجھ 1943ء سے پڑ رہا ہے وہ شاید بالکل ہلکا تو نہ ہو گا
البتہ پچاس سے گھٹ کر تیس روپے ہو جائیں گے۔"(علی اختر ہاؤس حیدرآباد)

شعلہ نے قیام پاکستان تک اس دستور کو باقاعدگی سے نبھایا یگانہ نے بھی اپنے اور شعلہ کے اس تعلق کو کبھی نہیں چھپایا۔ قیام پاکستان کے بعد شعلہ کو لاہور چھوڑنا پڑا۔ لاہور میں ان کا دواؤں کا جما جمایا کاروبار اجڑ گیا اور وہ دہلی منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے اپنے کاروبار کو نئے سرے سے جمایا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ دہلی کے ممتاز دوا فروشوں میں شمار ہونے لگے۔ یگانہ نے آیات وجدانی (جدید) میں شعلہ کے ایثار کا ذکر واضح طور پر ان لفظوں میں کیا ہے۔

"MR. DWARKA DAS SHOLA OF LAHORE THE GREAT AND ONLY FRIEND OF MIRZA YAGANA WHO ALWAYS STRONGLY FELT FOR HIM" (page 57).

شعلہ کے علاوہ مالک رام اور ہاشم اسماعیل بمبئی والے نے بھی ان دنوں گاہے گاہے یگانہ کی مالی اعانت کی۔ یگانہ نے ہاشم اسماعیل کے لئے ایک نظم بعنوان " انسانیت عین ایمان " بھی لکھی تھی۔

نظم سے پتہ چلتا ھے کہ یگانہ اور ھاشم اسماعیل کی ملاقات بمبئی میں ھوئی تھی۔ شعلہ کے نام لکھے گئے یگانہ کے خط محررہ (13 جون 1946ء) سے اندازہ ھوتا ھے کہ یگانہ اپریل 1946ء کا پورا مہینہ اور مئی کے وسط تک بمبئی میں مقیم رھے۔ مالک رام لکھتے ھیں " ھم اپنائیت کے اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں ایک دوسرے سے کچھ طلب کرنے میں تامل یا تکلف نہیں رھتا۔ " مجھے معلوم ھے کہ ان کے ایسے ھی تعلقات دوارکا داس شعلہ سے بھی تھے یہ بھی ان کی خدمت میں دلی مسرت محسوس کرتے تھے نیز میرا گمان بحد یقین ھے کہ بمبئی کے ھاشم اسماعیل مرحوم بھی گاھے گاھے مدد کرتے رھے ھوں گے۔ "(67) شعلہ کے نام لکھے گئے یگانہ کے ایک خط سے مالک رام کے بیان کی تصدیق ھوتی ھے وہ لکھتے ھیں۔(این ایم نمبر 215/74۔ (1963

(22.5.1953) "Please meat my great friend Mr. Hashim Ismail of Bombay I have got only two friend, Dawarka Das & Hashim Ismail, who have ever been attended to me"(Lucknow)

پنشن لینے کے بعد یگانہ لکھنو آئے مگر کچھ ھی عرصہ قیام کرنے کے بعد واپس حیدر آباد چلے گئے بلند اقبال نے راقم کو بتایا " ریٹائرمنٹ کے بعد بھائی ابا مستقل لکھنو نہ آئے کچھ دنوں کے لئے البتہ لکھنو ضرور آئے۔ " (68) اس مرتبہ وہ حیدرآباد میں اپنے دیرینہ محب غلام پنجتن کے یہاں فروکش رھے۔ " غلام پنجتن نظامت فوجداری بلدہ کے اھم عہدے پر فائز تھے اور حیدر گوڑہ میں مقیم تھے۔ " (69) شعلہ کے نام یگانہ کے خط (محررہ 13 جون 1946ء) سے علم ھوتا ھے کہ ان دنوں شعلہ پچاس روپے ماھوار لکھنو اور پچاس روپے ماھوار یگانہ کو بھیجتے تھے۔ اسی اثنا میں یگانہ کو " آیات وجدانی " کا تیسرا ایڈیشن شائع کرنے کی دھن لگی حیدرآباد میں قیام کے دوران انہوں نے زیادہ تر آیات وجدانی (جدید) کی ترتیب اور تدوین کا کام ھی کیا۔ ان دنوں یگانہ کے خطوط سے کچھ یوں محسوس ھوتا ھے جیسے اب ان کی زندگی کا ایک ھی مقصد تھا کہ آیات وجدانی (جدید) کی جلد از جلد اشاعت ھو اور وہ لکھنو جائیں خطوط سے یہ بھی معلوم ھوتا ھے کہ یگانہ کی صحت دن بدن گرتی جا رھی تھی حیدرآباد سے اب ان کا جی اکتا گیا

تھا مگر " آیات وجدانی " کی اشاعت کا معاملہ طے ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ شعلہ کے نام ایک خط(محررہ 7 اگست 1945ء میں یگانہ نے انہیں اختیار دیا تھا کہ وہ کسی پبلشر سے بات چیت کر کے معاملہ طے کر لیں مگر ایسا نہ ہو سکا چنانچہ یگانہ نے خود ہی اس کی اشاعت کا ذمہ لیا۔ اس عرصہ میں وہ اپنے عزیز دوست ذوالفقار علی بخاری سے ملنے بمبئی گئے۔ بخاری نے اپنی آپ بیتی " سرگذشت" میں یگانہ کے قیام بمبئی کے کچھ دلچسپ واقعات تحریر کئے ہیں (70)

بمبئی سے واپس آنے کے بعد یگانہ غلام پنجتن کے مکان غوری منزل سے سرکاری مسافر خانہ، نام پلی (حیدر آباد) میں اٹھ آئے نورالحسن اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں " پنجتن صاحب جب بتجارہ هل پر رہنے کے لئے آ گئے تو یگانہ نے ان کے ساتھ آنا پسند نہیں کیا اور نام پلی اسٹیشن کے مہمان خانے میں ایک چھوٹا سا کمرہ کرایہ پر لے کر رہنے لگے۔ " (71) اس وقت آیات وجدانی کا کام تکمیل کے آخری مراحل میں تھا۔ شعلہ کو لکھتے ہیں(این ایم نمبر 28/ 215-1963) (یکم اگست 1946ء) " میں آیات وجدانی کی طباعت کی دھن میں ہوں۔ طباعت کا کام قریب ختم آ پہنچا ہے اب جلدبندی کا انتظام کرنا ہے دیکھیں لکھنو کب تک جانا ہوتا ہے۔ دم بہت گھبرا گیا ہے نرطا سلمہٗ کو بہت بہت دعائیں یہاں میرے حالات نے ایک نئی کروٹ لی مسافر خانے میں ٹھہرا ہوا ہوں یہاں ایک مہینے تک انتظام ہو گیا ہے۔ خیر اندیش ۔ میرزا یگانہ چنگیزی " مسافر خانے سے یگانہ کے ایک اور دوست معروف رباعی نگار شاعر علی اختر انہیں اپنے یہاں لے گئے جہاں یگانہ نے لگ بھگ دو ماہ قیام کیا یہیں سے 26 ستمبر 1946ء کو شعلہ کو بذریعہ خط " آیات وجدانی " کے شائع ہونے کی خبر دی۔ 3 دسمبر 1946ء کو شعلہ کو لکھے گئے ایک دوسرے خط میں یگانہ نے اپنے لکھنو پہنچنے کی اطلاع ان لفظوں میں دی (این ایم نمبر 19/215-1963) " میں لکھنو پہنچ تو گیا مگر حیدرآباد دکن میں چار سال کی مسلسل کوششوں کے باوجود کچھ بن نہ پڑا۔ مدد معاش کی کوئی صورت نہ نکلی خالی ہاتھ آیا اک شاعر اور مجھ ایسے شاعر کے حصے میں روایاتی ناکامی کے سوا اور کیا آ سکتا ہے۔ "

یگانہ ضعف اور بیماری کی حالت میں لکھنو آئے تھے 1947ء میں ملکی حالات کا توازن یکدم بگڑ گیا جس سے خانگی زندگی بے طرح متاثر ہوئی ان حالات میں اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ زندہ رہنے کے لئے معاش کا بندوبست کیا جائے دکن میں ایک عرصہ رہنے کے سبب وہاں یگانہ کا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا چنانچہ بلند اقبال کے مطابق جون 1947ء میں یگانہ ایک مرتبہ پھر دکن روانہ ہو گئے (72) تقسیم ہند کا اعلان ہوا تو یگانہ دکن میں تھے تقسیم کے بعد دکن کے حالات بھی دگرگوں ہوتے گئے اور یہ نیم مختار سلطنت بھی ختم ہو گئی اس اثنا میں یگانہ اور ان کے اہل خانہ نے بڑا کٹھن زمانہ دیکھا۔ ان کے غم گسار اور چارہ گر شعلہ بھی بالکل تباہ ہو کر لاہور سے دہلی آ گئے تھے۔ ادھر یگانہ 14 مارچ 1949ء کو سخت بیماری کے عالم میں لکھنؤ واپس آئے اور شعلہ کو خط (محررہ 26 مارچ 1949ء) میں لکھا (این ایم نمبر 1963-215/41) " میں وہی پندرہ روپے کی پنشن لے کر پھر یہاں آ گیا ہوں جب حیدرآباد کی سلطنت باقی تھی تو اس وقت ارکان دولت نے میری قابل رحم حالت کا کوئی لحاظ نہیں کیا اب تو سلطنت ہی مٹ گئی قصہ ختم ہوا۔ " (سلطان بہادر روڈ لکھنو)

لکھنو آنے کے بعد یگانہ کی طبیعت سنبھلی تو شعلہ کو لکھا (این ایم نمبر9/214-1963ء) (8 جون 1949ء) " بھئی اب تو میں پھر واپس چلا اگرچہ ہاتھ پاؤں کمزور ہو چکے ہیں بات یہ ہے تمہاری والدہ پر بہت سختیاں گزر رہی ہیں میری پنشن وہی پندرہ روپے۔ لڑکے نوکر تو ہیں مگر افسوس کی بات ہے کہ بہت کم توجہ کرتے ہیں میرے واپس جانے کا بڑا سبب یہ ہے کہ کرایہ مکان دو سال -/240 روپے کا سخت تقاضہ ہو رہا ہے۔ 31 جولائی تک مہلت مانگی ہے جا تو رہا ہوں مگر یہ نہیں معلوم کہ وہاں یہ رقم کیوں کر فراہم کر سکوں گا حالات بالکل بدل گئے ہیں غالباً 15 جون تک روانہ ہو جاؤں گا۔ " (لکھنو)

یوں یگانہ ایک مرتبہ پھر حیدرآباد گئے اس مرتبہ وہ تقریباً نو ماہ وہاں مقیم رہے اور وہاں سے اپنی چھوٹی صاحبزادی عامرہ بیگم کی شادی کے سلسلے میں لکھنو آئے اور شعلہ کو لکھا (این ایم نمبر 1963-215/60) (9 اپریل 1950ء) " 31 مارچ 1950ء کو عامرہ بیگم کی شادی کی تقریب

خوشی خوشی سر انجام پا گئی ۔ "

اب صورت یہ تھی کہ/ یگانہ اور یگانہ بیگم لکھنو میں تھے ان کے دونوں بیٹے اور بڑی بیٹی کراچی میں تھیں منجھلی بیٹی اپنی سسرال پونہ میں تھی اور چھوٹی بیٹی بیاہ کر اپنی سسرال کانپور جا چکی تھی بلند اقبال کے نام اپنے ایک غیرمطبوعہ خط (مملوکہ بلند اقبال) میں یگانہ لکھتے ھیں (29 مئی 1950ء) " اب لکھنو ھے اور ھم دونوں میاں بیوی، اصل بات یہ ھے کہ تمام اولادیں ایک ایک کر کے جدا ھو گئیں اس صدمے نے تمہاری اماں کی صحت پر خراب اثر ڈالا ھے۔ " (لکھنو)

ماں کا دل بہت ملائم ھوتا ھے یگانہ بیگم اپنے بچوں کے پاس پاکستان جانے کے لئے بے قرار تھیں بالآخر یہ مرحلہ بھی طے ھو گیا اور وہ 23 جولائی 1951ء کو اپنے بچوں کے پاس کراچی پہنچ گئیں ۔ یگانہ بیگم کی پاکستان روانگی کے تقریباً ایک ماہ بعد یگانہ بھی 21 اگست 1951ء کو کراچی کے لئے روانہ ھوئے۔ (73) اور بلند اقبال کے مکان واقع پیر الٰہی بخش کالونی میں اترے بلند اقبال نے ایک ملاقات میں راقم کو بتایا " علامہ رشید ترابی ان دنوں کراچی میں تھے انہیں بھائی ابّا کے آنے کی پیشگی اطلاع تھی اسی شام چار بجے وہ تشریف لے آئے اور بھائی ابّا کو اپنے ساتھ لے جانے کی ضد کرنے لگے۔ بھائی ابّا نے بہت ناں ناں کی مگر حالات کے تحت ترابی صاحب کی بات مان لی ترابی صاحب نے اسی وقت بھائی ابّا کا چھوٹا سا بیگ اپنی موٹر میں رکھا اور اپنے گھر لے گئے اس کے بعد بھائی ابّا جب تک کراچی میں رھے ترابی صاحب کے مہمان رھے اس عرصہ میں گاھے گاھے ھم لوگوں سے ملنے آتے رھے۔ " (74)

مولانا رشید ترابی کلیٹن روڈ (موجودہ بہادر یار جنگ روڈ) پر رھتے تھے یگانہ کے ھمدم دیرینہ تھے وہ کراچی سے اپنا ذاتی اخبار " المنتظر" بھی نکالتے تھے۔ یگانہ کی کراچی آمد پر رشید ترابی نے خصوصی تقاریب کا اھتمام کیا اور ان کی دل جوئی کی ھر ممکن کوشش کی مولانا ترابی کے گھر جمنے والی ان دنوں کی محفلوں کی گونج اب تک بہت سی تحریروں میں سنی جا سکتی ھے۔ (75)

مولانا ترابی کے صاحب زادے نصیر ترابی نے ایک ملاقات میں راقم کو بتایا " ریڈیو پاکستان کراچی پر انہی دنوں ایک مشاعرہ ہونا تھا۔ ذوالفقار علی بخاری ریڈیو پاکستان کے روح رواں تھے انہوں نے یگانہ کو بھی مدعو کیا یگانہ اس شرط پر آمادہ ہوئے کہ وہ حاضرین مشاعرہ میں بیٹھنے کے بجائے الگ کمرے میں بیٹھیں گے اور مائیک کے سامنے اس وقت جائیں گے جب ان کی باری ہو گی اس مشاعرے میں حفیظ جالندھری کو لاہور سے خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا یگانہ کو سب سے آخر میں کلام سنانے کی دعوت دی گئی۔ بخاری نے اس زمانے میں یگانہ کے لئے جو چیک بنوایا وہ سو روپے کا تھا جو ایک بھاری معاوضے کا چیک تھا۔"(76)

معروف شاعر راغب مرادآبادی (حال مقیم کراچی) کی ان دنوں یگانہ سے ملاقاتیں رہیں انہوں نے راقم کو بتایا " مولانا رشید ترابی اس امر کے خواہاں تھے کہ یگانہ " المنتظر" کی ادارت سنبھال لیں اور مستقل کراچی ہی میں قیام کریں مگر یگانہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے وہ لکھنو کی محبت میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ یہاں ان کا ایک پل کو جی نہ لگتا تھا۔"(77)

یگانہ پاکستان میں تھے کہ ہندوستان کے اخبارات میں ان کے خلاف زبردست یورش ہوئی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ستمبر 1951ء میں جوش ملیح آبادی کی سرپرستی میں دہلی سے شائع ہونے والے ماہنامے " شعلہ و شبنم" میں یگانہ کا مضمون " حق گو" شائع ہوا اس مضمون کے خلاف تمام ہندوستان کے اخباروں میں احتجاج ہوا کلکتہ سے نکلنے والے قوم پرست روزنامہ " انگارہ "(78) نے اپنی 20 ستمبر 1951ء (یوم جمعرات) کی اشاعت میں پورے صفحے پر پھیلا ہوا چھ کالمی اداریہ تحریر کیا جس کے آغاز میں جلی حروف میں درج تھا " ملحد، کافر، اسلام دشمن مرزا یگانہ کی ہرزہ سرائیاں ۔ مرزا یگانہ جیسے ملحد نے ٹنڈن، ساور کر اور کھرے کو بھی مات کر دیا " اس اداریے کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

" مسلمان خواہ وہ کسی فرقہ کا کیوں نہ ہو اور اس کی غیرت ایمانی کتنی ہی کمزور اور ضعیف کیوں نہ ہو مرزا یگانہ کی بدکلامی اور گستاخیوں کی تاب نہیں لا سکتا جو اس بدباطن، بیگانہ

مذهب، ملحد اور کافر مرزا یگانہ چنگیزی نے " شعلہ وشبنم "
کے صفحات پر کی ہیں۔ "

" ہم حکومت ہند سے مطالبہ کرتے ہیں اور احتجاج کرتے ہیں کہ وہ
اوّلین فرصت میں اس بدبخت مضمون نگار جس کا نام یگانہ چنگیزی
ہے کو گرفتار کر لے اور اس کو سخت ترین سزا دے۔ "

یگانہ کے بارے میں بوجوہ ادب کے قارئین کی رائے تو پہلے ہی بگڑ چکی تھی اب رائے عامہ بھی ان کے خلاف ہو گئی۔ یگانہ چونکہ ان دنوں پاکستان میں تھے اس لئے چند دنوں تک اخبارات میں گرماگرم بحثوں کے بعد معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

یگانہ لکھنو سے کراچی کا ویزا لے کر چلے تھے ان دنوں ویزے کے معاملے میں بہت زیادہ سختی نہ تھی چنانچہ یگانہ لکھنو واپس جانے سے پہلے اپنے بڑے صاحب زادے سے ملنے کے لئے پشاور پہنچے. آغا جان کے مطابق پشاور میں انہوں نے پندرہ بیس دن قیام کیا (79) پشاور سے یگانہ لاہور آئے اور لاہور سے وہ واہگہ کے راستے دھلی اور دھلی سے لکھنو جانا چاہتے تھے۔ آغا جان لکھتے ہیں " واہگہ کی سرحد پر پہنچے پاسپورٹ چک کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس میں لاہور کا نام نہیں۔ " (80) یوں ان کی گرفتاری عمل میں آ گئی جس کے نتیجے میں یگانہ کے اپنے لفظوں میں " اکیس روز جیل میں بند رہا ہتھکڑی لگا کر عدالت میں لایا گیا پہلی پیشی پر مجسٹریٹ صاحب نے نام پوچھا میں نے بڑھی ہوئی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر بڑی شان سے بتایا "یگانہ" ساتھ کھڑے ہوئے ایک وکیل صاحب نے بڑی حیرت سے مجھ سے سوال کیا " یگانہ چنگیزی " جی ہاں جناب" یہ سنتے ہی مجسٹریٹ صاحب نے (غالباً آفتاب احمد نام بتایا تھا) میری رہائی کا حکم صادر فرما دیا جب رہا ہو گیا تو جاتا کدھر؟ اور پریشان ہو گیا مجسٹریٹ صاحب نے میری پریشانی کو پڑھ لیا میں نے ان سے عرض کیا میرے تمام روپے تو تھانے والوں نے جمع کر لئے تھے اب مجھے دلوا دیجئے اس پر مجسٹریٹ صاحب نے کہا درخواست لکھ دیجئے۔ میرے پاس پھوٹی

کوڑی نہ تھی کاغـذ کہاں سے لاتا اور کیسے درخواست لکھتا ۔ اس پر بہ کـمال شفقـت مجسٹریٹ صاحب نے مجھے ایک آنہ دیا اور میں نے کاغـذ خرید کر درخواست لکھی جس پر مجھے فوراً روپے مل گئے۔ "(81)

یہ امر یقینی ہے کہ یـگانہ قانونی باریکـیوں سے واقف نہیں تھے انہوں نے کراچی سے بمبئی تک کے تـکلیف دہ بحری سفر اور بمبئی سے لکھنو تک کے ریل کے طویل سفر سے بچنے کے لئے اپنی سہولت کی خاطر براستہ واہگہ ہندوستان جانا چاہا تھا کہ قانون کی زد میں آ گئے اور جب وہ رہا ہو کر کراچی پہنچے تو ان کے واپس ہندوستان جانے کی مـدت گزر چکی تھی اب ہندوستان جانا اس وقت تک ممـکن نہیں تھا جب تک سرکاری سطح پر انہیں توسیع قیام(OVER STAY) کی اجازت نہ مل جاتی ۔ ان دنوں ہندوستان سے آنے والے حضرات کو پاکستان میں مستـقل قیام کرنے کی اجازت تو بآسانی مل جاتی تھی لیکن اگر کوئی قیام کی مـدت گزر جانے کے بـعد ہندوستان واپس جانا چاہتا تو یہ بہت دشوار تھا اس سلسلے میں قانونی پیچیـدگـیاں اس قـدر زیادہ تھیں اور دفتروں کے اتنے زیادہ نامرادانہ چکر کاٹنے پڑتے تھے کہ دل غریب امتحانوں کا لقمـہ ہو جاتا تھا ۔

کراچی آ کر یـگانہ نے بے زری اور بے نوائی کے عالم میں ہندوستان واپس جانے کی کوشش کا آغاز کیا یہ ساری تفـصیل اس سلسلے میں لکھے جانے والے مراسلوں میں ملتی ہے حسن خوبی سے یہ تمام خطوط نیشنل میـوزیم آف پاکستان کراچی کے مخزونہ مخطوطات میں محفوظ ہیں اس لئے یـگانہ کی زندگی کے اس اہم حصے کی روداد راقم نے انہی خطوط سے اخذ کی ہے۔

یـگانہ نے 11 جنوری 1952ء کو شعلہ کو ایک خط لکھا جس کی پیشانی پر انگریـزی لفـظ URGENT درج تھا خط میں لکھتے ہیں۔(این ایم نمبر 1963.215/37) " عارضی پرمٹ پر آیا تھا لڑکوں کو دیکھنے کے لئے مگر کیا کہئیے ناگزیر حالات کے باعث واپسی کی تاریخ گزر گئی اور میں یہاں اٹک کر رہ گیا ہوں مگر میں ہرگز ہرگز یہاں نہیں رہوں گا لوگ کہتے ہیں اب

جانا نہیں ملے گا خیر دیکھیں کیا ہوتا ہے کل اک D.O گورنمنٹ آف انڈیا میں ہائی کمشنر کے دفتر بھیج دیا گیا ہے جس میں میرے معاملات کی طرف توجہ دلائی اور سفارش کی گئی ہے بھائی اب ذرا اٹھ کھڑے ہو اور مجھے جلد یہاں سے نکالو D.O کا جواب جلد سے جلد بھجوانے کی کوشش کرو۔ "

یگانہ کا خط ملتے ہی شعلہ نے اپنے طور پر کوششوں کا آغاز کیا ان کے ایک دوست رام رتن مہتہ انڈین ہائی کمیشن کراچی میں ملازم تھے شعلہ نے ایک خط یگانہ کو اور دوسرا رام رتن مہتہ کو لکھا۔ مہتہ کے خط میں یگانہ کے تمام حالات بیان کرنے کے بعد شعلہ نے لکھا۔(خط انگریزی ٹائپ میں ہے،نیشنل میوزیم نمبر 1963.216/11)

(14.1.1952) " I am writing you therefore with the request to please get that man back to us at as early a date as possible becuase in this age he may not be able to stand the strain of uncertainities there".

شعلہ نے اسی خط میں یہ بھی تحریر کیا تھا کہ یگانہ کا کراچی میں ہاتھ بہت تنگ ہو گا اس لئے مہتہ انہیں دو سو روپیہ بھی دے دیں تاکہ ان کے آلام زندگی میں کچھ کمی ہو شعلہ نے اس خط کی کاپی یگانہ کو بھی بھیجی تھی یگانہ نے ان خطوط کے جواب میں جو خط شعلہ کو لکھا اس میں مہتہ سے ملاقات اور ان کی جانب سے کی جانے والی کوششوں کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا(این ایم نمبر 1963.215/39) (18 جنوری 1952) " اب میرا معاملہ گورنمنٹ آف انڈیا کے ہاتھ جا چکا ہے وہیں سے اجازت ملے تو رہائی ہو زیادہ کیا لکھوں دن گن رہا ہوں بہت کمزور ہو گیا ہوں جلاوطنی کا غم بری بلا ہے۔" (کراچی)

شعلہ کے خط کے جواب میں مہتہ نے جو خط شعلہ کو تحریر کیا وہ یگانہ پر بیتنے والے تمام گذشتہ واقعات کا اعادہ کرتا ہے اس اعتبار سے اس خط کی اہمیت دستاویز کی سی ہے(خط

انگریزی ٹائپ میں ہے نیشنل میوزیم نمبر 1963.216/10)

(18.1.1952) "Meerza has certainly be in great trouble. Through ignorance of rules he went to Lahore without informing the Karachi police that he was doing so. When he reported at the Lahore Pakistan Permit office, he was arrested and sent to jail. He was released after almost a month and directed to report to the Karachi Permit Officer at Karachi. He was then directed to put in an application on form 'C' for a permanent resettlement in India... I have made a special Demo official reference to Shri M.L.Puri, Under Secretary to Government of India, Ministry of Rehabiliation. I have asked that permission may be granted as a special case to our condoning the delay (for which Meerza Yagana was not responsible as he has been under arrest) in submitting his application for extention of the validity of his no objection certificate, I do hope this request will be granted". (Indian High Commission Karachi).

مہتہ کا خط وصول کرنے کے بعد شعلہ نے یگانہ کو 28 جنوری 1952ء کو ایک خط لکھا (خط انگریزی ٹائپ میں ہے این ایم نمبر 1963.216/12) جس میں مہتہ کے خط کا حوالہ دیا شعلہ نے مسٹر شری ایم ایل پوری سے اپنی اور جوش کی ملاقات کا ذکر کیا مسٹر پوری نے انہیں بتایا تھا کہ کاغذات یوپی گورنمنٹ بھیج دئیے گئے ہیں۔

اس کے بعد یگانہ، شعلہ اور مہتہ کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ بہت دنوں تک فرسودہ دفتری نظام کا شکار رہا مہتہ نے 25 مارچ 1952ء کو شعلہ کو ایک خط تحریر کیا (خط انگریزی ٹائپ میں ہے این ایم نمبر 1963.216/6) جس میں یگانہ سے ملاقات کا ذکر کیا

تھا اور بتایا تھا کہ یگانہ کو دھلی میں منعقد ھونے والے مشاعرے کا دعوت نامہ موصول ھوا ھے جس کی وجہ سے وہ ھندوستان جانے کے لئے بے چین ھیں انھیں ابھی تک واپس جانے کے احکامات وصول نھیں ھو سکے اس سلسلے میں ٹیلی فون پر خصوصی رابطہ بھی قائم کیا گیا مگر جواب حوصلہ افزا نہ تھا مہتہ کے خیال میں تاخیر کا سبب یوپی گورنمنٹ تھی انھوں نے شعلہ کو یہ بھی لکھا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ کر سکتے ھوں تو ضرور کریں کیونکہ گورنمنٹ آف انڈیا نے کہا ھے کہ اسے یگانہ کے ھندوستان واپس آنے پر کوئی اعتراض نھیں ھے۔'

مسٹر مہتہ نے 9 اپریل 1952ء کو شعلہ کے نام اپنے خط میں یگانہ کو گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے پرمٹ ملنے اور ان کی روانگیٔ ھندوستان کی تیاری کی اطلاع دی مہتہ نے شعلہ کو لکھا کہ دو سو روپے میں سے ایک سو چالیس روپے وہ یگانہ کو دے چکے ھیں زیادہ امکان اس بات کا ھے کہ یگانہ ھوائی جہاز سے جائیں گے تو اس کے لئے مزید 125 یا 130 روپے کی ضرورت پڑے گی مہتہ کے خط کا آخری جملہ تھا (خط مہتہ کے اپنے ھاتھ سے لکھا گیا ھے این ایم نمبر 216/17. (1963

"I am glad Meerza Sahib will sonn back in India . Here he was feeling like a fish out of water".

مسٹر مہتہ کا شعلہ کے نام 29 اپریل 1952ء کا خط یگانہ کے معاملے میں خصوصی اھمیت کا حامل ھے (خط انگریزی ٹائپ میں ھے، این ایم نمبر 1963.216/4) وہ لکھتے ھیں

"Meerza has afterall returned to India. I was hoping to hear from you on the subject as I believe that he must have met you immediately on his arrival in Delhi and told you all the circumstances in which I had to advance him Rs.200/- on 16.4.1952. This means that I paid him Rs.140/- over and above the Rs.200/- that you sanctioned for him. The circumstances

were so petiable that I was unable to say 'No' to him".

شعلہ کا جواب حسب توقع تھا 8 مئی 1952ء کو انھوں نے مہتہ کو لکھا(خط انگریزی ٹائپ میں ھے، این ایم نمبر 1963،216/3) کہ ان کی مہربانی اور تعاون سے یگانہ اپنے وطن لوٹ آئے ھیں یگانہ ان سے ملنے دھلی آئے تھے مگر وہ لکھنو گئے ھوئے تھے اور جس دن یگانہ لکھنو پہنچے اسی دن وہ کانپور کے لئے روانہ ھو چکے تھے۔ مہتہ نے جو رقم یگانہ کی روانگی پر خرچ کی تھی شعلہ نے اسے مستحسن اور درست فیصلہ قرار دیا اور مہتہ کے جو -/140 روپے زائد خرچ ھوئے تھے ان کے جلد لوٹانے کا وعدہ کیا۔ اس خط کے جواب میں مہتہ کا خط یگانہ کی شخصیت کو سمجھنے میں مدد دیتا ھے(خط انگریزی ٹائپ میں ھے، این ایم نمبر2/1963،216) مہتہ لکھتے ھیں۔

(30.5.1952)" You will be glad to know that Meerza Yagana left a sum of Rs.82/- with a friend of his in Karachi and that amount has already been sent to me by his friend. The question of your sending me any money does not arise. In all probabilities Meerza Yagana will himself send me the remaining Rs.58/-".

اور اب یگانہ کی کہانی انھی سے سنئیے"(18، 19 اپریل 1952ء) " گردش روزگار سے میں بھی پاکستان جا کر پھنس گیا تھا اور وھاں سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی مگر خدا بھلا کرے مسٹر سہگل کا جنھوں نے بڑے خلوص اور مستعدی کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا اور یوپی گورنمنٹ سے خط و کتابت کر کے اور تار دے کر میری واپسی کی اجازت منگوائی اور پرمٹ دے کر مجھے روانہ کر دیا چنانچہ 17 اپریل بارہ بجے شب کو میں کراچی سے ھوائی جہاز پر بیٹھ کر تین گھنٹے میں دھلی پہونچ گیا صبح 18 اپریل کو میں دھلی کے چاندنی چوک میں اطمینان کے ساتھ گھومتا

پھرتا رہا اور چار بجے ریل پر بیٹھ کر 19 اپریل کو لکھنو پہونچ گیا یہ دونوں تاریخیں یادگار رہیں گی۔" (82)

اب یگانہ تھے اور امین آباد کی رونق بازار یگانہ کے یہ اشعار اسی واقعہ کی یادگار ہیں ؎

کشش لکھنو ارے توبہ — پھر وہی ہم وہی امین آباد

زیست کرتے ہیں یہی مزے واللہ — چار دن شاد چار دن ناشاد (83)

لکھنو واپسی کا سفر یگانہ کی زندگی میں ایک تحیر آمیز تجربے کی حیثیت رکھتا ہے لکھنو پہنچنے کے فوراً بعد انہوں نے یگانہ بیگم کو جو خط تحریر کیا اس میں اس تجربے کی تفصیل بڑی معصومیت سے بیان کی ہے،لکھتے ہیں

(21 اپریل 1952ء) " 17 اپریل پنجشنبہ کو میں کراچی میں تھا رات کے تین بجے دھلی میں تھا۔ جل جلالہٗ۔ 18 اپریل کو دھلی کے چاندنی چوک کی سیر کرتا رہا دھوپ میں ساڑھے چار بجے ریل پر سوار ہو گیا 19 اپریل نو بجے دن کو چار باغ سٹیشن پر تھا، جل جلالہ۔ سندیلہ سے جس وقت گاڑی لکھنو کی طرف چلی ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں اپنے کمپونڈ میں آ گیا خون بڑھنے لگا سارا درد دکھ ہوا ہو گیا۔ میں آج حیدر بیگ سلمہ کو خط لکھ رہا ہوں آپ کے بارے میں، یعنی وہ آپ کو ھوائی جہاز سے بھیجنے کے لئے خرچ کا انتظام کریں اور میں یہاں یوپی گورنمنٹ سے آپ کو واپس بلانے کے لئے سلسلہ جنبانی کروں ھاں یہ بھی پہلے سے کہے رکھتا ہوں کہ ھوائی جہاز کا سفر بڑے آرام کا سفر ہے معلوم ہوتا ہے پالنے میں بیٹھے ہیں مگر ھاں یہ بھی یاد رکھیے گھر سے روئی ساتھ لے کر چلئے جہاز پر بیٹھتے ہی کانوں میں روئی رکھ لیجئے کانوں پر گھنگھناھٹ کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور پڑتا ہے اور پاؤں پر کمل ڈال لینے کی ضرورت ہوتی ہے کمل وھیں پر مسافر کے پاس موجود رہتا ہے کمپنی کی طرف سے ۔ چاکولیٹ بہت مزے دار ملتے ہیں ڈونگار کرنے کے لئے،چائے بھی ملتی ہے۔ لیمونڈ بھی۔ کرایہ کراچی سے دھلی تک -/RS 130 " (84)

یگانہ لکھنو تو پہنچ گئے مگر یہاں ایک بار پھر تنہائی نے یلغار کر دی بیمار تو

وہ ایک عرصہ سے چلے آ رہے تھے زہرہ نقی لکھتی ہیں " 26 اپریل 1952ء کو لکھنؤ ریڈیو سے ایک مشاعرہ نشر ہونے والا تھا یگانہ لکھنو پہنچ چکے تھے انہیں بھی دعوت ملی پہلی ہی رباعی پر مشاعرہ لوٹ لیا پھر دوسری اور تیسری رباعی کے بعد غزل پڑھی مگر آواز قابو میں نہ تھی بخار آنے لگا تھا کھانسی اور تنفس کا مرض پاکستان میں اور زور پکڑ گیا تھا اب اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ دو تین فرلانگ چلنا دشوار تھا۔" (85)

آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے یگانہ دسمبر 1952ء میں اپنے دوست سیٹھ ہاشم اسماعیل کے پاس بمبئی گئے اور شعلہ کو لکھا۔(این ایم نمبر 1963،215/32) (19 دسمبر 1952ء)
" مری اک مخلص عزیز ہیں جو سن میں تو تمہارے ہی قریب ہیں اور خلوص و محبت میں بھی مگر تم ان سے بہت سینئیر ہو انہوں نے مجھے یہاں بلا کر چاہا کہ شاید کچھ تبدیلی آب و ہوا سے اور کچھ علاج سے فائدہ ہو جائے وہ مجھ پر بہت مہربان ہیں خاص توجہ رکھتے ہیں مگر کوئی کیا کرے کھانسی کی شدت کے وقت ہر شب کو موت کے قریب ہو جاتا ہوں۔"

اسی خط میں شعلہ کو لکھا کہ یگانہ بیگم نے قانونی مواخذہ کے ڈر سے پاکستان جا کر اپنی قومیت بدل لی ہے اب ان کی مستقل واپسی کے لئے گورنمنٹ آف انڈیا سے اجازت لینا ضروری ہے۔ یگانہ نے اس سلسلے میں پیش رفت کے لئے شعلہ کو چند ہدایتیں بھی دیں اور جوش سے مشورہ کرنے کو لکھا۔

لکھنؤ میں یگانہ اپنے بچوں اور رفیقۂ حیات سے دور بالکل اکیلے تھے ایسے میں انہیں رفیق تنہائی کی ضرورت تھی اور ظاہر ہے کہ ان کی بیگم سے بڑھ کر اور کون ان کا غم گسار ہو سکتا تھا چنانچہ اب یگانہ کی تمام تر توجہ اس امر پر مرکوز ہو گئی کہ کسی طرح ان کی بیگم ان کے پاس پہنچ جائیں یگانہ کے خطوط سے ان کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔دیکھئے
یگانہ بہ نام آغا جان(غیر مطبوعہ خط مملوکہ بلند اقبال) (12 دسمبر 1952ء) " مجھے امید ہے نہ تمہاری بجو نہ تم اور حیدر بیگ دونوں بھائی اس بات کو پسند کرو گے کہ آخری وقت میں ہم

دونوں اس طرح جدا ہو جائیں میری زیادہ دنوں تک زندہ رہنے کا اب کوئی قرینہ نہیں سانس کا کھیل بگڑ چکا ہے سینہ میں طاقت باقی نہیں رہی۔ "

یگانہ بہ نام شعلہ (این ایم نمبر 1963،215/77) (21 فروری 1953ء) " آس پاس کوئی نہیں گھر میں جو لوگ ہیں وہ اوپر کا کام تو کر دیتے ہیں مگر برے وقت اپنے پاس کون آئے۔ بیگم وہاں پھڑپھڑا رہی ہیں کچھ بنائے نہیں بنتی۔ ہر قدم پر دفتری اڑنگے پرمٹ کے بعد پاسپورٹ کا نیا طریقہ نکلا ہے۔ "

یگانہ کی مسلسل کوشش اور احباب کی توجہ سے یگانہ بیگم 4 اپریل 1953ء کو پاسپورٹ حاصل کر کے لکھنو پہنچ گئیں (86) مگر اس سے ذرا پہلے یگانہ کو ایک اندوھناک تجربے سے گزرنا پڑا۔ تمام عمر کی ناقدری، بیوی بچوں سے دوری اور تنہائی کا عالم، بیماری، بے روزگاری، تنگی معاش، چھوٹی بیٹی کی ناکام شادی، وسوسے، اندیشے، بدگمانیاں، گھٹن، بے چارگی اور بے بسی یہ سب وہ عوامل تھے جنہوں نے یگانہ کے تنفس ہی میں نہیں قلم اور زبان میں بھی لکنت پیدا کر دی۔ یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا دماغ چل گیا تھا مگر یہ امر واقعہ ہے کہ ان کی ذہنی بدگمانیوں، پریشانیوں اور الجھنوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ بلند اقبال کے نام ایک مختصر خط میں یگانہ نے لکھا تھا (غیرمطبوعہ خط مملوکہ بلند اقبال) (20 نومبر 1952ء) " دماغ کی حالت یہ ہے کہ اضطراری حالت میں کچھ کا کچھ لکھ جاتا ہوں۔"

مارچ 1953ء کا واقعہ ہے یگانہ سے سوٗ ادبی سرزد ہوئی انہوں نے اپنے ایک خط میں چند ایسی رباعیاں لکھیں جن سے ہندوستان کی مسلمان رعیت کے مذہبی جذبات بری طرح مجروح ہوئے جس کے نتیجے میں یگانہ کی سر بازار تذلیل کا واقعہ رونما ہوا تفصیل کچھ یوں ہے کہ یگانہ نے نیاز فتح پوری کو ایک خط لکھا نیاز نے یہ خط مطالعہ کی نیت سے مولانا عبدالماجد دریاآبادی کو دکھایا جو لکھنو سے اپنا ذاتی پرچہ ہفتہ وار " صدق جدید " نکالتے تھے۔ مالک رام کے مطابق " صدق جدید " ان دنوں نیاز فتح پوری کے مطبع سے چھپتا تھا (87)

اس لئے مولانا کا نیاز فتح پوری کے پریس آنا جانا تھا غالب امکان یہی ہے کہ وہیں نیاز نے انہیں وہ خط دکھایا (88) مولانا دریاآبادی کا شمار مذہبی انتہا پسندوں میں ہوتا تھا۔ یگانہ کے خلاف زمین تو پہلے ہی سے ہموار تھی مولانا دریا آبادی نے یگانہ کے خط کے نزاعی حصوں کو مشتہر کر دیا اور اس پر "صدق جدید" کی 27 مارچ 1953ء کی اشاعت میں بہت سخت اداریہ لکھا اس اداریے سے اقتباس درج ذیل ہے۔

"کل ہی ڈاک سے مجھے ایک لفافہ (منصور نگر۔ سلطان بہادر روڈ لکھنو سے) سے موصول ہوا ہے خط تین صفحہ کا ہے جس کی ایک سطر بھی کوئی مسلمان بغیر اپنا خون کھولائے ہوئے اور بے انتہا جوش میں آئے ہوئے نہیں پڑھ سکتا خط ایک نام کے مسلمان کا ہے جو شاید اصلاً تو بہاری ہے مگر اب مدت سے لکھنو پر مسلط ہے دوسرے مضمون روک کر خط کی چند سطریں جو نسبتاً ہلکی ہیں دل پر شدید جبر کر کے صدق میں دے رہا ہوں تاکہ سب مسلمان خصوصاً شیعہ حضرات (اس لئے کہ اس بدبخت کا پیدائشی تعلق فرقۂ شیعہ سے ہے) اسے پڑھیں اور اپنی ذمہ داری محسوس کریں کہ کس طرح اپنے اندر ایک آستین کے سانپ اور خبث مجسم کو پرورش کر رہے ہیں (اس کے بعد یگانہ کی مبینہ رباعیاں اور خط کے متنازعہ حصے درج کرنے کے بعد مولانا دریاآبادی لکھتے ہیں) اب تو واقف کار ناظرین نے پہچان لیا ہو گا کہ یہ وہی شخص ہے جو کسی زمانہ میں مرزا واجدحسین عظیم آبادی کہلایا اور مرزا غالب اور عزیز لکھنوی وغیرہ کے خلاف مسلسل اپنے خرافات شائع کرتا رہا پھر اور ترقی کر کے اقبال کے خلاف اس نے زہر اگلنا شروع کیا اور کوئی بدتمیزی ان کے حق میں اٹھا نہ رکھی رفتہ رفتہ اس نے اپنا تخلص یگانہ رکھا

> اور اپنا شب نامہ چنگیز خاں جہاں سوز سے ملا کر اپنے کو فخر
> سے چنگیزی لکھنا بھی شروع کر دیا سیہ بختی کی نوبت یہاں تک
> پہنچی کہ اب کئی سال سے برابر شتم رسول و طعن قرآن مجید
> کے ھذیان میں مبتلا ھے اور مسلمانوں کے دل و جگر پر مدت سے
> اپنے زھریلے تیر چلا رہا ھے جنون کی حد یہ ھے کہ خط کی ابتدا
> " بسم اللّٰہ " کے جوڑ پر ان الفاظ سے کی ھے " بنام یگانہ جل
> جلالہ " فرعون بے سامان کی مثال اس سے بہتر اور کیا ھو گی ۔ "(89)

اس کے بعد مولانا نے اپنے ادارئیے میں جمعیتہ العلما ، تمام مسلم اخبارات، خاص لکھنو کے شیعہ حضرات کے علاوہ لکھنو کے سرکردہ اصحاب مولانا سید علی نقی ، شمس العلما، مولوی مہدی حسن ، راجہ احمد علی خاں والی سلیم پور، ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسین کانپوری ، شیخ ممتاز حسین جونپوری ، سید کلب مصطفیٰ ایڈوکیٹ سے اپیل کی کہ وہ ایسے بدزبان کو سبق سکھائیں۔ مولانا کی اس اپیل کی " سرفراز " لکھنو، " سیاست " کانپور اور " انقلاب " بمبئی نے زبردست تائید کی ۔ مولانا نے خاص کر لکھنو کے شیعہ حضرات کو متوجہ کر کے ان کی حمیت کو ابھارا تھا چنانچہ شیعہ پولیٹیکل کانفرنس (جو بعد میں شیعہ سوشل کانفرنس ھو گئی) کے ترجمان اخبار " سرفراز " لکھنو نے صدق جدید کا اداریہ لفظ بہ لفظ نقل کیا اور لکھا

> " اگر کسی غیر مسلم کی طرف سے یہ دریدہ دھنی کی جاتی تو مسلمان
> ایک ھنگامہ برپا کر دیتے دیکھنا یہ ھے کہ وہ ایک مسلمان کی ایسی
> ملحدانہ تحریر پر کیا کاروائی عمل میں لاتے ھیں۔ " (90)

مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے اپنے ادارئیے میں یگانہ کے خلاف فرد جرم اچھی خاصی طویل کر دی تھی جس میں ان کا بہاری ھونا اور مدت سے لکھنو پر مسلط ھونا ، مرزا غالب اور عزیز لکھنوی کے خلاف مسلسل خرافات شائع کرنا ، اقبال کے خلاف زھر اگلنا ، اپنا شب نامہ چنگیز خاں جہاں سوز سے جوڑنا ، گذشتہ کئی سال سے شتم رسول اور طعن قرآن کے ھذیان میں مبتلا

ھونا اور بسم اللّٰہ کے جوڑ پر بہ نام یگانہ جلجلالہٗ کی ترکیب وضع کرنا جیسے نکات شامل تھے۔ گویا مولانا دریاآبادی نے وہ تمام اسباب ایک ایک کر کے گنا دئیے تھے جن کی بنا پر اھل لکھنو نصف صدی سے یگانہ کی مخالفت کرتے چلے آ رہے تھے۔ مالک رام کے لفظوں میں

> " یگانہ نے اس خط میں (جو مضمون برائے اشاعت نہیں تھا) جو رباعیاں لکھی تھیں ان کی شناعت سے انکار نہیں ان پر مولانا کا مشتعل ھو جانا قدرتی بات تھی لیکن سب سے پہلے تو ھمیں الاعمال بالنیات کا اصول سامنے رکھنا چاھئیے یگانہ نے وہ خط مولانا عبدالماجد دریاآبادی کی خدمت میں لکھا ھی نہیں تھا اگرچہ مولانا نے یہی دعویٰ کیا ھے یگانہ نے یہ نجی خط نیاز فتح پوری کے نام لکھا تھا اس لئے ثابت کرنا پڑے گا کہ یہ انہوں نے مسلم قوم کی دلآزاری کی نیت سے لکھا تھا پھر مولانا دریا آبادی خود مانتے ھیں کہ یگانہ " جنون کی حد تک" پہنچ چکے تھے اور وہ ھذیان بک رہے تھے دنیا کا کوئی قانون یا فقہ ایسے شخص کو اپنے قول و فعل کے لئے ذمہ دار نہیں گردانتا۔ " (91)

بہر صورت اخبارات کے اداریوں، اپیلوں اور مہم کا خاطرخواہ نتیجہ برآمد ھوا۔ 31 مارچ کی صبح ایک جم غفیر نے یگانہ کے مکان واقع منصور نگر پر دھاوا بول دیا اور انھیں زبردستی پکڑ کر تارکول سے منہ کالا کر کے اور گلے میں جوتیوں کا ھار پہنا کر جلوس کے ساتھ چلنے پر مجبور کیا مجمع اپنے ساتھ ایک گدھا لایا تھا جس پر ان کو بٹھایا جانے والا تھا لیکن گدھا جب ان کو لے کر آگے نہ بڑھا تو انہیں پیدل چلایا گیا۔ جلوس انہیں منصور نگر، کشمیری محلہ، چوک اورنخاس کی سڑکوں پر گھماتا پھرا۔ اثنا دوران جلوس مسلسل نعرے بازی کرتا رھا جلوس کے آگے ایک شخص ایک بڑا سا پلے کارڈ لئے چل رھا تھا جس پر لکھا ھوا تھا " رسول کے خلاف لکھنے والے کا یہی حشر ھوتا ھے " نخاس کے چوراھے پر پہنچ کر یگانہ کو ایک رکشا پر بٹھایا گیا جس کو

گدھا کھینچ رہا تھا اور جلوس نادان محل ہوتا ہوا امین آباد کی طرف چلا۔ تھوڑی تھوڑی دور پر جلوس ٹھہر جاتا اور یگانہ کو رکشا پر کھڑے ہو کر پبلک کو اپنی صورت دکھانے پر مجبور کیا جاتا۔ جلوس زیادہ تر لڑکوں پر مشتمل تھا جو نعرے لگا رہے تھے اور یگانہ کو گالیاں دے رہے تھے۔ لوگ اکثر ان کے منہ پر تھوکتے بھی تھے جلوس کے آگے ایک ڈھنڈورچی ڈھول پیٹ کر لوگوں کی توجہ ان کی طرف مبذول کرا رہا تھا۔

یگانہ کو جلوس کے پنجہ سے پولیس نے کوئی ایک گھنٹہ کے بعد اس وقت نجات دلائی جب جلوس مولوی گنج سے گزر رہا تھا۔ پولیس کا ایک دستہ مولوی گنج پر موجود تھا جلوس جب اس مقام پر پہنچا تو اسے رکنے کا حکم دیا گیا۔ یگانہ کو اور پانچ دوسرے آدمیوں کو جوجلوس کے آگےآگے چل رہے تھے پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر وزیر گنج کے تھانے لے جایا گیا ان پانچ آدمیوں کے خلاف جن کے نام علی حیدر، کجن، منو، خلیل احمد اور جمن تھے پولیس نے یگانہ کو بے جا طور پر قید کرنے اور ان کی بے عزتی کرنے کے لئے مجرمانہ طاقت استعمال کرنے کا مقدمہ قائم کیا۔ یگانہ نے پولیس کو بیان دیا کہ ان کا مضمون اور اشعار کچھ لوگ چرا لے گئے تھے اور انہوں نے ان کو چھپوا دیا انہوں نے کہا کہ ان کا ارادہ ان چیزوں کو چھپوانے کا نہیں تھا اور ان میں ان کے ذاتی عقائد اور خیالات کی جھلک ہے۔ پانچوں آدمیوں نے پولیس کو بیان دیا کہ وہ یگانہ کے خلاف تشدد کا ارادہ نہیں رکھتے تھے لیکن ان کو سبق دینا چاہتے تھے۔ یگانہ نے پولیس کو بتایا کہ ان کو تین روز سے پریشان کیا جا رہا تھا اخبارات میں مضمون کی اشاعت کے بعد کچھ لوگ ان سے ملنے آئے اور انہوں نے ان لوگوں کو یقین دلایا کہ ان کا ارادہ ان اشعار کو شائع کرانے کا نہیں تھا پھر بھی مسلمانوں کا ایک طبقہ اس یقین دھانی سے مطمئن نہیں ہوا کل ان کے گھر ڈھیلے آئے آج صبح ایک مجمع ان کے گھر پر آیا اور دروازہ بھڑبھڑانے لگا انہوں نے پشت کے دروازے سے بھاگنا چاہا لیکن مجمع نے ان کو دوڑ کر پکڑ لیا۔

اس واقعہ کے بعد شہر کے کوتوال نے حکم دیا کہ یگانہ کے مکان پر پولیس کا پہرہ

لگا دیا جائے تاکہ ان کو مزید پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے جوڈیشیل مجسٹریٹ مسٹر ایس کے بھٹناگر نے بعد میں گرفتار ہونے والوں کو ڈھائی سو کا ذاتی مچلکہ اور ڈھائی ڈھائی سو کی دو دو ضمانتیں لے کر چھوڑ دیا۔ پولیس نے ان کی رہائی کی اس بنا پر مخالفت کی کہ ممکن ہے یہ لوگ یگانہ کو دھمکائیں گے اور اس طرح امن میں خلل ڈالیں گے مگر عدالت نے پولیس کی یہ دلیل نہیں مانی۔ مذکورہ تمام تفصیل راقم نے لکھنو کے ذمہ دار روزانہ اخبار " قومی آواز " (یکم اپریل 1953ء) کے صبح ایڈیشن کی تین کالمی خبر سے اخذ کی ہے۔

ہنگامے کے چار پانچ روز کے بعد ایک امریکن میگزین کے نامہ نگار خصوصی (مقیم دہلی) نے محمد رضا انصاری کے ساتھ یگانہ سے ملاقات کی۔ محمد رضا انصاری نے اس ملاقات کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے" سعادت گنج تھانے کے علاقے میں یگانہ صاحب کا مکان گلیوں کے اندر تھا سوچا کہ پہلے تھانے میں صحیح پتہ معلوم کر لیا جائے ہم دونوں پہلے تھانے ہی پہنچے دیکھا کہ تھانے کے گیٹ پر سفید چادر اوڑھے یگانہ صاحب بیٹھے ہیں انہوں نے بتایا کہ وزیرگنج تھانے سے گھر جانے کے بجائے سعادت گنج میں رہ رہے ہیں اور کہا یہاں تھانے والوں نے خداترسی میں ایک کھٹیا دے دی ہے امریکن میگزین کے نمائندے نے اپنے کیمرے سے دھڑا دھڑ ان کے فوٹو لینا شروع کر دئیے اس نے مجھ سے کہا میں کچھ سوالات بھی کرنا چاہتا ہوں یگانہ صاحب سے اس کا ارادہ بتایا کہنے لگے " یہ کسی اور مصیبت میں تو نہیں پھنسا دیں گے؟ اس نے سوالات سینکڑوں کر ڈالے مگر واقعۂ جلوس سے متعلق ایک سوال بھی نہیں پوچھا ان کے عقیدے کے بارے میں جب اس نے پوچھا تو بہت سٹپٹائے مگر جواب دیا " میں محمدی ہوں، کبھی کبھی نماز پڑھتا ہوں مسجد نہیں جاتا۔ " (92)

مالک رام ان معدودے چند لوگوں میں سے ہیں جو یگانہ کو بہت قریب سے مگر بہت دور تک جانتے ہیں راقم نے اس واقعہ کے حوالے سے یگانہ کی دماغی حالت کے بارے میں اپنے ایک خط میں ان سے استفسار کیا تو انہوں نے اپنے جوابی خط میں لکھا۔(7 ستمبر 1984ء) " ان کے دماغ

میں ایک سنک تھی اور وہ کبھی کبھی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتے تھے اس کے نفسیاتی کئی وجوہ ہو سکتے ھیں۔ میں نے اپنے مضمون میں غالباً اس طرف اشارہ کیا ھے" مالک رام نے اپنے مضمون " میرزا یگانہ چنگیزی " میں یگانہ سے اپنی ایک ملاقات کے حوالے سے ان کی دماغی حالت کے بارے میں لکھا ھے " میں نے دیکھا کہ مذھب کے بارے میں ان کی رائے میں بہت شدت آ گئی ھے وہ جس طرح اور جس لہجے میں بات کر رھے تھے اس سے میرے دل میں ایسا شبہ گزرا کہ کم از کم اس پہلو سے ان کے دماغ کا توازن بگڑ گیا ھے .... میں دل ھی دل میں افسوس کرتا رھا کہ کتنا طباع شاعر، کیسا ذھین اور قابل دماغ ، کتنا وسیع المطالعہ اور فاضل شخص زمانے کی بے مہری اور غفلت کے ھاتھوں تباہ ھوا ھے کہ آج وہ بہکی بہکی باتیں کر رھا ھے میں اس کے لئے لکھنو اور اھل لکھنو اور خاص کر ان کے معاصر شعرائے لکھنو کو ذمہ دار گردانتا ھوں جنھوں نے سال ھا سال تک ان کا بائیکاٹ کر کے اور انھیں ذھنی اور جسمانی کوفتوں میں مبتلا رکھ کر انھیں اس حالت کو پہنچا دیا تھا میں جب ان سے رخصت ھوا ھوں تو واقعہ یہ ھے کہ میرے ذھن میں یہ خیال تھا کہ اگر یہ اسی انداز پر سوچتے رھے تو یقیناً بہت جلد پاگل ھو جائیں گے اور یہی ھوا۔ " (93)

یگانہ کے خلاف مسلم ھجوم کے ھیجان اور ان کی متشددانہ کاروائی کے بعد لکھنو میں یگانہ کے قیام کا مسئلہ اٹھ کھڑا ھوا یگانہ کے بعض خطوط سے معلوم ھوتا ھے کہ یوم تشہیر کے بعد سے 2 جولائی 1953ء تک وہ سلطان بہادر روڈ منصور نگر والے کرایہ کے اسی مکان ھی میں مقیم رھے۔ اس کے بعد پہلا مکان شاہ گنج لکھنو منتقل ھو گئے۔ ایک خط میں شعلہ کو لکھتے ھیں (این ایم نمبر 1963،215/75) (30 اپریل 1953ء) " میرے مکان پر سپاھی کا پہرہ ھے جان کا خطرہ ھے مگر اب ویسا نہیں جیسا پہلے دو تین دن تک تھا۔ " یہیں سے بلند اقبال کو لکھتے ھیں (غیرمطبوعہ خط مملوکہ بلند اقبال) (10 جون 1953ء) " خیر کل میں نے نواب صاحب کی خدمت میں ایک سال کا کرایہ مکان بذریعہ منی آرڈر بھیج کر ذرا سکون کی سانس لی بڑا بوجھ اتر گیا۔ " اگلا خط یگانہ نے 18 جولائی 1953ء کو پہلا مکان شاہ گنج لکھنو درج کیا۔ یگانہ

کے ہم زلف جناب شیخ نثار حسین کا تھا جو پروفیسر ڈاکٹر شیخ انصار حسین چیئرمین، شعبۂ طبعیات جامعۂ کراچی کے والدگرامی تھے) سے شعلہ کو لکھا۔ جس میں سے مکان چھوڑنے کی تفصیل درج ہے لکھتے ہیں (این ایم نمبر 1963،215/73) "2 جولائی کو وہ مکان جس میں سولہ سال سے تھا جبراً و قہراً چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اہل محلہ نے اتنا ستایا کہ ٹرنک اور بستر اور بیوی کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا سارا سامان چھوڑ کر گھر میں قفل ڈال کر چلا آیا اور زیادہ بیمار پڑ گیا۔ 12 جولائی کو معلوم ہوا کہ مکان پر یاروں نے قبضہ کر لیا اور سامان بھی لٹ گیا مجھ میں اتنا دم نہیں کہ تھانے جا کر رپٹ لکھوا سکوں یہاں جب سانس لینا اتنا دشوار ہے تو تھانہ پولیس کیسا؟ کیسا گھر بار۔ percecution of Yagana is going on اب کچھ معلوم نہیں کہاں جاؤں کہاں ٹھہروں۔" یگانہ کو گرہستی کے سامان کے علاوہ "اپنی زندگی بھر کی کمائی" مینو سکرپٹ" (MANUSCRIPT) کے لٹ جانے کا بہت ملال ہوا تھا۔" (94)

نومبر 1953ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے یگانہ کی اشک شوئی کا سامان کیا گیا گورنمنٹ نے انہیں پیرانہ سالی کی بنیاد پر جوش ملیح آبادی کی سفارش پر ایک سو روپیہ ماہانہ گزارہ الاؤنس دینا منظور کیا یگانہ کے علاوہ جوش ملسیانی اور بے خود دہلوی کو بھی یہ الاؤنس دیا گیا۔ تفصیل جوش ملسیانی کے کالی داس گپتا رضا کے نام ایک خط محررہ 2 نومبر 1953ء میں ملتی ہے (95) جوش کے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی منظوری دی گئی تھی مگر یگانہ کے من موہن تلخ کے نام ایک خط محررہ 17 دسمبر 1953ء سے پتہ چلتا ہے (96) کہ یہ الاؤنس سو روپیہ ماہانہ تھا۔ تلخ ہی کے نام یگانہ کے ایک اور خط محررہ 19 جنوری 1954ء سے معلوم ہوتا ہے کہ یگانہ کو اس الاؤنس کی اجرائی میں خاصی تاخیر ہوئی جس کا سبب اکاؤنٹنٹ جنرل الہ آباد کا رویّہ تھا۔(97) دسمبر 1954ء میں الاؤنس کی تجدید کی ضرورت پیش آئی تو یگانہ نے تلخ کو لکھا (19 دسمبر 1954ء) "گورنمنٹ آف انڈیا میں میرے الاؤنس کی تجدید کی کاروائی پیش تھی ذرا دریافت کرو کیا فیصلہ ہوا۔" (شاہ گنج لکھنو) (98) جوش ملسیانی کے

کالی داس گپتا رضا کے نام ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الاؤنس یگانہ کو ان کی وفات تک ملتا رہا۔ وہ لکھتے ہیں (12 جولائی 1956ء) "سرکاری گرانٹ بدستور مل رہی ہے۔"(99)

پہلا مکان شاہ گنج اٹھ آنے کے بعد یگانہ کو ایک اور دشوار مرحلہ درپیش ہوا۔ یگانہ بیگم عارضی پاسپورٹ لے کر یگانہ سے ملنے لکھنو آئی تھیں اب مسئلہ ان کے انڈیا میں مستقل قیام کا تھا اور اس کے لئے گورنمنٹ آف انڈیا سے اجازت حاصل کرنا ضروری تھی۔ گورنمنٹ آف انڈیا یوپی گورنمنٹ کی سفارش پر منظوری دیتی تھی۔ یگانہ بیگم کے ویزا کی مدت 2 جنوری 1954ء کو ختم ہو رہی تھی مگر اسے 10 مارچ تک توسیع ہو گئی تھی یگانہ نے شعلہ کو خط میں لکھا (این ایم نمبر 1963-215/68) (13 فروری 1954ء) "اچھا بھائی گورنمنٹ آف انڈیا منظوری دے گی تو پھر تم اور جوش مل کر جلد منظوری حاصل کرنے کی تدبیر کرو مہلت تو یہاں بہت کم ہے یعنی 10 مارچ کو خدانخواستہ بیگم کو روانہ ہو جانا چاہئیے۔" اسی کشمکش میں 10 مارچ بھی گزر گئی اور اب زائد قیام (OVER STAY) کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یگانہ نہایت بے چینی کے عالم میں شعلہ کو لکھتے ہیں۔(28 مارچ 1954ء) "نہ جانے بیگم کا OVER STAY کتنی پریشانی کا باعث ہو گا مگر میں کیا کروں اور کوئی کیا کرے۔" (100)

ادھر یگانہ کی بیماری میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا لکھنو کی زمین ان پر تنگ ہو گئی تھی اس عالم میں بھی انہوں نے بیوی بچوں کے مسلسل اصرار کے باوجود لکھنو سے ہجرت کرنا گوارا نہ کیا۔ یگانہ بیگم اگرچہ یگانہ کی تذلیل کے بعد لکھنو پہنچی تھیں مگر اس کے بعد پیش آنے والے واقعات میں وہ بھی یگانہ کے ساتھ شریک تھیں تمام لکھنو کی طرف سے یگانہ کا سوشل بائیکاٹ جاری تھا ان حالات میں یگانہ کی خانگی زندگی بھی متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی۔ جس کے نتیجے میں یگانہ اکیلے ہی پہلا مکان شاہ گنج سے نکل کھڑے ہوئے اور چوکی نخاس شاہ گنج میں شہنشاہ حسین وکیل کا مکان کرائے پر لے کر مولانا ناصر حسین کے مکان کے سامنے رہنے لگے۔ (101) مولانا ناصر حسین کا تعلق لکھنو کے معروف خاندان

اجتہادیہ سے تھا یہ جس گلی میں رہتے تھے اسے ان کے خاندان کی رعایت سے " جناب کی گلی " کہا جاتا تھا۔

اس عرصہ میں یگانہ بیگم کا قیام بدستور اپنی ہمشیرہ کے یہاں پہلا مکان شاہ گنج میں رہا تاہم اس صورت حال میں بھی یگانہ نے اپنی بیگم کے مستقل قیام کی کوششیں جاری رکھیں تلخ کے نام یگانہ کے جو خطوط ساقی کراچی میں جون 1955ء سے ستمبر 1955ء تک چار شماروں میں قسط وار شائع ہوئے ہیں ان سے اس سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کا علم ہوتا ہے۔ یگانہ نے شدید بیماری کے عالم میں اپنے احباب کی مدد سے بالآخر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی اپنے ایک خط میں شعلہ کو لکھتے ہیں(این ایم نمبر 1963،215/62) (24 جون 1954ء) " 21 جون کو خفیہ پولیس کا اک جوان اک سرکاری مراسلہ بیگم کے دستخط کے لئے لایا جسے سرسری طور پر دیکھ کر معلوم ہوا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے انہیں ہندوستان میں رہنے کی اجازت دی ہے۔ شکر ہے۔ یگانہ "

یگانہ بیگم کو مستقل قیام کی اجازت ملنا یگانہ کی آخری عمر میں ایک بڑا مرحلہ تھا جو طے ہوا اس سے فراغت پا کر یگانہ کو اپنے مسودات کی اشاعت کی فکر ہوئی وہ اپنے مسودات شعلہ کو بھیج چکے تھے اور انہیں آکسفورڈ سے چھپوانا چاہتے تھے۔ شعلہ کے نام اپنے خطوط میں یگانہ بار بار اصرار کرتے ہیں کہ مسودات کو آکسفورڈ بھیج دیا جائے۔ اس کتاب کے متعلق قاضی عبدالودود لکھتے ہیں " انہوں نے ایک ضخیم کتاب اسلام کے خلاف لکھی تھی یہ دوارکاداس شعلہ کے پاس ہے ان کی وصیت تھی کہ آکسفورڈ بھیج دی جائے مگر شعلہ نے وصیت پر عمل چند سال قبل تک تو نہیں کیا تھا بعد کا حال معلوم نہیں لچر سی کتاب تھی۔" (102) شعلہ نے یگانہ کے انتقال کے بعد یہ مسودہ یگانہ کی منجھلی صاحب زادی مریم بیگم کے حوالے کر دیا تھا جو پونہ میں رہتی تھیں۔ بلند اقبال کے مطابق مریم بیگم نے اسے تلف کر دیا تھا۔

یگانہ کے کم و بیش تمام مضمون نگاروں نے ان کی دماغی حالت پر شبہ کا اظہار کیا

ہے۔ خود یگانہ کے آثار و احوال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ محمد طفیل، یگانہ سے ایک ملاقات کے حوالے سے ان کی جسمانی اور دماغی حالت کے بارے میں لکھتے ہیں " اکھڑی سانسیں میں ہڈیوں کا ڈھانچہ ۔ ایک کمرے میں بند ، چند ٹوٹی پھوٹی اور بے ترتیب سی چیزوں کی موجودگی میں میرزا صاحب ایک چارپائی پر بیٹھے باتیں کرتے رہے اتنے باکمال شاعر کو یوں خستہ حال دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا .... میرا تو خیال ہے کہ وہ مدت سے اپنے حالات کے قطعی ناموافق ہونے کی وجہ سے اپنا ذہنی توازن کھو چکے تھے۔" (104) خود یگانہ نے جو اب شدید بیماری کے باعث " جناب کی گلی " سے ایک مرتبہ پھر اپنے ہم زلف شیخ نثار حسین کے گھر منتقل ہو گئے تھے اپنے ایک خط میں تلخ کو لکھا (19 دسمبر 1954ء) " گھڑی بھر میں دل و دماغ کی حالت کچھ سے کچھ ہو جایا کرتی ہے۔" (105) مئی 1955ء میں بلند اقبال، والد اور والدہ سے ملنے لکھنو گئیں ان کا کہنا ہے " بھائی ابّا کی دماغی حالت متوازن نہیں تھی گھڑی میں بگڑ جاتے اور سارا غصہ اماں کی جان پر اتارتے۔" (106)

بلند اقبال 14 جون 1955ء کو لکھنو سے واپس ہوئیں اور 15 جون کو یگانہ اپنے دیرینہ دوست پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کے گھر " ادبستان " (واقع دین دیال روڈ) میں اٹھ آئے۔ (107) ادیب نے انہیں مالی کی کوٹھڑی رہنے کو دے دی تھی۔ (108) یگانہ کا ادیب کی وسیع و عریض کوٹھی میں مالی کی کوٹھڑی میں قیام کرنا ادیب کے بارے میں بدگمانی پیدا کرتا ہے راقم نے اس سلسلے میں ایک مکتوب کے ذریعے ان کے صاحبزادے ڈاکٹر نیر مسعود سے استفسار کیا تو انہوں نے جواب میں تحریر کیا۔ (7 اپریل 1986ء) " والد مرحوم اپنے مہمانوں کو اپنے ہی کمرے میں ٹھہراتے تھے یگانہ کو بھی انہوں نے وہیں ٹھہرنے کی دعوت دی تھی لیکن وہ راضی نہیں ہوئے۔ لان میں مالی کے کوارٹر کے آگے چھپر ڈلوانے کے پیسے بھی انہوں نے والد صاحب کے سخت انکار کے باوجود خود ادا کئے۔" ؛

نیر مسعود نے اپنے مضمون " میرزا یگانہ (بہ حوالۂ ادیب) " میں یگانہ کے "ادبستان"

میں قیام کے کچھ واقعات بھی تحریر کئے ہیں ، وہ لکھتے ہیں " وسط جون 1955ء میں یگانہ " ادبستان " آ گئے، وہ بیمار تھے اور کسی مناسب خدمت گار کے لئے پریشان تھے میں نے اس زمانےمیں ان کے پاس دو ملازم دیکھے ایک تو بزرگ نما آدمی تھے اور دوسری ایک بوڑھی عورت ۔ یہ عورت کبھی کبھی گھر کے اندر آ کر بیگم ادیب سے یگانہ کی تندمزاجی کی شکایتیں کرتی تھی ایک بار وہ روتی ہوئی آئی کہ یگانہ خود ہی اس سے بدن دبانے کو کہتے ہیں اور جب وہ دبانے لگتی ہے تو اسے دور دھکیل کر کہتے ہیں " بھاگ جا۔ بھاگ جا تو جوان ہے جوان " بزرگ نے بھی ادیب کے ذاتی ملازم جانی مرزا سے شکایت کی کہ یگانہ ان کی داڑھی پر اعتراض کرتے ہیں۔ " (109)

" ادبستان " میں یگانہ کا قیام ایک ماہ چوبیس دن رہا۔ 9 اگست کو انہوں نے وہ کوارٹر چھوڑ دیا اور مرض کی شدت کی حالت میں پہلا مکان شاہ گنج منتقل ہو گئے جہاں ان کی بیگم مقیم تھیں جاتے ہوئے ادیب کے نام یہ رقعہ لکھا۔(9 اگست 1955ء) " موسم کی سختیوں نے مرض کی شدت کو اور بڑھا دیا رات بھر آگ جلاتا رہا طبیعت بے حال رہی چلتے وقت آدمی سے کہہ دیا کہ صاحب کو میرے جانے کی اطلاع کر دینا غالباً اطلاع ہو گئی ہو گی زیادہ اس وقت کیا عرض کروں۔ "(110) شعلہ کو خط میں لکھا (این ایم نمبر 1963،215/23)

(9 ستمبر 1955ء) " وہاں پروفیسر مسعود حسن کے باغ میں چھپر ڈال کر ایک مہینہ چوبیس دن رہا مگر برسات کا زور بندھا تو پھر میں زمین پر نہ تھا آب و گل میں پڑا تھا اور مرض کی شدت نے اور پریشان کیا تو آخر مجبور ہو کر 9 اگست کو پھر یہاں چلا آیا کیا کہوں صبح سے شام اور شام سے صبح کیوں کر ہوتی ہے۔ دن میں کئی بار حالت خراب ہوتی ہے وہ تو چالیس برس کا ساتھ چھوڑ کر 2 ستمبر کو کراچی روانہ ہو گئیں۔"

یگانہ کو سب سے زیادہ دکھ بیگم کے اس حال میں انہیں یوں چھوڑ کر چلے جانے کا ہوا ان کے ہندوستان میں قیام کے لئے یگانہ نے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے تھے یگانہ نے کرب

کی یہ داستان آغا جان کے نام اپنے خط میں رقم کی ھے خط سے یـگانہ کے شب و روز کی حقیقت کا علم بھی ھوتا ھے وہ لکھتے ھیں۔ (23 ستمبر 1955ء) "جھونپڑی ڈال کر رھنے کا واقـعـہ یوں ھے کہ تمہاری اماں نے مجھے اتنا عاجز کیا کہ میں تنگ ھو کر پروفیسر مسعودحسن صاحب کے باغ میں ایک حجرے میں (آگے چھپر ڈال کر) جا کر ٹھہر گیا۔ 14 جون کو حسن بانو یہاں سے روانہ ھو گئیں اور 15 جون کو میں مسعود صاحب کے یہاں چلا گیا آخر جولائی سے بارش کی شدت ھونے لگی اور یہاں طبیعت کا یہ حال کہ دو قدم چل نہیں سکتا پیٹ میں سانس نہـیـں سماتی گھڑی گھڑی نڈھال ھو کر پلنگ پر کروٹیں بدلتا رھتا ھوں ایک بڈھا نوکر مل گیا تھا جو خبرگیری کرتا تھا مگر جب وہ کھانے پینے کے لئے باھر چلا جاتا تھا تو پھر میں اکیلا رہ جاتا تھا پھر خدا یاد آتا آس پاس کوئی نہیں جب حالت زیادہ خراب ھو گئی تو پھر میں پہلے مـکان میں واپس آ گیا۔ نثـار حسین صاحب نے مجھے ھاتھوں ھاتھ لیا خدا اونھیں خوش رکھے مگر تمہاری اماں میری اس چند روزہ زندگی سے اتنی بے زار ھیں کہ میرا ساتھ رھنا اونھیں گوارا ھی نہیں۔ تم یہاں کیوں آئے ھو۔ میرے ٹھکانے پر کیوں آئے۔ جب جانتے تھے کہ میں یہاں رھتی ھوں تو کیوں آئے۔(کرایہ کے مـکان سے) میں شہنشاہ حسین وکیل کے مـکان میں مولانا ناصرحسین صاحب کے مـکان کے سامنے رھتا تھا وھاں سے دوبار مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی آئیں خیر اب شہر میں سجادحسین کی بیـوی کراچی جانے لگیں تو تمہاری اماں بھی اٹھ کھڑی ھوئیں اور ھمیشـہ کے لئے مجھے تنہا چھوڑ گئیں۔ خدا مـعلوم اون پر کیا گزری سرحد پر روک لی گئیں قانون کـی حدوں میں جو کچھ بھی ھو ... اس سن میں ایسے مریـض کو مارنا چاھا کہ پانی دینے والا بھی نہ ھو۔ بار بار فرماتی تھیں کہ اب مزہ مل جائے گا تنہائی کا۔ نہایت کرب و ایذا میں ھوں کیا کہوں۔ یـگانہ (111)

اب یـگانہ تھے اور انتـظار مرگ۔ عمر کے آخری سالوں میں ان کے یہاں تمنائے مرگ کا مسلسل اظہار ملتا ھے اقارب کے نام خطوط میں انہوں نے اپنی اس کیفیت کا بیان تواتر کے ساتھ کیا ھے، دیکھئیے

مریض ہوں کئی بار موت قریب آ کر پلٹ گئی مر رہا ہوں مگر مر نہیں چکتا۔" (112) یگانہ کا خط بہ نام آغا جان(11 ستمبر 1955ء "کیا کہوں مر رہا ہوں ہر تیسرے چوتھے مرنے لگتا ہوں مگر مر نہیں چکتا۔" (113) یگانہ کا خط بہ نام شہریار مرزا (یگانہ کے داماد، بلند اقبال کے شوہر۔ غیرمطبوعہ خط مملوکہ بلند اقبال) (8 اکتوبر 1955ء) "دن رات پڑا رہتا ہوں مگر موت پر کچھ اپنا بس نہیں چلتا۔" ان تمام خطوط میں یگانہ نالہ کی نارسائی کے شاکی نظر آتے ہیں۔ اسی موضوع پر ان کا ایک شعر ہے

سانس لیتا ہوں تو آتی ہے صدائے بازگشت

کوئی دن ہو گا کہ یہ نالہ رسا ہو جائے گا

ایسے میں دواؤں کا استعمال محض بیماری کی شدت سے ہونے والی تکلیف کو کم کرنے کے لئے تھا شعلہ انہیں MENDACO کی شیشیاں بھیجتے رہے۔ یگانہ یونانی طریقہ علاج کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ کلیات صائب کی جلد کے اوراق پر یگانہ کے زیر استعمال رہنے والے کچھ یونانی نسخہ جات درج ہیں۔

یگانہ کا تین اور چار فروری 1956ء کی درمیانی شب کو انتقال ہوا۔ بلند اقبال یگانہ کے انتقال کے ایک دن بعد لکھنو پہنچیں یگانہ کی خدمت پر مامور ملازم سیدصاحب نے جو تفصیل انہیں بتائی اس کے مطابق دو بجے رات تک یگانہ کی حالت قدرے بہتر تھی وہ بہت رات گئے تک انگیٹھی کے پاس بیٹھے تاپتے رہے تھے اسی روز رات آٹھ بجے دوائی کی پرچی ببا صاحب کو دی تھی کہ دوائی لیتے آئیں یگانہ نے ان سے تاریخ بھی دریافت کی تھی۔ پانوں کی ڈبیا یگانہ کے سرہانے دھری رہتی تھی۔ کھانسی کا دورہ شدید ہوتا تو پان کھا لیتے اس روز ذاکیہ بیگم اور گھر کی خواتین اوّل شب ہی سے کسی رتجگے کی تقریب میں گئی ہوئی تھیں اس لئے پان بھی سر شام ہی بھیج دئیے گئے تھے کمرے میں یگانہ کے علاوہ ببا صاحب اور سیدصاحب سوتے تھے رات دو بجے یگانہ نے پانی مانگا۔ یگانہ کی آواز سن کر سیدصاحب اور ببا صاحب

کی آنکھ کھل گئی۔ ببا صاحب نے اٹھ کر انہیں پانی پلایا اور سہارا دے کر پھر لٹا دیا اور خود بھی لیٹ گئے کچھ ھی دیر بعد دونوں پھر غافل ھو گئے اس کے بعد ھی یگانہ نے دم دیا۔ سید صاحب اور ببا صاحب کی عادت تھی کہ ان میں سے کسی کی آنکھ کھلتی تو آواز دے کر یگانہ سے پوچھ لیتے تھے کہ انھیں کسی چیز کی طلب تو نہیں اس شب ساڑھے تین بجے ببا صاحب کی آنکھ کھلی تو انھوں نے حسب معمول پوچھا " دولہا بھائی کچھ چاھئیے" کوئی جواب نہ پا کر ببا صاحب اٹھ بیٹھے لحاف اٹھا کر غور سے دیکھا تو یگانہ ختم ھو چکے تھے انہوں نے سید صاحب کو آواز دی اور بتایا کہ یگانہ کا انتقال ھو گیا ھے اور خود ذاکیہ بیگم کو بلانے چلے گئے۔(114)

اس روداد مرگ سے یگانہ کے کچھ شعر ذھن میں آتے ھیں

نگاہ واپسیں ایسا نظارہ پھر کہاں ممکن — تمام احباب کا بالیں سے ایک ایک کر کے ٹل جانا

ھاں کٹ گئی شاید تری دیوانے کی بیڑی — پچھلے پہر آئی تھی کچھ آواز ادھر بھی

کسے امید تھی ظالم کہ ھو گا خاتمہ بالخیر — ترا کروٹ لوانا اور میرا دم نکل جانا

یگانہ نے مرنے سے کچھ دن پہلے لکھنو کے کچھ ذمہ دار لوگوں کی موجودگی میں کلمہ پڑھا اور ان سے اپنے مسلمان ھونے کی شہادت لی۔ ضیا عظیم آبادی کے مطابق انھوں نے احتشام حسین اور مسعود حسن رضوی ادیب کی موجودگی میں کلمہ پڑھ کر دم مرگ اپنے مسلمان ھونے کا اقرار کیا۔(115) شعلہ نے اپنے مضمون " یہ تیس برس کا قصہ ھے" میں مرزا محمد نقی (ببا صاحب) کے حوالے سے لکھا ھے کہ انتقال سے دو دن پہلے شام کے وقت یگانہ نے مرزا محمد نقی کی موجودگی میں کلمہ پڑھا(116) یگانہ کے کلمہ پڑھنے کی ایک روایت ان کے بھانجے پروفیسر ڈاکٹر شیخ انصار حسین نے اپنے مضمون " میرزا یگانہ یادیں اور ملاقاتیں" میں بیان کی ھے جب یگانہ نے انتقال سے ایک شب قبل انصار کی والدہ ذاکیہ بیگم، خالہ رافیہ بیگم اور بھاوج خورشید بشارت کی موجودگی میں فقہ جعفریہ کے مطابق کلمہ پڑھا اور کہا۔" خدا کا شکر ھے یہ دنیا والے تو مجھے کافر،

ملحد اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ تم لوگ گواہ ہو کہ میں کس کلمے اور مسلک پر ساری عمر کاربند رہا ۔۔ " (117)

انتقال کے بعد کفن دفن کا تمام انتظام نہایت خاموشی اور رازداری سے کیا گیا۔ منشی فضل حسین کی کربلا واقع تال کٹورہ روڈ لکھنو میں روضے کے چبوترے پر قبر کے لئے زمین حاصل کی گئی (118) " لکھنو کے غنڈوں نے یہ کہہ رکھا تھا کہ ہم مرزا کو کسی قبرستان میں دفن نہ ہونے دیں گے۔ " (119) شیخ انصار حسین نے جنازے کی تفصیل یوں تحریر کی ہے " لکھنو کے شیعوں کے رواج کے مطابق میت غسل خانہ پاٹا نالہ لے جائی گئی وہاں غسال نے غسل دینا شروع کیا اسی دوران وہاں کچھ لوگ پہنچے جو یہ خبر لے کر گئے تھے کہ اس میت کو غسل نہ دیا جائے جناب سعیدالملّت کا فتویٰ ہے بہرحال غسال انسانیت کے کچھ اعلیٰ مرتبے پر ہی تھا کہ اس نے غسل شروع ہو جانے کے بعد غسل روکنا خلاف انسانیت تصور کیا اور اس طرح غسل دے دیا گیا۔ میت جب چلی تو میت لے جانے والوں اور نقیب کے علاوہ میرے والد ، ببا ماموں ، فیروز عالم (ببا ماموں کا بیٹا) رضی صاحب (ابّا کے دوست) یگانہ خالو کا ایک خدمت گار(سید صاحب) اسلم (ببا ماموں کا چھوٹا بیٹا) کل چھ یا پھر ایک کوئی اور (مجھے نام نہیں یاد آ رہا) ساتھ تھے۔ ڈوریہ گنج کے چوراہے کے قریب پروفیسر مسعود حسن ادیب نے بھی شرکت کی وہ چند قدم جنازے کے ساتھ چلے اور اپنی کوٹھی واپس چلے گئے بہرحال میت دفن کر دی گئی ۔ " (120)

روزنامہ " قومی آواز " لکھنو (6 فروری 1956ء) کی خبر کے مطابق جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد بارہ تھی ۔ محمد رضا انصاریؒ جو اس وقت " قومی آواز " کے مدیر تھے، اپنے مضمون " یگانہ سے متعلق کچھ یادیں " میں یگانہ کی وفات کے بعد کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یگانہ کی میت کو دفنانے کے بعد بھی فضا میں ایک چپ سی طاری تھی یوں اخبارات میں یگانہ کے مرنے کی خبر دو دن بعد شائع ہو سکی ۔ محمد رضا انصاری لکھتے ہیں " لکھنو یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے ان کی تعزیت کی خبر اخبار کے دفتر

آئی ۔ میں نے تصدیق کرنے کے لئے واقف کاروں کو فون کیا تقریباً سب ہی نے لاعلمی ظاہر کی جس محلے میں وہ رہتے تھے وہ مسلمانوں کا محلہ تھا مگر میں اس گھر میں کبھی گیا نہیں تھا محلے میں جا کر گھر دریافت کرنا پڑا نام سے سب ہی ناواقف نکلے جب یہ پوچھا کہ آج یہاں جس گھر میں غمی ہوئی ہے وہ کون سا ہے؟ ایک بھینس والے نے کہا " وہ بڈھا جو کل مرا ہے؟ وہ مکان یہ ہے۔ اندر سے کسی خاتون نے آڑ سے بات چیت کی ، یہ بتایا کہ میت لے جانے اور نماز جنازہ پڑھانے پر کوئی تیار نہ تھا پھر خاتون نے کہا " مگر سب ہی ایک سے تھوڑے ہوتے ہیں آپ ہی رات کو ڈھونڈتے ڈھانڈتے آ گئے۔ہاں میاں وہ تو اچھی جگہ جا چکے ہیں ان کا معاملہ ان کے اللہ میاں کے ساتھ ہے مگر بہت دکھ جھیلے مرنے والے نے۔" (121)

یگانہ کے انتقال کے کچھ عرصہ کے بعد ان کی منجھلی بیٹی مریم جہاں نے پونہ سے آکر اپنے والد کی قبر پختہ کرا دی اور اس پر کتبہ نصب کرا دیا جس پر یگانہ کے سن پیدائش اور سال وفات کے علاوہ یہ شعر کندہ ہے :

ہ۔ خود پرستی کیجئے یا حق پرستی کیجئے

آہ کس دن کے لئے ناحق پرستی کیجئے

پس نوشت : مقالہ جلد ہو چکا تھا کہ ڈاکٹر نیر مسعود (لکھنو) کا خط ملا جس میں انہوں نے راقم کے استفسار کا جواب تحریر فرمایا تھا۔ اس خط کی اہمیت کے پیش نظر ضروری اقتباس نقل کیا جاتا ہے ۔

(۱۲ جولائی ۱۹۸۸ء) برادرم نجیب جمال صاحب آداب عرض

خط ملا۔ حسب فرمائش یگانہ کی وہ آٹھ رباعیاں جو 'نظارہ' میں شائع ہوئی تھیں اور یگانہ کے کتبۂ قبر کی عبارت نقل کر کے بھیج رہا ہوں ۔

میں نے یہ روایت کبھی نہیں سنی کہ یگانہ کو اولاً کہیں اور دفن کیا گیا تھا۔ البتہ مزاحمت کے اندیشے سے یہ بات عام نہیں کی گئی تھی کہ ان کی تدفین کہاں ہوگی۔ یہ ممکن ہے کہ ان کے عزیزوں میں سے کسی نے کسی کے دریافت کرنے پر کربلا منشی فضل حسین کے بجائے کسی اور گورستان کا نام لے دیا ہو۔ اس طرح یہ غلط فہمی راہ پا سکتی ہے کہ یگانہ کو ایک سے دوسرے گورستان میں منتقل کیا گیا۔ اس روایت کو غلط ہی سمجھنا چاہیے ۔

کتبہ

میرزا واجد حسین یگانہ چنگیزی لکھنوی

تاریخ پیدائش ۱۷ اکتوبر ۱۸۸۴ء

تاریخ وفات ۴ فروری ۱۹۵۶ء

خود پرستی کیجیے یا حق پرستی کیجیے

آہ کس دن کے لئے ناحق پرستی کیجیے

حـــواشـــی

1- زھرہ نقی نے اپنے مضمون " یـگانہ ایک سوانحی مطالعہ "(مطبوعہ ادب لطیف، جون 1968ء صفحہ 5) میں یـگانہ کا تاریخی نام " مرزا فضل حسین بیگ " درج کیا ھے جو درست نہیں ، آیات وجدانی (طبع اوّل) کے مطابق (صفحہ 5) ان کا تاریخی نام " مرزا افضل علی بیگ " تھا ۔

2- بحوالہ نشتر یاس،صفحہ الف،ب ۔

یہی تفصیل یـگانہ کی "خود نوشت" (مطبوعہ علی گڑھ میگزین 60-1959ء، 61-1960ء، صفحہ 156) میں بھی ملتی ھے یـگانہ کی خود نوشت کو " افـکار " کراچی نے دواقساط (اکتوبر 1977ء، نومبر 1977ء) میں مکّرر شائع کیا ۔

3- بحوالہ آیات وجدانی جدید ، صفہ 7 ۔

یـگانہ کی ملکیتی کتاب " کلیات صائب " ان کی صاحب زادی بلنداقبال کے پاس محفوظ ھے اس کی جلد کے اوراق پر یـگانہ نے اپنے قلم سے تحریر کیا ھے " ولادت میرزا واجد حسین یـگانہ 17 اکتوبر 1884ء م 27 ذی الحجہ 1301ھ ۔

راقم نے جب 27 ذی الحجہ 1301ھ کو ابوالنـصر محمدخالدی کے مرتبہ قاعدے " تقویـم ھجری و عیسوی " (مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان،طبع سوم 1974ء، صفحہ 66) میں دیکھا تو مـعلوم ھوا کہ جـمعہ کا دن تھا ۔

4- بحوالہ مضمون " بـعض شعرائے عظیم آباد "،مطبوعہ نـظارہ میرٹھ، جنوری فروری 1916ء، صفحہ 55۔

5- بلنداقبال سے راقم کی ملاقات مورخہ 25 مئـی 1985ء یہ ملاقات بلنداقبال کی صاحبزادی شہناز اقبال کی رھائش گاہ واقع نارتھ ناظم آباد پر ھوئی ۔

6- ایـضـاً ۔

7- بحوالہ زھرہ نقی کا مضمون " یـگانہ ایک سوانحی مـطالعہ "،مطبوعہ ادب لطیف، لاھور، جون 1968ء، صفحہ 5 ۔

8- بحوالہ ۔ اردو کا مـعتوب شاعر یاس عظیم آبادی یـگانہ چنگیزی ، صفحہ 31 ۔

9- مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے عبدالرشید کا مضمون " موج عظیم آبادی اور یـگانہ چنگیزی "، مطبوعہ ھماری زبان ، علی گڑھ،جون 1964ء۔

10- مکمل قطعہ تاریخ آیات وجدانی (طبع اوّل) صفحہ 11 پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

11- گلگت کے علاقوں میں بولی جانے والی زبان " شنا " کا محاورہ ۔ اٹوٹ رشتے کی مثال دیتے ہوئے بولا جاتا ہے۔

12- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات، مورخہ 10 نومبر 1984ء یہ ملاقات شہناز اقبال کی رہائش گاہ پر ہوئی ۔

13- بحوالہ میرزا یگانہ چنگیزی حیات اور شاعری، صفحہ 34 ۔

14- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات، مورخہ 10 نومبر 1984ء ۔

15- بحوالہ وہ صورتیں الٰہی، صفحہ 141۔

16- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات، مورخہ 10 نومبر 1984ء ۔

17- بحوالہ شیخ ممتاز حسین جونپوری کا مضمون " یگانہ اور ان کی یگانہ روزگار شاعری "، مطبوعہ شعور، کراچی، ساتواں شمارہ 1959ء، صفحہ 31 ۔

18- ملاحظہ کیجئے " خود نوشت " مطبوعہ علی گڑھ میگزین، صفحہ 158۔

19- بحوالہ ۔ بیسویں صدی کے بعض لکھنوی ادیب اپنے تہذیبی پس منظر میں، صفحہ 111، مطبوعہ اترپردیش اردو اکادمی لکھنو، 1981ء۔

20- بحوالہ ۔ ادبیات و شخصیات ، صفحہ 81، مطبوعہ دانش محل لکھنو، 1978ء۔

21- بحوالہ ۔ یاس یگانہ چنگیزی، صفحہ 44 ۔

22- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات، مورخہ 25 مئی 1985ء ۔

23- بحوالہ ۔ مرزا یگانہ چنگیزی حیات اور شاعری ۔ صفحہ 103 ۔

24- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات، مورخہ 25 مئی 1985ء ۔

25- ایضاً ۔

26- بحوالہ بلند اقبال کا مضمون " بھائی ابّا " تخلیقی ادب (2)، صفحہ 402

27- ایضاً، صفحہ 397 ۔

28- بحوالہ " نقوش " لاہور، مکاتیب نمبر (حصہ دوم) ، نومبر 1957ء، صفحہ 701

29- اٹاوہ سے یگانہ نے جو رسالہ " صحیفہ " کے نام سے نکالا تھا اس کے ٹائٹل پر ان کا اٹاوہ کا پتہ درج ہے۔

30- بحوالہ تخلیقی ادب (2) ، صفحہ 398 ۔

31- بحوالہ میرزا یگانہ چنگیزی حیات اور شاعری، صفحہ 162۔

32- بحوالہ " نقوش " لاہور، مکاتیب نمبر، صفحہ 701 ۔

33- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات،مورخہ 10 نومبر 1984ء۔

34- ایضاً۔

35- بحوالہ تخلیقی ادب(2)، صفحہ 398۔

36- ایضاً۔

37- بحوالہ جگر مرادآبادی آثار و افکار، صفحہ 78، مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان1979ء۔

38- " اردو مرکز " کے بارے میں تفصیلات ماھنامہ " پکچر " لاھور کے تاجور نمبر(جلد 6 شمارہ 5) میں ملاحظہ کی جا سکتی ھے۔

39- بحوالہ جگر مرادآبادی آثار و افکار، صفحہ 78۔

40- بحوالہ - وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 142۔

41- بحوالہ تخلیقی ادب(2)،صفحہ 420۔

42- بحوالہ وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 139۔

43- اصل خط عجائب گھر لاھور کی لائبریری میں محفوظ ھے۔

44- بحوالہ وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 141

45- ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا سے راقم کی ملاقات مورخہ 2 اپریل 1984ء بمقام اورینٹل کالج لاھور۔

46- بحوالہ وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 155۔

47- ایضاً۔

48- ایضاً صفحہ 156 - اس امر کی تصدیق شعلہ کے مضمون " یہ تیس برس کا قصہ ھے "، (مطبوعہ تخلیقی ادب(2)، صفحہ 423) سے بھی ھوتی ھے۔

49- بحوالہ تخلیقی ادب(2)، صفحہ 398۔

50- بحوالہ " اردو کا معتوب شاعر یاس عظیم آبادی یگانہ چنگیزی "،صفحہ 8۔

51- بحوالہ نصیر ترابی(مولانا رشید ترابی کے صاحب زادے) سے راقم کی ملاقات،مورخہ 9 نومبر 1984ء یہ ملاقات نصیر ترابی کی رھائش گاہ واقع انچولی (النورسوسائٹی)کراچی پر ھوئی۔

52- بحوالہ وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 157۔

53- بحوالہ ارسطو سے ایلیٹ تک ، صفحہ 173، مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی ، مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی ، طبع اوّل 1975ء۔

54- بحوالہ تخلیقی ادب(2)، صفحہ 423۔

55- بحوالہ یگانہ کا خط بہ نام شعلہ،محررہ 23 ستمبر 1929ء،این ایم نمبر12/215،1963۔

56- بحوالہ آغا جان کا مضمون " یگانہ کا دور آخریں "مطبوعہ سیارہ، کراچی، فروری مارچ 1956ء، صفحہ 58 ۔

57- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات، مورخہ 10 نومبر 1984ء ۔

58- ایضاً ۔

59- بحوالہ مضمون " میرزا یگانہ "مطبوعہ تخلیقی ادب (2)، جولائی 1985ء، صفحہ 246 ۔

60- بحوالہ " باغ و بہار " ملتان، مئی 1935ء، صفحہ 9 ۔

61- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات، مورخہ 10 نومبر 1984ء ۔

62- ایضاً ۔

63- بحوالہ میر ہاشم کا مضمون " یاس یگانہ چنگیزی (ایک جائزہ) "مطبوعہ شاعر، بمبئی، جنوری فروری 1960ء، صفحہ 22 ۔

64- بحوالہ شعیب نظام کا مضمون " یگانہ خطوط کے آئینے میں "مطبوعہ دو ماہی اکادمی، لکھنو، جنوری فروری 1985ء، صفحہ 59 ۔

65- بحوالہ وہ صورتیں الٰہی، صفحہ 159 ۔

66- بحوالہ مضمون " میرزا یگانہ چنگیزی "مطبوعہ " نقوش " لاہور (شخصیات نمبر)، اکتوبر 1956ء صفحہ 869 ۔

67- بحوالہ وہ صورتیں الٰہی، صفحہ 160 ۔

68- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات، مورخہ 10 نومبر 1984ء ۔ شعلہ کے نام یگانہ کے خط محررہ 3 دسمبر 1946ء سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

69- بحوالہ اردو کا معتوب شاعر یاس عظیم آبادی یگانہ چنگیزی، صفحہ 8

70- ملاحظہ کیجئے "سرگذشت" صفحات 178-179، مطبوعہ معارف لمیٹڈ کراچی 1966ء، انہی واقعات کو مرزا ظفرالحسن نے اپنی مرتب کردہ کتاب " یاد یار مہرباں زیڈ اے بخاری کی یادیں اور باتیں "(مطبوعہ مکتبہ اسلوب کراچی، 1983ء صفحہ 134) میں مکرر شائع کیا۔

71- بحوالہ اردو کا معتوب شاعر یاس عظیم آبادی یگانہ چنگیزی، صفحہ 17۔

72- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات، مورخہ 10 نومبر 1984ء ۔

73- بحوالہ زہرہ نقی کا مضمون " یگانہ ایک سوانحی مطالعہ "مطبوعہ ادب لطیف، لاہور، جون 1968ء، صفحہ 11 ۔

74- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات مورخہ 10 نومبر 1984ء ۔

75- ملاحظہ کیجئے سید ذوالفقار علی بخاری کی خودنوشت سوانح عمری " سرگذشت " ۔
صبا اکبرآبادی کا مضمون " میرزا یگانہ "،مطبوعہ تخلیقی ادب (4) ۔

76- بحوالہ ملاقات،مورخہ 9 نومبر 1984ء

77- راغب مرادآبادی سے راقم کی ملاقات،مورخہ 9 نومبر 1984ء یہ ملاقات راغب کی رہائش گاہ واقع فیڈرل ایریا بی کراچی پر ہوئی ۔

78- انگارہ کے ادارتی صفحے کی پیشانی پر یہ شعر درج ہوتا تھا
یہ آسمان عشق کا ٹوٹا ہوا تارہ ہےتو + خون مسلم جس نے گرمایا وہ انگارہ ہے تو

79- بحوالہ " سیارہ " کراچی ،فروری مارچ 1956ء، صفحہ 59 ۔

80- ایضاً ۔

81- بحوالہ محمد طفیل کے خاکوں کا مجموعہ جناب، صفحہ 149 ، مطبوعہ ادارہ فروغ اردو لاہور، ستمبر 1970ء ۔

82- یگانہ کی غیر مطبوعہ تحریر کلیات صائب (مملوکہ بلنداقبال) کی جلد کے اوراق پر دیکھی جا سکتی ہے۔

83- یگانہ نے یہ دونوں اشعار اپنی بیگم کے نام خط محررہ 21 اپریل 1952ء میں درج کئے ہیں۔

84- غیر مطبوعہ خط ۔ اصل خط بلنداقبال کی ملکیت ہے۔

85- بحوالہ مضمون " یگانہ ایک سوانحی مطالعہ "،مطبوعہ ادب لطیف، صفحہ 11 ۔

86- بحوالہ یگانہ کا خط بہ نام شعلہ محررہ 30 اپریل 1953ء(این ایم نمبر75/215،1963)

87- بحوالہ وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 165

88- راہی معصوم رضا نے اپنی تصنیف " یاس یگانہ چنگیزی " میں لکھا ہے کہ " ان کے (راہی معصوم رضا) استفسار پر نیاز نے بتایا کہ انہوں نے اس خط کو مذاقاً یا شرارتاً مولانا دریاآبادی کے پاس بھیجا تھا "(صفحہ 52) راہی صاحب مزید لکھتے ہیں " مولانا بھی یہ نہیں بتاتے کہ وہ لفافہ یگانہ نے نہیں بھیجا تھا حالاں کہ انہیں معلوم تھا کیوں کہ انہوں نے اصل خط نیاز صاحب کو واپس کر دیا تھا یہ بات مجھے خود نیاز صاحب ہی نے بتائی " (صفحہ 54)

89- بحوالہ " اداریہ " " صدق جدید " (ہفتہ وار) ،لکھنو،جلد 3 نمبر17 ،یوم جمعہ ،11 رجب المرجب 1373ھ مطابق 27 مارچ 1953ء، صفحہ 1

90- بحوالہ یاس یگانہ چنگیزی، صفحہ 54

91- بحوالہ۔وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 166-167۔

92- بحوالہ مضمون " یگانہ کے متعلق کچھ یادیں "،مطبوعہ دو ماہی " اکادمی " لکھنو،جنوری فروری 1985ء، صفحہ 70-71۔

93- بحوالہ۔وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 163-164۔

94- بحوالہ یگانہ کا خط بہ نام من موھن تلخ ،محررہ 22 مئی 1954ء ،این ایم نمبر 49/ 1963،215 ، مطبوعہ ساقی ، کراچی ، اگست 1955ء، صفحہ 39، مذکورہ خط/تخلیقی ادب (2) میں صفحہ 521-522 پر بہ نام شعلہ شائع ہوا ہے۔
اسی مضمون کا ایک خط یگانہ نے مولوی الطاف حسین کو بھی ارسال کیا تھا(محررہ 3 جولائی 1954ء) مطبوعہ " نقوش" لاہور خطوط نمبر، اپریل مئی 1968ء، صفحہ 253

95- ملاحظہ کیجئے مکتوبات جوش ملسیانی بنام کالی داس گپتا رضا ، صفحہ 110-111 مطبوعہ ومل پبلی کیشنز بمبئی، اگست 1976ء ۔

96- یگانہ کا خط بہ نام من موھن تلخ ،این ایم نمبر 1963،214/27 ۔

97- بحوالہ " ساقی " کراچی ، جولائی 1955ء، صفحہ 38

98- این ایم نمبر1963،214/3، مطبوعہ " نقوش" لاہور خطوط نمبر، صفحہ 252 ،مذکورہ خط تخلیقی ادب(2) میں صفحہ 525 پر بہ نام شعلہ شائع ہوا ہے۔

99- بحوالہ " مکتوبات جوش ملسیانی بہ نام رضا ، صفحہ 135 ، یگانہ 3 اور 4 فروری 1956ء کی درمیانی شب کو انتقال کر چکے تھے۔

100- بحوالہ۔تخلیقی ادب(2) ،صفحہ 518-519 ۔

101- بحوالہ یگانہ کا خط بہ نام آغا جان محررہ 23 ستمبر 1955ء، مطبوعہ " نقوش" لاہور، خطوط نمبر ، صفحہ 255

102- بحوالہ نیر مسعود کا مضمون " یگانہ کے معرکے "،مطبوعہ " شاعر " بمبئی، ستمبر 1985ء ،صفحہ 78

103- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات،مورخہ 10 نومبر 1984ء ۔

104- بحوالہ ۔ جناب، صفحہ 147

105- بحوالہ ۔ نقوش ، لاہور، خطوط نمبر، صفحہ 253

106- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات،مورخہ 10 نومبر 1984ء

107- بحوالہ " نقوش" لاہور، خطوط نمبر ، صفحہ 255

108- بحوالہ ڈاکٹر طاہر تونسوی کا تحقیقی مقالہ " مسعود حسن رضوی ادیب حیات اور کارنامے "،

109- بحوالہ دو ماھی " اکادمی "،لکھنو ، جنوری فروری 1985ء، صفحہ 35

110- بحوالہ۔خطوط مشاھیر بہ نام مسعودحسن رضوی ادیب ، صفحہ 452، مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو،1985ء

111- بحوالہ ۔" نقوش" لاھور، خطوط نمبر، صفحہ 255

112- ایضاً، صفحہ 253

113- ایضاً، صفحہ 254

114- بلند اقبال سے راقم کی ملاقات ، مورخہ 10 نومبر 1984ء

115- بحوالہ۔مرزا یگانہ چنگیزی حیات اور شاعری، صفحہ 49 ۔ اس امر کی تائید مالک رام کے خط (محررہ 7 ستمبر 1984ء) بہ نام راقم،سے بھی ھوتی ھے۔

116- بحوالہ۔تخلیقی ادب (2)،صفحہ 433

117- ایضاً، صفحہ 417-418

118- بحوالہ شیخ انصار حسین کا مضمون " میرزا یگانہ ۔ یادیں اور ملاقاتیں "،مطبوعہ تخلیقی ادب (2)،صفحہ 418

119- بحوالہ دوارکا داس شعلہ کا مضمون " یہ تیس برس کا قصہ ھے"،مطبوعہ تخلیقی ادب (2)، صفحہ 430

120- بحوالہ۔تخلیقی ادب (2)،صفحہ 418

121- بحوالہ۔دو ماھی " اکادمی " لکھنو، جنوری فروری 1985ء، صفحہ 72 ۔ محمد رضا انصاری نے اپنے مضمون " یگانہ بیتی کچھ سنی کچھ دیکھی " مطبوعہ آجکل، دھلی ، اگست 1974ء میں بھی ان واقعات کا ذکر کیا ھے۔

باب سوم

شخصیت اور کردار

غلامانہ ذہنیت سے نفرت -- جرأت گفتار اور ہمت کردار -- اہل لکھنو کی اجتماعی نفسیات -- لکھنو کے باأثر علمی و ادبی حلقے سے علیحدگی کے نتیجے میں اجنبیت، مغائرت -- یگانہ کی انا کی جولانی اور ان کی انتہاپسندی -- لکھنو کی سوسائٹی کے بے لچک اخلاق اور شعری معیار -- نرگسی مزاج، بمقابلہ نرگسی سماج -- خود پسندی اور خود ستائشی کی راہ -- یگانہ کی مثالی انا کا تجزیہ -- تحفظ ذات کا عمل -- خود نمائی کی مثالیں -- یاس سے یگانہ بننے کا جواز -- چنگیزیت اور غالب شکنی کی اصل وجوہ -- یگانہ کی اذیت پسندی -- مٹنے اور گرنے میں امتیاز -- "یگانہ" شخصیت اور برتاؤ کا مکمل نمونہ -- یگانہ کی بے گانہ روی کا تجزیہ -- غم و غصے کی تلخی کے باوجود "اجڑے دیار" اور "تماشائے ناگوار" میں بلا کی کشش -- دنیا کو لائق تمنا اور شایان آرزو سمجھنا -- مردم بے زار یا مردم گزیدہ -- ایک جانب یگانہ کا مترنم لحن، ہمہ تن شعریت اور جذب کی کیفیت اور دوسری جانب زہرخند اور طنز منتہی -- ذات اور حالات سے اوپر اٹھنے کی کوشش -- ذہنی تضادات -- رسوم پرستی کی مخالفت -- یگانہ کی تشکیک اور مذہب اور اعتقادات کے بارے میں ان کے انتہاپسندانہ نقطۂ نظر کا تجزیہ -- یگانہ کی طبیعت میں قناعت اور استغناء -- دربارداری اور اس کے لوازمات (قصیدہ گوئی) سے گریز -- حساب دوستاں -- بحیثیت خاوند، باپ اور انسان -- حسن معاشرت -- ملازمت کا ریکارڈ -- بحیثیت شاگرد -- بحیثیت استاد -- "یگانہ" ذاتی زندگی میں کردار کی مستقل مزاجی اور شخصیت کے منفرد تیور کی مثال -- حواشی --

سقراط اپنے آپ کو بڑمکھی (GAD FLY) کہا کرتا تھا اس کے خیال میں ہر سوسائٹی میں بڑمکھی کو لازمی طور پر ہونا چاہئیے جو لوگوں کو مسلسل کاٹتی رہے اور انہیں اپنی کمزوریوں کجیوں اور کوتاہیوں کا احساس دلا کر انہیں اپنے گریبان میں جھانکنے اور غور و فکر پر مجبور کرتی رہے وہ اپنے دشمنوں سے بھی کہا کرتا تھا کہ " کسی شخص کو اختلاف رائے یا تنقید کے الزام میں قتل کر دینے سے کوئی سیاسی یا معاشرتی عقدہ حل نہیں کیا جا سکتا۔ (1)

یگانہ کی شخصیت ، کردار اور ان کے خارجی ماحول کو سمجھنے میں سقراط کا قول بنیادی اشارہ فراہم کرتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ فن کار اپنی ذات کا بھرم قائم رکھنے کی سعی کرتا ہے اور اس حوالے سے اپنی انفرادیت کو چمکاتا ہے یگانہ کا مزاج بھی لڑکپن ہی سے ایک خاص سانچے میں ڈھلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یگانہ ہی کے لفظوں میں " غلامانہ ذہنیت سے میری طبیعت ہمیشہ نفرت کرتی رہی ہے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی غلامانہ ذہنیت کا مجھ پر غلبہ ہوا یا کسی کے آگے جھکنے کا میلان پایا گیا ہو۔ " (2)

یگانہ کے بیان اور ان کی زندگی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آخر عمر تک اپنی " انا " کی پرورش کی اور بزعم خود ان کا ذاتی جوہر چمکتا گیا۔ خود ستائشی کا یہی وہ احساس ہے جس کی بہتات کبھی کبھی تاریک راہوں میں مارے جانے کا سبب بنتی ہے۔ یگانہ کا فلسفہ خود فضیلتی اگرچہ اپنی ایک تاویل رکھتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے خود ساختہ فلسفے کی روشنی میں ان کی شخصیت کا مطالعہ خود ان کی شخصیت کو مسخ کر سکتا ہے۔ یگانہ

کو بجا طور پر جاننے کے لئے ان کی شخصیت کا مطالعہ ان کے لب و لہجے میں موجود " جرأت گفتار اور همت کردار " سے هونا چاهئے۔ یگانہ اختلاف رائے کو اپنا حق سمجھ کر محفوظ رکھتے تھے اور جو بات ان کے دل و نظر پر چڑھ کر کھری رهتی تھی وہ اسے برملا کہنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ شاید اسی لئے اپنے لہجے کی تندی کی وجہ سے انہوں نے همیشہ خسارے کا سودا کیا اور انہیں اختلاف رائے کے جرم میں اپنی زندگی میں کئی بار قتل هونا پڑا۔ تاهم وہ زندگی سے بھاگنے والوں میں سے نہیں تھے ان کی طبعیت میں پیکار کا جوهر تھا اور وہ سقراط کی بڑھکی کی طرح تنگ نظری اور تعصبات کی چست قبا پہننے والوں کو برابر کاٹتے رهے۔ یگانہ کا ایک شعر هے

یہ علاج اهل هوس زهرخند مردانہ   هنسی هنسی میں تو ان احمقوں کو ڈستا جا

اپنے اس روّیے کی وجہ سے وہ انتظار حسین کے لفظوں میں " فرقہ ملامتیہ " کے آدمی نظر آتے هیں "[3]

یگانہ کو خود بھی اس بات کا احساس تھا کہ زمانے سے ان کی یا زمانے کی ان سے نبھ نہیں سکی اور اس کی بنیادی وجہ ان کے خیال میں یہ تھی کہ انہیں تمام عمر ایسے ناموافق و ناساعد حالات کا سامنا رها جن میں زندگی کرنا اتنا آسان کام نہیں تھا۔ یگانہ کا ایک دکھ یہ بھی تھا کہ وہ زمانے کے هاتھوں بری طرح نظرانداز کئے گئے۔ ایک وقت میں عدم قبولیت اور عام ملامت نے بے توازن بھی کر دیا اور وہ اپنے آپ کو " خاصہ خاصان ادب " لکھنے لگے تھے۔

تاهم یگانہ مستقبل کو ایسی کسوٹی سمجھتے تھے جس پر وہ اور ان کا فن کسا جائے گا۔ " اپنا کریکٹر " کے تحت انہوں نے تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کیا هے۔ ان کے خیال میں شاعر اپنے زمانے سے بہت پہلے پیدا هوتا هے اور خلاف ماحول میں زندگی بسر کرتا هے اس لئے مشکلوں کا شکار رهتا هے اس کا زمانہ تو بہت دنوں بعد آتا هے۔

یگانہ کی شخصیت کا مطالعہ دراصل ایک مضطرب اور بے چین روح کا مطالعہ هے ان کی زندگی میں اگر طمانیت اور فراخی کا ایک لمحہ تلاش کیا جائے تو مایوسی هوتی هے۔ ابتداً

میں وہ علاج کی غرض سے اور پھر تلاش معاش میں عظیم آباد سے لکھنو آئے۔ یہاں کار جہاں دراز تھا اور اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی دعوت دے رہا تھا یگانہ لکھنو والوں کی اجتماعی نفسیات سے آگاہ نہیں تھے۔ لکھنو کے لوگ باہر سے آنے والوں کے لئے اپنے اندر اتنی کشادگی نہیں رکھتے تھے۔ لکھنو آنے کے بعد یگانہ بالاہتمام مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ مگر انہیں متوقع پذیرائی نہ مل سکی۔ یہاں انہیں معروضات کی نئی نئی اشکال کا ادراک ہونے لگا۔ لکھنو میں قیام کے آغاز ھی سے نظر انداز کئے جانے کی پالیسی کا شکار ہو کر ان کی شعری صلاحیتیں تضاد اور تصادم کی فضا میں پروان چڑھنے لگیں۔ مغل ہونے کے ناتے سے کسی کے آگے سر نہ جھکانا ان کا طبعی خاصہ تھا نتیجہ یہ ھوا کہ یگانہ اور شعرائے لکھنو کے درمیان اجنبیت اور مغائرت کی دیوار اٹھ گئی جس نے رفتہ رفتہ کشیدگی اور تنازعے کی صورت اختیار کر لی۔

یگانہ جس طرح لکھنو کے بااثر علمی و ادبی حلقے سے الگ کر دئیے گئے تھے اس احساس نے ان میں انا کی جولانی پیدا کر دی اور وہ انتہاپسند ھوتے چلے گئے پھر یکے بعد دیگرے محاذ کھلتے چلے گئے۔ یگانہ اکیلے ہونے کے باوجود ھر محاذ پر ڈٹے رھے اور ان کے روّیے میں شدت آتی چلی گئی تاھم یہ شدت شعرائے لکھنو کے اجتماعی روّیے کے سامنے بے حد معمولی معلوم ھوتی ھے اسی اجتماعی یلغار نے ایک صاحب مطالعہ شخص کی تنقیدی صلاحیتوں کو دبا کر اس کے ھاتھ میں کند ھتھیار تھما دیا تھا جس نے اس کے انتقامی روّیے کو بے بسی کا عبرت انگیز تماشہ بنا دیا۔ غنیمت ھوا کہ یگانہ کے اندر جلنے والا الاؤ ان کے شعر میں " آتش سیال " بن گیا۔

یہ درست ھے کہ نقادوں نے جو یکطرفہ اور جانبدارانہ روّیہ یگانہ کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں روا رکھا اس کی ذمہ داری خود یگانہ پر بھی عاید ھوتی ھے۔ تاھم لکھنو کی سوسائٹی کے اخلاقی اور شعری معیاروں کو بھی دیکھنا چاھئیے کہ جس کے اوزان کچھ اس طرح ترتیب دئیے گئے تھے کہ ان میں ترمیم کی گنجائش ھی نہیں رکھی گئی تھی کجا یہ کہ کوئی باھر سے آ کر ان معیاروں میں تبدیلی کی جسارت کرے۔ یگانہ کا قصور بھی یہی تھا کہ ان کی

ذات پورے سماج کے مقابل آ گئی تھی ان کا سامنا ایک نرگسی سماج سے تھا۔ لکھنو کی ادبی اور ثقافتی فضا پر لکھنو کے شعراء کا تسلط تھا۔ یگانہ پر بہاری ہونے کا ٹھپہ لگا ہوا تھا۔ شعرائے لکھنو کو زبان کے معاملے میں کسی اور علاقے کی لسانی سند کی ضرورت نہیں تھی پھر بھلا یگانہ کون ہوتے تھے۔ زبان کی غلطیوں کا شمار کرنے والے اور عروض و قواعد کی گردان کرنے والے۔ چنانچہ ان کے خلاف ایک باقاعدہ محاذ بن گیا۔ یگانہ تو پہلے ھی اپنے مزاج اور افتادطبع کے تابع تھے ان کے مزاج میں جھکنے کا عنصر سرے سے ھی ناپید تھا یوں ان کی ذات میں انا کے جوھر کا ارتفاع ھوا جس نے رفتہ رفتہ خودپسندی اور خود ستائشی کی راہ اختیار کی اور انہیں اظہار فضیلت پر اکسایا۔ یگانہ کی بڑھی ھوئی انانیت دراصل " مثالی انا " (EGO IDEAL) کی ایک شکل تھی جس کے بارے میں فرائیڈ نے لکھا ھے

A man when he can not be satisfied with his ego itself may nevertheless be able to find satisfaction in the ego ideal which has been deferentiated out of the ego". (4)

یگانہ کے یہاں الفت ذات کا پہلو تعلی کی حد سے بھی کچھ بڑھا ھوا دکھائی دیتا ھے تو اس کا سبب ان کے معاشی حالات، سماجی تحریمات (TABOOS) حریفوں سے لڑائی، ناقدری زمانہ، زعم فن، زبان پر فخر اور تقاضۂ فطرت ھے جو شخصیت اور انا کی نشو و نما میں عمل انگیز کا کام کرتے ھیں۔

لکھنو کی پوری تہذیب ھی نرگسی تہذیب تھی جس کی تشکیل میں سماجی، اقتصادی، تاریخی، نفسی و جنسی نوعیت کے بہت سے عوامل کارفرما تھے اور شاید یہ برصغیر کا اکلوتا سماج تھا جو اجتماعی طور پر نرگسیت کا حامل تھا۔ یوں ایک نرگسی مزاج کی حامل شخصیت نے ایک نرگسی سماج کے دامن کو حریفانہ کھینچا تو پورے ماحول میں ارتعاش پیدا ھو گیا۔

یگانہ اس امید کے ساتھ لکھنو آئے تھے کہ یہاں روزگار کے مواقع بھی زیادہ تھے اور شعر و ادب کا میدان بھی بڑا تھا مگر جب مشاعروں میں شریک ہوئے اور کلام سنایا تو داد سے زیادہ بے داد پائی۔ ضیا عظیم آبادی کے لفظوں میں

"مذاق اڑانے والوں کی تعداد اتنی بڑھی کہ صحیح قدردان بھی گم ہو گئے ان کا اعتماد متزلزل ہو گیا اور سچائی سے بھی ان کے شعر کی کوئی داد دیتا تو وہ مشکوک ہو جاتے تھے یا یہ سوچنے لگتے تھے کہ اتنا بالغ نظر بھی کوئی ہے۔" (5)

یوں یگانہ کے اندر شعور، احساس اور جبلّت کی کشاکش نے رفتہ رفتہ اتنا زور پکڑا کہ ایک وقت میں تو (گو یہ وقت بہت بعد میں آیا) ایمان اور اقدار کی عمارت بھی ڈھیر ہو گئی۔ یگانہ کو اپنے روّیے اور اپنے تصورات کے پرچار کی قیمت بے روزگاری، معاشی تنگ دستی اور تنہا رہ جانے کی صورت میں ادا کرنا پڑی اور ان کی ذات سماجی ھنگام اور انسانی مغائرت کی بھینٹ چڑھ گئی۔ جس کے رد عمل میں ان کی ذات کے نرگسی رجحانات قدم قدم پر دوسروں کی نرگسیت سے متصادم ہوتے رہے۔ بعد میں جس طرح یگانہ اظہار فضیلت کرتے رہے وہ سب دراصل ان کے حالات کا رد عمل اور ان کی مزاحمت کا ایک انداز تھا جس میں غیر ضروری شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔ ڈاکٹر وزیر آغا کا یہ تجزیہ درست ہے کہ

"کسی احساس کمتری کے تحت یگانہ تحفظ ذات کے عمل میں مبتلا ہوا اور اس نے خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔" (6)

یگانہ کی خود نمائی کی سب سے واضح مثال آیات وجدانی کے محاضرات ہیں جنہیں یگانہ نے مرزا مراد بیگ شیرازی کے بھیس میں لکھا۔ محاضرات پر سخت ردعمل ظاہر ہوا۔ یہاں تک کہ یگانہ کے بعض مداحوں نے بھی اس بدمذاقی کا نوٹس لیا۔ "نیرنگ خیال" لاہور کا تبصرہ نگار لکھتا ہے "ہمیں بار بار افسوس آتا ہے کہ یہ محاضرات "یاس" کے پاکیزہ کلام پر دھبہ لگا رہے ہیں اور اس طرح "آیات وجدانی" کا نقاد کتاب کے بیشتر حصہ کو برا کہہ کر مجبوراً یاس پر

حرف گیری کرنے کا مجرم بنتا ہے۔" (7)

یگانہ کے قدردان تو موجود تھے مگر یگانہ جس طرح اپنی شاعری کو محاضرات کے فریم میں جڑنے کی کوشش کی اس نے مذاق سلیم کو بری طرح متاثر کیا تاہم جب ان کے عزیز دوست مالک رام نے یگانہ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تو یگانہ نے جواب دیا " آئندہ ایڈیشن میں اسے حذف کرا دوں گا۔" (8) چنانچہ جب 1934ء میں یگانہ نے "آیات وجدانی" کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا تو محاضرات حذف کر دئیے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یگانہ کلّی طور پر غیر لچکدار روّیہ کے حامل نہیں تھے۔ بدقسمتی سے ان کی خاطرخواہ پذیرائی کرنے والے بہت کم لوگ تھے اتنے کم کہ چہرے پہچاننے کے لئے انہیں لالٹین کی ضرورت پیش آتی تھی۔" (9)

شعرائے لکھنو کے مخاصمانہ روّیے نے یاس عظیم آبادی کو یگانہ لکھنوی بنا دیا تھا۔ ویسے بھی " یاس " ان کے اوصاف ظاہری و باطنی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ خود پرستی نے " خبطِ عظمت " کا روپ دھار لیا اور انہوں نے اپنا سلسلہ نسب چنگیز خاں سے جوڑ کر مزاج میں مقدور بھر چنگیزیت کو شامل کر لیا۔ 1933ء میں یگانہ نے "ترانہ" شائع کی تو اس کے آخر میں انہوں نے " مزاحیہ " کے عنوان سے چند رباعیاں شامل کیں جن میں غالب کی ہجو کی گئی تھی۔ دراصل "انہوں نے اپنے ماحول کی مکروہات و خرافات سے ٹکر لینے کے لئے اپنی داخلی آویزشوں کو مرتفع کر کے غالب پر مرکوز کر دیا تھا اور ان کا یہ غالب اسداللہ خاں غالب نہ ہو کر ایک مجموعی نام تھا ان کے حریفین کا۔" (10) ان رباعیوں کے ردعمل میں یگانہ کی مخالفت لکھنو تک محدود نہ رہی بلکہ اطراف ہندوستان میں پھیل گئی۔ 1934ء میں "ساقی" دھلی کے اپریل اور مئی کے شماروں میں یگانہ کے خلاف مضامین، خطوط اور کارٹون شائع کئے گئے۔ جس کے نتیجے میں وہ " یگانہ چنگیزی " سے " غالب شکن " بن بیٹھے (تفصیل باب ھفتم میں ملاحظہ کیجئے) مگر پھر آہستہ آہستہ یہ طوفان بھی تھم گیا اور جب یگانہ نے آیات وجدانی کا تیسرا ایڈیشن (1946ء) شائع کیا تو اس میں شامل محاضرات کا لب و لہجہ

نسبتاً دھیما اور معتدل تھا خصوصاً غالب کے بارے میں وہ شدت باقی نہیں رہی تھی جو آیات وجدانی، طبع اوّل کے محاضرات "غالب شکن" طبع اوّل اور "غالب شکن" دو آتشہ میں تھی۔ اس عرصے میں وہ پنجاب میں فروغ پانے والی آزاد نظم کے خلاف برسر پیکار نظر آتے ھیں۔ غالب کی مثل کا داخل دفتر کیا جانا (11) یگانہ کی ذھنی فعالیت کی دلیل ھے۔

یگانہ کے بارے میں شاید سب سے بڑی غلط فہمی یہ ھے کہ وہ غالب کے سخت دشمن تھے یہ درست ھے کہ ایک زمانے میں ان کی ھر بات غالب کی تنقیص سے شروع ھوتی تھی اور اسی پر تان ٹوٹتی تھی مگر ان کا یہ روّیہ مستقل نہیں تھا محض حالات کا ردعمل تھا۔ یہ حالات ھی تھے جو ھمیشہ ان کے لئے ناموافق رھے اور وہ اپنے زخم سہلاتے سہلاتے اذیت پسند ھو گئے تھے تاھم وہ طبعاً ایذا پسند نہیں تھے وہ تو "اپنی ذات کا چراغ جلائے ھوئے اس کی مدھم روشنی میں اپنے آپ کو پوج رھے تھے۔" (12) اسی روّیے نے ان کی خود پسندی کو بڑھاوا دیا اور انھوں نے صوفی کی طرح اپنی خودی کو مٹانے کے بجائے اپنے آپ کو "دی آرچ آرٹسٹ آف انڈیا" "ابوالمعانی"، "امام الغزل" اور "علیہ السلّام" سمجھنا شروع کر دیا۔

یگانہ کی "انفرادی انا" کی انتہائی صورت ان کی چنگیزیت تھی جو ان کے راستے کا بھاری پتھر ثابت ھوئی اور جس کے سبب انھوں نے اپنے آپ کو مٹانے کا خود ھی بندوبست کر لیا تھا تاھم یگانہ مٹنے اور گرنے میں امتیاز قائم کر کے زمانے کے جبّر اور اپنے اختیار کا تقابل کرتے رھے۔

زمانے پر نہ سہی دل پہ اختیار رھے ۔۔۔ دکھا وہ زور کہ دنیا میں یادگار رھے

خود ان کی اپنے بارے میں یہ رائے رھی کہ "اپنے تئیں (گرانا نہیں) مٹانا میرزا یگانہ کی پرانی عادت ھے وہ دونوں ھاتھوں سے اپنے تئیں مٹاتے ھیں اور دیکھتے ھیں کہ کہاں تک مٹتے ھیں۔" (13) یگانہ مٹنے کا ذکر بھی دم خم کے ساتھ کرتے ھیں ان کے جسم میں طاقت نہ سہی لفظوں میں طاقت ضرور ھے۔ خود "یگانہ" کا لفظ چہرہ نما ھے جس میں شخصیت بھی موجود ھے اور برتاؤ (BEHAVIOUR) بھی۔

یگانہ کی بیگانہ روی کا بھی بہت چرچا ہے۔ خود یگانہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

؎ شہرہ ہے یگانہ تری بیگانہ روی کا　　واللہ یہ بیگانہ روی یاد رہے گی

ڈاکٹر فاخر حسین نے یگانہ کی بیگانہ روی کا تجزیہ کرتے ہوئے درج ذیل محرکات کا ذکر کیا ہے

(1)　سخت مزاجی کے باعث اپنے ماحول سے منسلک نہ ہونا

(2)　اس کے باعث طبیعت میں تلخی کا عود کر آنا

(3)　یوں مجموعی طور پر جھنجھلاہٹ بلکہ جارحانہ رجحان کا ابھر آنا۔ " (14)

ڈاکٹر فاخر حسین کے مطابق انہوں نے بارہ سال کی عمر میں " آیات وجدانی " کو پڑھا تھا۔ اس وقت تو بہت سے طوفان ساحل سے ٹکرا کر ٹھنڈے پڑ چکے تھے یگانہ حیدرآباد جا چکے تھے لکھنو میں ان کی آمد سے لے کر اودھ اخبار کی ملازمت سے برطرفی تک اور پھر تلاش معاش میں نگر نگر پھرنے تک کشمکش اور تناؤ کی ایک طویل کہانی ہے۔ ڈاکٹر فاخر حسین کا یہ کہنا بھی حالات و واقعات سے ناواقفیت کی بنا پر ہے کہ " یگانہ تو اپنی ناراضی کا اظہار برملا کرتے رہے جب کہ لکھنو کے شعرا اپنی بے زاری کا اظہار انہیں نظر انداز کر کے دیتے رہے۔ " (15) راقم کے خیال میں ڈاکٹر فاخر حسین مشاعروں میں یگانہ کے بارے میں پڑھی جانے والی ہجووں اور لکھنو میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں یگانہ کے مقاطعے اور عمر کے آخری حصے میں سر بازار رسوا ہونے کے ذہنی اثرات سے واقف ہوتے تو ان کا تجزیہ مختلف ہوتا اور انہیں یہ اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہ آتی کہ یگانہ کے لئے لکھنو، محلہ شاہ گنج اور بعد میں ڈاپے والی گلی (سلطان بہادر روڈ) میں کیوں سمٹ کر محدود ہو گیا تھا۔ نظیر صدیقی یگانہ کو پیش آنے والے تمام حالات و واقعات کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

" تعصب اور حسد کی ساری قوتیں ان کے خلاف صف آرا تھیں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ انہیں اپنی جگر کاویوں کے صلے میں تعریف و

تحسین کے بجائے قدم قدم پر تضحیک و توهین کا سامنا کرنا پڑا
انهیں جیل خانے بھجوانے کی کوشش کی گئی ان کے ذریعہ معاش
پر حملہ کیا گیا جو کامیاب رہا ان کے والدین کو منظوم گالیاں
دی گئیں ان کے قدر دانوں پر آوازے کسے گئے۔ مہذب محفلوں میں
ان کے سامنے ان کی ھجو پڑھی گئی اور بقول راوی پڑھنے والے نے
کڑک کڑک کر ھجو پڑھی اور سننے والوں نے لہک لہک کے داد دی
مشاعروں میں ان کا بائیکاٹ کیا گیا یہ سب کچھ لکھنو میں ھوا
جو تہذیب و شائستگی کا مرکز رہا ھے صرف اتنا ھی نہیں کہ
لکھنو کے سٹیج پر یگانہ کی توھین و تذلیل کا ڈراما ھوتا رہا
بلکہ اس ڈرامے کو وھاں کے سنجیدہ اور بااثر حضرات خاموش تماشائی
کی حیثیت سے دیکھتے رہے اور اس وقت بھی دیکھتے رہے جب یہ
ڈراما اپنے نقطۂ عروج پر پہنچا یعنی یگانہ کو ان کی زندگی کے
آخری دور میں جوتوں کا ھار پہنا کر اور ان کے منہ پر کالک
لگا کر شہر میں ان کا جلوس نکالا گیا۔" (16)

یگانہ دنیا کی دشنام طرازیوں کو ھنسی میں اڑا دینے کے فن سے ناواقف، تحمل اور
حس مزاح سے بہت حد تک نا آشنا تھے۔ نتیجہ ظاھر ھے کہ غم و غصے کی تلخی نہ صرف ان کے
کام دھن تک پہنچی بلکہ رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ یگانہ کا ایک شعر ھے

یہ شربت کا گھونٹ جان کے پیتے ھیں خون دل
غم کھاتے کھاتے منہ کا مزہ تک بگڑ گیا

تاهم باوجود اس روّیے کے ان کے یہاں زندگی سے بے رغبتی، نفرت یا مرگ پسندی کا رجحان پیدا
نہیں ھوا بلکہ جینے کی امنگ نے ان سے ایسے اشعار کہلوائے جو تشکیک کے بجائے زندگی پر ان کے

یقین ، اور اعتماد کے مظہر ہیں۔ ان اشعار میں ان کی وہی مردانہ شخصیت غالب ہے جو عزم اور پامردی جیسے عناصر رکھتی ہے۔ اور جس کے بارے میں ڈاکٹر محمد صادق لکھتے ہیں

"The foremost quality of his mind is strength. Firm, resolute, even stubborn and unbending in life, he is no less so in poetry". (17)

چند اشعار دیکھئیے ۔ہ

دنیا سے یاس جانے کو جی چاہتا نہیں
واللہ کیا کشش ہے اس اجڑے دیار میں

غضب کی دھوم شبستان روزگار میں ہے
کشش بلا کی تماشائے ناگوار میں ہے

منزل کی دھن میں آبلہ پا چل کھڑے ہوئے
شور جرس سے دل نہ رہا اختیار میں

چلے چلو جہاں لے جائے ولولہ دل کا
دلیل راہ محبت ہے فیصلہ دل کا

ان اشعار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یگانہ دنیا کو لائق تمنا اور شایان آرزو سمجھتے تھے۔ وہ طبعاً تنہائی پسند یا مردم بے زار نہیں تھے۔ البتہ مردم گزیدہ ضرور تھے۔ تنہائی کا عذاب بھی اسی سبب سے تھا چنانچہ زندگی کے بارے میں ان کے طنز آمیز یا تمسخر آمیز روّیے کے پیچھے حالات کے ڈسے ہوئے ایک فرد کی سوچ ملتی ہے جسے عام طور پر ان کے غم و غصے کے اظہار پر محمول کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے ایسے اشعار

انوکھی معرفت اندھوں کو حاصل ہوتی جاتی ہے
حقیقت تھی جو کل تک آج باطل ہوتی جاتی ہے

خدا کے سامنے دامن پسارنے والے
وہ ہاتھ تھک گئے کیا مال مارنے والے

یہ واقعہ ہے کہ شاعری میں نسبتاً کھرے، غیر متغزلانہ اور کسی قدر تلخ لہجے کے باوجود یگانہ ایک مخصوص لحن رکھتے تھے۔ حامد علی خاں نے " نشتر یاس" کے دیباچے میں، مجنوں گورکھپوری نے "غزل سرا" (صفحہ 276) میں، مالک رام نے " وہ صورتیں الٰہی " (صفحہ 140-141) میں،

مرزا جعفر حسین نے " ادبیات و شخصیات " (صفحہ 90-91) میں، صبا اکبرآبادی نے " تخلیقی ادب (4) ، (صفحہ 244) میں اور رام لعل نے خبرنامہ اترپردیش اردو اکادمی (جنوری فروری 1985ء صفحہ 14) میں یگانہ کے مترنم لحن اور ان کی ایک ایک ادا اور ایک ایک انوٹ کی تفصیلات درج کی ھیں ۔ مرزا جعفر حسین لکھتے ھیں " ان کا انداز یہ تھا کہ وہ خود وجد میں آکر لحن سے اپنی غزل سناتے تھے۔ ان کی آواز میں گداز تھا اور ایک مخصوص دھیمی گرج کے ساتھ فطری ترنم تھا کچھ ایسا محسوس ھوتا تھا کہ وہ ھمہ تن شعریت ھیں۔ پہلے مصرع کو عموماً دو مرتبہ پڑھتے اور دوسری مرتبہ اس طرح جھوم کر پڑھتے کہ مصرع کا اثر دو آتشہ ھو جاتا تھا۔ مجمع کو مسخر کر لیتے اور اپنا وجد دوسروں پر بھی طاری کر دیتے تھے۔ وجدانیت اور محویت سامعین پر چھا جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ ھوتا تھا کہ زیادہ تر ھر مشاعرہ لوٹ کر اٹھتے تھے۔ راقم نے یاس سے بہتر کسی کو غزل پڑھتے نہیں سنا یہ وہ ھنر تھا جو ان کے ساتھ ھی ختم ھو گیا وجدان کی جگہ اب غنائیت نے لے لی لیکن وہ بات کہاں کہ شعر کی معنویت اور اس کی خوبیاں طرز ادا کے بل بوتے پر سننے والوں کے دل و دماغ میں اتر جائیں۔ " (18) یہ دونوں باتیں بالکل متضاد معلوم ھوتی ھیں کہ ایک طرف تو مترنم لحن اور جذب کی کیفیت اور دوسری طرف زھرخند اور طنز منتھی کا انداز ۔ چنانچہ توقف کرنا چاھئیے کہ جس شخص کے لہجے کی حلاوت کا ایک زمانہ قائل رھا ھو اُس کے دھن کی کڑواھٹ اس کے بول میں گھل جائے تو یقیناً اس کی کوئی تو وجہ رھی ھو گی ۔

یگانہ ابتدا میں واجبی خود شناسی کے حامل تھے مگر حالات کی مستقل ناسازگاری کی وجہ سے اسی واجبی خودشناسی نے رفتہ رفتہ خود نگری اور خود پرستی کی صورت اختیار کی اور وہ ذات اور حالات سے اوپر اٹھنے کی کوشش میں اپنی حد سے گزر گئے " انا " کی جنگ میں شکست و ریخت ان کا مقدر رھی جس کی وجہ سے ان کے یہاں جبر کے مضامین نے اھمیت اختیار کی اور نتیجہ کبھی جذباتی بحران تو کبھی ذھنی انتشار کی صورت میں ظاھر ھوا۔ شخصی سطح پر جنم لینے والے تصادمات یگانہ کو نمود ذات اور تعلی ذات کی طرف دھکیل لے گئے یوں

یگانہ کے ذہنی تضادات نمایاں ہونے شروع ہوئے جس نے وراثتی عقیدے اور ذاتی عقیدے کی کشمکش کے نتیجے میں جنم لینے والی خوفناک صورت پکڑی۔ مجتبیٰ حسین کے لفظوں میں " شعور کی سفاکی اور ظاہرداری سے یکسر محروم یگانہ ہی کا روپ دھار سکتی تھی یہی شخصیت جو ایک مخفی قوت رکھتی تھی منافقت اور ظاہرداری سے نفرت کرتی تھی۔" (19) یگانہ ہر طرح کی تقلید ، منافقت اور ظاہرداری سے بے زار تھے اور گوشہ گیری ، قناعت، گدائی ، سپردگی اور تسلیم و رضا کی تمام رسموں کے مخالف تھے۔ ان کے علاوہ جن قدیمی مظاہر کے خلاف انھوں نے کھل کر احتجاج کیا ان میں ریاکاری اور خبط مذہب سرفہرست ہیں۔ انکار یگانہ کی طبیعت کا خاصہ تھا ان کے دو اشعار دیکھئے

> بندگی کا ثبوت دوں کیوں کر   اس سے بہتر ہے کیجئے انکار
>
> چل پھر کے ذرا دیکھ جھجکتا کیا ہے   مل جائے گی راہ راست گم راہ تو ہو

گویا ان کی فکر نے ایک ٹیڑھے، پیچیدہ اور خطرناک راستے کا انتخاب کیا تھا۔ اس راہ میں ان کے تخیل کی قوت خدا سے بھی ٹکرائی اور خدائی سے بھی۔ مذہب سے ان کا کبھی نباہ نہ ہو سکا۔ وہ مذہب کو آرٹ اور زندگی دونوں کا دشمن تصور کرنے لگے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو وہی تھی کہ وہ سپردگی اور تسلیم و رضا کے قائل نہ تھے اور دوسری بڑی وجہ مذہب کو اپنے آہنی شکنجے میں کسنے والا خبط مذہب تھا۔ تشکیک کا رجحان تو غالب کے یہاں بھی ہے مگر یگانہ نے جس طرح مذہب، خدا اور رسول صلعم کے بارے میں اپنے بعض تشککات کو طنزیہ اسلوب میں ڈھالا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خبط مذہب کو نشانہ بناتے بناتے مذہب اور اعتقادات کے بارے میں ناگوار طرز بیان تک پہنچ گئے تھے اور یہ سب کچھ یگانہ کی اس انتہاپسندانہ افتاد طبع کی وجہ سے ہوا جسے خود ستائی کے پردے میں شدید احساس محرومی اور ذہنی انتشار نے جنم دیا تھا اور وہ کہنے لگے تھے

> میں پیمبر نہیں یگانہ سہی   اس سے کیا کسر شان میں آئی   (20)

سرکشی کو، جو ان کی توانائی کا ایک بنیادی عنصر ھے مذھب سپردگی میں ڈھالنا چاھتا تھا۔ یگانہ کے لئے یہ ناقابل برداشت تھا جس شخصیت کو انہوں نے شدید تنگ دستی ، کس مپرسی اور کرب ناک تنہائی کے عالم میں محفوظ رکھا جو ان کی سب سے بڑی متاع اور سب سے بڑا سہارا تھی مذھب اسے نرمانے اور اپنانے پر تلا ھوا تھا۔ یگانہ اس ابلیسی متاع کو کسی قیمت پر کھونا نہیں چاھتے تھے"(21) یوں یگانہ کی تشکیک رفتہ رفتہ الحاد کے سانچے میں ڈھلتی گئی۔

بھر صورت مذھب سے یگانہ کی بے زاری کا محرک ان کا وہ ماحول تھا جس سے ان کا نباہ نہ ھو سکا تو وہ ماحول اور زمانے کی مسلمہ اقدار پر برس پڑے۔ ڈاکٹر فاخر حسین کے خیال میں "کرید کر دیکھا جائے تو یگانہ کے کلام میں مذھب سے انحراف کے باوجود ، مذھبی احساس ضرور کارفرما نظر آتا ھے۔ یعنی یہ کہ مذھب سے بے زاری زیادہ ھے اور الحاد کم ۔ " (22) وہ اسے مذھبی توھمات پر عقل سلیم کا احتجاج قرار دیتے ھیں۔ تاھم یہ واقعہ ھے کہ یگانہ کے ذھنی انتشار نے انہیں رفتہ رفتہ تلخ کلامی ، بدزبانی اور دریدہ دھنی تک پہنچا دیا۔ اُس وقت یگانہ کی عمر لگ بھگ ستّر سال تھی جب ان کی منتشر ذھنی حالت کی پیداوار بعض تحریریں منظر عام پر آ گئیں۔ جس کے نتیجے میں ان کی دماغی حالت کا لحاظ کئے بغیر مجتبٰے حسین کے لفظوں میں "ایک لشکر نے ان کے گھر پر یلغار کر دی اور پھر اس "انسان نما شیطان" کو گدھے پر بٹھایا گیا جوتوں کا ھار پہنایا گیا اس کا منہ کالا کیا گیا (رو سیاہ تو پہلے ھی سے تھے) اور لکھنو کی سڑکوں پر اس کو پھرایا گیا۔" (23)

یگانہ کی شخصیت اور کردار کا جائزہ اس وقت تک مکمل نہیں ھو سکتا جب تک ان کے ذاتی محاسن، کردار کی صلابت، طرزمعاشرت، استغنا ، خودداری، لطف صحبت، شاعرانہ زندگی کے اطوار اور زندگی کے معاملات میں ان کی دیانت داری اور ثابت قدمی جیسے پہلوؤں پر توجہ نہ دی جائے علاوہ ازیں بعض معاشرتی حیثیتوں میں جیسے انسان، بحیثیت خاوند ، بحیثیت باپ، بحیثیت دوست، بحیثیت دشمن، بحیثیت شاگرد اور بحیثیت استاد ان کی مختلف النوع شخصیت کا

احاطہ نہ کیا جائے۔

یگانہ کی انفرادیت ان کے عزم و اعتماد کا مظہر تھی اور یہی ان کا کردار تھا۔ ان کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو دشمنوں اور دوستوں کو برابر متوجہ کرتی رہی ایک طرف تو وہ " یگانہ لکھنوی " ہونے کے " جرم" میں دنیا بھر کی سزاؤں کے مستوجب ٹھہرے"(24) تو دوسری طرف ان کے بے لوث کرم فرما دوارکاداس شعلہ نے انہیں غم روزگار کی مصیبت سے مقدور بھر آزاد رکھا خصوصاً حیدرآباد (دکن) میں محکمۂ رجسٹری سے ریٹائرمنٹ لینے کے بعد یگانہ نے متعدد بار تلاش روزگار کے لئے لکھنو سے حیدرآباد کا سفر کیا مگر انہیں کامیابی نہ ہو سکی اس تمام عرصے میں یگانہ کے کنبے کا آسرا وہ پچاس روپے کا منی آرڈر تھا جو شعلہ ہر ماہ باقاعدگی سے بھیجتے رہے۔ ممکن ہے اس لین دین کی معاملت سے کچھ لوگوں کے نزدیک یگانہ کی خودداری اور عزت نفس مجروح ہوتی ہو مگر ایسا سوچنے سے پہلے یگانہ اور شعلہ کے آپس کے تعلقات کی نوعیت پر غور کر لینا چاہئیے۔ شعلہ جو یگانہ سے بے پناہ عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور یگانہ بھی انہیں اپنی اولاد کی طرح عزیز جانتے تھے۔

یگانہ کے کردار کا ایک پہلو اس وقت سامنے آتا ہے جب کراچی سے لکھنو روانگی کے وقت انہوں نے شعلہ کے ایک دوست رام رتن مہتہ سے اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے -/140 روپے زائد لئے تھے اور جس کی تفصیل مہتہ نے شعلہ کو لکھ بھیجی تھی۔ یگانہ نے روانگی کے وقت اس رقم میں سے بچ جانے والے -/82 روپے اپنے ایک دوست کے ذریعے مہتہ کو لوٹا دئیے تھے اور باقی رقم بھی خود واپس دینے کا وعدہ کیا تھا۔ حالاں کہ شعلہ نے تمام رقم لوٹانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔ مگر یگانہ نے اپنے دوست پر غیر ضروری بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنی احتیاج سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھا۔

یگانہ کی طبیعت میں قناعت اور استغنا کا یہ انداز نہ ہوتا تو شاید شعلہ بھی انہیں ایک عام آدمی سمجھ کر ہاتھ کھینچ لیتے مگر وہ عام آدمیوں سے اور بالخصوص اس دور کے درباری

مزاج رکھنے والے شعراء سے بہت مختلف تھے اور یہ بات شعلہ اچھی طرح سمجھتے تھے یگانہ بھی اپنے دل کا حال شعلہ سے بے جھجک بیان کرتے تھے۔ یگانہ کی آخری عمر کے کئی سال شدید بیماری کی حالت میں پلنگ سے لگ کر کھانستے ہوئے اور بلغم تھوکتے ہوئے گزرے۔ وہ لکھنو میں تنہا تھے۔ ایسے میں انہیں پیسوں کی نہیں دواؤں کی ضرورت تھی۔ شعلہ دہلی کے مشہور کیمسٹ تھے لہذا ان سے بے تکلف صرف دوائیں ہی طلب کرتے رہے۔

یگانہ نے دربار داری اور اس کے لوازمات (قصیدہ گوئی) سے ہمیشہ گریز کیا وہ کبھی کسی دربار میں کاسۂ گدائی لے کر کھڑے نہیں ہوئے اور نہ ہی شاہ کا مصاحب بن کر اتراتے پھرنے کو پسند کیا اگر وہ بھی یہ سب کچھ کرتے تو دنیاوی اعتبار سے ان کا شمار " باثروت عزت داروں " میں ہوتا مگر وہ جب تک زندہ رہے اپنے ضمیر کی خلش کے ساتھ زندہ رہے تاہم اس بے اعتبار دنیا میں کچھ عزیز ترین دوستوں کا اعتبار وہ ضرور کرتے تھے ان لوگوں میں شعلہ کے بعد مولوی الطاف حسین ، مالک رام اور ہاشم اسماعیل بمبئی والے کا نام آتا ہے۔ جن سے دوستی ، رفاقت اور محبت کا رشتہ مرتے دم تک برقرار رہا۔ مالک رام نے راقم کے نام اپنے ایک خط میں یگانہ کے حوالے سے لکھا تھا " وہ بھی ہمارے جیسے انسان تھے ان میں بھی انسانی کمزوریاں اور خوبیاں دونوں تھیں وہ اپنے گھر والوں سے، احباب سے، دوستوں اور دشمنوں سے کیسے پیش آتے تھے کیا اس کے جاننے کی ضرورت نہیں۔ " (25) راقم کے خیال میں شعلہ، مالک رام اور ہاشم اسماعیل کے ساتھ یگانہ کا لین دین " حساب دوستاں در دل " کی مد میں آتا ہے۔ یگانہ کے یہ سب احباب نہ صرف ان کا دم بھرتے تھے بلکہ بخوشی ان کی اعانت پر آمادہ ہوئے تھے۔ خود یگانہ بھی اپنے احباب کی ہر ممکن دلجوئی کرتے تھے۔ مالک رام نے ان سے " آیات وجدانی " کا نسخہ طلب کیا تو بقول مالک رام " خدا معلوم ان کے جی میں کیا آئی انہوں نے پورا کلیات جس میں " آیات وجدانی " اور " ترانہ " (رباعیات) کے بعد کا کلام بھی تھا اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیج دیا اس کے ملنے پر جو مسرت ہوئی آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے یہ بے بہا نسخہ آج بھی میرے پاس ہے

اور میرے کتب خانے کی زینت ہے۔" (26)

شعلہ کے مطابق "میرزا محمد نقی (ببا صاحب) اس اطلاع کے ذمہ دار ہیں کہ میرزا مرحوم کے تمام کاغذات اور بیاضیں جو بچ رہی تھیں ان کے انتقال سے چند روز پہلے ہاشم اسماعیل صاحب کو میرزا کے ایما سے بذریعہ رجسٹری بھجوا دی گئی تھیں ریڈیو اور چند دیگر اشیاء پہلے ہی بمبئی پہنچ چکی تھیں۔" (27) شعلہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "انتقال سے ایک یا دو برس پہلے میرزا نے مجھے لکھا کہ وہ اپنا ریڈیو میری بیٹی نرملا کو دینا چاہتے ہیں اور یہ کہ میں لکھنؤ سے منگوا لوں۔ ہندوستان میں مجھ سے اور ہاشم سے بڑھ کر وہ کسی کو عزیز نہ رکھتے تھے۔" (28) غالباً شعلہ کے انکار پر یگانہ نے یہ چیزیں ہاشم اسماعیل کو بھجوائیں۔ شعلہ نے ممتاز حسین کا جو شخصی خاکہ قلم بند کیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم اسماعیل نے یگانہ کی بیاضیں شعلہ کو بھیج دیں تھیں جن سے بعد میں ممتاز حسین نے قیمتاً لے لی تھیں شعلہ کے لفظوں میں "آخر معاملہ میرزا یگانہ کے خطوط، قلمی بیاض اور چند تصاویر پر ختم ہو گیا وہ ان کو لے گئے اور میری خواہش کے خلاف نہایت مناسب رقم عطا فرمائی۔" (29)

شعلہ نے ہاشم اسماعیل کو یگانہ کے انتقال پر لکھا (9 اپریل 1956ء) "میرا یہ ایمان ہے کہ میرزا ایسا انسان ہونا ہی مشکل ہے بہتر ہونا تو نجانے کیا ہوتا ہو گا میرزا نے زندگی کو قریب سے دیکھا اس کی مجبوریوں کو سمجھا کوتاہیوں کو جانا اور آخری وقت میں جب ان لوگوں نے بھی راہ فرار اختیار کی جو زندگی بھر ساتھ دینے کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے تو میرزا نے صرف ایک فقرہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا کہ دنیا بڑی بے وفا ہے۔" (30) شعلہ کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے جو راقم نے ان کے مجموعہ کلام "شعلہ زار" سے منتخب کئے ہیں۔

یہ یگانہ فرد واحد ہیں جنھیں راہ صداقت سے | بہ جبر تنگ دستی بھی بھٹک جانا نہیں آتا

خاک پا میرزا یگانہ کی | شعلہ صاحب بھی ہیں نہ تھا معلوم

ہاں تجھ سے راہ و رسم محبت تھی برقرار ای وضع دار رسم محبت کہاں ہے تو

یگانہ دوستوں کے لئے اپنے دل میں ہمیشہ نرم گوشہ رکھتے تھے۔ ان کے عزیز ترین دوستوں میں مولوی سید الطاف حسین ، مرزا بشیر یار جنگ، مرزا نجم آفندی، دوارکا داس شعلہ، مالک رام، ہاشم اسماعیل، مولانا رشید ترابی، ذوالفقار علی بخاری، پنڈت ہری چند اختر، مے کش اکبر آبادی، سید علی اختر حیدرآبادی، دل شاہجہاں پوری، اور مرزا فہیم بیگ چغتائی شامل تھے۔ ان سب کے ساتھ ان کے تعلقات کی گرمی میں کبھی کمی واقع نہ ہوئی۔ شعلہ، مالک رام، ذوالفقار علی بخاری مے کش اکبر آبادی اور صبا اکبر آبادی کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دوستی کے آداب نبھانے میں یکتا تھے تاہم یگانہ دشمن دار آدمی تھے اور دشمنی نبھانے میں بھی یگانہ تھے جس کی اگرچہ انہیں بڑی بھاری قیمت چکانی پڑی اور انہیں شب و روز مصیبت کے پہاڑ کاٹنے پڑے۔ مگر انہوں نے کبھی اپنی شکست کو تسلیم نہیں کیا۔ میکش اکبر آبادی کے لفظوں میں یگانہ " اس اصیل مرغ کی طرح تھے جو گردن ٹوٹنے پر بھی ہار نہیں مانتا۔ " (31)

یگانہ کی ایک شخصیت وہ ہے جسے گھر کی چار دیواری میں دیکھا جا سکتا ہے اور جو گھر سے دور گھر کی یاد میں ڈوبی نظر آتی ہے۔ " ترانہ " کی رباعیوں اور یگانہ کے خطوط میں اس کیفیت کا بیان ملتا ہے۔ اس حوالے سے ان کی شخصیت ایک خاوند ، ایک باپ اور سب سے بڑھ کر ایک انسان کی حیثیت میں معاشرتی زندگی کا نمونہ کہی جا سکتی ہے۔ یگانہ گھریلو معاملات میں اور خصوصاً بچوں کی ذہنی تربیت میں دلچسپی لیتے تھے ان کی صاحبزادی بلند اقبال بیگم نے اپنے مضمون " بھائی ابّا " میں یگانہ کی گھریلو اور معاشرتی زندگی سے متعلق جو تفصیلات رقم کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ گھر میں ان کا روّیہ ایک مثالی باپ، ایک مثالی خاوند اور ایک مثالی انسان کا روّیہ تھا۔ شعلہ کے نام لکھے گئے یگانہ کے ایک خط کے اقتباس سے یگانہ اور ان کے اہل خانہ کے پرخلوص برتاؤ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یگانہ لکھتے ہیں (20 ستمبر 1928ء) " گھر کا یہ حال ہے کہ میری محترم و جاں نثار بیوی اور میرے بچے

میرے لئے تڑپ رہے ھیں اور میں ان کے لئے بے قرار ھوں ان کی آواز میرے کانوں میں اور میرے پاؤں کی آھٹ ان کے کانوں میں گونج رہی ھے آج دس مہینے سے میں ان کو اور وہ مجھے دیکھنے کو ترستے ھیں۔ اللّٰہ اکبر ۔ دل کی دنیا کا یہ منظر بھی کیا عالم دکھا رہا ھے۔" عثمان آباد دکن (32)

یگانہ روزگار کی تلاش میں لکھنو سے حیدرآباد پہنچے تھے محکمہ رجسٹری میں ملازمت سے پہلے بے روزگاری کے عالم میں جو خط یگانہ نے بلند اقبال کو لکھا اس سے یگانہ کے کردار کا ایک اہم پہلو سامنے آتا ھے یگانہ نے لکھا تھا " میری بچی ! تیرا بابا کیسی مجبوری میں تم لوگوں کو اس حال میں چھوڑ کر نکلا ھے اور حال یہ ھے کہ دل کو قرار نہیں ایک لمحے کے لئے بھی یہاں کی گہماگہمی ، آؤ بھگت، خاطر تواضع کچھ اچھا نہیں لگتا ھے۔ایک نواب صاحب نے آج میری بڑی پرتکلف دعوت کی تھی جس میں اور بھی بہت سے معززین شہر بلائے گئے تھے انواع اقسام کی نعمتیں دسترخوان پر سجائی جا رہی تھیں کچھ دیر میں وھاں کے انتظامات دیکھتا رہا اس کے بعد لوگوں کی نظریں بچا کر چپکے سے نکل آیا اس احساس نے مجھے وھاں ٹکنے نہ دیا کہ میرے بچوں پر نہ معلوم کیا عالم گزر رہا ھو گا اور میں یہاں ایسی دعوتوں سے لطف اندوز ھوں یہ مجھ سے نہ ھو گا وھاں مجھے ھر طرف تلاش کیا جا رہا ھو گا میں جن صاحب کے یہاں مہمان ھوں ان کے کمرے میں بند تم کو یہ خط لکھ کر اپنے دل کا بوجھ ھلکا کر رہا ھوں دعا کرو یہ آزمائش کے دن جلد ختم ھوں ھم لوگوں کے۔" (33)

تنگیٔ حالات کے باوجود یگانہ نے جس طرح اپنے بچوں کے کردار کی تربیت کی اس کی ایک جھلک بلند اقبال کے مضمون میں ملتی ھے، وہ لکھتی ھیں " خوش حالی نہ ھونے کے باوجود ھمارے گھر میں کوئی ایسا محاورہ استعمال نہ ھوتا جس سے طبقاتی پستی کا اظہار ھوتا ھو ... عزت نفس، غیرت و خودداری، ایمان داری اور سچ بولنے کی عادت کو اس طرح وقتاً فوقتاً اپنے مخصوص انداز میں جلا دیتے رہتے تھے کہ یہ عادات پختہ ھو جائیں .... کہتے تھے کہ " شاباش ھمیشہ سچ بولو سزا کے خوف سے جھوٹ بول کر اپنے ضمیر کو مجرم نہ بناؤ ھم لوگوں نے سچائی

کی عظمت کو انہیں کے توسط سے پہچانا۔" (34) بلند اقبال نے یگانہ کے حسن معاشرت کی تصویرکشی ان لفظوں میں کی ہے۔" اگر کسی مشاعرے کے لئے تازہ غزل کہنا ہوتی تو تقریباً رات کے چار بھی بج جایا کرتے تھے اس اثنا میں کوئی ایسا شعر موزوں ہو جاتا جو ان کو خود پسند آ جاتا تو اکثر ایسا بھی ہوا کہ اماں کو سوتے میں جگا کر سناتے وہ نیند کی وجہ سے پوری توجہ سے سمجھ نہ پاتیں تو کہتے " کیا آپ کا ذوق ہے، سبحان اللہ! کس بے دلی سے کہہ دیا کہ ہاں اچھا ہے۔ ذرا اٹھ کے سنیں تو سہی کیا شعر موزوں ہوا ہے اس وقت یا الہام ہوا ہے۔ اجی مہاراج کچھ تو داد دیں۔" (35)

بلند اقبال نے ایک ملاقات میں راقم کو بتایا " بھائی ابّا کی مرغوب غذاؤں میں سری پائے، نہاری، شامی کباب اور بریانی شامل تھے۔ گھر میں ہوتے تو کبھی کبھی خود بھی کھانا پکاتے تھے گھر سے باہر تنہا رہنے کے سبب یہ عادت پڑی۔ سلطان بہادر روڈ والا مکان اور اس کا دالان کافی بڑا تھا برسات ختم ہوتی تو چولائی بچھ جاتی بھائی ابّا کو چولائی بہت پسند تھی ایک مرتبہ بھائی ابّا نے چولائی کاٹی اور اسے پکانے کی تیاری کرنے لگے اماں نے کہا " کانٹے دار چولائی ہے بھلا کیسے گلے گی۔" تو بھائی ابّا بولے " آگ پر تو لوہا گل جاتا ہے کیسے نہیں گلے گی۔" پکائی تو اس نے گل کے نہ دیا اور بھائی ابّا سارا دن گلاتے ہی رہے۔" (36)

بلند اقبال نے یگانہ کے پسندیدہ پھلوں کے بارے میں لکھا ہے " پھلوں میں ان کو انگور، سیب، قندھاری انار اور سب سے زیادہ آم پسند تھا۔ خاص کر لنگڑا آم کھاتے وقت عظیم آباد کا لنگڑا ان کو ضرور یاد آ جایا کرتا تھا، لکھنو کا دسہری اور سفیدہ پسند تھا۔" (37) اسی سلسلے میں کئے گئے راقم کے ایک سوال کے جواب میں بلند اقبال نے بتایا " لکھنو میں عموماً جاڑوں کے دنوں میں کشمیری چائے شوق سے پیتے جو چائے خانوں میں گلابی رنگ کی بالائی کے ساتھ ملتی تھی۔ اٹاوہ کی گزک بہت پسند تھی میٹھا شوق سے نہ کھاتے تھے مگر اٹاوہ میں جلیبیاں دودھ میں بھگو کر خود بھی کھاتے ہم سب کو بھی کھلاتے۔" (38)

یگانہ تالیف سخن نہایت اہتمام سے کرتے تھے " جب رات کے کھانے کے بعد بیوی بچوں سے باتیں کر کے سب کے سونے کا وقت ہو جاتا تو دس بجے کے قریب لالٹین، اپنا مخصوص تکیہ، پانوں کی ڈبیا، پنکھا اور تازہ حقہ بھر کے مردانے کمرے میں چلے جاتے وہاں زمین کا فرش ہوتا جس پر ایک گاؤ تکیہ رکھا ہوتا الماری میں ان کی کتابیں، ایک کاغذات رکھنے کا صندوقچہ، پیتل یا شیشے کا قلمدان ، کلک کا قلم تراش، بہت عمدہ قلم خود بناتے تھے اس کے بعد ہولڈر استعمال کرنے لگے۔ 1932ء میں بڑے شوق سے انہوں نے اپنے لئے پارکر قلم منگایا تھا جس کو اتنی احتیاط سے برتا کہ وہ آخر زندگی تک ان کے پاس رہا۔ شعر کی آمد جب ہوتی تو گنگناتے رہتے تھے مکمل ہو جاتا تو ترنم سے دھیمی آواز میں پڑھتے رہتے۔" (39)

یگانہ کے لباس اور وضع قطع سے متعلق بلند اقبال لکھتی ہیں " گھر سے باہر نکلتے تو پانچوں کپڑوں سے درست ہو کر نکلتے چاہے ذرا دور ہی کیوں نہ جانا ہو۔ گھر پر بھی چاہے کتنی شدید گرمی پڑ رہی ہو کرتا بنیائن کبھی نہیں اتارتے تھے۔ لباس میں حیدرآباد جانے سے پہلے سفید اچکن، چوڑے پائنچے کا پاجامہ، ایرانی سیاہ ٹوپی، ہاتھ میں چھڑی ہمیشہ رہتی تھی گرمی اور برسات کے موسم میں چھتری استعمال کرتے۔ حیدرآباد جانے سے یہ تبدیلی ہوئی کہ اچکن کی جگہ شیروانی نے لے لی وہاں کی تراش خراش اس کی بہت پسند آئی پھر بقیہ عمر یہی شیروانی استعمال کرتے رہے۔ جاڑے میں گرم پتلون اور چسٹر بھی پہنتے تھے کپڑے کے زیادہ شوقین نہیں تھے بس صاف ستھرا سادہ لباس ہمیشہ استعمال کیا۔ لڑکوں کو ٹوپی پہننے کی تاکید رہتی خاص کر گھر سے باہر نکلتے وقت ننگے سر ہونے کو بہت معیوب سمجھتے تھے۔" (40)

یگانہ نے ایک ایسے محکمے میں جہاں اوپر کی آمدنی کے ذرائع لامحدود تھے پوری ذمہ داری اور دیانت داری کے ساتھ ملازمت کی تھی ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کی زندگی سے بے بسی اور مفلسی کے نشانات ہمیشہ کے لئے مٹ جاتے مگر یہ یگانہ ہی تھے جنہوں نے رزق حرام کا ایک لقمہ بھی اپنے بچوں کے پیٹ میں اترنے نہیں دیا اور اپنے فرائض منصبی انتہائی دیانت

کے ساتھ ادا کئے ۔ ملازمت کے سلسلے میں وہ مختلف مقامات پر متعین رہے کئی دور دراز دلدلی اور لق و دق مقامات پر ان کے جبری تبادلے کئے گئے یہ سب ان کے انہماک اور دیانتداری کا صلہ تھا اس حوالے سے یگانہ کے کٹر مخالفوں نے بھی ان پر انگشت زنی نہیں کی وہ سب رجسٹرار کی حیثیت سے مامور کئے گئے اور اسی حیثیت میں ریٹائر ہو گئے اپنے افسران بالا سے ان کا کبھی سمجھوتہ نہ ہو سکا یہی وجہ تھی کہ ملازمت کے دوران دھرے اخراجات کی بنا پر ان کا ہاتھ ہمیشہ تنگ رہا اور فراخی میسر نہ آ سکی تاہم ان کی ملازمت ان کی مادی ضرورتوں کے لئے کافی تھی اس سے زیادہ کی نہ انہوں نے تمنا کی اور نہ کوشش اس لئے جہاں سے ملازمت کا آغاز کیا تھا وہیں پر اس کو چھوڑا۔ ان کا ملازمت کر کے بیوی بچوں کا پیٹ پالنا اپنے اہل و عیال کی دوری برداشت کرنا اور سخت کسالا جھیلنا اس امر کا ثبوت ہے کہ انہوں نے شاعری کو صلے کی تمنا کا ذریعہ نہیں بنایا حالاں کہ انہیں اس کے بھرپور مواقع میسر آئے تھے۔ مہاراجہ سرکشن پرشادشاد صدر اعظم ریاست حیدرآباد تھے ان کی حویلی شعر و شاعری کا بڑا مرکز تھی۔ " فانی 1932ء میں مہاراجہ سرکشن پرشادشاد کی دعوت پر حیدر آباد آئے تھے۔" (41) یگانہ کے مزاج میں اگر تھوڑی سی بھی لچک ہوتی تو وہ مہاراجہ کی ذات سے بہت سے فائدے اٹھا سکتے تھے مگر مہاراجہ سے جو مالی فائدہ فانی یا دوسرے شاعروں کو پہنچا اس سے خود کو انہوں نے محروم کر لیا یا یوں سمجھ لیجئے کہ مہاراجہ کی اشرفیاں ان کی قسمت میں نہیں تھیں۔ یگانہ کی ایک رباعی ہے۔

غیروں کو ستایا نہ عزیزوں سے لڑے — زور اتنا مگر کسی پر بھاری نہ پڑے
کہتے ہیں مہاراج بڑے آدمی ہیں — ہم ایسے سر پھروں سے کیا ہوں گے بڑے

یگانہ نے زمانہ طالب علمی سے شعر گوئی کا آغاز کر دیا تھا اور اس وقت کے قاعدے کے مطابق انہوں نے اپنے اشعار اصلاح کی غرض سے بے تاب عظیم آبادی عرف لاڈلے صاحب کو دکھانا شروع کئے ۔ بیتاب اس وقت کے ہندوستان کے معروف اور جلیل القدر شاعر شاد عظیم آبادی کے تلامذہ میں سے تھے۔ بیتاب نے یگانہ کی تخلیقی اٹھان دیکھتے ہوئے انہیں بھی اپنے استاد کی محفل سخن میں پیش کر دیا اور یگانہ شاد سے مشورہ سخن کرنے لگے مگر یہ تعلق بہت تھوڑے عرصہ تک قائم

رہ سکا یگانہ کلکتہ چلے گئے وہاں سے بیمار ہو کر عظیم آباد واپس آئے اور علاج کی غرض سے لکھنو کے لئے رخت سفر باندھا اور پھر لکھنو ایسے گئے کہ وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ لکھنو میں یگانہ نے پیارے صاحب رشید سے اصلاح لینا شروع کی یہ سلسلہ بھی کچھ زیادہ نہیں چلا کیونکہ پیارے صاحب رشید نے ان کی سخن سنجی اور صفائی کلام کو دیکھ کر خود انہیں مزید مشورہ لینے سے روک دیا۔ یگانہ نے اس تھوڑے عرصے کے تعلق کو تمام عمر نبھایا اور ہمیشہ نہ صرف ان ہستیوں کا احترام کیا بلکہ ان سے تلمذ حاصل ہونے پر برملا فخر کا اظہار کیا۔

یگانہ نے خود باقاعدہ کسی کو اپنا شاگرد نہیں بنایا تاہم ان سے مشورہ سخن کرنے والوں کی خاصی تعداد ہے ان میں سلیم احمد ، زیبا ردولوی، باقر حسین رضوی، راغب مرادآبادی، سید ذوالفقار علی بخاری، من موہن تلخ اور شعلہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یگانہ نے ان لوگوں کو شعر کے اسرار و رموز سمجھانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ نہایت خلوص سے ان کے لفظی و معنوی اسقام کی اصلاح کی ۔ ان میں سے بیشتر کے نام یگانہ کے خطوط میں محبت کی مہک محسوس کی جا سکتی ہے۔ سلیم احمد مرحوم کے برادر خورد معروف نقاد شمیم احمد نے راقم کو بتایا "مجھے یاد ہے کہ ہم لوگ بہار کالونی حسان روڈ میں رہتے تھے اس زمانے میں جو تقریباً 1949-1950ء کا زمانہ ہو گا بھائی صاحب نے یگانہ کی زمینوں میں دو غزلیں کہیں ان کے دو اشعار جو یاد ہیں ان میں سے ایک غزل کا مطلع تھا۔

مانے تو کس کی دیوانہ مانے　　　جتنی زبانیں اتنے فسانے

اور دوسری غزل کا ایک خاص شعر مجھے یاد رہ گیا ہے

دکھ درد سارے،تھے پاپ گویا　　　تجھ سے ملے یا گنگا نہائے

یہ دونوں غزلیں بھائی صاحب نے یگانہ کو بہ غرض اصلاح روانہ کیں کوئی ڈیڑھ ماہ کے بعد یگانہ صاحب کا جواب جس میں دونوں غزلیں منسلک تھیں آیا پہلی غزل کے دو اشعار میں ایک ایک لفظ بدل دیا گیا تھا اور ان کو دائرے میں لکھ دیا تھا اور دوسری غزل پر کوئی اصلاح نہیں تھی۔

غزل کے اوپر صا کا نشان بنا ہوا تھا۔ یگانہ صاحب نے لکھا تھا "آپ کی دونوں غزلیں دیکھیں ایک غزل میں دو ایک جگہ لفظ بدل دئیے ہیں دوسری غزل میں کوئی گنجائش نہیں خدا کا شکر ہے کہ آپ کے یہاں ترقی پسندوں والی زیٹ زیٹ نہیں ہے۔ آپ کو اصلاح کی ضرورت نہیں جو چاہے لکھئیے۔" (42)

سلیم احمد نے یگانہ ہی کو کیوں منتخب کیا اس کا جواب ان کی اپنی تحریر میں مل جاتا ہے وہ لکھتے ہیں " اردو شاعری کی محدود و مختصر دنیا میں بیسویں صدی کے بعض بنیادی مسائل کی تفہیم اوران کا حسّیاتی ادراک یگانہ کے مطالعے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔" (43)
سلیم احمد نے یگانہ کے قیام پاکستان کے دوران ان پر ایک طویل نظم بھی تحریر کی تھی یہ نظم روزنامہ مشرق (راقم کو یہ نظم شمیم احمد نے ارسال کی) میں شائع ہوئی تھی ۔ نظم کا پہلا بند خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، دیکھئیے

یہی دور تھا جب یگانہ بھی آئے — نہ بھولیں گے گو لاکھ دنیا بھلائے
زمانے پہ سکّہ جما کر گئے ہیں — یہ مہر اپنی دل پر لگا کر گئے ہیں
زمانے کا دل توڑنا ان سے سیکھا — مرے شعر نے بولنا ان سے سیکھا
غزل میں نے بھیجی تھی اور خط لکھا تھا — انہوں نے جواب اس کا فوراً دیا تھا
بڑھایا بہت ہی مرا حوصلہ تھا — میں کیا تھا مگر مجھ کو کیا کیا لکھا تھا
سبق میرا پکا، مجھے یاد ہیں یہ — بڑا فخر یہ ہر کہ استاد ہیں یہ

معروف شاعر، محقق اور نقاد زیبا ردولوی بھی یگانہ سے اصلاح لیتے رہے نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی کے مخزونہ مخطوطات میں زیبا ردولوی کے نام یگانہ کا ایک خط محفوظ ہے اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ احباب کے خطوط ان کے دل بہلانے کا واحد ذریعہ تھے۔ خط سے ایک خاص وقت میں یگانہ کی ذہنی حالت کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے، وہ لکھتے ہیں۔
(13 اکتوبر 1938ء) "آپ کی غزل بعد اصلاح آج ارسال کرتا ہوں غالباً یہ پہلا خط ہے جو آپ نے مجھے لکھا ہے کبھی کبھی خط لکھتے رہا کیجئے پردیس میں انھی خطوط سے دل بہلتا ہے

عزیز من یہ نہ سمجھو کہ میں خدا نہ کردہ رنج و غم میں مبتلا ہوں حاشا ایسا نہیں ہے رنج و غم جسے کہتے ہیں حق تعالیٰ نے مجھے اس سے محفوظ رکھا ہے۔ مرے دل کو سکون و اطمینان سے بہرہ حاصل ہے ہاں بس ایک فکر معاش نے مجھے ہمیشہ پراگندہ رکھا ہے یہ فکر اس حقیقی سکون و اطمینان کے مقابلے میں جو محبت کے فیض سے مجھے حاصل ہے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی البتہ یہ ضرور ہے کہ پریشانی و تنگ دستی انسان کے لئے ایک بڑا عذاب ہے۔" (44)

زیبا ردولوی کے برادر خورد باقر حسنین رضوی یگانہ کے باقاعدہ شاگرد تو نہیں تاہم ان کا کہنا ہے کہ " انہوں نے یگانہ کے رنگ میں رباعیاں کہہ کر یگانہ کو سنائی تھیں اور ان سے داد حاصل کی تھی۔" (45) یگانہ اپنے ایک خط میں انہیں لکھتے ہیں (5 ستمبر 1955ء)

" اللہ اللہ میرے پیارے باقر حسنین رضوی میرے سامنے آئے ہیں اتنے دنوں بعد تو اپنا اتا پتا بتا کر اپنے تئیں پہچنوا رہے ہیں۔ زیبا کے بھائی، دانش محل کی ادبی صحبت، مولانا رشید ترابی کے ہاں ملاقاتیں۔ المنتظر کی اڈیٹری وغیرہ گویا میں اب اتنا اونچا ہو گیا ہوں قطب مینار سے بھی اونچا کہ شاید اونہیں پہچان نہ سکوں۔" (پہلا مکان شاہ گنج لکھنو) (46)

معروف شاعر راغب مرادآبادی کے بارے میں ضمیر اختر نقوی لکھتے ہیں کہ انہیں " صفی لکھنوی اور یاس یگانہ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔" (47) راغب مرادآبادی نے راقم کے استفسار کے جواب میں اپنے مراسلے میں تحریر کیا (24 نومبر 1984ء) " یگانہ صاحب کو میں نے آج سے بیالیس سال پہلے جو نظم بھیجی تھی اس کی ایک فوٹوسٹیٹ کاپی ملفوف ہے شان نزول یہ ہے کہ 1940ء میں میں نے پہلی نظم کربلا کے موضوع پر کہی تھی یہ اسی زمانے میں " سرفراز " لکھنو میں شائع بھی ہوئی تھی میں نے یگانہ صاحب کو جن سے میرے خوردگی و بزرگی کے روابط اور مراسلت تھی یہ نظم ایک خط کے ساتھ بھیجی اور یہ لکھا کہ غزل تو 1930ء سے کہہ رہا ہوں نظم پہلی بار کہی ہے یہ کس معیار کی ہے یہ فیصلہ میرے لئے دشوار ہے موصوف نے یہ نظم آولیس حک و اصلاح کے بعد اپنے خط کے ساتھ مجھے بھیج دی میں نے اسے بطور تبرک و سند افتخار محفوظ رکھا۔ یگانہ صاحب نے میری ان غزلوں کا انتخاب بھی کیا تھا جو 1947ء سے پہلے کہی تھیں۔

متعدد غزلوں پر ان کے ریمارکس نوٹس اور جزوی ترمیمات ھیں ان کی فوٹوسٹیٹ نقول بھی بھیج دوں گا۔ " راغب کا یگانہ سے تعلق 1938ء میں بذریعہ مراسلت قائم ھوا راغب ان دنوں شملہ میں تھے اور یہ تعلق یگانہ کی زندگی بھر برقرار رھا۔ راغب کا یہ بھی کہنا ھے کہ " یگانہ کی معرکہ آرائیاں دل شکنی کے لئے نہیں بت شکنی کے لئے ھوتی تھیں۔ " (48)

من موھن تلخ سے یگانہ کی ملاقات 17 نومبر 1952ء کو دھلی کے مشاعرے سے واپس ھوتے وقت ریل کے ڈبے میں ھوئی تھی۔ یگانہ لکھنو پہنچے تو تلخ کا خط بھی پہنچا اور پھر جوابی کارڈوں کا تانتا بندھ گیا۔ تلخ نے اپنا کلام بھی اصلاح کے لئے بھیجنا شروع کیا۔ یگانہ باقاعدگی سے تلخ کے خطوط کے جواب اور کلام پر اصلاح دیتے رھے۔ تلخ نے یگانہ کے تمام خطوط ان کی اجازت حاصل کئے بغیر " ساقی " کراچی میں چار اقساط (جون، جولائی ، اگست، ستمبر 1955ء) میں شائع کرا دئیے تھے۔ جس کا یگانہ کو بہت رنج پہنچا تھا انہوں نے باقرحسنین رضوی کے نام اپنے خط (محررہ 5 ستمبر 1955ء) میں اس پر گہرے دکھ کا اظہار کیا تھا۔ تلخ نے یگانہ کی وفات پر دو قطعات بھی لکھے جو " ساقی " کراچی (مارچ 1956ء) میں شائع ھوئے تھے۔

یگانہ اور شعلہ کے درمیان استاد شاگرد کا تعلق ھی نہیں منہ بولے باپ اور بیٹے کا رشتہ بھی تھا۔ شعلہ نے اپنے مضمون " یہ تیس برس کا قصہ ھے" اور خطوط کے علاوہ اپنے مجموعہ کلام " شعلہ زار " کے پیش لفظ اور مجموعے میں شامل یگانہ سے متعلق اشعار میں جن احساسات کا بیان کیا ھے اس سے ان کے آپس کے روابط کی استواری کا پتہ چلتا ھے۔ شعلہ،یگانہ سےملاقات ھونے سے پہلے ھی حفیظ جالندھری کی شاگردی اختیار کر چکے تھے تاھم یگانہ سے ملاقات ھونے کے بعد انہوں نے یگانہ سے اصلاح لینا شروع کی۔

یگانہ کا روّیہ اپنے اھل خانہ، اپنے احباب اور اپنے شاگردوں کے ساتھ یہ ظاھر کرتا ھے کہ محبت کے پھیلاؤ اور گہرائی پر ان کا ھمیشہ ایقان رھا۔ ان کی بظاھر مردم بے زاری میں

مردم گزیدگی کا پہلو ملتا ہے ان کا تیز و تند لہجہ ان لوگوں کے لئے تھا جو ان کی یگانگت کو بیگانگی میں بدلنے کے درپے تھے وہ زندگی سے الجھے ضرور ہیں مگر زندگی سے نفرت نہیں کرتے۔ذاتی زندگی میں کردار کی مستقل مزاجی اور شخصیت کے منفرد تیور یاس عظیم آبادی، میرزا یگانہ لکھنوی اور میرزا یگانہ چنگیزی کو ایک ایسی شخصیت میں ڈھال دیتے ہیں جس کا ایک روپ " زہر خندِ مردانہ " سے علاجِ اہلِ ہوس کرتا دکھائی دیتا ہے تو دوسرا روپ جراح کے ہاتھ میں نشتر کا جواز فراہم کرتا ہے۔

حــــواشـــی

=0=0=0=0=

1- بحوالہ۔روایات فلسفہ، صفحہ 32 ،مصنف علی عباس جلالپوری، مطبوعہ المثال لاہور، دسمبر 1969ء۔

2- بحوالہ" اپنا کریکٹر "،بیاض یگانہ،مملوکہ بلند اقبال، صفحہ 84۔

3- بحوالہ انتظار حسین کا کالم " باتیں اور ملاقاتیں "،روزنامہ " مشرق " لاہور(ادبی ایڈیشن)، صفحہ 8، اشاعت 10 فروری 1981ء۔

4- Group Psychology and the Analysis of Ego, Translated by James Strachy, page 42. First published in English 1922 Fifth Edition London the Hogarth Press".

5- بحوالہ۔میرزا یگانہ چنگیزی۔حیات اور شاعری، صفحہ 53۔

6- بحوالہ۔اردو شاعری کا مزاج، صفحہ 268، مطبوعہ جدید ناشرین لاہور،مئی 1965ء۔

7- بحوالہ " نیرنگ خیال " لاہور،جولائی 1927ء، صفحہ 71۔

8- بحوالہ۔وہ صورتیں الٰہی، صفحہ 157

9- راہی معصوم رضا نے رضا انصاری(حال مدیر رسالہ " اکادمی " لکھنو) کے حوالے سے لکھا ہے کہ " فرنگی محل میں یگانہ اپنا کلام سنا رہے تھے جب انہوں نے یہ شعر پڑھا

۔ہ چت بھی اپنی ہے پٹ بھی اپنی ہے   میں کہاں ہار ماننے والا

تو رضا صاحب نے اس شعر کی تعریف کی یگانہ پڑھتے پڑھتے رک گئے اور لالٹین اٹھا کر رضا صاحب کے قریب آئے اور انہیں غور سے دیکھنے لگے۔ " (بحوالہ۔یاس یگانہ چنگیزی، صفحہ ۴۹-۵۰)

10- ڈاکٹر تاراچند رستوگی کا مضمون " غالب کومپلیکس اور یگانہ "،مطبوعہ اردو ادب،نئی دھلی، شمارہ(1)(2) 1982ء، صفحہ 116۔

11- بحوالہ یگانہ کا خط بنام شعلہ محررہ 17 اگست 1945ء مطبوعہ تخلیقی ادب(2)صفحہ 484۔ یگانہ نے لکھا تھا " ارے میاں اب لکھنو اور غالب کے معاملے کو کیا تازہ کرو گے وہ دونوں

بت ٹوٹ چکے دونوں مقدمے فیصل ہو کر مثلیں داخل دفتر ہو چکیں۔"

12- بحوالہ مجتبیٰ حسین کا خط بنام راقم، محررہ 27 جون 1925ء۔

13- بحوالہ یگانہ کا اپنے بارے میں مضمون " میرزا یگانہ چنگیزی "، مطبوعہ آج کل دہلی، 15 ستمبر 1943ء، صفحہ 34۔

14- بحوالہ مضمون " یگانہ بیگانہ "، مطبوعہ فنون لاہور، جنوری 1964ء، صفحہ 227۔

15- ایضاً ، صفحہ 230۔

16- بحوالہ تاثرات و تعصبات، صفحہ 18-19، مطبوعہ شعبۂ تحقیق و اشاعت مدرسۂ عالیہ ڈھاکا، طبع اوّل دسمبر 1962ء

17- A HISTORY OF URDU LITERATURE, Page 509, Oxford University Press Karachi, Second Edition 1985.

18- بحوالہ ادبیات و شخصیات، صفحہ 90-91۔

19- بحوالہ نیم رخ ، صفحہ 17، مطبوعہ پاک پبلشرز لمیٹڈ کراچی، فروری 1978ء۔

20- یگانہ نے پوری غزل بلند اقبال کے نام خط محررہ 24 جولائی 1942ء میں درج کی تھی مذکورہ شعر کے حوالے سے یگانہ نے لکھا تھا " مذہب کے بعض حقائق پر میں نے جو کچھ اظہار خیال کیا ہے آئندہ کوئی پیغمبر پیدا ہو گا تو میرے ہی خیالات کی تبلیغ کرے گا خواہ میرے خیالات بالواسطہ اوس تک پہنچیں یا خود اوس کے دل میں پیدا ہوں۔"
(اصل خط بلند اقبال کی ملکیت ہے۔)

21- بحوالہ نیم رخ ، صفحہ 55-56۔

22- بحوالہ " یگانہ بیگانہ "، فنون لاہور، جنوری 1964ء، صفحہ 233۔

23- بحوالہ نیم رخ ، صفحہ 56-57

24- بحوالہ ابوالفضل صدیقی کا غیرمطبوعہ مضمون، صفحہ 2

25- مالک رام کا خط بنام راقم، محررہ 13 جنوری 1985ء، (نئی دہلی)

26- بحوالہ وہ صورتیں الٰہی، صفحہ 162

27- بحوالہ تخلیقی ادب (2)، صفحہ 432

28- ایضاً، صفحہ 433

29- بحوالہ تخلیقی ادب (5)، مطبوعہ اکتوبر 1985ء، صفحہ 339

زائد تھی کیونکہ شعلہ کو اپنی مجوزہ کتاب " زبان آئینہ " کی طباعت کے لئے پانچ ہزار کی رقم درکار تھی اور یگانہ کی تحریروں سے جو رقم حاصل ہوئی وہ بقول شعلہ " زبان آئینہ " کی اشاعت کے لئے کافی تھی۔

30- این ایم نمبر8/217،1963۔ یگانہ نے اپنے ایک خط میں جو انہوں نے مسعود حسن رضوی ادیب کی کوٹھی ادبستان سے تحریر کیا تھا شعلہ کو لکھا تھا " اکیلا رہ گیا ہوں یہاں جھونپڑی ڈال کے پڑا ہوں دنیا بڑی بے وفا ہے۔ "

31- بحوالہ مضمون " میرزا یگانہ چنگیزی کے ساتھ چند لمحے "،مطبوعہ نقوش،لاہور، اکتوبر1958ء صفحہ 237 - یہی مضمون ہفتہ وار " بے داغ " (دلّی) سالنامہ جنوری 1959ء میں بھی شائع ہوا۔

32- این ایم نمبر 23/215،1963

33- بحوالہ تخلیقی ادب(2) ،صفحہ 398-399

34- ایضاً، صفحہ 392

35- ایضاً، صفحہ 395

36- بحوالہ بلند اقبال بیگم سے راقم کی ملاقات،مورخہ 10 نومبر 1984ء

37- بحوالہ تخلیقی ادب(2) ،صفحہ 394

38- بحوالہ بلند اقبال سے راقم کی ملاقات،مورخہ 10 نومبر 1984ء

39- بحوالہ تخلیقی ادب(2) ،صفحہ 395

40- ایضاً ، صفحہ 395

41- بحوالہ سید مسعود الحسن تابش دہلوی کا مضمون " میرزا یگانہ حیدرآباد دکن میں "،مطبوعہ تخلیقی ادب(2) ،صفحہ 406

42- بحوالہ شمیم احمد سے راقم کی ملاقات، بتاریخ 4 نومبر 1984ء (یہ ملاقات کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں شمیم احمد کے کمرے میں ہوئی۔) شمیم احمد نے اپنا بیان تحریری صورت میں راقم کو عنایت کیا ان کا کہنا تھا کہ یگانہ کی اصلاح والے کاغذات بہت مدت تک بھائی صاحب(سلیم احمد) کے پاس محفوظ رہے پھر کہیں کاغذوں کے انبار میں ادھر ادھر ہو گئے۔

محترمہ سلطانہ مہر نے سخنور کے نام سے جو تذکرہ شعرائے پاکستان مرتب کیا ہے اس سے بھی سلیم احمد کے یگانہ سے اصلاح لینے کی تصدیق ہوتی ہے۔(ملاحظہ کیجئے "سخنور"، صفحہ 186، مطبوعہ ادارہ تحریر کراچی، 1979ء) تاہم سلطانہ مہر نے غزل کا مطلع کچھ

یوں درج کیا ھے

ـہ کیا جھوٹ کیا سچ اللّٰہ جانے جتنی زبانیں اتنے فسانے

راقم نے سلیم احمد کا اوّلین شعری مجموعہ " بیاض"، (مطبوعہ دھنک پبلشرز کراچی ، صفحہ 102) دیکھا تو اس میں مطلع اوّل اس طرح شائع ہوا ھے

ـہ کیا جھوٹ کیا سچ اللّٰہ جانے تیری نگہ کے لاکھوں فسانے

اور مطلع ثانی ھے

ـہ دیوانہ نہ مانے تو کس کی مانے جتنی زبانیں اتنے فسانے

43- بحوالہ سلیم احمد کا مضمون " مرزا یگانہ کی شاعری "،مطبوعہ تخلیقی ادب (2)، صفحہ 360 .

44- این ایم نمبر 1963،215/24

45- باقر حسنین رضوی سے راقم کی ملاقات،بتاریخ 9 نومبر 1984ء (یہ ملاقات ان کی رھائش گاہ واقع نارتھ ناظم آباد کراچی میں ھوئی)

46- اصل خط باقر حسنین رضوی کی ملکیت ھے۔

47- بحوالہ اردو مرثیہ پاکستان میں ، صفحہ 356 ،مطبوعہ سید اینڈ سید، 1982ء

48- بحوالہ راغب مرادآبادی سے راقم کی ملاقات،بتاریخ 9 نومبر 1984ء۔

باب چہارم

یگانہ کا فن (محرکات و عناصر ترکیبی)

معاشی تنگ دستی اور فن کارانہ تجسّس -- تخلیقی وسائل اور متوازن انداز فکر -- عدم قبولیت اور مزاجیت -- آرٹ، مذہب اور فکر -- شاعری کے منفی رجحانات اور اس کے محرکات -- حریفوں سے معرکہ آرائی -- جاگیردارانہ سماج کے اثرات -- احساس محرومی -- سماجی ہنگام اور یگانہ کے لہجے کی کھرج -- حقیقت حیات اور اصل کائنات کے بارے میں طنزیہ لب و لہجے کے اسباب -- انسان کی عظمت کا احساس اور اس کی اختیاری حدود کا تجربہ -- شاعری کے ڈرامائی عناصر -- پینترے بازی یا پہلوداری -- معین شخصیت کا اظہار -- بلند آہنگی -- انا کا اثبات اور اس کا تزلزل -- بکھراؤ کے باوجود ترتیب -- مخصوص انداز فکر -- تصور فن -- محاورے کے استعمال سے کن لگانے کا ہنر -- زندگی اور فطرت کے حقائق کا بیان -- ہمت مردانہ -- مزاحمتی روّیہ -- اردو شاعری کی مانوس آوازیں اور یگانہ کا جداگانہ انداز -- انتہا پسندی -- فن، جدوجہد کا استعارہ --

یگانہ کے فکر و فن کی تنظیم میں عرفی اور صائب کا حصہ -- آتش، میر، اور غالب کے اثرات -- شاد کی صحبت -- یگانہ کے فن اور سوچ کے مستقل محور، خدا کا وجود، مذہب کی افادیت، مذہب اور آرٹ، انسان کی مجبوری -- یگانہ کی بے دماغی اور مذہبی آزاد خیالی کا تجزیہ -- ذاتی زندگی میں محبت کے عملی تجربے کی کمی -- ترسنے کی کیفیت -- حسن صداقت اور حسن ضمیر کے نئے تصورات -- منقلب ہوتے ہوئے دور کے فرد کے مسائل -- " شاعری " تنقید حیات -- ہم آہنگ طرز خیال اور مکمل شخصیت -- حواشی --

یگانہ تک پہنچتے پہنچتے اردو شاعری میں شاعر کی داخلی دنیا کے ساتھ ساتھ خارجی کائنات کے تمام نقوش ابھر آئے تھے تاہم لکھنو میں جسے مرکز شاعری کی حیثیت حاصل تھی۔ شاعری کی روایت اس اعتبار سے انحطاط پذیر تھی کہ اس میں زبان کا چٹخارہ اور لس کی لذت تو تھی مگر کوئی پائیدار حسی تجربہ یا تاثر نہ تھا۔ لکھنو کی غزل مشاعرے کے سامعین کے " ذوق و شوق " کے مطابق تھی اور جذبات نگاری یا پھر محاکات نگاری بن کر رہ گئی تھی۔ اس روایت کے نمائندہ لکھنو کے ممتاز شعراء تھے۔ یگانہ نے لکھنو میں رہتے ہوئے جس روایت کو اپنایا یہ وہ روایت تھی جو زندہ رہنے والی تھی اور جو ولی سے شروع ہو کر میر و سودا، مصحفی و آتش اور مومن و غالب سے ہوتی ہوئی حسرت و یگانہ تک پہنچی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ شاعر کی داخلی کشمکش اور آویزش اس سے شعر کہلواتی ہے، جان پرلیس کے لفظوں میں " شاعری کی تخلیق کا راز انسانی فطرت کے گونا گوں تضادوں کا آئینہ ہے۔" (1) یگانہ کی شاعری میں ان کی ذات کی بوالعجبیوں اور تضادات کا عکس موجود ہے اور شاید دوسرے شعراء سے کچھ زیادہ ہی ہے تاہم انہوں نے زمانے کے تضادات اور متصادم فکری رجحانات کو بھی اپنے شعور میں جگہ دی اور اس تصادم کا تماشہ اپنی ذات میں کیا۔ مستقل معاشی تنگ دستی اور بے پناہ فن کارانہ تجسس کی بنا پر حالات کے ساتھ یگانہ کا نباہ نہ ہو سکا مگر اپنے فن کے زور پر تخلیق کی ہوئی دنیا میں ان کی شخصیت اپنی تلاش میں نکلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ان کے مقاصد حقیقی دنیا میں نہ سہی فن کی دنیا میں ضرور پورے ہوتے ہیں۔

سماج میں انسانوں کے مختلف طبقوں میں جو زبردست خلیج پائی جاتی ھے یگانہ کو اس کا ذاتی تجربہ تھا۔ وہ اس جدلیاتی کشمکش کو قبول کر لیتے ھیں مگر اطاعت قبول کرنے کا مادہ ان کی شخصیت میں سرے سے ناپید تھا یہی وجہ ھے کہ جب ان کا جمالیاتی اور وجدانی احساس زندگی کے جبر سے ٹکراتا ھے تو ان کی ذات نمایاں ھونے لگتی ھے یگانہ کی زندگی کے بعض غیر متوازن رویّے شخصیت کی اسی نمود کی وجہ سے تھے تاھم ان کی ذات اظہار کے لئے تخلیقی وسائل استعمال کرنے میں کامیاب ھو گئی تھی۔ ان کے فن میں متوازن انداز فکر موجود ھے سوائے ان کی شاعری کے اس حصے کے جو مخالفین کو چڑانے کے لئے تھا۔

یگانہ کے مثالی زور کلام کی ایک سے زیادہ توجیحات کی جا سکتی ھیں، ڈاکٹر عبادت بریلوی کے لفظوں میں " یگانہ نے اپنے مفکرانہ انداز کے سہارے ایک ایسی بلند آھنگی اور شدّت پیدا کی کہ اس کی حدیں رفعت اور ترفع سے جا ملیں۔ " (2) ان کے کلام میں تخیل کی فراوانی حقائق کی ترجمانی اور ذھن کی بلند پروازی نمایاں ھوتی چلی گئی مگر ان کی پذیرائی نہ کی گئی جس کے سبب وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے، نتیجہ بالآخر نراجیت کی شکل میں ظاھر ھوا اور وہ اپنے آپ کو ذھن مطلق سمجھنے لگے۔ ھیگل کا خیال ھے کہ " ذھن مطلق تین مراحل سے گزرتا ھے اور اپنے آپ کو بتدریج آرٹ، مذھب اور فلسفہ میں منکشف کرتا ھے وہ آرٹ میں وجدانی بن کر مذھب میں تخیلی بن کر اور فلسفے میں خالص منفی فکر کی صورت میں ظاھر ھوتا ھے۔ " (3) یگانہ بھی آرٹ میں وجدانی نقطۂ نظر کے حامل ھیں ان کا مجموعۂ کلام " آیات وجدانی "جو ان کا نمائندہ مجموعہ ھے اس امر پر شاھد ھے۔ مذھب کے معاملے میں ان کے آزاد تخیل نے انھیں خدائی سے ٹکرا دیا اگرچہ آخر آخر انھوں نے اشعار میں اپنی شکست کا اعتراف کیا تاھم ان کے لہجے کے تاؤ میں کسی موقعہ پر کمی نہیں آئی، دیکھئے

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رھا نہ گیا   خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا

پڑے ھو کون سے گوشے میں تنہا   یگانہ کیوں خدائی ھو چکی بس

یگانہ کی شاعرانہ فکر بہت حد تک منفی رجحانات رکھتی ہے۔ اسلم انصاری کے لفظوں میں ان کی شاعری میں " یہ گھن گرج یہ شعور ان کی ذھنی کیفیات کا ایک بہت اہم پہلو ہے یوں تو تنہائی کا احساس ہر فن کار کا مقدر ہے لیکن یگانہ کے یہاں یہ احساس کچھ زیادہ ھی شدید تھا چنانچہ یہ ھنگامہ اور شور اس احساس کو کم کرنے کی ایک کوشش ہے۔"(4) یگانہ کی یہی کوشش " ناموافق اور ناساعد " حالات میں خالص منفی فکر کی صورت میں ظاھر ہوئی جس نے اپنوں کو خفا اور بے گانوں کو ناخوش کئے رکھا۔

یگانہ کی تخلیقی شخصیت نے پہلی کروٹ اس وقت لی جب لکھنو کے سرکردہ شعراء اپنی روش خاص کو چھوڑ کر غالب کے انداز بیان کی تقلید میں مصروف تھے یگانہ نے لکھنو آنے کے بعد لکھنوی طرز فکر کو تو اپنانے کی کوشش کی جس کا ثبوت ان کا پہلا مجموعہ کلام " نشتر یاس" اور ان کا پہلا تخلص " یاس" ہے جس میں لکھنوی سکول کی مصنوعی الم پسندی اور اختیاری غم انگیزی کا پہلو نمایاں ہے لیکن اپنے دوسرے معاصرین صفی، عزیز، آرزو، ثاقب اور محشر کی طرح وہ اپنی طرز بدلنے پر آمادہ نہیں تھے جس کا نتیجہ یہ ھوا کہ پورے ماحول سے ان کی ٹھن گئی یہ کشاکش یہاں تک بڑھی کہ پورے زمانے کو انھوں نے اپنا حریف سمجھ لیا ان کی لڑائی چومکھ تھی ایک طرف ماحول کے ساتھ ٹکراؤ تھا تو دوسری طرف تاریخ کے ساتھ اور تاریخ بھی وہ جس میں انھیں غالب کا قطب مینار دکھائی دے رہا تھا۔ یاس سے وہ یگانہ ھو گئے۔ یگانہ ایک لحاظ سے غالب کا جوابی نام تھا گویا غالب کی " افراسیابیت" کا جواب " چنگیزیت" کی صورت میں ظاھر ھوا۔

سماجی طور پر یگانہ جاگیردارانہ سماج ھی کے پروردہ تھے جس کی بنیادیں اس وقت کے اقتضا سے کھوکھلی ھو چکی تھیں اور اب سوائے وضع داری اور جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری کے اس سماج کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔ زوال آمادہ معاشرے کی حالت دو طرح کی ھو سکتی ہے ایک تو وہ غنودگی اور آرام پسندی جس کا مظاھرہ لکھنوی سماج نے عمومی طور پر کیا،

دوسرا وہ احساس محرومی جو چڑچڑے پن یا تلخی اظہار کی صورت پکڑ لیتا ہے صفی اور عزیز وغیرہ کے یہاں پہلی کیفیت نمایاں ہوئی جب کہ یگانہ کے لہجے کی کھرج (HARD CONSONANT) اور ان کے یہاں آوازوں کا شور ایک سماجی ہنگام کو ظاہر کرتا ہے یہی چیز ان کے یہاں ڈرامائی عنصر کو پیدا کرتی ہے۔

ڈرامائیت بنیادی طور پر پیکار اور آویزش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ پیکار اور آویزش متضاد صورتوں (Paradoxical Situation) کے جنم لینے سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے کسی صوفی شاعر کے یہاں زندگی کی پیکار اور کشمکش سے جنم لینے والا ڈراما نہیں ملے گا کیونکہ تصوف تضادات کو رفع کرتا ہے یگانہ کے یہاں تصوف کے عناصر اسی لئے روایتی رنگ میں نہیں۔ ابتداً انہوں نے روایتی تصوف کے چند اشعار ضرور کہے لیکن آگے چل کر وہ حقیقت حیات اور اصل کائنات کے بارے میں طنزیہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں۔

ے شش جہت میں ہے ترے جلوۂ بے فیض کی دھوم
کان مجرم ہیں مگر آنکھ گنہگار نہیں

کچھ اور آگے چل کر ان کا نظریۂ حیات متشککانہ ہو جاتا ہے:

ے کس کی آواز کان میں آئی ؟ دور کی بات دھیان میں آئی
ے تماشا گاہ حیرت میں کہاں کا تو کہاں کا میں بس اتنا تھا کہ آئینے سے آئینہ مقابل تھا

پھر یہی متشککانہ رویّہ ان کی اس داخلی کشمکش کا باعث بنا جس سے وہ آخر تک پیچھا نہ چھڑا سکے:

ے امید و بیم نے مارا مجھے دوراہے پر کہاں کے دیر و حرم گھر کا راستہ نہ ملا

یگانہ کی نفسیاتی زندگی کا سراغ لگائیں تو دو بنیادی باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک تو انسان کی عظمت کا احساس اور دوسرے اس کی اختیاری حدود کا تجربہ ۔ یگانہ کو انسان کس تقدیر (Human Fate) کا ذاتی تجربہ تھا ان کی ایک پوری غزل میں اسی انسانی

تجربے کی گونج سنائی دیتی ہے۔ غزل کا مطلع ہے

؎ خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا

یگانہ کے یہاں نفسی کشاکش ان کی شاعری کو ڈرامائی رنگ عطا کرتی ہے۔ یگانہ کے فن میں لہجے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ انیس کی طرح ان کی شاعری بھی خاموش مطالعے کی شاعری نہیں ان کا ہر لفظ ایک مخصوص آواز اور رسائی رکھتا ہے۔

یگانہ نے غزل جیسی داخلی صنفِ سخن کو غیر عشقیہ شاعری کا ذریعہ اظہار بنایا انہوں نے انفرادی نفسی کیفیات اور حیات و کائنات کے مسائل کا اظہار تغزل کی دنیا سے باہر نکل کر کیا اور اپنے مخصوص کرو فر کے ساتھ اردو غزل کے حزنیہ آہنگ پر ضرب لگائی اور زندگی کو محرومیوں اور ناکامیوں کے باوجود عزیز رکھا یگانہ نے ایسے بے شمار الفاظ استعمال کئے جو تغزل کی روح کے سراسر منافی تھے۔ ان کی طرز ادا نے بانکپن اور کج کلہی کا خوب مظاہرہ کیا تاہم ان کے یہاں فنی پختگی اور شعری مہارت درجہ کمال پر ہے جس نے غیر متغزلانہ اظہار کے باوجود پرکار سادگی کا روپ دھار لیا ہے۔ جسے آل احمد سرور ان کی " پینترے بازی" (5) کہتے ہیں وہ دراصل ان کے فن کی پہلوداری ہے یگانہ کے بیشتر اشعار پرکارانہ تراش خراش کے غیرمعمولی مظہر ہیں، ملاحظہ کیجئے

؎ کوہکن اور کیا بنا لیتا بن کے بگڑے تو کیا کرے کوئی

؎ ہنوز زندگی تلخ کا مزہ نہ ملا کمال صبر ملا، صبر آزما نہ ملا

؎ کارگاہ دنیا کی نیستی بھی ہستی ہے اک طرف اجڑتی ہے ایک سمت بستی ہے

یگانہ کا وجود ان کی شاعری میں ایک بھرپور تجربے کے طور پر موجود ہے۔ ان کی زندگی کے جاں گسل تجربات اپنی کلیّت کے ساتھ ان کے اشعار میں دکھائی دیتے ہیں۔ یگانہ کی تخلیقی شخصیت بہت زیادہ پیچیدہ نہیں ہے اس میں بظاہر پتھر جیسی سختی ہے مگر بباطن یہ ذہنی و جذباتی سخت کوشی کی مظہر ایک متعین شخصیت ہے۔ یگانہ کے اپنے تعصبات اور اپنی ترجیحات

ھیں وہ خود پر انحصار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ھیں جس نے ان میں منفرد دکھائی دینے کے احساس کی افزائش کی اور جوں جوں عام زندگی میں ان کے تلف ہونے کے امکانات بڑھتے گئے وہں ووں ان کے اپنے آپ پر انحصار کرنے کے عمل میں اضافہ ہوتا گیا۔

یگانہ کی زندگی ایک عنوان ھے پیکار مسلسل کا، ایک ھنگام کا اور شخصی سطح پر جنم لینے والے تضادات کا۔ بعینہٖ ان کی فکر میں بھی ان کی جودت طبع ایقان ذات کی صورت ملتی۔ بلند آھنگی ان کے اشعار کی داخلی خصوصیت ھے ان کی بلند آھنگی کسی بھی جذباتی مغالطے کے امکان کو رد کرتی ھے اور ان کی فکر کو متعین کرتی ھے۔ یگانہ کے یہاں انا کے اثبات کی حیثیت سناٹے میں رفیق تنہائی کی ھے یگانہ کی شخصیت میں فطری طور پر ضبط، تناسب اور توازن کی کمی تھی اسی وجہ سے ان کی انا کا اثبات متزلزل (DISTORT) ہو گیا۔ زمانے نے انہیں اپنی سان پر ایسا چڑھایا کہ انہیں ضبط کی مہلت ھی نہیں ملی نتیجتہً ان کی آواز میں چیخ کا سا تاثر پیدا ہوا اور وہ اپنی ذات سے غیر جذباتی فاصلہ پیدا کرنے میں ناکام ہوئے۔ شاید اسی لئے ان کی شاعری عظمت کے کلس کو چھو کر رہ گئی تاھم جہاں جہاں جذباتی و ذھنی انتہاپسندی کے بجائے ضبط، ٹھہراؤ اور دھیما پن پیدا ہوا ھے وھاں وھاں یگانہ واقعی یگانہ ھیں۔

؎ اپنا گھر اپنی زمیں اپنا فلک بیگانہ	آشنا کوئی بجز سایۂ دیوار نہیں
؎ مری بہار و خزاں جس کے اختیار میں ھے	مزاج اس دل بے اختیار کا نہ ملا
؎ دلیل راہ دل شب چراغ ھے تنہا	بلند و پست میں گزری ھے جستجو کرتے
؎ صد رفیق و صد ھمدم پرشکستہ و دل تنگ	داورا نمی زیبد بال و پر بمن تنہا

یگانہ کے یہاں ایسے اشعار کی تعداد کسی بھی اعتبار سے کم نہیں لیکن ان کی تلخ نوائی کا چرچا اس قدر زیادہ ھے کہ ایک مخصوص وضع کے اشعار ان کے فن کی شناخت بن گئے ھیں۔ حالاں کہ شمیم حنفی کے لفظوں میں " وہ بیک وقت کئی سطحوں پر سوچنے، محسوس کرنے اور اپنے تجربوں

کو دریافت کرنے کا سلیقہ رکھتے تھے جو بات ان کی حسیت کو ایک مرکز پر سمیٹتی ہے وہ ان کا شخصی حوالہ ہے اس شخصی حوالے نے یگانہ کو انتشار سے اور ان کی شاعری کو حواس کی ابتری سے بچائے رکھا۔ بکھراؤ کے باوجود ترتیب کا تاثر محفوظ رہتا ہے۔" (6)

یگانہ کے لہجے کے حوالے سے شمیم حنفی کا یہ خیال بھی درست ہے کہ "یگانہ کے لہجے میں جو جارحیت ملتی ہے اسراں کی تندخوئی کے ساتھ ساتھ کہنہ سال شعری ضابطوں کی طرف سے بے اطمینانی اور ان کی جگہ ایک نئی بوطیقا کی تشکیل کے حوالے سے بھی دیکھنا چاھئیے .... یگانہ کی بوطیقا نفاست و نرمی کے بجائے کھردرے پن، درشتگی اور سخت کوشی کے واسطے سے غزل کی عام روایت کے بالمقابل ایک نئی روایت کا حرف آغاز بنتی ہے اس نقطے پر وہ اپنے معاصرین میں سب سے الگ دکھائی دیتے ہیں، زمانے کی طرح اپنے تخلیقی تجربے کی حشرگاہ میں بھی ایک دم اکیلے، معتوب روزگار، مگر اپنے آپ سے مطمئن اور اپنے انجام سے بے پروا۔" (7)

یگانہ نے اپنے تنگی حالات کے باوجود آرٹ کے جاں گسل مراحل کو استقلال اور پامردی کے ساتھ طے کیا انہوں نے شاعری کو شکست وفرار، گریز یا ذہنی عیاشی کا ذریعہ بنانے کے بجائے شاعری کی "غرق مے ناب" روایت سے اختلاف کرتے ہوئے اسے تقلید کی بیڑیوں سے آزاد کرانے کی کوشش کی یہی یگانہ کے فن کی وہ انفرادیت ہے جس کے بارے میں سجادباقررضوی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا "یگانہ کی جو بات مجھے اچھی لگی وہ کلاسیکی اصول نہیں تھا۔ یگانہ غزل کی کلاسیکی ھئیت میں ایک باغی کی شکل نظر آئے گا۔" (8)

یگانہ کی شاعری میں کوئی مربوط فلسفۂ زندگی موجود نہیں۔ ویسے بھی مربوط فلسفہ یا فکر شاعری کو بڑا نہیں بنا سکتے یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کی بڑی شاعری میں تصورات کا مربوط نظام نہیں ملتا مگر یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ دنیا کی بڑی شاعری میں فکر کا عنصر موجود ہے گویا فکر نہیں بلکہ کوئی منظم فلسفہ یا مربوط نظام تصورات شاعری کے حسن کو بگاڑتے

ھیں جب کہ شاعری میں فکری عناصر کی موجودگی اس کے محیط میں اضافہ کر سکتی ھے۔ یگانہ کی شاعری میں بھی کوئی باقاعدہ فلسفۂ حیات موجود نہیں تاھم وہ شعر کے بارے میں ایک مخصوص انداز فکر رکھتے ھیں۔

یگانہ نے تصور شعر کے معاملے میں جابجا حالی کی فکر سے استفادہ کیا ھے۔ انھوں نے " نشتر یاس" میں " ماھئیت شاعری " کے عنوان سے جو بحث کی ھے اس میں حالی کے خیالات سے مطالب اخذ کرنے کا اعتراف اس طرح کیا ھے " مولانا حالی نے اس بحث کو بہت شرح و بسط سے لکھا ھے مگر میں اپنے موضوع کے متعلق مفید مطلب اقتباس کر کے معیار تغزل پر اپنے خیالات ظاھر کرتا ھوں۔ " (صفحہ د)

ڈاکٹر وحید قریشی نے " مقدمۂ شعر و شاعری " مرتب کرتے ھوئے " متفرقات " کے عنوان سے جو بحث کی ھے اس میں یگانہ کی تصنیف " چراغ سخن " کو ان کتابوں میں شامل کیا ھے جو " مقدمۂ شعر و شاعری " کی پیروی میں لکھی گئیں۔ " (9)

یگانہ نے اپنے تصور فن کی وضاحت اس طرح کی ھے " شعر و سخن کو میں ایک مقدس فن سمجھتا ھوں اور اس فن میں مجھے جس قدر انہماک ھے وہ اسی نقطۂ نظر سے ھے۔ "(10)
" ماھئیت شاعری " کے مطالعے سے پتہ چلتا ھے کہ یگانہ شاعری کو حواس خمسہ کی قلمرو سے بھی آگے کی چیز جانتے ھیں اور اس کی خداداد تاثیر کے قائل ھیں۔ وہ بھی حالی کی طرح مقتضائے حال اور اصلیت کو تخیل کی بنیاد سمجھتے ھیں اور انھی کی طرح کمال شاعری کے لئے تین شرطیں عاید کرتے ھیں اوّل طبیعت کا لگاؤ ، دوم تخیل ، سوم قوت بیانیہ ۔ یگانہ ھمیشہ انھی نظریات پر قائم رھے چنانچہ ان کے نظریۂ فن کا اطلاق ان کی شاعری پر بآسانی کیا جا سکتا ھے۔

یگانہ نے " ماھئیت شاعری " میں بڑی تفصیل سے تخیل پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ھے اور قوت متخیلہ کے تصرفات پر روشنی ڈالی ھے، تاھم وہ قوت متخیلہ اور قوت ممیزہ میں

برابر کی شراکت کے قائل ھیں قوت ممیزہ کے بغیر قوت متخیلہ ان کے نزدیک ایک مطلق العنان گھوڑے کی مانند ھو گی ۔ یگانہ مادہ اور صورت کو شاعری کے اجزائے اصلی قرار دیتے ھیں یعنی کیا کہنا چاھئیے اور کیوں کر کہنا چاھئیے۔ وہ بھی شعر سے متعلق ملٹن کی اس رائے کو معتبر جانتے ھیں جس کا چناؤ حالی نے کیا تھا یعنی شعر سادہ ھو جوش سے بھرا ھوا ھو اور اصلیت پر مبنی ھو آخر میں یگانہ معیار تغزل کے حوالے سے روایتی غزل کے "محشرستان تخیل" کا خاکہ اڑاتے ھیں اور غزل میں فلسفیانہ موضوعات کے بارے میں لکھتے ھیں " فلسفیانہ خیالات اور قوانین قدرت کے مسائل کو (بغیر رنگ تغزل میں رنگے ھوئے) روکھے پھیکے الفاظ میں نظم کر دینا شاعری نہیں۔ " (صفحہ ن)

یگانہ شعر میں محاورے کے استعمال کا جواز ھی تلاش نہیں کرتے اس کی فضیلت کا بیان بھی کرتے ھیں انھی کے لفظوں میں " ایک ھی بات ھے کہ محض سیدھی سادی ترکیبوں سے ادا کر دی گئی اور مطلب سمجھ میں آ گیا مگر اسی بات کو کسی پاکیزہ محاورے ، کسی خاص بانکپن ، کسی نرالے انداز سے یوں بیان کر دیا اور کوئی ایسی آڑی کن لگا دی کہ دل بےچین ھو گئے اسی کن دینے کو شاعری کہتے ھیں۔" (صفحہ ن) یگانہ کی شاعری میں بھی محاورے کا استعمال " کن دینے " کے خیال سے ھے جسے ان کے معترضین محاورے کی شاعری کو محدود بتا کر اسے یگانہ کے فن کی کمزوری بتاتے رھے ھیں۔

" چراغ سخن " میں یگانہ نے " شعر و سخن " کے عنوان سے جن خیالات کا اظہار کیا ھے انھیں " ماھئیت شاعری " کی توسیع سمجھنا چاھئیے ۔ جس میں انھوں نے شعر کے بنیادی عناصر میں تخیل کے علاوہ محاکات اور موسیقیت کو بھی شمار کیا ھے اور انھیں شاعری میں اثر کا ضامن قرار دیا ھے۔

یگانہ شعر کے بارے میں ایک باقاعدہ تصور تو ضرور رکھتے ھیں مگر شعر میں کسی باقاعدہ نظام فکر کے قائل نہیں تاھم وہ زندگی کو متحرک چیز سمجھتے ھیں اور اس کی مسلسل نموکے

قائل ھیں وہ کہتے ھیں " میری حقیقت فلسفہ کی کوئی پیچیدہ گرہ نہیں سیدھی سادی زندگی ھے۔" (11) " دلِ شب چراغ" کی روشنی میں انہیں انسان حرکت کرتا ھوا دکھائی دیتا ھے اور وہ اس کے ذوقِ طلب اور شوقِ جستجو کی حکایت دھراتے ھیں، دیکھئیے

دلیلِ راہ دلِ شب چراغ ھے اپنا　　بلند و پست میں گزری ھے جستجو کرتے

رفتارِ زندگی میں سکوں آئے کیا مجال　　طوفاں ٹھہر بھی جائے تو دریا بہا کرے

خاک کا پتلا بگولا دشت کا ھوجائے گا　　مٹ کے بھی اک پیکرِ نشوونما ھوجائے گا

دل ھے پہلو میں کہ امید کی چنگاری ھے　　اب تک اتنی ھے حرارت کے جئے جاتے ھیں

یگانہ کی شاعری کسی باضابطہ فلسفۂ حیات کے بغیر اپنے اندر حیات انسانی اور اس کی تنقید و شرح کا موضوع سمیٹے ھوئے ھے۔ یگانہ "آیات وجدانی" (جدید) میں بھی روزمرہ زندگی کی اھمیت پر اصرار کرتے ھیں ان کے خیال میں "زندگی اور فطرت (LIFE AND NATURE) کے رنگا رنگ حقائق کو باھم ربط دینے سے فن میں عظمت پیدا ھوتی ھے۔" (صفحہ 85) یگانہ کے کلام میں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں انسان فطرت کے مقابل نبرد آزما دکھائی دیتا ھے۔ دیکھئیے

ناخدا کچھ زورِ طوفاں آزمائی بھی دکھا　　فکرِ ساحل چھوڑ لنگر ڈال دے منجدھار میں

باز آ ساحل پہ غوطے کھانے والے باز آ　　ڈوب مرنے کا مزہ دریائے بے ساحل میں ھے

یہی جذبہ ان کے فن کا محرک بھی ھے اس اعتبار سے وہ انسانی احساسات میں ربط تلاش کر لیتے ھیں ان کے لفظوں میں "یہی کام ھے آرٹ کا کہ تمام انسانوں کے احساسات میں ھم آھنگی پیدا کر کے وجدانی اعتبار سے انہیں متحد کر دے۔" (صفحہ 65)

آرٹ کے معاملے میں یگانہ کسی بھی قسم کا سمجھوتہ کرنے پر آمادہ نہیں تھے یہی وجہ تھی کہ اوّل اوّل لکھنو کے جدید اسلوب کے حامل مگر قدیم روشوں پر چلنے والے شعراء سے ان کی بگڑی پھر غزل کا احیاء کرنے والے شعراء سے ان کا مزاج نہ ملا ۔ ترقی پسند ادب انہیں محض

ڈھنڈورا معلوم ہوا اور اقبال کی شاعری انہیں محدود اور نیشنلزم میں جکڑی ہوئی نظر آئی۔ آخر آخر مذہب کے بارے میں ان کی آزاد خیالی (جو اس وقت ان کی بے دماغی کی پیداوار تھی) رنگ لائی معتوب تو پہلے سے تھے رسوا بھی ہو گئے۔ راھی معصوم رضا کا یہ خیال درست ہے کہ

" وہ اپنے عہد کے تضادات کے ہنگامہ میں چراغ کی لو کی طرح لڑکھڑاتے رہے لیکن موجود رہے اور نتیجے اخذ کرتے رہے۔" (12)

یگانہ درحقیقت ہوا سے لڑتے رہے انہوں نے اپنے آپ کو تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں بالکل اکیلا پایا مگر ہمت نہیں ہاری انہیں اپنے سوا کسی پر اعتماد نہیں تھا یہی چیز ان کے شدید احساس کمتری کی غماز ہے جسے چھپانے کے لئے انہوں نے کیا کیا جتن نہیں کئے۔ ان کا منفعل احساس کبھی غریب الوطنی ، کبھی تنہائی اور کبھی اپنی ہی آواز کی بازگشت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تاہم ان کی آواز کی للکار ،گونج اور دھمک سے ان کا مزاحمتی رویّہ ہر جگہ ظاہر ہوا ہے۔ جس نے ان کے یہاں ایک عجیب جوشِ حیات کو پیدا کیا ہے گویا یگانہ کے فن کی اوّلین خصوصیت جوش بیاں ، توانائی اور کس بل ہے۔ غزل کی یہ للکار یہ معرکہ آرائی آواز کا یہ گاڑھا پن شعرائے ماضی کی تمام مانوس آوازوں سے جدا ہے حتیٰ کہ سودا اور آتش سے بھی ۔

یگانہ کے فن میں آب ان کے جارحانہ، پرجوش اور ولولہ انگیز انداز سے آئی ہے اس کی ابتدا احتجاج سے ہوئی جس نے انہیں رفتہ رفتہ انتہا پسند بنا دیا اور وہ شارع عام سے ہٹ کر چلنے لگے۔ یہ صحیح ہے کہ " ہمت مردانہ " رکھنے کے باوجود ان کے حوصلے کی کمر ٹوٹتی رہی مگر انہوں نے اپنے فن میں زندگی کی جدلیت، مردانگی ، بانکپن ، نشاط ، طنز اور فکر جیسے عناصر کے امتزاج سے کن لگائی ہے۔ یگانہ نے ہر دم " سنبھلتے رہنے" کو وظیفۂ زیست بنا کر اپنے فن کو جدوجہد کا استعارہ بنایا وہ نہایت تکلیف دہ حالات میں بھی اپنے فن کی پرورش کرتے رہے۔ باقر مہدی کے لفظوں میں " یگانہ کا آرٹ وہ آئینہ ہے جس میں ایک بلند شخصیت

کے شاعر کی تنہا جدوجہد کی پوری داستان چھپی ہوئی ہے۔" (13)

یگانہ کے فکر و فن کی تنظیم میں بعض فارسی شعراء کا حصہ بھی رہا ہے خصوصاً عرفی اور صائب سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ یگانہ نے نایاب قلمی نسخوں کی مدد سے عرفی کے دیوان میں کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کر کے اسے "کار امروز" اور "صحیفہ" میں بالاقساط شائع بھی کیا تھا ان کے اشعار میں بھی عرفی کا علوئے تخیل دیکھا جا سکتا ہے۔ یگانہ کے "منم" کے نعرے میں خصوصاً عرفی کا رنگ جھلکتا ہے۔ مثال کے طور پر عرفی اور یگانہ کے درج ذیل اشعار دیکھئیے

ملال عالمیان دم بدم دگرگوں ست منم کہ مدتے عمرم بہ یک ملال گذشت (عرفی)

یہاں تو عمر گزری ہے اسی موج و تلاطم میں وہ کوئی اور ہوں گے سیر ساحل دیکھنے والے (یگانہ)

تاہم فارسی کے جس شاعر سے انہوں نے باقاعدہ اثر قبول کیا وہ مرزا صائب ہیں۔ صائب کی پرواز فکر کے یگانہ زبردست معتقد تھے۔ وہ بلندئ تخیل کے ساتھ زبان کی سلاست قائم رکھنے کو بھی صائب کا کمال شاعری جانتے تھے۔ یگانہ نے صائب کے حکیمانہ خیالات سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب بھی دی ہے۔ (14) انہوں نے صائب کے اس شعر کو اپنی زندگی کا فوٹو بتایا تھا

ایں قدر کز تو دلے چند بود شاد بس است زندگانی بمراد ہمہ کس نتواں کرد (15)

مجنوں گورکھپوری کے خیال میں " آتش کے علاوہ میر اور غالب نے بھی یگانہ کی شاعری کی تشکیل میں حصہ لیا ہے۔" (16)

یگانہ کے ایک نقاد انیس اشفاق یگانہ کی شاعری کے تیور کے حوالے سے لکھتے ہیں "یہ سرکشی اور بانکپن یگانہ سے قبل آپ کو میر، انشا اور آتش کے یہاں ملے گا۔" (17) ان دونوں باتوں سے جزوی اتفاق ممکن ہے لیکن یہ باتیں حتمی طور پر درست نہیں۔ میر، انشا، آتش اور غالب میں سے کسی کو بھی اس انداز کی سماجی جدلیت کا سامنا نہیں کرنا پڑا جس سے یگانہ دوچار ہوئے یہ صحیح ہے کہ یگانہ ہمیشہ آتش کے معترف رہے بلکہ ایک وقت میں وہ اپنے آپ کو

خاکپائے آتش بھی کہتے اور لکھتے رہے تاہم اس وقت بھی انہیں ہم زبانیٔ آتش کا دعویٰ تھا۔

؎ کلام یاس سے دنیا میں پھر اک آگ لگی یہ کون حضرت آتش کا ہم زباں نکلا

آتش کی شاعری کا مرکزی تصور راحت ہے۔ اس کی ضمنی تصویریں بھی اسی تصور کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔ آتش کے کلام میں مستی و سرخوشی کی بعض سطحی صورتیں ملتی ہیں جو بلاشبہ ایک متمول سوسائٹی کی دین ہیں۔آتش کے شعر میں اس کی ایک جھلک دیکھئے

هر روز روزِ عید ہے ہر شب شبِ برات سوتا ہوں ہاتھ گردن مینا میں ڈال کر

جب کہ یگانہ کو قدم قدم پر روزگار کا مسئلہ درپیش تھا ان کی پوری زندگی میں کوئی ایک دن کوئی ایک رات بھی ایسی نہیں گزری جب وہ پاؤں پھیلا کر اطمینان سے سوئے ہوں۔ وہ تو تمام عمر اپنے ہی خونِ دل کو شربت کا گھونٹ جان کر پیتے رہے۔

شربت کا گھونٹ جان کر پیتے ہیں خونِ دل غم کھاتے کھاتے منہ کا مزہ تک بگڑ گیا

سجاد باقر رضوی کا یہ تجزیہ درست ہے کہ " آتش کے سماج میں اقدار کا کچھ نہ کچھ تعین ضرور تھا اور تہذیبی ڈھانچے میں تھوڑی بہت استقامت تھی یگانہ اپنے شعر میں سارے سماجی ڈھانچے کی شکست کا اعلان کر رہے تھے۔" (18)

دوسری طرف یگانہ لاکھ میر پرست سہی مگر میر کی سی دروں بینی ان کا مطلوب ہنر نہیں۔نہ ہی ان کی شاعری میں وہ اسراریت ہے جو میر کے سخن کو تعینات کی حدود سے آگے لے جاتی ہے تاہم دونوں کے نظام اقدار میں مماثلت کے چند پہلو ضرور مل جاتے ہیں کہ دونوں ہنر دشمن معاشرے کا ہدف تھے اور اپنی شرائط پر زندگی کرنے کے تمنائی تھے دونوں کے یہاں ذاتی انا کے اثبات کی کاوش ملتی ہے مگر یہ یگانہ کی کم نصیبی تھی کہ ان کی ذات دھیرے دھیرے ابتری کے طوفان میں پھنستی جا رہی تھی۔ جس کے نتیجے میں ان کی زندگی مادی فشار کا شکار ہوئی اور جس سے ان کے یہاں منفی رد عمل پیدا ہوا اور وہ اپنی ذات سے غیر جذباتی فاصلہ قائم نہ کر سکے، اس لئے یگانہ اپنی شاعری کے غالب میلانات کی وجہ سے ایک مختلف وجود

رکھتے ھیں گویا شمیم حنفی کے لفظوں میں " یگانہ کے ساتھ اس راستے میں میر و آتش کی پرچھائیاں بس پل دو پل ساتھ چلتی ھیں۔ " (19)

اسی طرح غالب اور یگانہ میں بہت کچھ ذھنی اشتراک کے باوجود ان کی شاعری اور لب و لہجے پر غالب کا اثر اتنا ھی ھے کہ مشاعروں میں مصرع طرح کی پابندی کی وجہ سے انھوں نے بہت سی غزلیں غالب کی زمین میں کہیں تاھم غالب کی شاعری یگانہ کے آرٹ کی نشوو نما میں ایک محرک کی حیثیت ضرور رکھتی ھے۔ غالب کی طرح ان کی شاعری میں بھی معنی آفرینی کا پہلو موجود ھے۔ دونوں ھی نے اپنے اپنے عہد کا دامن حریفانہ کھینچا ھے مگر یگانہ کا تخیل غالب کی مانند پیچاک اور پرکار نہیں ۔ ھاں معنوی نزاکتیں اور اسلوب کی جدّتیں ان کے یہاں بھی ھیں۔

یگانہ شاد عظیم آبادی کے شاگرد بھی تھے اور ھم وطن بھی ۔ یگانہ کے زمانے تک تلمّذ کی روایت باقاعدگی سے چلی آ رھی تھی۔ بے استادے شاعر کو بے گن اور بے سُرا سمجھا جاتا تھا کسی معروف استاد شاعر سے اصلاح لینے کا مطلب یہ ھوتا تھا کہ نو آموز شاعر اصولِ زبان اور قواعدِ فن سے واقف ھے اور اس کے ذوقِ سخن کی تربیت میں استاد کا رنگِ سخن بھی شامل ھے۔کسی شاعر کو اپنی غزلوں پر اصلاح لینے کے لئے استاد بنانا بھی بہت حد تک افتاد طبع کے اشتراک کو ظاھر کرتا ھے۔ اگرچہ یگانہ کو شاد کی صحبت میں بیٹھنے کا بہت ھی کم موقعہ ملا تھا مگر وہ ان کے کلام کے تیوروں سے بخوبی آشنا تھے۔ سارے ھندوستان میں ان کی شاعری کی دھوم تھی۔ شاد کے کلام کا ایک بڑا حصہ اپنے طنطنے اور گرمیٔ اظہار سے پہچانا جاتا ھے۔ اردو کے طاقت ور لہجے کے شاعروں میں شاد کا نام بھی لیا جاتا ھے۔ یگانہ نے بھی یقیناً شاد کے کلام کی گرمی اور توانائی سے استفادہ کیا ھے شاد کا یہ شعر تو یگانہ کی خود پرستی کی فلاسفی کے لئے عمل انگیز (CATALYST) معلوم ھوتا ھے۔

۔ کوئی اے شاد پوچھے یا نہ پوچھے اس سے کیا مطلب   خود اپنی قدر کرنی چاھئیے صاحب کمالوں کو

یگانہ نے " صاحب کمالوں " کی صحبت اور ان کے عالی خیالات سے فیض اٹھایا تھا جس نے ان کے فن کے لئے محرک کا کام کیا مگر ان کے فن کا بڑا محرک شخصیت اور ماحول کا ٹکراؤ تھا جس کے نتیجے میں وہ احتجاجی اور انتقامی روش پر چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ زمانے کے بلند و پست کو اپنی ٹھوکروں سے ہموار کرنا چاہتے ہیں اور فاسد ذہنیت کا علاج نرمی اور ملائمت کے بجائے " زہر خند مردانہ " تجویز کرتے ہیں۔ مزاج اور ماحول کے تصادم میں شدید زخمی ہونے کے باوجود وہ زخموں کی شکور کرنے نہیں بیٹھ گئے بلکہ اپنے فن میں وہ اس " دنیائے دوں " سے اپنی ذات سے اور اپنے ماحول سے اوپر اٹھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ذات انسانی کے پیچیدہ حقائق و معارف اور فطرت انسانی کی تہہ نشیں جہتوں کی نشان دہی کرتے جاتے ہیں۔

یگانہ کے فن کے بعض پہلو ایسے ہیں جو ان کی سوچ کا مستقل محور رہے ہیں۔ خدا کا وجود ، مذہب کی افادیت ، مذہب اور آرٹ اور انسان کی مجبوری جیسے موضوعات یگانہ کے فن کا بنیادی حصہ ہیں۔ یہ موضوعات انسانی زندگی میں سوالیہ نشان کی طرح ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ مفکروں ، دانشوروں ، ادیبوں اور شاعروں نے ان کی اسراریت پر بہت کچھ لکھا ہے مگر خدا ، مذہب اور انسان کے درمیان ایک کشمکش ہے کہ چلی آتی ہے۔ اسی کشمکش کو نظیر صدیقی نے یگانہ کے یہاں ذہین اور حساس آدمی کی زندگی میں وراثتی عقیدے اور ذاتی عقیدے کی کشمکش قرار دیا ہے۔(21) یگانہ کا ذہن انہیں تشکیک اور پھر اس کی اگلی منزل الحاد کی طرف لے گیا۔ یگانہ نے خدا اور بندے کے معاملے کو جس سنجیدگی سے موضوع بنایا ہے وہ مذہب پر ان کے تصورات کو سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔ آیات وجدانی (جدید) میں ایک مقام پر یگانہ کا بڑا دلچسپ جملہ ملتا ہے " خدا کو یا مرزا غالب کو جاننے کی طرح کون جانتا ہے مگر مانتے سب ہیں یہ بھی فیشن ہے اور وہ بھی فیشن۔ " (صفحہ 48) گویا یگانہ خدا کو جانے بغیر ماننے کی روایت کے خلاف ہیں اور جاننا ان کے نزدیک جادۂ شیخ و برہمن سے بے نیاز ہو کر جاننا ہے۔

۔ہ نگاہ بے نیازی نے دکھایا راستہ سیدھا بھٹکتا کوئی کب تک جادۂ شیخ و برہمن پر

یگانہ کے خیال میں " بندگان ضرورت " نے اپنی اپنی کسوٹی کے مطابق اپنا اپنا خدا بنا رکھا ہے۔

ے نکل ہی جاتا ہے مطلب تری قسم کھا کر تو بندگان ضرورت کا آفریدہ سہی

ے کیسے کیسے خدا بنا ڈالے کھیل بندے کا ہے خدا کیا ہے

مذہب کے بارے میں بظاہر یگانہ کے متضاد بیانات ملتے ہیں مگر حقیقت میں جب وہ مذہب کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں تو ان کا مدعا خبط مذہب پر وار کرنا ہوتا ہے۔ آیات وجدانی (جدید) میں یگانہ نے مذہب کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کو ترتیب سے پڑھنے سے یگانہ کے مطالب سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون آرٹ اور مذہب (مملوکہ بلند اقبال) میں بھی انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

یگانہ آرٹ کو بنی نو انسان میں مواصت کا ذریعہ جانتے ہیں ان کے لفظوں میں " آرٹ کوئی سا ہو (موسیقی ہو یا شاعری) تمام انسانوں میں ایک خاص ہم آہنگی پیدا کر دیتا ہے۔ " جب کہ ان کے خیال میں مذہب پرستی ذہنی اورجسمانی غلامی میں مبتلا کرتی ہے۔ یگانہ کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات موجود ہے کہ جو کچھ مذہب کے نام پر ہو رہا ہے یہ خدائی مذہب کی تعلیم نہیں۔ اسی مضمون میں وہ استفسار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ " خدا جانے یہ کوئی خدائی مذہب ہے یا خبط مذہب" اور اپنا ایک شعر بھی حوالے کے طور پر درج کرتے ہیں۔

ے سب ترے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا سر پھرا دے انساں کا ایسا خبط مذہب کیا

یگانہ کی طرح اقبال نے بھی اپنی نظموں میں ملائیت، خانقاہیت، برھمنیت اور پاپائیت پر جابجا کاری وار کئے ہیں تاہم یگانہ کا روّیہ اقبال کی نسبت قدرے منفی دکھائی دیتی ہے خصوصاً طریقہ عبادات پر ان کے نظریات میں شدّت پائی جاتی ہے۔ یگانہ اس کا جواز یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں

ے کہیں رسمی عبادت روح کو بیدار کرتی ہے نماز بے عمل سے حق مذہب رائیگاں کیں ہو

اپنے ایک مضمون " کلام آتش برنگ صائب " میں بھی انہوں نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے

لکھتے ھیں " اکثر منافقین جنھوں نے بمصلحت دنیاوی دین اسلام قبول کر لیا تھا رسول اللّٰہ صلعم کے پیچھے نماز کو کھڑے ھوتے تو آستینوں میں بت چھپا رکھتے تھے بھلا اس ریاکاری سے کیا حاصل۔ " (22)

مذھب کو معاشرتی زندگی میں ھمیشہ بہت اھمیت حاصل رھی ھے۔ یگانہ مذھب کے معاملے میں آزاد خیال واقع ھوئے تھے اور جب انھیں اپنے خارجی ماحول میں ذھنی اور جسمانی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا تو ان کا توازن بگڑ گیا۔ ان کی خود سری آزاد خیالی سے مل کر بالآخر رنگ لائی ۔ جس کے امکانات ھمیشہ سے موجود تھے۔یگانہ کی ایک رباعی ان کے مزاج کو سمجھنے میں مدد دیتی ھے

ہ تقلید کا بندہ نہیں خودسر ھوں میں والّلہ اک آزاد سخن ور ھوں میں

وہ موج نہیں جسے ساحل روکے دھارا ھوں آج کل سمندر ھوں میں

تاھم راقم کے خیال میں یگانہ کی آخری عمر کی بے دماغی اور اول فول بکنے کو ان کے کلام میں موجود مذھبی آزاد خیالی سے مربوط نہیں کرنا چاھئیے۔

یگانہ کو محبت کا عملی تجربہ نہیں ھوا تھا جس کی کمی نے ان کے اظہار میں خاصی بے رنگی پیدا کی ۔ ان کے یہاں گداز، گھلاوٹ اور تیرنیم کش کی خلش میں کمی بھی اسی وجہ سے ھے اگر یگانہ کی زندگی میں سپردگی کی لذت ھوتی تو ممکن ھے ان کی شخصیت اورشاعری کا مزاج یکسر مختلف ھوتا۔ یگانہ کے عشقیہ اشعار تک میں عشق کا سوز نہاں اور جذبات کی گرمی مفقود ھے۔ حسن یا عشق ان کے نزدیک پسندیدہ ضرور ھے مگر وہ تماشائے حسن کے لئے اپنے ذوق اور شوق کو ناکافی سمجھتے ھیں (23) فراق گورکھپوری نے مصحفی کے یہاں ترسنے کی جس کیفیت کا اندازہ لگایا تھا اس سے ملتی جلتی کیفیت یگانہ کے یہاں بھی ملتی ھے مگر ان کے تجربے کی نوعیت قدرے مختلف ھے۔ یگانہ کا شعر ھے۔

ہ بقدر ذوق تماشائے حسن ناممکن ترسنے میں بھی ھے اک کیفیت ترستا جا

یگانہ کے یہاں حسن کا والہانہ احترام نہ سہی ، جذبات کی شدّت نہ سہی ، عشق کا گہرا تجربہ

نہ سہی، رو بہ انحطاط تہذیب کے شاعر ہونے کے باوجود وہ حسن، صداقت اور حسن ضمیر کے نئے تصورات تخلیق کرتے ہیں۔ وہ اپنے تجربوں کو کام میں لا کر زندگی کی حقیقت اور ماہئیت دریافت کرتے ہیں ایسے میں حسن ان کے نزدیک طبیعت ہری رکھنے کا وسیلہ تو ہو سکتا ہے۔

ے کوئی چشم شوق کے سامنے ہو تو سوجھتی ہے نئی نئی

تیرے دم قدم کی بہار تھی کہ طبیعت اپنی ہری رہی

اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مجتبیٰ حسین کے لفظوں میں " حسن کو انہوں نے عاشق کی نہیں ناقد کی نظر سے دیکھا ہے یہی وجہ ہے کہ حسن ان کے یہاں پرستش نہیں غور کرنے کی چیز بن گیا ہے۔" (24)

یگانہ کے کلام سے ہمیں ایک ایسے موڑ کا پتہ چلتا ہے جہاں سے اردو شاعری حسن و عشق کے معاملات کو پار کر کے زندگی کے راستے کی طرف قدم بڑھاتی ہے۔ یگانہ منقلب ہوتے ہوئے دور کے فرد ہیں۔ اس دور میں پرانی قدریں، پرانی تہذیب اور پرانے طور طریقے نئی قدروں، نئی تہذیب اور نئے زمانے کے طور طریقوں کے لئے جگہ خالی کر رہے تھے۔ یگانہ اسی تیزی سے گزرتے ہوئے وقت کی پہچان ہیں۔ انہوں نے غزل کے اضلاع میں رہتے ہوئے روایتی عاشقانہ مضامین کے بغیر حیات و کائنات کے مسائل کو موضوع بنا کر " تنقید حیات " کا فریضہ سر انجام دیا۔ اور اس کے باوجود کہ ان کی انفرادی انا (DRIVE EGO) اجتماعی انا(CULTURE EGO)(25) میں نہ ڈھل سکی اور وہ نفی خودی کا کرب سہنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ ان کے کلام میں ایم ڈی تاثیر کے لفظوں میں " ایک ہم آہنگ طرز خیال پایا جاتا ہے۔ جو ایک مکمل شخصیت کا آئینہ دار ہے۔" (26) یگانہ منہدم ہوتی ہوئی مغلیہ تہذیب کے شاید آخری فرد تھے مگر انہوں نے اس انہدام کے خلاف زبردست مدافعت کی تاہم وہ وقت کے دھارے کو گزرنے سے نہ روک سکے، جس کا اعتراف انہوں نے اس طرح کیا

ے کون ٹھہرے سمے کے دھارے پر کوہ کیا اور کیا خس و خاشاک

ممتاز حسین کا یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ " ان کی جنگ اس ماحول کے خلاف تھی جو کردار کی تخلیق سے بانجھ ہو چکا تھا اور جس میں ہنر، فن، شعر و ادب کی کوئی قدر نہ تھی۔ یگانہ کی شاعری ہمت اور جرأت فکر کی شاعری ہے ان کا اثاثۂ فکر زیادہ نہ سہی لیکن یہ کیا کم ہے کہ وہ اپنے وجود کی تہہ تک پہنچے اور چند ایک ایسے سوالات اٹھائے جو آج چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔" (27)

حـــواشـــی
=0=0=0=0=

1- بحوالہ مغربی شعریات از ھادی حسین، صفحہ 110، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاھور، مارچ 1968ء
2- بحوالہ غزل اور مطالعہ غزل، صفحہ 594، مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی 1955ء
3- بحوالہ روایات فلسفہ، صفحہ 71
4- بحوالہ مضمون " یـگانہ کے فن کی یگانگت "، مطبوعہ ھفت روزہ " تقاضے " ملتان، 12 جولائی 1964ء
5- بحوالہ نئے اور پرانے چراغ، صفحہ 217، مطبوعہ ادارہ فروغ اردو لکھنو، طبع سوم
6- بحوالہ مضمون " میرزا یـگانہ "، مطبوعہ دوماھی " اکادمی " لکھنو، جنوری فروری 1985ء، صفحہ 13
7- ایـضـاً ، صفحہ 17۔
8- بحوالہ سجاد باقر رضوی سے مکالمہ ، مطبوعہ روزنامہ جنگ لاھور، بروز بدھ 15 فروری 1984ء
9- بحوالہ صفحہ 51، مطبوعہ مکتبہ جدید لاھور، 1953ء
10- بحوالہ " کار امـروز " لکھنو، فروری مارچ 1921ء
11- بحوالہ مکتوب یـگانہ، مطبوعہ کاروان، کراچی، جولائی 1959ء، صفحہ 8
12- بحوالہ یاس یـگانہ چنگیزی، صفحہ 155
13- بحوالہ مضمون " یـگانہ آرٹ "، مطبوعہ آج کل، دھلی، مئی 1956ء، صفحہ 13
14- ملاحظہ کیجئے یـگانہ کا مضمون " ملا صائب اصفہانی "، مطبوعہ " مخزن " لاھور، دسمبر 1917ء صفحہ 26 ۔ یـگانہ نے اپنے مضمون میں صائب اور اپنے ہم مـعنی اشعار بھی دئیے ھیں۔ صائب کے کلام کی طرف غالب بھی لپکے ھیں غالب کا یہ شعر تو صائب کے شعر کا ھوبہو ترجمہ ھے

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد ڈرتا ھوں آئینے سے کہ مردم گـزیدہ ھوں (غالب)
چوں سگ گزیدہ کہ نیارد بآب دیـد آئینہ میگزد من آدم گـزیدہ راہ (صائب)

15- یـگانہ کی یہ غیرمطبوعہ تحریر کلیات صائب کی جلد کے اوراق پر دیکھی جا سکتی ھے۔
16- بحوالہ غـزل سرا، صفحہ 295

17- بحوالہ مضمون " یگانہ اور جدید ذھن "مطبوعہ دو ماھی " اکادمی " لکھنو ، جنوری فروری 1985ء، صفحہ 51

18- بحوالہ تہذیب و تخلیق ، صفحہ 190-191 ، مطبوعہ مکتبہ ادب جدید لاھور، اپریل 1966ء

19- بحوالہ " اکادمی " لکھنو، صفحہ 17

20- جہاں تک ھو بسر کر زندگی عالی خیالوں میں بنا دیتا ھے کامل بیٹھنا صاحب کمالوں میں (یگانہ)

21- بحوالہ تاثرات و تعصبات، صفحہ 27

22- مطبوعہ " نظارہ " میرٹھ، ستمبر اکتوبر 1916ء، صفحہ 383

23- فراق گورکھپوری کے تنقیدی مضامین کے مجموعے کا نام " اندازے " (مطبوعہ ادارہ فروغ اردو لاھور) ھے اس مجموعے میں مصحفی پر مضمون شامل ھے یہ مضمون سب سے پہلے " نگار " کے مصحفی نمبر (مارچ 1962ء) میں شائع ھوا تھا۔

24- بحوالہ نیم رخ ، صفحہ 38

25- حسن عسکری نے انفرادی انا کے لئے DRIVE EGO اور اجتماعی انا کے لئے CULTURE EGO کی اصطلاحیں استعمال کی ھیں۔

(بحوالہ ستارہ یا بادبان ، صفحہ 237 ، مطبوعہ مکتبہ سات رنگ ، کراچی 1963ء)

26- بحوالہ مقالات تاثیر، صفحہ 431 ، مجلس ترقی ادب لاھور، جون 1978ء

27- بحوالہ مضمون " یگانہ فن "، تخلیقی ادب (2) ، صفحہ 359

باب پنجم

یگانہ ایک غزل گو

اردو غزل کی روایت اور اس کا مزاج -- اردو غزل کا جذباتی سکول -- یگانہ کی غزل پر لکھنو کے اثرات -- "نشتر یاس" کے حوالے سے یگانہ کی غزل گوئی کا تجزیہ -- "یاس" ، لکھنو کی اختیاری غم انگیزی کا غماز -- غزل کے ذہنی و جذباتی منظرنامے میں تبدیلی -- یگانہ کے ذہنی تضادات -- داخلی شخصیت، خارجی ماحول اور یگانہ کی غزل -- حسن و عشق کے بارے میں رویہ -- کلاسیکیت اور رومانویت، دو بڑے ذہنی اور جذباتی رویے -- آفاقی اپیل -- مربوط سلسلۂ خیال -- مطلعوں میں تخلص کا استعمال -- ربط وجدانی اور استفہامیہ انداز -- علم کی حقیقت سے انکار -- درد مشترک -- غزل کا رجائی آہنگ -- غزل میں عالی ہمتی اور کشاکش حیات کا اظہار -- محاورے کا استعمال -- "غزل" ، ایک ذریعۂ اظہار -- حسن و عشق کی مرکزیت سے انکار -- طنزیہ اظہار -- ایمائی اور رمزیہ بیان -- ناپائیداریٔ حیات کا مضمون -- تغزل -- موضوعات -- ڈرامائی عناصر -- فکر اور وجدان کا رچاؤ -- احساس تنہائی اور زعم یکتائی -- ایذا طلبی -- تخیلی آزادی -- خبط مذہب کے خلاف رویہ -- یگانہ کے یہاں خدا پرستی اور ارادہ پرستی کا مفہوم -- یگانہ کے مقطعے -- حواشی --

اردو شاعری میں بحیثیت مجموعی فریاد کی لے بڑی دردناک ھے، یہ لے بلبل کے نالہ نخچیر سے مشابہ ھے جو بے کسی ، ناتوانی اور تنہائی کی علامت ھوتا ھے اس کا سبب یہ رہا کہ خود زندگی کسی متعین اجتماعی شعور سے عاری تھی ۔ جس کی وجہ سے انفرادی واردات شعر کا تجربہ بنی ۔ یہ تجربہ بھی فعال یا اثباتی نہیں تھا بلکہ اس میں محرومیوں کا احساس عام تھا اور یہ شخصیت کو ذات کی گہری باؤلی میں جھنکاتا تھا جس کے طاقوں میں کوئی دیا روشن نہیں تھا نتیجتہً مشرب شعر و ادب میں داخلیت ضروری شے قرار پائی ۔

غزل کو پوری اردو شاعری کے قائم مقام ھونے کا شرف حاصل رہا ھے۔ اردو غزل میں قوت، زور اور کس بل کی کمی کا احساس سب سے زیادہ کھٹکتا ھے جس کی وجہ سے اکثر ناقابل برداشت پلپلی جذباتیت جنم لیتی ھے۔ بعض موقعوں پر تو ایسی مرطوب خنکی اور سادگی دکھائی دیتی کہ بدن کو پگھلا دینے والی نرم آنچ کا احساس اور غزل کی مخصوص معصومانہ پرکاری کا شائبہ تک نہیں ھوتا۔ یہ واقعہ ھے کہ اردو غزل کا ایک بڑا حصہ مصنوعی اور کھوکھلی جذباتیت کا آئینہ دار ھے اور اس میں بھی بعض مقامات پر محبوب کا تصور غیرفطری ھونے کے علاوہ مخرب اخلاق ھے۔ اردو غزل میں امرد پرستی کا رجحان اس کی واضح مثال ھے۔

غزل کی وہ روایت جو زندہ اور تخلیقی روایت تھی اور جس کی وجہ سے غزل مدتوں شاعری کے برابر رہی بدقسمتی سے ہمیشہ برقرار نہ رہی بلکہ اس کے متوازی غزل کی ایک دوسری روایت دکھائی دیتی ھے یہ روایت معاملہ بندی کے نام پر وہ کھل کھیلی کہ حیا کی آنکھیں بند اور

بے حیائی کی آنکھیں کھل گئیں عیش و عشرت اور فراغت نے مردانہ جذبات اور احساسات پر بھی نسائیت طاری کر دی جس کا اثر ریختی کی صورت میں ظاہر ھوا، جنسی معاملات کی تشہیر کے لئے شعر کو استعمال کیا جانے لگا اگر اس کے ساتھ ھجو گوئی اور ھزل گوئی کو بھی شامل کرلیں تو بیمار غزل کے لاغر بدن کا ڈھانچہ مکمل ھو جاتا ھے یہ غزل ایک مٹتی ھوئی تہذیب کی حاشیہ بردار تھی جو بظاھر تو طرب و نشاط کا جامہ پہنے ھوئے تھی مگر بے روح، بے جھد اور غرق ناب تھی حالی نے اس بے روح غزل کی طرف متوجہ کر کے اس کے قریب المرگ ھونے کا احساس نہ دلایا ھوتا تو خدا معلوم اس کنگھی چوٹی، چولی اور محرم کی محرم راز اور نزع، ماتم، مرگ، جنازہ، گور غریباں، رونے دھونے اور رقت والی مضحکہ خیز (DOGGERAL) غزل[1] کا کیا انجام ھوتا جسے لکھنو میں بڑا اعتبار حاصل رھا۔

یگانہ بیسویں صدی کے اوائل میں لکھنو آئے اس وقت اگرچہ اردو شاعری کے کئی مراکز وجود میں آ گئے تھے مگر اب بھی لکھنو کا نام اور بھرم باقی تھا لکھنو میں مشاعرے بہتات میں ھوتے تھے۔ اور وھاں اردو غزل کا جذباتی سکول وجود میں آ چکا تھا۔ اس سکول کے نمائندہ شعراء کے کلام سے چند اشعار دیکھئے

ے شمعیں افسردہ جہاں، پھول ھیں پژمردہ جہاں

دل کو اس گور غریباں میں پکارا ھوتا (عزیز لکھنوی)

ے پڑے رھتے ھیں یونہی منہ کو لپیٹے

وہ اٹھ اٹھ کے پہروں ٹہلنا کہاں اب (آرزو لکھنوی)

ے یہ عالم ھے کہ منہ پھیرے ھوئے عالم نکلتا ھے

شب فرقت کا غم جھیلے ھوؤں کا دم نکلتا ھے(صفی لکھنوی)

ے فقط اک گور ھے آگے خدا کا نام ھے محشر

کسی سے حال ارباب عدم دیکھا نہیں جاتا (محشر لکھنوی)

۔۸ مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقت دفن

زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے (ثاقب لکھنوی)

ان تمام شعراء کے کلام کی ورق گردانی سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ نزع، دم نکلنا ، ماتم، مرگ، جنازہ، گور، منہ لپیٹے پڑے رہنا ، پہروں ٹہلنا ، تیورا کے گرنا ، زخم کھانا اور تڑپنا ، رونا دھونا ، کلیجہ منہ کو آنا اور غم زدہ رہنا شعرائے لکھنو کے کلام کا لازمہ تھے۔ فراق نے درست لکھا ہے کہ " یہ ایک انحطاطی دور کی شاعری تھی۔ " اور یہ جملہ بھی فراق ہی کا ہے کہ " لکھنو میں رہ کر لکھنو کے جذباتی سکول پر جس شخص نے دھاوا بول دیا وہ یگانہ چنگیزی تھے۔"(3)

لکھنو آنے کے بعد یگانہ باقاعدگی سے مشاعروں میں شریک ہونے لگے یگانہ کا لب و لہجہ کلاسیکی عناصر رکھتا تھا مگر ان کے شعر کی اٹھان میں ان کی شخصیت کا تیکھاپن موجود تھا۔ لکھنو میں قدما کے رنگ کلام کی پیروی کا چلن جاری تھا ابتدا میں یگانہ بھی اس چلن کو اختیار کئے رہے لکھنو میں یگانہ نے پیارے صاحب رشید سے تلمذ حاصل کیا جو لکھنو کے اساتذۂ قدیم کی نشانیوں میں سے تھے۔ اسی تلمذ کی بدولت لکھنو میں یگانہ کے تعلقات اس زمانے کے مقتدر مرثیہ گو شعراء سے ہو گئے۔ چنانچہ جب 1914ء میں یگانہ کا پہلا مجموعہ کلام " نشتر یاس" شائع ہوا تو اعتراف سخن کے طور پر ان مرثیہ گو حضرات کی آرا بھی شائع ہوئیں " نشتر یاس" کے تمام تقریظ نگاروں نے اپنی آرا میں یگانہ کا وصف خاص" پیروی آتش" کو قرار دیا۔ خود یگانہ نے بھی کتاب کے سرورق پر اپنے آپ کو " خاک پائے آتش" لکھا اور آتش کو اپنا روحانی استاد قرار دیا۔ " نشتر یاس" کے اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ یگانہ آتش کی تراکیب سے خصوصی رغبت رکھتے تھے تاہم آتش کے کلام کی پرچھائیں بہت کم مدت کے لئے ان کے کلام پر باقی رہی۔ " نشتر یاس" کی غزلوں میں یگانہ صائب کے تمثیلی انداز کی طرف بھی لپکے ہیں۔(4) علاوہ ازیں ان کے اشعار میں میر، مصحفی ، غالب، مومن، ذوق، حالی ، شاد ، امیر و داغ کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔" نشتر یاس" کے دیباچے " ماھئیت شاعری " میں وہ خود بھی

اپنے کلام کی سب سے بڑی خوبی قدما کا تتبع اور ان کے رنگ کی پیروی بتاتے ھیں۔(صفحہ ع)

تاھم یگانہ کا یہ رنگ تغزل " نشتر یاس" تک برقرار رھا۔ " آیات وجدانی " طبع اوّل (1927ء) میں انھوں نے " نشتر یاس" کا ایک کڑا انتخاب شامل کیا اور تمام وہ اشعار جو قدیم اور روایتی طرز کے تھے یکسر رد کر دئیے۔

" نشتر یاس" کی غزلوں کے مطالعہ سے یگانہ کی غزل گوئی کے چند اھم نکات سامنے آتے ھیں۔

(1) یگانہ مزاجاً آتش کے زیادہ قریب تھے (2) یگانہ کے ابتدائی کلام پر اساتذہ کے اثرات نمایاں تھے (3) یگانہ قدیم اور روایتی انداز میں غزل کہہ رھے تھے اور تغزل کی روایتی علامات کو استعمال کر رھے تھے (4) ان غزلوں میں فرضی اور مصنوعی واردات کا بیان کیا گیا تھا۔ (5) وہ اپنے آپ کو اھل زبان منوانا چاھتے تھے (6) شاعری ان کے نزدیک اظہار بیان میں ایک آڑی کن لگانے کا نام تھا (7) " دل " ان کی غزل کا مرکزی استعارہ تھا جسے وہ دیر و حرم پر بھی ترجیح دیتے تھے اور اس آئینے میں بہشت کا جلوہ دیکھتے تھے (8) خارجی مضامین، واردات حسن و عشق اور لفظی تناسبات کا استعمال جو شعرائے لکھنو کو بہت مرغوب تھا یگانہ کے یہاں بھی دکھائی دیتا تھا (9) مشکل زمینوں میں طویل غزلیں لکھنے کی طرف مائل تھے (10) محاوروں اور روزمرہ کا استعمال نہایت خوبی کے ساتھ کرتے تھے (11) یگانہ کی تراکیب سے ظاھر ھوتا تھا کہ اردو شاعری کے کلاسیکی اسلوب کو انھوں نے قبول کر رکھا تھا تاھم نئی تراکیب بنانے کا شوق بھی تھا (12) لکھنوی غزل کی رعایت لفظی اور ایہام گوئی کے اثرات بھی دکھائی دیتے تھے، مثال کے طور پر یہ شعر

ع تھکے ماندے سفر کے سو رھے ھیں پاؤں پھیلائے

یہ سب مر مر کے پہنچے ھیں بڑی مشکل سے مدفن میں

(13) یگانہ کے اشعار میں حسرت پرواز، وحشت آباد جہاں، کشمکش غم، دو رنگی لیل و نہار،

وادی غربت، اور اسیران بدنصیب جیسی تراکیب ماحول سے ان کی آویزش اور بددلی کو ظاہر کرتی تھیں۔ (14) غزلوں میں ہلکے پن کے احساس کے باوجود یگانہ کا مخصوص مزاج شعری اور لہجہ ابھرتا دکھائی دیتا ہے۔ (15) غزل کے کلیشیز مثلاً گل و بلبل، شمع پروانہ، قفس آشیانہ سے کام لے کر یگانہ نے تہذیبی، سیاسی، اور سماجی زندگی کے بعض اہم اور پیچیدہ مسائل کی طرف اشارے کئے تھے۔ (16) سب سے بڑھ کر ان کا تخلص "یاس" لکھنو کی اختیار غم انگیزی کے تصور کا غماز تھا ـــــ تاہم ان میں سے بعض محاسن و معائب مشاعرے کی مجبوریوں کی وجہ سے تھے۔

"آیات وجدانی" کے طبع ہوتے ہوتے یاس سے یگانہ میں تبدیلی کا عمل بھی مکمل ہو چکا تھا اگرچہ یاس اب بھی ان کے نام کا جزو تھا مگر کلام میں یاسیت ختم ہو گئی تھی۔ شمس الدّین صدیقی کے لفظوں میں "یاس یگانہ کی غزل میں وہی تازہ حوصلہ مندی اور تاب مقاومت وہی حرکت اور تڑپ، وہی مردانگی اور توانائی جلوہ گر ہوتی ہے جس کا مظاہرہ اہل وطن سیاسی، سماجی اور اقتصادی سطح پر کر رہے تھے۔" (5) یہ وقت اردو غزل کے لئے کڑی آزمائش کا تھا جب اسے اپنی بقا کے لئے سخت جدوجہد کرنا پڑی۔ اس دور میں اردو غزل کی جذباتی تنظیم اور فکری تربیت ہوئی اور وہ نئے اضطراب و سکوں، نئی تنگیوں اور وسعتوں، نئی مجبوریوں اور آزادیوں، نئی امید و بیم، نئی تاریکی و روشنی، حسن کی نئی کافر ادائی اور عشق کی نئی بادیہ پیمائی کو تغزل کے رنگ میں ادا کرنے کے قابل ہوئی اور یوں اردو غزل کا معنوی حجم پھیلنا شروع ہوا۔ اردو کی کلاسیکی غزل میں انسانی شخصیت کے محض چند گوشے شعراء کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ بیسویں صدی کی اردو غزل نے "پورے آدمی" کی مکمل ساخت کو داخلی اور خارجی حوالوں سے گرفت میں لانے کی کاوش کی۔ اب غزل کہنے والوں کا محض صاحب دل ہونا کافی نہیں تھا صاحب فہم ہونا بھی ضروری تھا۔ غزل کے ذہنی و جذباتی منظرنامے میں تبدیلی کے ساتھ شعری محاورے میں بھی تبدیلی آئی "نئے غزل گوؤں کے یہاں ہم ایک نیا کردار بھی ابھرتا

ھوا دیکھتے ھیں جو صرف عاشق ھی نہیں بلکہ کچھ اور بھی ھے حسرت و یگانہ کے یہاں یہ بڑا باعمل شخص ھے اور فانی و اصغر کے یہاں مفکر یا مبصر۔" (6)

یوں دھیرے دھیرے لکھنو کے جذباتی سکول کا اثر مٹتا چلا گیا اور حسرت، فانی ، جگر اصغر اور یگانہ کا زمانہ شروع ھوا اور اردو غزل لکھنو کے بالا خانوں کی ملگجی اور رومانی فضا سے نکل کر ھندوستان کی کشادہ فضا تک پہنچی۔ نئے ممتاز غزل گو شعراء میں سے کسی کا تعلق لکھنو سے نہ تھا صرف یگانہ لکھنو آ کر آباد ھو گئے تھے مگر انہیں بھی شہر بدر ھونا پڑا تھا " آیات وجدانی " اسی شہر بدری کی یادگار ھے۔

اس عرصہ میں یگانہ کی غزلیں اس وقت کے مؤقر ادبی رسائل " نظارہ " میرٹھ "مخزن " لاھور " صلائے عام" دھلی " ھمایوں " لاھور اور " نیرنگ خیال " لاھور میں شائع ھو رھی تھیں۔ یگانہ کی ایک غزل پر جو 1921ء میں رسالہ ھمایوں میں شائع ھوئی مجنوں گورکھپوری نے ان لفظوں میں رائے دی ھے۔ " میں نے ایسا محسوس کیا کہ یہ پہلی آواز ھے جو اس رومانی آواز سے مختلف ھے جس سے اس وقت ساری اردو شاعری بالخصوص غزل گونج رھی تھی اور جس میں تھکا دینے والی یکسانی پیدا ھو چلی تھی مجھے یاس زندگی کے مبصر معلوم ھوئے۔" (7)

گویا " نشتر یاس" کے یاس اور " آیات وجدانی " کے یگانہ کے اسلوب شاعری ھی میں نہیں اسلوب زندگی میں بھی بڑا فرق ھے۔ آیات وجدانی میں ھم خود نگر اور خود پسند یگانہ سے بھی آشنا ھوتے ھیں۔ اس کی بہت سی نفسیاتی وجوہ ھیں تاھم خاص بات یہ ھے کہ خودنگری اور خود حصاری کے باوجود یگانہ اپنی ذات کے بارے میں اپنے ذھن میں کچھ سوالات بھی رکھتے ھیں یہ تذبذب اور تشکیک خاص یگانہ کے زمانے کی چیز ھے ایک طرف تو اپنے آپ کو سمجھنے اور جاننے کا دعویٰ اور دوسری طرف اپنی ھی ذات کے بارے میں شکوک ۔ یگانہ کا وہ ذھنی تضاد ھے جسے وہ کبھی دور نہ کر سکے۔ یہی متضاد رویّہ یگانہ کی غزل میں کشمکش کی صورت میں موجود ھے۔ دیکھئیے

ے خدا ہی جانے یگانہ میں کون ہوں کیا ہوں خود اپنی ذات پہ شک دل میں آئے ہیں کیا کیا

یگانہ کی سیمابیت اور آتشی احساس کی تڑپ نے ان کے جذبہ خود پرستی کو بڑھاوا ضرور دیا ہے مگر اس کی محرک تمام تراُن کی داخلی شخصیت نہیں ہے ان کا خارجی ماحول، شعرائے لکھنو اور ان کا معاندانہ روّیہ بھی اس کا محرک ہے جس سے یگانہ کے کلام میں بے اعتدالی (چنگیزیت) پیدا ہوئی یگانہ نے جس طرح تجربوں کو الفاظ کی شکل میں محسوس کیا اور الفاظ کو تجربے کی تفتیش کا ذریعہ بنایا اسے سمجھنے کی ضرورت ابھی باقی ہے یگانہ کے یہاں طنز، دشنہ، تلخی اور ڈسنے کا عمل ثانوی طور پر موجود ہے جس طرح محمدحسن عسکری نے عزیز احمد کے افسانے " تصور شیخ " میں تصوف کی اصطلاحوں میں بیان کئے گئے تجربے کی مخصوص نوعیت کا اندازہ کر کے کہا تھا کہ عزیز احمد نے " ثانوی طور پر ان سے طنز کا کام بھی لیا " (8) اسی طرح یگانہ کے یہاں بھی تصوف کی بعض اصطلاحوں سے ثانوی طور پر طنز کا کام لیا گیا ہے۔

ے شش جہت میں ہے ترے جلوۂ بے فیض کی دھوم
کان مجرم ہیں مگر آنکھ گنہگار نہیں

ے سوچتا ہوں جب تو میں ہی میں ہوں اور کوئی نہیں
ہو نہ ہو کچھ بھید اس اندیشۂ باطل میں ہے

ے گرم رفتاری پہ گمراہوں کو کیا کیا ناز ہیں
کون سمجھے یہ دل آگاہ کس منزل میں ہے

مگر اسے یگانہ کا ملحدانہ انداز نظر سمجھا گیا بعینہٖ یگانہ کے ایسے اشعار کے حوالے سے جن میں ان کے برھم مزاج کی نمود ہوئی ہے یگانہ کے تمام فن کو طنز، دشنہ، تلخی یا ڈسنے کا فن کا نام دیا گیا۔ حالاں کہ ان کی غزل کے مجموعی لب و لہجے میں جذبہ و احساس کی وارفتگی شامل ہے۔ جسے ان کی متغزلانہ فکر اور بیان کی شعریت اور آھنگ نے ترتیب دیا تھا۔ فکر کی صلابت اور بلند خیالی یگانہ کی غزل کا وہ جوھر ہے جس نے رومانیت کی انفعالیت کو

ختم کر کے شعر میں رمزیت پیدا کی ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ " یگانہ کی خود پرستی ان کی شخصیت کے بل بوتے پر ہر قسم کی مزاحمت پر آمادہ ہو گئی تھی۔" (9) جس سے ان کے لہجے میں پیکار کا عنصر پیدا ہوا۔

یگانہ نے اپنی غزل میں نفسیات انسانی کے پیچ در پیچ سلسلوں کو موضوع بنایا ہے۔ بقول ڈاکٹر احمر رفاعی " انسانی آرزوئیں اور قلب و نظر کی فریب کارانہ کروٹیں یگانہ کے خاص موضوعات ہیں۔" (10) افتاد طبع کی انفرادیت نے انہیں حسن و عشق کی نرم اور معصوم لطافت سے دور رکھا اپنی زندگی میں عشق کا ذاتی تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ حسن کی پرفریب اور پرکار لذتوں سے نا آشنا رہے۔ ان کے کلام میں تذبذب اور اضطراب کی جو کیفیت ملتی ہے وہ دراصل سماجی شعور کے گہرے ادراک کی وجہ سے ہے جس نے یگانہ کی غزل کو اردو کی عشقیہ شاعری سے مختلف بنا دیا ہے۔

اردو کی عشقیہ شاعری کا عطر اردو غزل ہے جس میں حسن کی ستم ظریفیوں کے صد ہا پہلوؤں کے علاوہ دل عاشق کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یہاں وہاں گرنے کی ہزار داستان رخ بدل بدل کے بیان ہوتی ہے۔ حسن کی شوخیاں،عشق کی گرمیاں،حسن کی سختیاں،عشق کی نرمیاں، حسن کی خود غرضیاں، عشق کی قربانیاں، حسن کی دروغ گویاں،عشق کی راست بازیاں، حسن کی رعنائیاں، رنگینیاں، دلفریبیاں اور عشق کی اداسیاں، بے چینیاں، مایوسیاں،غرض جذب و کشش کے سلسلہ ہائے دراز کی حکایت لذیذ غزل کا حصہ رہی ہے یگانہ کی آنکھ سے حسن و عشق کی دنیا کو دیکھیں تو سرگوشیوں کا، آنکھ مچولی کا اور راز و نیاز کا وہ منظر دکھائی نہیں دیتا جو کبھی کلچر اور تہذیب کا لازمی جزو ہوا کرتا تھا۔ حسن و عشق کے بارے میں ان کا رویّہ ایک نگھرے، بے روزگار اور بدنصیب آدمی کا رویّہ ہے۔

نہ بقدر ذوق نظر دید حسن ناممکن ترسنے میں بھی ہے اک کیفیت ترستا جا

نہ حسن کافر گناہ کا پیاسا بے گناہوں کو ستانے والا

اپنے تجربے اور فوری احساس کو ھر قسم کی فنی صداقت کی اساس سمجھتا ھے رومانوی فن میں جذبے اور تخیل کا بہاؤ ھوتا ھے جو الفاظ کو بھی متحرک رکھتا ھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رومانویت حسن کو زندگی کی قدر اوّل قرار دیتی ھے۔ رومانوی شاعری میں الفاظ کا کردار (BE- HAVIOUR) متحرک ھوتا ھے جبکہ کلاسیکی شاعری میں الفاظ مائل بہ سکون ھوتے ھیں یگانہ کو اگر ھم اس معیار سے پرکھیں تو ان کی غزل اپنے غالب میلانات و رجحانات کی بنا پر کلاسیکی غزل نظر آتی ھے ان کی غزل میں فنی تکمیل کا احساس ھوتا ھے اور الفاظ میں بلند آھنگی کے باوجود جذباتی انداز بیاں اور حسن سے روابط کی وہ شدّت نہیں جس کی تفصیل عام طور پر غزل میں دکھائی دیتی ھے۔ یگانہ کے اسلوب میں بھی ایک قسم کا عقلی توازن موجود ھے تاھم اپنے بعض تصورات کی بنا پر یگانہ کے یہاں رومانویت کے عناصر بھی ملتے ھیں خصوصاً اپنے وجدانی طریقہ کار کی بنا پر جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی یگانہ رومانوی ھیں لیکن وہ کلی طور پر رومانوی شاعر نہیں ان کے یہاں جذبے اور تخیل میں زبردست بہاؤ نہیں نہ ھی ان کے اشعار میں سرمستی و رعنائی ، جذب و نشاط اور خود رفتگی کا عالم ملتا ھے۔ یگانہ رومانوی فنکار کی طرح ھر اچھی بری واردات یا فوری خیال اور تجربے کو موضوع نہیں بناتے۔ یگانہ کے اشعار میں ایک ایسی عمومیت اور کائنات فہمی پائی جاتی ھے جو تجرباتی دنیا کا حصہ ھے۔بے مقصد لطافت جوئی اور حسن آفرینی ان کے یہاں نہیں۔یگانہ کا شعر جذباتی دھندلکوں کو جنم نہیں دیتا بلکہ انسانی روّیوں کو مخصوص قوت فکر کے ساتھ بیان کرتا ھے وہ پاؤں کی مٹی اور اس کی کثافتوں کو چھوڑ کر آسمان کی وسعت اور پہنائیوں میں گم نہیں ھوتے۔

یگانہ نے اپنی غزل کی بنیاد معنی خیز تجربات، گہری بصیرت، سچے مشاھدے اور صداقت خیال پر رکھی۔ان کی غزل سماج کی ھر تبدیلی کا عکس پیش کرتی ھے اور جاگیردارانہ سماج کی تمام برائیوں سے متصادم رھتی ھے۔ ان کی بنائی ھوئی تصویریں پرچھائیاں نہیں ھوتیں صاف اور واضح ھوتی ھیں۔ وہ صرف اشاروں اور کنایوں میں اظہار نہیں کرتے بلکہ تجربے کو صراحت کے ساتھ بیان کرتے ھیں

میں ادا کرنا چاھئیے کہ سننے والوں کو سمجھنے میں دقت نہ ھو بلکہ نفس مطلب کے ذھن نشین ھو جانے کے علاوہ طرز بیان سے بھی کوئی لطف خاص حاصل ھو۔" (11)

یگانہ خود بھی بیان میں بانکپن سے لطف خاص پیدا کرتے ھیں مگر اس کے ساتھ ان کے انداز بیاں میں ندرت اور پختہ کاری موجود ھے۔ وہ شعر میں صوری و معنوی حسن پر خصوصی توجہ دیتے ھیں۔ یگانہ انسانی نفسیات اور وجدانی کیفیات کو موضوع بناتے ھیں اس وجہ سے ان کی غزل میں ایک آفاقی اپیل پیدا ھوتی ھے۔ اشعار میں ORIGINALITY ایک اضافی خوبی ھے، چند اشعار دیکھئیے

۔ زمیں کروٹ بدلتی ھے بلائے ناگہاں ھو کر عجب کیا سر پر آئے پاؤں کی خاک آسماں ھوکر

۔ رھائی کا خیال خام ھے یا کان بجتے ھیں اسیرو بیٹھے کیا ھو گوش بر آواز در ھو کر

۔ وحشیو کیوں تنگ دل ھو فصل گل آنے تو دو غنچہ غنچہ میں بہار صد گریباں دیکھنا

ایسے بہت سے اشعار میں طنز کی نشتریت یگانہ کی شخصیت کے تیکھے پن کے سبب سے ھے۔اس کا یگانہ کی اس تلخ نوائی سے دور کا بھی تعلق نہیں جو ان کی "چنگیزیت" کی پیداوار تھی۔ اردو غزل کو جس چیز نے اردو غزل بنایا ھے وہ یہی نشتریت ھے۔یگانہ طنز کی اھمیت سے بخوبی آشنا تھے وہ عام طور پر سلگتے احساسات کو برمحل محاوروں کی زبان میں ادا کرتے ھیں۔

یگانہ غزل کو شکست و فرار اور ذھنی عیاشی کا وسیلہ بنانے کے بجائے حقیقی زندگی کے تجربات کے اظہار کا ذریعہ بنانا چاھتے تھے ان کا یہ روّیہ ادب کی روایتی اور جامد قدروں سے بغاوت کی حیثیت رکھتا تھا قدامت پسند طبقہ اس وجہ سے بھی ان سے متنفر ھو گیا تھا۔ یوں اپنوں اور بیگانوں کی مسلسل بے رخی نے ان کے اندر بیگانگی کے روّیے کو پیدا کیا اور انھیں خود بھی یہ اندیشہ لاحق ھو گیا تھا کہ ان کی یہ بیگانہ روی یاد رہ جائے گی۔

یگانہ نے غزل میں مربوط سلسلۂ خیال کو فروغ دیا ان سے پہلے غزل میں ایک مجموعی کیفیت اور فضا تو ضرور ملتی تھی مگر عام طور پر مربوط خیالی کو غزل کا عیب سمجھا جاتا تھا۔

غالب اور اقبال کے یہاں مربوط غزلیں ملتی ھیں مگر یگانہ نے اسے غزل کا مستقل حصہ بنایا ڈاکٹر یوسف حسین کا یہ خیال صحیح ھے کہ " غزل کی ریزہ کاری اگرچہ حقیقت میں کوئی عیب نہیں لیکن پھر بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جدید زمانے کی زندگی کا رجحان کلام میں تسلسل کا متوقع رھتا ھے کچھ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ آئندہ غزل میں ایک قسم کا تسلسل پیدا کیا جائے گا اور مفرد شعروں کے پس منظر میں وحدت احساس کی کارفرمائیاں بڑھتی جائیں گی - " (12) اس خیال کی رو سے یگانہ کی غزل جدید طرز احساس کی نمائندگی کرتی ھے ان کی غزلیں تجربے کی مسلسل بازیافت کا عمل ھیں - جوش ملسیانی کے لفظوں میں " یہ وصف کہ تقریباً ھر ایک غزل اوّل سے آخر تک فلسفہ محبت و حقائق زندگی کے مضامین کی علم بردار ھو میرزا صاحب ھی کا حصہ ھے- " (13)

یگانہ کی بعض غزلیں ایسی ھیں جن کے مطلعوں میں بھی ان کا تخلص استعمال ھوا ھے اگرچہ یہ بالکل نیا دستور نہیں تھا لیکن یگانہ سے پہلے اس کی مثال صرف میر کے یہاں دکھائی دیتی ھے یگانہ کے یہاں مطلعوں میں تخلص کا استعمال اس امر کا غماز ھے کہ مطلع سے لے کر مقطع تک غزل کے اشعار پر ان کی شخصیت کا پرتو موجود ھے-

غزل میں فضا، موڈ، کیفیت اور تاثر کی اپنی ایک اھمیت ھے-عام طور پر غزل میں کوئی خاص موڈ یا فضا نہیں پائی جاتی کیونکہ غزل ایک آزاد تلازمہ خیال کی طرح ھوتی ھے جسے لاشعور کی بے ترتیب رو (IRREGULAR STREAM OF UNCONSCIOUSNESS) بھی کہہ سکتے ھیں مگر یگانہ کی غزل میں مطلع اتنا جاندار اور کیفیت سے بھرپور ھوتا ھے کہ غزل کے باقی اشعار اسی کیفیت کی وحدت کو پیش کرتے ھیں- یگانہ کی غزل میں مطلع خیال کی مرکزیت کا حامل ھے آتش اور غالب کے بعد یگانہ ھی نے مطلع کی اس خصوصیت کو ھنر بنایا ھے، چند مطلعے دیکھئیے

ے خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا

ـہ سلسلہ چھڑ گیا جب یاس کے افسانے کا — شمع گل ہو گئی دل بجھ گیا پروانے کا

ـہ مجھے دل کی خطا پر یاس شرمانا نہیں آتا — پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا

ـہ دل عجب جلوۂ امید دکھاتا ہے مجھے — شام سے یاس سویرا نظر آتا ہے مجھے

ـہ کدھر چلا ہے ادھر ایک رات بستا جا — گرجنے والے گرجتا ہے کیا برستا جا

ـہ منکہ برنمی تابم دردزیستن تنہا — صبح دم چساں بینم شمع انجمن تنہا

ـہ یکساں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں — یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں

ـہ زمانے پر نہ سہی دل پہ اختیار رہے — دکھا وہ زور کہ دنیا میں یادگار رہے

ـہ بندہ وہ بندہ جو دم نہ مارے — پیاسا کھڑا ہو دریا کنارے

یگانہ کی چھوٹی بحر میں ایک غزل ہے جسے اپنے ربط وجدانی اور استفہامیہ انداز کے اعتبار سے اردو کی غزلیہ شاعری میں ایک بلند مقام حاصل ہے اس پوری غزل میں قافیہ اور ردیف کا نظام حسن خیال اور حسن بیان سے مربوط ہے اور تمام غزل کے اشعار کو ایک وحدت میں پرو دیتا ہے، غزل کا مطلع ہے

ـہ کس کی آواز کان میں آئی — دور کی بات دھیان میں آئی

یہ غزل یگانہ کو خود بھی بہت پسند تھی (14) یگانہ کی یہ غزل ان کی تخلیقی واردات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ غزل کے چند اشعار دیکھئے

ایسی آزاد روح اس تن میں؟ — کیوں پرائے مکان میں آئی ؟

یہ کنارہ چلا کہ ناؤ چلی — کہیے کیا بات دھیان میں آئی ؟

علم کیا علم کی حقیقت کیا — جیسی جس کے گمان میں آئی

میں پیمبر نہیں یگانہ سہی — اس سے کیا کسر شان میں آئی

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یگانہ کا ذہن تجزیاتی کم اور وجدانی زیادہ تھا اسی لئے ان کے یہاں صداقتوں کا بیان زیادہ مگر ان کی عقلی یافت کم ہے ان کی غزل میں رومانویت کا جو پہلو

ملتا ھے وہ بھی اسی سبب سے ھے۔ صداقت کا روپ بہت طمانیت اور سکون کا حاصل ھوتا ھے مگر صداقت کی تلاش میں بڑے سخت مقام آتے ھیں۔ صداقت تک پہنچنے کا ایک راستہ تو عقل، منطق اور فکر کی راہ سے ھو کر گزرتا ھے اور دوسرا جذبے، احساس اور وجدان کی راہ سے۔ پہلے طریقے سے تجزیاتی یا استدلالی ذھن کسی تعقل یا تفکر کے ذریعے سے صداقت تک پہنچتا ھے جبکہ وجدانی ذھن ایک لمحے کی واردات یا فوری احساس کو گرفت میں لے کر صداقت کا اظہار کرتا ھے۔

یگانہ نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہ سماجی اور تہذیبی سطح پر عقل اور وجدان کی کشمکش کا دور تھا۔ ان کے بچپن کا زمانہ تھا کہ ھندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی کے الہام اور کشف رونما ھوتے تھے دوسری طرف وہ دنیا تھی جو عقل اور تدبیر کی عاشق تھی اور بیرونی اور دنیاوی حقائق کو تسلیم کرتی تھی سرسید احمد خاں اس دوسرے طبقے کی نمائندگی کر رھے تھے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یگانہ نے ان دو دنیاؤں میں سے کسی ایک کا لازمی انتخاب کیا مرزا غلام احمد کی " براھین احمدیہ " نے ایک بڑے طبقے کے ذھن کو متاثر کیا تھا میکش اکبر آبادی کی روایت کے مطابق تو ایک وقت میں یگانہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو پیغمبر بھی تسلیم کر لیا تھا۔(15) تاھم اس سلسلے میں کوئی اور شہادت یا وجہ مطابقت نہیں مل سکی سوائے اس کے کہ یگانہ اور مرزا غلام احمد میں نسبی تعلق تھا۔

مذکورہ غزل کے پہلے شعر میں " دور کی بات " کا دھیان میں آنا ایک فوری واردات کا نتیجہ ھے۔ شعر کا مصرعہ اوّل استفہامیہ ھے، اندازہ لگانا مشکل ھے کہ یہ آواز محبوب کی ھے؟ وحی کی ھے؟ یا پھر کن فیکون کی؟ اس آواز سے اگر دور کی بات دھیان میں آتی ھے تو گویا یہ آواز کوئی باھر سے آنے والی آواز نہیں بلکہ انسانی نفس اور لاشعور کی صدا ھے(16) یگانہ کی تشکیک سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ وحی کو انسانی نفس کی صدا سمجھنے لگے ھوں اسی غزل میں ایک شعر سے اس شبہ کو تقویت ملتی ھے شعر ھے

کـون جانے ندائے حق کیا ھے　　　　کس خـدا کی زبان میں آئـی

دوسرے شعر کے دونوں مـصرعے استفہامیہ ھیں، جسد خاکی کو پـرایا مـکان کہنا بالکل انوکھی بات ھے لفـظ " ایسی " بھی بھرپور رمـزیت رکھتا ھے تیسرا اور چوتھا شعر اپنی بلاغت اور مـعنویـت کے اعتـبار سے حاصل غزل ھیں یـگانہ نے آیات وجدانی (جدید) میں ان دونوں اشعار کو ایک ھی سمعنی کی بنـدش قرار دیتے ھوئے لکھا ھے " وہ دیکھو کنارا بھاگا جاتا ھے واہ رے فریب نـظـر اور واہ رے فریب علم" (صفحہ 339) یہ فریب نـظر ھی تو ھے کہ ناؤ چلتی ھے تو ناؤں کے مسافر کو اپنے وجود کی حرکت کا شعـور نہیں ھوتا اور اس کی نـظریں دھوکا کھا کر کنارے کـو پیچھے کی جانب سرکتا ھوا محسوس کرتی ھیں۔ فریب حواس کا شکار ھو کر جو بات بھی ذھـن میں آئے گی اس کی حقیقت اور ماھئیت عقل اور شعور کی بے چارگی کا اظہار کرے گی ۔ تاھم یہ عمل علم طبعیات کے حوالے سے نـظریہ اضافیت (THEORY OF RELATIVITY) کے اس اصول کی طرف اشارہ کرتا ھے جس کی رو سے سکون اور حرکت دونوں اضافی چیزیں ھیں یہ دونوں ایک دوسرے کے اعتبار سے ایک جیسی مستـقل رفـتار سے حرکت پذیر ھوتے ھیں یـگانہ کے شعر میں بھی کنـارے (سکون) اور ناؤ (حرکت) کی رفتار ایک جیسی ھے۔

یـگانہ نے ان دونوں اشعار میں علم بالحواس کی مطلقیت سے انـکار کیا ھے یہ مسئلہ یـگانہ سے پہلے بھی ایک سوال کی صورت موجود رھا ھے یـگانہ کی تشکیک ایسے سوالوں کی کھوج میں رھتی ھے۔ یـگانہ کا مسئلہ یہ ھے کہ وہ سوال تو اٹھاتے ھیں مگر اس کی صراحت نہیں کرتے۔ وہ یہ تو بتاتے ھیں کہ علم کی حقیقت گـمان کی سی ھے اور یہ قابل اعتبار نہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ پھر قابل اعتبار کیا ھے؟ یـگانہ کی فلسفیانہ تشکیک نے اس سوال کو تمـثیل کی صورت میں پیش کیا ھے یعنی پہلے شعر میں ایک متحرک تصویر بنا کر دوسرے شعر میں علم کی حقیـقـت سے انکار کیا ھے یـگانہ کا ایک اور شعر ھے:

ـہ　　اپنی ھستی میں بھی کچھ شک آ پڑا　　　　عـلم کا سودا بڑا مہنـگا　پـڑا

کچھ یوں محسوس ھوتا ھے جیسے یگانہ کے یہاں علم کی حقیقت سے انکار کی منزل جلد آ گئی تھی اسی لئے وہ فریب حقیقت کا صحیح طور پر ادراک نہیں کر پائے اور انہوں نے دھوکے کو دھوکا ھی رھنے دیا اسی چیز نے ان کی فکر کو منتہی ھونے سے روکے رکھا ھے ان کی ایک رباعی میں بھی بات یہیں تک رہ جاتی ھے، دیکھئیے

بدلے گی ھزار رنگ دنیا تو ھئی — بہلاتے ھیں دل ھم بھی تماشا تو ھئی

پردہ ھر دم یوں ھی بدلتا جائے — دھوکا ھے تو ھونے دو دھوکا تو ھئی

یگانہ کی مذکورہ غزل جہاں ان کی وجدانی فکر کی بعض گرھیں کھولتی ھے اور ان کی تخلیقی شخصیت کو سمجھنے میں مدد دیتی ھے وھاں ان کے بظاھر سپاٹ (BALD) مگر درحقیقت سستی جذباتیت سے ماورا پر فن لہجے سے آشنا کراتی ھے۔ یہ ٹھیٹھ زبان اور لب و لہجہ اردو غزل کو یگانہ کی عطا ھے اس زبان میں شعری امکانات کو وسعت دینا یگانہ کا اصل ھنر ھے۔

یگانہ کی غزل میں پائی جانے والی بلند آھنگی نے ان کے ذاتی دکھوں پر چادر سی تان رکھی ھے تاھم جب تک وہ یگانہ نہیں بنے تھے روایتی غم پسندی ان کی غزل کا لازمہ تھی یگانہ بننے کے بعد بھی ان کی بعض غزلوں میں درد کی نہر سی جاری دکھائی دیتی ھے۔ زندگی کے براہ راست تجربے جن کے ذائقوں سے ھر شخص آشنا ھے یگانہ کے غم کو غم لازوال بنا دیتے ھیں۔اس لئے جب وہ اپنی ناکامیوں، ھزیمتوں، شکستگیوں اور حسرتوں کا شمار کرتے ھیں تو ان کی غزل میں درد مشترک جاگ اٹھتا ھے ان کی ایسی چند غزلوں کے مطلعے دیکھئیے جن کی تمام فضا غم کی کیفیت میں ڈوبی ھوئی ھے

۔ آ رھی ھے صدا کان میں ویرانوں سے — کل کی ھے بات کہ آباد تھے دیوانوں سے

۔ چراغ زیست بجھا گھر سے اک دھواں نکلا — لگا کے آگ مرے گھر سے میہماں نکلا

۔ دل لگانے کی جگہ عالم ایجاد نہیں — خواب آنکھوں نے بہت دیکھے مگر یاد نہیں

ے آہ بیمار کارگر نہ ہوئی　　　چرخ کانپا مگر سحر نہ ہوئی

ے یکساں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں　　　یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں

ذاتی کرب اور تجربوں کی سنگینی نے یگانہ کو دوسرے تمام معاصر غزل گو شعرا کے مقابلے میں زندگی کے مقابل کھڑا کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ذاتی محرومیوں اور پریشانیوں کے باوجود غموں سے نباہ کرنے کے رویے نے ان کی غزل کے مجموعی آہنگ کو رجائی بنا دیا ہے۔ یگانہ آتش کے بعد دوسرے شاعر ہیں جن کے یہاں زندگی کے بارے میں مجموعی طور پر اثباتی نقطہ نظر پایا جاتا ہے۔ ان کے لہجے میں تحرک، نشاط اور سرشاری کی کیفیت ردیفوں کی صوتی تکرار اور خوش آہنگی کے ساتھ مل کر جھنکار کی صورت محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ سود و زیاں کی ہر واردات کو اسی شدّت اور وارفتگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یگانہ کے چند مصرعوں میں کیفیت کا بیان دیکھئے

ع اشارہ پاتے ہی انگڑائی لی رہا نہ گیا　ع ترسنے میں بھی ہے اک کیفیت ترستا جا

ع قیامت ہے گلوں کا ہم زبان خار ہو جانا　ع شکستگی بندھ جائے گی مطلب ادا ہو جائے گا

ع نگاہ شوق سے آگے تھا کارواں دل کا　ع رخ داستان غم کا ادھر سے ادھر ہوا

ع اب تک اتنی ہے حرارت کہ جلے جاتے ہیں　ع ہاتھ میں کس بل لاکھ سہی تلوار نہیں تو کچھ بھی نہیں　ع ڈوب مرنے کا مزہ دریائے بے ساحل میں ہے　ع عجب شے ہے طلسم خیال ہوتا ہے　ع مٹنے پہ بھی اک ہستیٔ برباد رہے گی　ع موج دریا آپ ساحل آشنا ہو جائے گی

ع غنچہ غنچہ میں بہار صد گریباں دیکھنا

یگانہ کی غزل عالی ہمتی اور عالی حوصلگی کی حامل ہے یہ کشاکش حیات میں زندہ رہنے کا قرینہ سکھاتی ہے اس میں رجائیت، امید، قوت ارادی، قوت عمل اور عظمت انساں کا تصور قدم قدم پر موجود ہے۔ انسان کی مجبوری کا ذکر کرتے ہوئے بھی وہ اس کے اختیارات کا تعین کرتے ہیں۔ غزل میں یگانہ کی آواز اپنے گاڑھے پن اور اپنی ہماہمی کی وجہ سے اپنا الگ مقام رکھتی ہے۔ ان کے وہ اشعار دیکھیے جن میں سرشاری اور وارفتگی کی ملی جلی کیفیت

نمایاں ہوتی ہے ایسے اشعار کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ ہے یہاں چند منتخب اشعار پیش کئیے جاتے ہیں ،

- ہ خوشی میں اپنے قدم چوم لوں تو زیبا ہے — وہ لغزشوں پہ مری مسکرائے ہیں کیا کیا
- ے چلے چلو جہاں لے جائے ولولہ دل کا — دلیل راہ محبت ہے فیصلہ دل کا
- ے لذت زندگی مبارکباد — کل کی کیا فکر ہر چہ بادا باد
- ے آپ میں کیوں کر رہے کوئی یہ ساماں دیکھکر — غنچہ غنچہ میں بہار صد گریباں دیکھکر
- ے دل ویراں نہیں اک محشرستان تخیل ہے — اسی زنداں سے ہم سیر ہجوم عام کرتے ہیں
- ے مستانہ رقص کیجئے گرداب حال میں — بیڑا ہے پار ڈوب کر اپنے خیال میں
- ے پیرہن کیا گھر بھی خوش وقتی کے مارے تنگ ہے — آشیاں ہے اپنے حق میں طرفہ زندان بہار
- ے جب تک خلش درد خدا داد رہے گی — دنیا دل ناشاد کی آباد رہے گی
- ے امید وار رہائی قفس بدوش چلے — جہاں اشارۂ توفیق غائبانہ ملا

یگانہ کی غزلوں میں ایسے اشعار اور مصرعوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جنہیں قبول عام کی سند حاصل ہوئی ۔ان کی غزل مشاعرے کا مزاج نہیں رکھتی مگر جب وہ مشاعروں میں غزل پڑھتے تھے تو ان کے اشعار لوگوں کو ازبر ہو جایا کرتے تھے اسی طرح جب ان کی کوئی غزل ہندوستان کے کسی ادبی پرچے میں شائع ہوتی تو مدتوں اس کے چرچے رہتے (17) اس کا سبب یہ تھا کہ یگانہ شعر میں محاورے کے استعمال سے کن لگانے کا ہنر جانتے تھے۔ غزل میں محاورہ اور روزمرہ کے بہترین اور کامیاب استعمال کا ثبوت یہ ہے کہ مصرعے کے مصرعے اور اشعار کے اشعار روزمرہ گفتگو کا حصہ بن جائیں محاورہ شعر میں کلچر کی نمود ہوتا ہے جیسے میر کے محاورے کو سمجھنے کے لئے جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر بیٹھنا ضروری ہے ۔ یگانہ کے بھی کتنے ہی اشعار اور مصرعے ایسے ہیں جن میں ہندوستان کا ٹھیٹھ محاورہ بغیر کسی ندامت اور COMPLEX کے استعمال ہوا ہے اور وہ اشعار اور مصرعے ضرب المثل بن گئے ہیں۔ یہاں صرف زبان زد عام اشعار اور مصرعے درج کئے جاتے ہیں

ے دل طوفان شکن تنہا جو آگے تھا سو اب بھی ہے + بہت طوفان ٹھنڈے پڑ گئے ٹکرا کے ساحل سے

ے شیطان کا شیطان فرشتے کا فرشتہ　　　انسان کی یہ بوالعجبی یاد رہے گی

ے کھٹکا لگا نہ ہو تو مزہ کیا گناہ کا　　　لذت ہی اور ہوتی ہے چوری کے مال میں

ے عجب کیا ہے ہم ایسے گرم رفتاروں کی ٹھوکر سے　　　زمانے کے بلند و پست کا ہموار ہو جانا

ے بلند ہو تو کھلے تجھ پہ زور پستی کا　　　بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا

ع خدا تھے اتنے مگر کوئی آڑے آ نہ گیا　ع چت بھی اپنی ہے پٹ بھی اپنی ہے　ع ہتھے سے بدمزاج یکایک اکھڑ گیا　ع علم کا سودا بڑا مہنگا پڑا　ع آرام کہیں گھر کے برابر نہیں ملتا　ع پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا　ع حوصلہ ہے تو باندھ ٹانگ سے ٹانگ　ع مفت دن گننے کو ہم پکڑے گئے بیگار میں　ع پہاڑ کاٹتے ہیں روز و شب مصیبت کے　ع زبان کٹتی ہے آپس میں گفتگو کرتے　ع کہ آہ سرد پہ تہمت ہے دل دکھانے کی　ع نہ کترائے نہ بل کھائے تو پھر دھارا کدھر جائے　ع اندھیرے اجالے کہیں تو ملیں گے　ع مجھے سر مار کر تیشے سے مر جانا نہیں آتا　ع کہاں کے دیر و حرم گھر کا راستہ نہ ملا

غزل میں " حسن و عشق " کے مضامین کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے مگر یگانہ کی غزل میں یہ مرکزیت قائم نہیں رہتی ممکن ہے یہ تبدیلی ان کے زمانے کی سیاسی اور سماجی تحریکات اور میلانات کی وجہ سے پیداشدہ صورت حال کا نتیجہ ہو کیونکہ پیداوار کے طریقوں میں تبدیلی سماج میں تبدیلی سے آتی ہے یگانہ کے زمانے میں صنعتی نظام جاگیردارانہ نظام کی جگہ لے رہا تھا اور ایک نئے سرمایہ دارانہ مزاج کی تشکیل ہو رہی تھی زندگی کے قدیم ضابطے ٹوٹ رہے تھے اور نئے تقاضے ان کی جگہ لے رہے تھے ان حالات میں غزل کے بجائے نظم کو ترقی حاصل ہوئی غزل پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہوا سب سے سخت اعتراض غزل میں جاگیردارانہ سماج کی نشانی معاملہ بندی پر کیا گیا۔ غالب کے بعد اقبال نے اردو غزل کو تنگ کوچوں کی تاریکی سے نکالا تھا لیکن وہ بھی بنیادی طور پر نظم کے شاعر تھے۔ حسن اتفاق

سے اسی دور میں کئی بڑے غزل گو پیدا ہوئے ان میں شاد، حسرت، اصغر، فانی، جگر، سیماب، تاجور، حفیظ جالندھری، حفیظ ہوشیارپوری اور فراق جیسے غزل گو شعراء تھے یگانہ کے علاوہ ان سب کے یہاں حسن و عشق کے موضوعات اپنی مرکزیت کے ساتھ موجود تھے۔ یگانہ نے تغزل کے پیرائے میں غیر عشقیہ باتوں کو بیان کیا۔ یگانہ نے گو فن غزل کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا لیکن غزل پر ان کی شخصیت کا رنگ بہت گہرا ہے اور ان کے یہاں غزل ایک ذریعہ اظہار (MEDIUM OF EXPRESSION) کی حیثیت میں نظر آتی ہے یوں ان کی غزل کے موضوعات حسن و عشق تک محدود نہ رہے بلکہ اس میں زندگی کے بعض عمومی تجربے سمٹ آئے گویا یگانہ نے غزل کی صنفی خصوصیات سے باہر نکل کر موضوعات میں اضافہ کیا۔

یگانہ کی غزل میں طنز و مزاح ایک الگ موضوع ہے یوں تو ان کے لہجے کا تیکھا اور نوکیلا پن ہر جگہ نمایاں ہے مگر بعض مقامات پر وہ شعوری طور پر طنز کے نشتر چلاتے ہیں یگانہ کے طنز کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ فطری طناز ہیں تاہم اگر وہ طنز کی شدّت پر قابو پا لیتے تو ان کے لہجے کی نشتریت ایک مستقل فن کہلاتی مگر ان کی طبیعت کا زور، نامساعد حالات کے ردعمل کے طور پر پیدا ہونے والا کسیلاپن اور جھنجھلاہٹ ان کے طنزیہ اظہار کو بھی غیر متوازن کر گئی۔ جس کے نتیجے میں یگانہ کے مزاح میں بھی شگفتگی پیدا نہیں ہوئی وہ یہ تو کہتے ہیں کہ

؎ اتنا تو زندگی کا کوئی حق ادا کرے دیوانہ وار آپ پہ اپنے ہنسا کرے

مگر خود اپنی ذات کو نشانہ کم ہی بناتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا طنز غیر موثر ہو کر رہ گیا اس حوالے سے نظیر صدیقی لکھتے ہیں " وہ جس قسم کے حالات و حوادث سے دوچار رہے انہوں نے ان کو تلخ کام اور تلخ کلام دونوں ہی بنا دیا۔ اگر انہیں اردو کے تین چار بہترین طنز نگار شعراء میں شمار کیا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ ان کے طنز میں بڑی سفاکی اور زہرناکی پائی جاتی ہے لیکن اس میں وہ مبالغہ کہیں نہیں جو طنز کو موثر بنانے کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ کائنات،

خالقِ کائنات، مذہب، انسان، معاشرہ، زندگی، زمانہ غرض کہ ہر چیز کی طرف ان کا روّیہ طنزیہ ہے انسانی خود فریبی اور ریاکاری پر ان کی ضرب ضربِ کاری کی حیثیت رکھتی ہے۔" (18)

یگانہ کے اشعار میں طنز کی جو کیفیت ملتی ہے وہ گدگداتی کم اور گرماتی زیادہ ہے گویا یگانہ کا طنز بھی ان کے مزاج شعری کا تابع ہے۔ چند طنزیہ اشعار دیکھئیے

؎ اسیرِ حال نہ مُردوں میں ہے نہ زندوں میں	زبان کٹتی ہے آپس میں گفتگو کرتے
؎ داورِ حشر کچھ نہ پوچھ عہدشباب کا مزہ	شہد بہشت تھا مگر دستِ بخیل کا دیا
؎ چلّو بھر میں متوالی دو ہی گھونٹ میں خالی	یہ بھری جوانی کیا جذبۂ لبالب کیا
؎ زہر میٹھا نہ ہو تو زہر ہی کیا	دوست جب دے تو پوچھنا کیا ہے
؎ گنہگارِ محبت کو اسی عالم میں رہنے دو	سزا واجب سہی لیکن بہشتِ جاوداں کیوں ہو

یگانہ نے اردو غزل کو جو کڑک دار لہجہ اور رجائی انداز دیا ہے اس نے غزل کی شعریت اور غنائیت کا پہلو بہت کم دبنے دیا ہے۔لہجے کی توانائی اور کس بل کے ساتھ شعریت کو برقرار رکھنا اردو غزل میں اضافے کی حیثیت رکھتا ہے ان کی غزلوں کی ایک اور نمایاں خوبی یہ ہے کہ طرز بیاں کی مختلف نوعیت کے ساتھ ان میں مضامین کا تنوع بھی موجود ہے اور ان مضامین میں انفرادیت پیدا کرنا یگانہ کے ایمائی اور رمزیہ بیان کا حصہ ہے "غالب کی طرح یگانہ کے یہاں بھی محذوفات شعری کا لطف موجود ہے۔" (19) ہر بات جداگانہ انداز میں عام سطح سے ہٹ کر کی گئی ہے، دیکھئیے

؎ موج ہوا سے خاک اگر آشنا نہ ہو	دنیائے گرد و باد کی نشو و نما نہ ہو
؎ پرائے درد کی کوئی نگہبانی کرے کب تک	حقیقت کھل نہ جائے اضطرابِ رازداں ہوکر
؎ فطرتِ مجبور کو اپنے گناہوں میں ہے شک	وا رہے گا کب تلک توبہ کا در میرے لئے
؎ دلیلِ راہ دل، شب چراغ تھا تنہا	بلند و پست میں گزری ہے جستجو کرتے

یگانہ کی غزلوں میں ناپائیداریٔ حیات کا مضمون بھی تواتر کے ساتھ آیا ہے۔ موت کے بارے میں

ان کا ذھن کسی قسم کی تشکیک سے مبّرا ھے اپنے مشاھدے میں ویسے بھی وہ شک کرنے کے قائل نہ تھے یگانہ کو خدا اور دیر و حرم کے متعلق تشکیک رھی مگر مادے کی فنا پذیری پر انھیں ذرا بھی شبہہ نہیں تھا

ؔ خدا میں شک ھے تو ھو موت میں نہیں کوئی شک   مشاھدہ میں کہیں احتمال ھوتا ھے

ؔ موت آئی آنے دیجئے پروا نہ کیجئے   منزل ھے ختم سجدۂ شکرانہ کیجئے

یگانہ اس دنیا کو اجڑا دیار سمجھتے تھے جس کے بعض " تماشائے ناگوار " میں بھی ان کے لئے بلا کی کشش تھی یہی کشش انہیں ماضی یا مستقبل کے بجائے حال میں زندہ رکھتی ھے وہ ھمیشہ آج کو " کل " پر ترجیح دیتے تھے۔ کل کو وہ ناقابل اعتبار جانتے تھے یگانہ قوت عمل اور جوش حیات کے شاعر ھیں اور " کل " قوت اور جوش کو تقدیر کا تابع کر دیتا ھے، دیکھئیے

ؔ اسی فریب نے مارا کہ کل ھے کتنی دور   اس آج کل میں عبث دن گنوائے ھیں کیاکیا

ؔ سلامت آپ کا یہ حسن لازوال مگر   ھم آج ھی کے ھیں کل کے امیدوار نہیں

ؔ اک معنئ بے لفظ ھے اندیشۂ فردا   جیسے خطِ قسمت کہ پڑھا بھی نہیں جاتا

ؔ لذت مژدۂ فردا میں جو ھیں ڈوبے ھوئے   طعنۂ غفلت امروز سنا کرتے ھیں

یگانہ کے یہاں خالص تغزل پر مبنی اشعار بھی تعداد میں کچھ کم نہیں ان کے تغزل میں گداختگی نہ سہی ٹھٹھول ضرور موجود ھے اگرچہ انہوں نے غزل کو ذریعہ اظہار کے طور پر صنفی خصوصیات سے سوا بھی استعمال کیا اس کے باوجود ان کی غزل تغزل کے بعض لوازمات سے مزین ھے۔ غزل میں ان کا ٹھٹھول جانا پہچانا محسوس ھوتا ھے۔ سید عابدعلی‌عابد کے لفظوں میں " انہوں نے غزلیں کی غزلیں ایسی کہی ھیں جن میں عشق یا مربوط کوائف کا اشارہ تک نہیں لیکن اس کے باوصف وہ تغزل کی روح سے لبریز ھیں۔ " (20) تاھم یہ واقعہ ھے کہ بیان کی لطافت، گھلاوٹ، رنگینی، لوچ، نرمی اور سوز یگانہ کے یہاں کم ھے۔

یگانہ کی غزل موضوعات کے اعتبار سے خاصا پھیلاؤ رکھتی ھے۔ خدا کا وجود، خیر و

شر، امید و بیم، دیر و حرم، مذهب و اخلاق، کفر و ایماں، مرگ و زیست، مادہ و روح، جبر و اختیار، بے یقینیٔ حیات، بے ثباتیٔ دنیا، فنا و بقا، دکھ سکھ، انسان کی عظمت، آغاز و انجام، سجود و نیاز غرض ہر موضوع ان کی غزل میں ملتا ہے۔ اس کے باوجود ان کی شاعری عظمت فکر کو بس چھو کر رہ جاتی ہے اس کی بڑی صاف وجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری فلسفیانہ انداز رکھنے کے باوجود نتائج کی شاعری نہیں وہ اپنی تشکیک کی تنظیم نہ کر سکے۔ وہ یہ تو سمجھتے ہیں کہ مذہب، علم مذبذب اور منطق کے سوا بھی ایک الگ راہ ہے مگر وہ خود بھی اس راہ سے بے خبر رہتے ہیں گویا وہ محض انکار کر کے اپنے آپ کو منوانے کے قائل تھے۔

یگانہ کو عمر بھر اپنی ذات کی نفی کا اندیشہ رہا اور اسی اندیشے نے انہیں ایک ہی پہلو سے بے قرار رکھا اگر وہ اپنی ذات کے تلف ہو جانے کے خوف سے باہر آ جاتے تو یہ ان کے لئے بھی اچھا ہوتا اور ان کی غزل کے لئے بھی اس احساس نے انہیں شعرائے لکھنو، غالب، حسرت اور معاصرین، ترقی پسند شعراء اور پنجاب کے نظم گو شاعروں سے الجھائے رکھا اور اس عمل میں وہ اپنی فکر کو مربوط نہ کر سکے تاہم مسلسل پیکار نے ان کے شعر کو وہ تیہہ دیا جو یگانہ ہی سے مخصوص ہے اور انہیں ممتاز بناتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کا خیال ہے کہ " یگانہ برھمی اور بیگانہ روی کی منزل پر رک نہیں گیا اگر وہ رک جاتا تو غزل میں اس کا مرتبہ بلند نہ ہوتا۔ یگانہ کے ہاں شخصیت کی سطح پر ابھرے ہوئے جذبہ تصادم نے جب ارتفاع پا کر ذہنی تحرک کی صورت اختیار کی تو اس کے ہاں نہ صرف زندگی کو بڑے فن کارانہ انداز سے پیش کرنے کا رجحان ابھرا بلکہ اس نے عام اور فرسودہ انسانی رد عمل سے منحرف ہو کر ایک بالکل تازہ انداز فکر کو جنبش بھی دے دی۔" (21)

یگانہ کی غزل میں ڈرامائی عناصر کی بھی کمی نہیں خصوصاً واقعہ کربلا کی بعض علامتوں اور تمثالوں سے انہوں نے اپنے اشعار میں ڈرامائیت کو پیدا کیا ہے۔ تلوار، میان، خنجر، ڈھال، سپر، لب دریا، تشنہ لبی، ہجوم کی پیاس ان سب علامتوں اور تمثالوں کا استعمال

یگانہ کی غزل میں کثرت سے ہوا ہے۔ یگانہ کو حضرت علی ، حضرت امام حسین اور اصحاب اہل بیت سے قلبی اور نسبی تعلق تھا اور خود ان کی زندگی لکھنو میں جس طرح تنگ کر دی گئی تھی اس کا تقاضہ تھا کہ وہ تلازمات کربلا کو اپنی شاعری میں علامت بناتے۔ اس حوالے سے درج ذیل اشعار کی ڈرامائیت پر غور کیجئے

؎ وطن کو چھوڑ کر جس سرزمیں سے دل لگایا تھا	وہی اب خون کی پیاسی ہوئی ہے کربلا ہو کر
؎ بندہ وہ بندہ جو دم نہ مارے	پیاسا کھڑا ہو دریا کنارے
؎ تو سبھی پھونک دوں یہ پاپ کی بستی ساری	کیا کہوں بیچ میں اک آپ کا گھر پڑتا ہے

یگانہ کی غزل میں ڈرامائیت ایک اور پہلو سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ان کی داخلی کشمکش تشکیک کی راہ سے مسلسل آویزش میں ڈھل گئی تھی۔

یگانہ کا ڈرامائی لہجہ خطابیہ ہے ان کی آواز کا دم خم ان کا اپنا ہے۔یگانہ نے شاعری کو صیغۂ اظہار بنایا تھا۔ ان کی تمام شاعری ایک طرح کا مخاطبہ ہے۔یہ خطاب کبھی خدا سے ہے کبھی انسان سے،کبھی اپنے آپ سے ہے اور کبھی اجتماع سے۔ ہر جگہ یگانہ کا چیلنج دیتا ہوا ، ہنگامہ برپا کرتا ہوا ، سوال اٹھاتا ہوا ، جواب طلب کرتا ہوا ، قلعی اتارتا ہوا ، شکست تسلیم نہ کرتا ہوا اور فتوحات کے دعوے کرتا ہوا لہجہ اپنے اندر بلند آہنگی اور ڈرامائی حرکت رکھتا ہے۔ اس ڈرامائی حرکت اور کیفیت کو وہ لفظوں کے اتار چڑھاؤ اور ان کے صوتی آہنگ سے پیدا کرتے ہیں۔ مستقل کشمکش ، کرداریت اور لہجے کے مکالماتی انداز نے مل کر یگانہ کی غزل میں ڈرامائیت کو ابھارا ہے ان کی بعض رباعیوں میں بھی ڈرامائی حرکت موجود ہے، جس کا تذکرہ اگلے باب میں کیا گیا ہے۔

یگانہ مجموعۂ اضداد تھے یعنی ایک طرف تو ان کی غزل میں فکر اور وجدان کا رچاؤ موجود ہے جس نے متانت، سنجیدگی اور وقار کو پیدا کیا ہے اور دوسری طرف غزل میں ان کی خود پسندی نے انہیں راہ اعتدال سے ہٹا دیا ہے۔ ان کی اسی خود پسندی اور خود پرستی کی وجہ سے

ان کی تخلیقی صلاحیتیں بے مصرف تنازعوں کی نذر ہو گئیں۔ جس کے نتیجے میں یاس اور یگانہ ایک دوسرے سے نبرد آزما رہے۔رہی سہی کسر چنگیزیت نے پوری کر دی اور وہ خارجی اور داخلی معرکوں کے سبب تنہا رہ گئے ان کے احساس تنہائی نے جہاں انہیں " یکتائی " کا زعم دیا جس نے بگڑ کر جلال، طنطنے اور زہر خند کی صورت اختیار کی، وہاں ایذا طلبی کے رویّے کو بھی جنم دیا، دیکھئیے

دل کو لہراتا ہے ہنگامۂ زندان بلا　　شور ایذا طلبی وجد میں لاتا ہے مجھے

مانگنے دیتا نہیں پانی دل ایذا طلب　　خوں بہا کیا مانگنے دے گا یہ قاتل سے مجھے

اتفاق سے ان دونوں اشعار کی ردیف بھی " مجھے" ہے اور اگر یگانہ کی غزل پر ان کی شخصیت کے اثرات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ماننا پڑتا ہے کہ

یہ کیا سمجھتے تھے کہ دل سا شیشۂ نازک مزاج　　چوٹ کھاتے کھاتے اتنا سخت جاں ہو جائے گا

تاہم یہ رویّہ یگانہ کی غزل میں مستقل تجربے کی حیثیت نہیں رکھتا۔مجتبیٰ حسین نے اس کا تجزیہ ان لفظوں میں کیا ہے۔" ایذا طلبی یا ایذا پسندی ان کے یہاں نفسیاتی اصطلاح نہیں ہے،ایذا پسندی کے لئے جس قسم کی مجہولیت، انفعالیت اور جنسی کجروی اور محرومی کو ایک " شقاوتی " اضطراب کے ساتھ لذت اندوزی کے انداز میں پیش کرنے کی شدید خواہش کا پایا جانا لازمی ہے اس سے یگانہ کے کلام کا دور کا بھی واسطہ نہیں یگانہ پسپائی اور مجہولیت کو زندگی کی توہین سمجھتے ہیں۔" (22) یگانہ کی ایذا پسندی ڈاکٹر ظہیر فتح پوری کے خیال میں " تمام عمر تھپیڑوں سے الجھتے رہنے، چوٹ پر چوٹ کھانے اور چوٹ کے مزے لینے سے پیدا ہوتی ہے۔" (23) اور یہ وہ ایذا پسندی ہے جسے نفسیات کی اصطلاح " ایذا پسندی" سے کوئی نسبت نہیں۔

یگانہ کی غزل پر لکھتے ہوئے آزادیٔ فکر و خیال کا سوال بھی سامنے آتا ہے۔ شاعری اور عاشقی اپنے فکری تخیل میں آزاد ہیں۔ شعراء نے اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زاہد، واعظ، شیخ، برہمن اور مصلح سے لے کر خدا تک سے شوخی اظہار کا سلسلہ قائم رکھا ہے۔

بعض شعراء نے اس آزادی کا فائدہ معاشرتی اور تہذیبی زندگی کے علاوہ سیاسی اور سماجی زندگی کے امور میں بھی اٹھایا۔ تاہم شعراء کی مصلحت اندیشی اور مصلحت شناسی نے ان کی فکر کو ایک حد میں رکھا۔ یگانہ نے بھی تخیلی آزادی کی رعایت سے مذہب کے بعض معاملات پر اپنے اشعار میں اظہار رائے کیا۔ خصوصاً خبط مذہب اور مذہبی جنونیت کے خلاف اپنے نظریات کو انہوں نے کسی مصلحت اندیشی کے بغیر پیش کیا۔ یہ ان کی کم نصیبی تھی کہ ان کے ایسے تمام اشعار کو ان تمام باتوں کے ساتھ جو بے دماغی اور ہذیان کی حالت میں کہی گئی تھیں ملا کر یگانہ کے خلاف طوفان بے تمیزی اٹھا دیا گیا اور لکھنو میں ان کی رسوائی اور ان کی تشہیر کا واقعہ پیش آیا۔

یگانہ کے بعض اشعار کو غلط مفاہیم بھی پہنائے گئے مثال کے طور پر یگانہ نے اپنے ایک شعر میں حضرت علی کے مقولے کو وجود خداوندی کی دلیل کے طور پر استعمال کیا تھا(24) یگانہ کا شعر ہے

ے بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے وہ بدنصیب جسے بخت نارسا نہ ملا

اس شعر میں یگانہ نے بخت کی نارسائی کو معرفت حق کا زینہ بتایا ہے ان کے نزدیک ارادوں کی کامیابی " خدا پرستی " کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے کیونکہ ارادہ پرست کامیابیوں کے نشہ میں خدا سے غافل ہو جاتا ہے اس لئے بدنصیب ہے وہ شخص جسے بخت نارسا نہ ملا ہو۔ یگانہ کے اس شعر کو سید مسعود حسن رضوی ادیب نے اپنی تصنیف " ہماری شاعری " میں بلند خیالی کی مثال دیتے ہوئے درج کیا تھا۔ بے خود موہانی نے " حضرت نقاد " کے قلمی نام سے اس پر اعتراضات وارد کئے اور لکھا " شاعر نے یہاں عبد کو معبود اور معبود کو عبد بنا دیا اب جو بندہ تھا وہ خدا ہے اور جو خدا تھا وہ بندہ ہے۔" (26) مسعود حسن رضوی ادیب نے اس کا ان لفظوں میں جواب دیا " شاعر نے عبدیت کا ذکر کیا ہے نہ خدائی و بندگی کا۔

" ارادہ پرستی " کی ترکیب ایسی ہے جیسی زر پرستی، وطن پرستی، مے پرستی، احباب پرستی وغیرہ۔ ارادہ پرستی کے معنی ہیں اپنے ارادوں ہی کو سب کچھ سمجھنا اور یہ خیال

کرتا کہ جو ہم چاھتے ھیں وھی ھوتا ھے اور جو چاھیں گے وھی ھو گا۔ " (27) حضرت نقاد نے تو یگانہ کے شعر کی اصلاح تک فرما دی تھی۔ دیکھئیے :

؎ خودی کے بت کا ھے بندہ خدا کو کیا جانے وہ خود پرست جسے بخت نارسا نہ ملا (28)

جس پر ادیب نے لکھا " حضرت نقاد کے شعر سے شاعر کا مفہوم ذھنی تو ادا ھوا ھی نہیں سکا جو مفہوم ادا ھوا ھے وہ ایک پیش پا افتادہ بات ھے جو غیر شاعرانہ اسلوب اور بے اثر انداز میں کہہ دی گئی ھے ان کے شعر میں وہ رفعت خیال، ندرت کلام، زور بیان، اثر انگیزی اور اخلاق آموزی کہاں جو یگانہ کے شعر کا طرۂ امتیاز ھے۔ " (29)

اس ایک مثال سے ظاھر ھے کہ یگانہ کے اشعار کس کس طرح تاویلات کے ھجوم میں گم ھوئے۔

یگانہ کے مطلعوں کے حوالے سے گذشتہ اوراق میں گفتگو ھو چکی ھے اب یگانہ کی غزل پر بحث کا اختتام ان کے مقطعوں پر کیا جاتا ھے۔ غزل کا مقطع جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ھے ھمیشہ سے شاعر کی ذاتی واردات، واقعیت اور پسند ناپسند کے لئے مخصوص رھا ھے۔ ولی سے لے کر یگانہ تک ایسا ھی ھوتا آیا ھے آج بھی غزل کے مقطع میں شاعر اپنی نفسی کیفیات اور تجربات کو سامنے لاتا ھے، آتش نے کہا تھا

؎ مکیں ھر معنیٔ روشن مکاں ھر بیت رموزوں ھے غزل کہتے نہیں ھم چند گھر آباد کرتے ھیں

ڈاکٹر سلیم اختر کے لفظوں میں " غزل اگر شاعر کا اپنے شوق سے تعمیر کردہ مکان ھے تو تخلص اس پر نیم پلیٹ لگانے والی بات بن جاتی ھے۔ " (31) اب سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ شاعر کا مثالی نام جسے عرف عام میں تخلص کہا جاتا ھے جب غزل کے مقطع میں استعمال ھوتا ھے تو کیا واقعی شاعر کی مثالی شخصیت شعر سے جھلکتی ھے؟ اس کا سیدھا سا جواب ھے کہ کبھی جھلکتی ھے اور کبھی نہیں۔ خصوصاً تخلیقی شاعر کے یہاں مقطع میں تخلص کا استعمال بہت معنی خیز ھوتا ھے وہ بالعموم غزل دوسروں کے لئے لکھتا ھے اور مقطع اپنے لئے۔ تاھم بسا اوقات وہ اپنے

حوالے سے دوسرے لوگوں کو فرائیڈ کی اصطلاح میں " متبادل آسودگی " فراہم کرتا ہے۔ مقطع میں شاعر عام طور پر الفترذات میں بھی گرفتار دکھائی دیتا ہے۔ " تخلص کو اس کی انفرادیت فنی عظمت اور شہرت کی علامت بننا ہوتا ہے۔ غالب، یگانہ، فانی ایسے تخلص تو واضح طور پر ان شعراء کی شخصیت کی نفسی اساس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ " (31)

اردو غزل میں جن شعراء نے اپنے تخلص کی معنویت سے بھرپور کام لیا ہے ان میں میر، مومن، غالب، فانی اور یگانہ کے نام آتے ہیں۔ میر نے اپنے تخلص کو کبھی میر محفل اور کبھی فقیر یا سید کے معنوں میں استعمال کیا۔ مومن نے اپنے تخلص سے مقطعوں میں معنوی رعایتیں پیدا کیں اور اس ہنر میں یکتا ہوئے۔ غالب نے تخلص کو اپنی افتاد طبع کے تابع کیا اور فانی نے اسے اپنے کلام کی معنوی پہچان کا ذریعہ بنایا۔ یگانہ نے بھی اپنے تخلص کے حوالے سے معنی خیزی پیدا کی " زبان یاس "، " نگاہ یاس" اور " منظر یاس" کے استعمال سے مفاہیم پیدا کئے اور یگانہ بن کے اپنی انفرادیت کا اظہار کیا۔

یگانہ نے غزلوں میں اپنے تخلص کو استعمال کر کے اپنے آپ کو مرکزی کردار کی حیثیت دی تھی۔ یاس اور یگانہ دونوں صورتوں میں غزل میں ان کی ذات روشنی کا ہالہ بنی رہی اور وہ اس روشنی میں " حسن یگانہ " (شدید تنہائی کے مضمرات کے نظارے)/سے مسحور ہوتے رہے۔ مقطعوں کے علاوہ کئی مطلعوں میں تخلص کا استعمال یہ بتاتا ہے کہ ان غزلوں میں ان کی تمام روداد یاس سے یاس تک یا یگانہ/تک تھی سے یگانہ۔ یگانہ سے پہلے اردو غزل میں مقطع کی ایک ایسی روایت موجود تھی جس میں شعراء نے شخصی اور غیر شخصی حوالوں سے بہت سے اضافے کئے تھے اور ذات کی پہنائیوں سے لے کر کائنات کی لامحدود وسعتوں تک کو موضوع بنایا تھا۔ یگانہ نے غزل کہنے کا آغاز تو عظیم آباد سے کیا تھا مگر ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا لکھنو میں ملی لکھنوی شاعری میں غم ایک تجربے کے طور پر نہیں بلکہ روایت کے طور پر غزل کا مستقل موضوع تھا۔ یگانہ لکھنو آئے تو " یاس" تخلص کرتے تھے ان کا یہ تخلص لکھنو کے شاعرانہ مزاج اور ماحول سے پوری طرح

ہم آہنگ تھا یگانہ کے بیشتر ایسے مقطعے جن میں یاس تخلص استعمال ہوا ہے روایتی غم پسندی کے مظہر ہیں، دیکھیے

؎ وہ نہ آتے فاتحہ کو ذرا مڑ کے دیکھ لیتے	تو ہجوم یاس اتنا نہ سرِ مزار ہوتا
؎ یاس اس چرخِ زمانہ ساز کا کیا اعتبار	مہرباں ہے آج کل نامہرباں ہو جائے گا
؎ جھلملانے لگا جب یاس چراغ سحری	پھر تو ٹھہرا نہ گیا ہجر کے بیماروں سے
؎ اللہ مبارک کرے پیری کی سحر یاس	مرنے کی تمنا تھی تو لے اب کہیں مر بھی

"دور پیری شباب کی باتیں" تو سنا تھا مگر دور شباب میں اپنے آپ کو "چراغ سحری" کہنا "پیری کی سحر" کو مبارک سمجھنا اور اپنے ہی مزار کا ذکر کرنا یقیناً کسی ایسے ماحول کی باتیں ہیں جہاں ان روایتی مضامین پر جھومنے والے ابھی باقی تھے تاہم اس دور میں یگانہ کے بعض مقطعے ایسے بھی ہیں جن میں ان کے مزاج اور شخصیت کی بھرپور جھلک دکھائی دیتی ہے گویا یگانہ اپنی غزل میں رفتہ رفتہ طلوع ہوئے ہیں اور پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ان کی شخصیت اشعار میں بالعموم اور مقطعوں میں بالخصوص نصف النہار بن کر چمکنے لگی تھی۔ یہاں وہ مقطعے دیکھیے جن میں یگانہ "یاس" ہونے کے باوجود امید کے لہجے میں بات کرتے ہیں :

؎ دنیا سے یاس جانے کو جی چاہتا نہیں	اللہ رے حسن گلشنِ ناپائیدار کا
؎ دنیا سے یاس جانے کو جی چاہتا نہیں	واللہ کیا کشش ہے اس اجڑے دیار میں
؎ بہار آئے گی پھر یاس ناامید نہ ہو	ابھی تو گلشنِ ناپائیدار باقی ہے
؎ بادِمراد چل چکی لنگر اٹھاؤ یاس	پھر آگے بڑھ کے خوبیٔ تقدیر دیکھنا
؎ سنا کرتے تھے آج آنکھوں سے دیکھیں دیکھنے والے	نگاہ یاس کا سنگیں دلوں پر کارگر ہونا
؎ یاس سر سے پاؤں تک امید ہی امید تھے	فرد جب تک ہاتھ میں تھی کاتب تقدیر کے

یگانہ کی غزلوں کے یہ مقطعے ان کے مزاج میں تبدیلی کا پتہ دیتے ہیں۔ دنیا کو وہ "اجڑے دیار" اور "گلشن ناپائیدار" سے تشبیہہ دینے کے باوجود پرکشش مقام سمجھتے ہیں۔ بالخصوص دو

مختلف مقطعوں میں ایک ھی مصرعے (دنیا سے یاس جانے کو جی چاھتا نہیں) کی تکرار دنیا سے ان کی وابستگی (COMMITMENT) کو سمجھنے میں مدد دیتی ھے۔ یہ زمانہ " یاس" اور " یگانہ " کے درمیان کا عبوری زمانہ ھے۔ زمانۂ " یاس" میں یگانہ کا ایک ایسا مقطع بھی ملتا ھے جو ان کے مزاج کی نفسیاتی اساس کو سمجھنے میں مدد دیتا ھے مقطع ھے

؎ پیالہ خالی اٹھا کے لگا لیا منہ سے ۔۔۔ کہ یاس کچھ تو نکل جائے حوصلہ دل کا

شعر میں یگانہ کا ڈراماتی انداز اپنے نقطۂ عروج پر ھے۔ اس تصویر میں دکھائی دینے والے یگانہ کے کردار کی فعلیت کا اندازہ کرنے سے ان کے شخصی مزاج اور میلانات کو سمجھا جا سکتا ھے۔ خالی پیالہ منہ سے لگانا زندگی کی حقیقی فعلیت سے دور ایک نفسیاتی عمل ھے اور واقعہ یہ ھے کہ یگانہ اس منظر میں اداکاری (ACT) کرتے ھوئے دکھائی دیتے ھیں کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ھیں کہ پیالہ خالی ھے۔ اس شعر سے یہ گمان بھی ھو سکتا ھے کہ یگانہ بیشتر موقعوں پر محض ACT کے مرحلے میں رھے اگر وہ اس سے باھر آ جاتے اور بعض حقیقتوں کو تسلیم کر لیتے تو وہ اس عظمت کو پا سکتے تھے جس کے خبط میں وہ مبتلا ھو گئے تھے ان کا اظہارِ فضیلت اور احساسِ عظمت حقیقی فعلیت سے دور ACT کی پیداوار معلوم ھوتا ھے تاھم یگانہ یاس سے زیادہ تجرباتی ، زیادہ عملی اور زیادہ فعال ھے ، دیکھئیے

؎ تو آپ اپنی ھے شمشیر آپ اپنی سپر ۔۔۔ یگانہ باگ اٹھا اپنے بل پہ کستا جا

؎ یگانہ میر وھی ھے جو پہلے مار چلے ۔۔۔ جو ٹھن گئی ھے تو اب تابِ انتظار نہیں

؎ کیا خبر تھی کہ یگانہ کا ارادہ یہ ھے ۔۔۔ ڈوب کر پار اترنے کے لئے جاتے ھیں

یگانہ ، مرزا واجد حسین یاس عظیم آبادی کی تخلیقی زندگی کی نئی کروٹ ھے اگرچہ کچھ یوں محسوس ھوتا ھے کہ انہوں نے شعرائے لکھنو سے چشمک کے نتیجے میں " یگانہ " تخلص اختیار کیا یا اس لئے کہ غالب کے " جن " کا مقابلہ وہ " یاس" رہ کر نہیں " یگانہ " بن کر ھی کر سکتے تھے۔

ے غالب و میرزا یگانہ کا آج کیا فیصلہ کرے کوئی

ے کیوں آپ سے یگانہ بیگانہ ہے زمانہ "غالب شکن "جو ٹھہرے پھر پوچھنا ہی کیا ہے

مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ یگانہ بن کر بھی غالب کے دل سے قدر دان تھے

ے صلح کر لو یگانہ غالب سے وہ بھی استاد تم بھی ایک استاد

" یگانہ " تخلص کرنے کا اصل سبب ان کا وہ احساس تنہائی ہے جس کے مضمرات خود پرستی ، انا پسندی اور اظہار فضیلت کی شکل میں ظاہر ہوئے اسی واسطے سے ان کے بیشتر افکار زعم باطل نظر آتے ہیں درج ذیل مقطعے دیکھئے

ے جذبہ عاشقانہ دیکھ حکمت بندگانہ دیکھ بن کے یگانہ میں نے خود نقش دوئی مٹا دیا

ے کیوں نہ مانے یگانہ کو یکتا اصل کو ایک ماننے والا

ے نگاہ شوق کی دنیا خدا جانے کہاں تک ہے + جہاں دیکھا وہی حسن یگانہ شمع محفل تھا

ے میں پیمبر نہیں یگانہ سہی اس سے کیا کسر شان میں آئی

گویا " یگانہ " بن کے وہ یکتائی کے زعم میں مبتلا ہوئے اور ان کی ہمت مردانہ یزداں پر بھی کمند ڈالنے لگی تھی ، پیمبر ہونا تو معمولی بات ہے۔ یکتائی صرف خدا کی ذات کو حاصل ہے۔ صوفی بھی اسی وحدت کی تلاش کرتا ہے جسے انہوں نے " یگانہ " بن کے بزعم خود تلاش کر لیا تھا تاہم صوفی اپنی ذات کی نفی کر کے حقیقت تک پہنچتا ہے اور اپنے تشخص کو عکس باطل سمجھ کر مٹا دیتا ہے یگانہ خود منفرد و یگانہ بن کے نقش دوئی مٹاتے ہیں اور اپنے عکس کو حقیقت سمجھتے ہیں۔ " حسن یگانہ " ان کے نزدیک " حسن جہاں تاب " ہے۔ یگانہ کے ایسے مقطعے فکری عمل اور شعور کی جہت کو واضح نہیں کرتے۔

ایسے مقطعے جن میں " یگانہ " تخلص استعمال ہوا ہے " یاس "کی نسبت ان کی ذہنی اور جذباتی کیفیت کا زیادہ کھل کر اظہار کرتے ہیں۔ ان کی نفسی پیچیدگیوں کو کھولتے ہیں اور ان میں ان کی مخصوص سخت کوشی کا بھی خوب مظاہرہ ہوا ہے۔

یگانہ کی " بیگانگی "، " یکتائی "، " حسن "، " حقیقت" اور " عکس" سب ان کے شدید احساس تنہائی کی پیداوار تھے جس کے اثرات ان کی غزل کے افکار پر بھی نمایاں ہوئے تاہم ان کی تمام غزلوں کو ان کے مقطعوں میں موجود فکر سے جانچنا درست نہیں اس لئے کہ تنہائی کا احساس یگانہ کی ذاتی مشکلات کا پیدا کردہ تھا انہوں نے اپنے مقطعوں میں اپنے رستے ہوئے ناسوروں اور دکھتے ہوئے زخموں کا ازالہ خود ستائی کے رنگ میں کیا۔ وہ اپنے بارے میں بہت کچھ کہہ چکنے کے بعد جب سنجیدگی سے اپنی ماھئیت پر غور کرتے ھیں تو انہیں پتہ چلتا ھے کہ

ے خدا ھی جانے یگانہ میں کون ھوں کیا ھوں + خود اپنی ذات پہ شک دل میں آئے ھیں کیا کیا

حــواشــی

1- یہ اصطلاح فراق گورکھپوری نے استعمال کی ہے۔بحوالہ۔ارد و غزل گوئی ، صفحہ 28۔

2- بحوالہ۔ارد و غزل گوئی ، صفحہ 27۔

3- ایضـاً، صفحہ 32۔

4- یـگانہ کے ایک مضمون " ملّا صائب اصفہانی "(مطبوعہ "مخزن" لاہور، دسمبر 1917ء) سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صائب سے بہت متاثر تھے اس مضمون میں یـگانہ نے صائب کے اور اپنے ہم مـعنی اشعار بھی درج کئے ہیں۔

5- بحوالہ۔تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند (ارد و ادب، جلد پنجم(1914 تا 1972ء) دسویں جلد) صفحہ 44، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی ، لاہور، فروری 1972ء۔

6- ایضـاً،

7- بحوالہ۔غـزل سرا ، صفحہ 272

8- بحوالہ۔ستارہ یا بادبان، صفحہ 157 ، مطبوعہ مکتبہ سات رنگ، کراچی، 1963ء۔

9- بحوالہ سلیم احمد کا مضمون " میرزا یـگانہ کی شاعری "،تخلیقی ادب(2) ،صفحہ 370 ۔

10- بحوالہ۔"جگر اور مـعاصرین جگر"، مطبوعہ سہ ماہی " ارد و " کراچی ، شمارہ(1) 1977ء، صفحہ 51 ۔

11- بحوالہ۔نشتر یاس، صفحہ ن ۔

12- بحوالہ۔ارد و غزل ، صفحہ 25، مطبوعہ آئینہ ادب،لاہور، پاکستان میں پہلی مرتبہ اشاعـت 1964ء۔

13- بحوالہ مضمون " میرزا یـگانہ چنگیزی "،مطبوعہ " آج کل " دھلی، یکم اپریل 1945ء، صفحہ 7 ---- یہی مضمون جوش ملسیانی کے مجموعہ مضامین " منشورات جوش ملسیانی "، مطبوعہ وِمل پبلیکیشنز بمبئی ، طبع اوّل 1977ء میں صفحہ 122 تا 138 شائع ہوا۔

14- یـگانہ نے یہ غزل اپنی صاحبزادی بلند اقبال کے نام ایک خط، محررہ 24 جولائی 1942ء میں بھی درج کی تھی۔

15- بحوالہ مضمون " میرزا یـگانہ چنگیزی کے ساتھ چند لمحے "،مطبوعہ " نقوش" لاہور،اکتوبر 1958ء، صفحہ 238 --- یہی مضمون ہفت روزہ " بے داغ " دھلی (جنوری 1959ء)

میں بھی شائع ہوا تھا۔

16- معروف غزل گو شاعر عابد صدیق کا ایک شعر ہے

ع قبر میں کوئی نہ منکر نہ نکیر جاگ اٹھتا ہے پس مرگ ضمیر

17- دیکھئیے مجنوں کا مضمون " یاس عظیم آبادی "،مطبوعہ غزل سرا۔

18- بحوالہ یگانہ چنگیزی حالات زندگی اور انتخاب کلام، صفحہ 10-11، مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، 1971ء۔

19- بحوالہ ملک اسماعیل حسن خاں کا مضمون " یگانہ کا مرتبہ بحیثیت غزل گو "،مطبوعہ " نقوش" لاہور، ستمبر 1965ء، صفحہ 281

20- بحوالہ مضمون " چند بڑے ادیب "،مطبوعہ " نقوش" لاہور(لاہور نمبر)، شمارہ 92، فروری 1962ء، صفحہ 1079

21- بحوالہ اردو شاعری کا مزاج ، صفحہ 269

22- بحوالہ نیم رخ ، صفحہ 46

23- بحوالہ مضمون " یگانہ "،مطبوعہ " فنون " لاہور(جدید غزل نمبر)، جنوری 1969ء،صفحہ 303

24- حضرت علیؓ کا قول ہے " عرفت ربّی بفسخ العزائم "(میں نے خدا کو ارادہ کے ٹوٹنے سے پہچانا ۔)

25- مطبوعہ نظامی پریس لکھنو ، طبع سیز دھم 1976ء، صفحہ 64

26- بحوالہ " آئینہ سخن فہمی " از مسعود حسن رضوی ادیب، صفحہ 85، مطبوعہ کتاب نگر، لکھنو، دسمبر 1959ء

27- ایضاً۔

28- ایضاً ، صفحہ 88

29- ایضاً، صفحہ 91 — مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سید حید ر عباس حیدر ایم۔اے کا مضمون " یاس عظیم آبادی کا ایک شعر معرض بحث میں " (مطبوعہ "کلیم " دھلی ،فروری 1937ء)

30- بحوالہ ادب اور لاشعور، صفحہ 278، مطبوعہ مکتبہ عالیہ لاہور، 1976ء ۔

31- ایضاً۔

باب ششم

یگانہ بحیثیت رباعی نگار

رباعی کا فن -- رباعی کے اوزان -- ماھئیت اور تاریخ -- رباعی کے مختلف نام -- اردو رباعی کی روایت اور یگانہ کی رباعی -- یگانہ کی رباعی کے محرکات -- کیفیت ھجر کا بیان -- ذات کے اظہار کا وسیلہ -- احساس تنہائی کا شعر و نغمہ میں ڈھلنا -- محبت کا مضمون -- رباعی کی اساس ، کیفیت -- بلند خیالی اور عمیق فکری -- فکر کی درست سمت -- حکیمانہ رویّہ -- یگانہ کی تشکیک کا تجزیہ -- " دل " یگانہ کی رباعیوں کا مرکزی استعارہ -- یگانہ کی خود پسندی اور انانیت -- یگانہ کی " مزاحیہ " رباعیوں کا تجزیہ -- یگانہ کی رباعی پر گیت اور دوھے کے اثرات -- ھندی بھاشا اور ٹھیٹ اردو لہجہ -- سلینگ کا استعمال -- شاعرانہ نقطۂ نظر -- فن کا مکمل برتاؤ -- حواشی --

یگانہ کے کلام میں ھئیت کا تنوع موجود ھے انھوں نے غزل کے علاوہ رباعی ، قطعہ ،نظم، مثلث، سہرا اور نعت میں طبع آزمائی کی۔ تاھم غزل کے بعد یگانہ نے باقاعدگی کے ساتھ صرف رباعی کی طرف توجہ دی۔ رباعی اردو شاعری کی مستقل صنف ھے مگر ھمیشہ نظر انداز کی جاتی رھی حتیٰ کہ بیسویں صدی کے اوائل تک ھمیں رباعی کا کوئی الگ سے مجموعہ دکھائی نہیں دیتا شاید اسی لئے اقبال کو تلوک چند محروم کی رباعیوں کے مجموعے کا دیباچہ لکھتے ھوئے سوال اٹھانا پڑا تھا کہ " اردو میں رباعی کیوں نہیں " (1)

رباعی اپنی تکنیک کے اعتبار سے مشکل صنف سخن ھے وہ اھل سخن جو یہ دعویٰ کرتے نظر آتے ھیں کہ زمین شعر کتنی ھی سنگلاخ کیوں نہ ھو ان کے پاؤں لغزش سے آشنا نہیں رباعی کہتے ھوئے ان کا بھی پتہ پانی ھوتا ھے رباعی کے مقررہ اوزان اور اس کے زحافات کی پابندی نہایت دشوار کام ھے۔ سید عابد علی عابد کے لفظوں میں " رباعی کا وزن کچھ ایسا ٹیڑھا اور سنجیدہ واقع ھوا ھے کہ بڑے بڑے پختہ کار اور پختہ مشق اساتذہ ٹھوکر کھا جاتے ھیں۔ "(2)

رباعی کے تمام مخصوص اوزان بحر ھزج سے اخذ کئے گئے ھیں ان اوزان کی کل تعداد چوبیس بتائی جاتی ھے اور عام طور پر انھی کی پابندی کی جاتی ھے۔ عروضیوں نے رباعی کے چوبیس اوزان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ھے۔ بارہ وزن، " مفعول " سے شروع ھوتے ھیں اور بارہ " مفعولن " سے۔ بحر ھزج کا کلیدی اور ثابت و سالم رکن " مفاعیلن " ھے اسی مفاعیلن اوراس کے

زحافات ترکیب پا کر رباعی کا وزن تشکیل دیتے ھیں۔ یہ بات دلچسپ ھے کہ رباعی کا کوئی مصرع ان چوبیس میں سے کسی بھی وزن پر ھو سکتا ھے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری رباعی کے وزن اور تقطیع کا ایک آسان طریقہ ذھن نشین کراتے ھوئے لکھتے ھیں " رباعی کے ھر مصرع کا پہلا رکن مفعولن یا مفعول ھو گا اور آخری رکن میں فعل فاع یا فع ضرور آئے گا۔ مصرع کے درمیان بقیہ اوزان مفاعلن، مفاعیل، مفاعیلن، فعول اور فاعلن میں سے کوئی دو آئیں گے۔" (3)

رباعی کے اوزان کی اس مختصر سی تمہید کے بعد آئیے دیکھتے ھیں کہ رباعی کی ماھیت اور تاریخ کیا ھے؟ اردو شاعری کی تمام اصناف کسی نہ کسی طور عربی الاصل ھیں مگر رباعی وہ صنف سخن ھے جس کی اصل فارسی شاعری ھے۔ یہ ایران کی قدیم ترین صنف سخن ھے مسلّم ھے کہ رودکی سے پہلے بھی بے شمار رباعی گو شعراء موجود تھے پروفیسر حافظ محمود شیرانی کی تحقیق یہ ھے کہ " اھل عرب نے فارس کی چہار بیتی کی تقلید میں رباعی کہی۔" (4) اصطلاح میں رباعی وہ صنف سخن ھے جس میں چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون ادا کیا جاتا ھے گویا چار مصرعے رباعی کی مکمل تخلیقی وحدت ھیں رباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ کی پابندی ضروری ھے مگر تیسرے مصرع میں ضروری نہیں ایسی رباعی جس میں چاروں مصرعے ھم قافیہ ھوں اسے " مضرع" کہتے ھیں اور جس رباعی کے تیسرے مصرعے میں قافیہ نہ ھو " خصی " کہلاتی ھے۔ رباعی کے چوتھے اور آخری مصرعے میں مضمون ایک زوردار تاثر کے ساتھ مکمل ھوتا ھے بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری " چوتھے مصرعے پر پوری رباعی کے حسن و اثر اور زور کا دارو مدار ھوتا ھے۔" (5)

فارسی کی قدیم کتب میں رباعی کو " ترانہ"(6) کہا گیا ھے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر عبدالسلام سندیلوی لکھتے ھیں " اسدی طوسی نے اپنی " لغت فرس" میں ترانہ کے معنی دو بیتی کے لکھے ھیں اسدی طوسی کا زمانہ 458ء ھے اور اس کی " لغت فرس" فارسی کی قدیم ترین لغتوں میں ھے اس کا مطلب یہ ھے کہ ابتدا میں اس صنف سخن کا نام ترانہ تھا مولانا جامی نے " رسالہ عروض"

میں اور حسین واعظ کاشفی نے " بدائع الافکار " میں لکھا ھے کہ رباعی کو ترانہ بھی کہتے ھیں دراصل ترانہ ایران میں اسلام سے قبل بھی رائج تھا لیکن اس کی بحر باقاعدہ متعین نہیں ھوئی تھی جس طرح اب رباعی کی بحر متعین ھے۔" (7) سید عابد علی عابد نے "اسدی لغات فرس" (مرتبہ عباس اقبال تہران صفحہ 499، 500) سے ایک مثال نقل کی ھے" ترانہ دو بیتی بود فرخی گفت :

ے ازدل آویزی و تری چوں غزل ھائے شہید ازغم انجامی وخوشی چوں ترانہ بوطلب (8)

اس شعر میں شہید کی غزلوں اور بوطلب کے ترانوں کا تذکرہ کیا گیا ھے۔

رباعی مختلف ناموں سے لکھی جاتی رھی ھے ترانہ کے علاوہ اسے دو بیتی، چہار بیتی، قول، خصی، جفتی اور غزل کا نام بھی دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ گانے کی چیز تھی۔ " ترانہ " بھی اسی لئے کہا گیا کہ ارباب موسیقی نے اس کے اوزان پر راگ ترتیب دئیے بعد میں رباعی ھر طرح کے موضوعات کے لئے وسیلہ اظہار بنی بالخصوص متصوفانہ خیالات اور اخلاقی مضامین کے اظہار کا ذریعہ رباعی ھی کو بنایا گیا۔ رباعی کی مخصوص بحر ھزج (9) اپنے آھنگ اور موسیقی کے لئے مشہور ھے۔رباعی کے چار مصرعوں کا تال میل مختلف راگوں کی کیفیت کو جنم دیتا ھے۔ سید عابد علی عابد صاحب " قابوس نامہ " (مرتبہ سعید نفسی (فارسی)) کے حوالے سے لکھتے ھیں "رباعی، ترانہ یا قول ایسی دل آویز غنائی تخلیق تھی کہ اکثر عورتیں گھر بار چھوڑ کر مغنیوں کے ساتھ نکل جاتی تھیں۔" (10)

فارسی شاعری میں رباعی کا ایک نادر ذخیرہ موجود ھے اور اس میں تصوف و اخلاق، حسن و عشق اور خمریات سے لے کر مسائل حیات تک تمام موضوعات کو پیش کیا گیا ھے۔ فارسی کے مشہور رباعی گو شعراء میں عمر خیام اور ھندوستانی نژاد شاعر سرمد کا نام آتا ھے ان کے علاوہ سلطان ابوسعید ابوالخیر، سحابی، نجفی اور نظامی کو بھی فارسی رباعی کی تاریخ میں مقام خاص حاصل ھے۔

اردو کی دوسری اصناف سخن قصیدہ، مثنوی، غزل اور قطعہ کی طرح رباعی کی ہئیت بھی فارسی سے اردو میں آئی مگر اس کی طرف باقاعدگی سے توجہ نہ دی گئی جو بے قاعدہ روایت اردو رباعی کی ملتی ہے وہ بھی اردو غزل کے موضوعات کی تقلید کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے حالاں کہ اردو شاعری کے بالکل ابتدائی دور ہی سے رباعی کہنے کا آغاز ہو گیا تھا دکنی شعراء محمد قلی قطب شاہ، غواصی، نصرتی، ملاوجہی، ولی اور سراج اورنگ آبادی نے رباعیاں کہی ہیں مگر ان رباعیات میں معاملہ بندی کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے ولی کی رباعیوں میں وہی جمال دوستی اور سراپا نگاری ملتی ہے جو ان کی غزل کا خاصہ تھی۔ بعد میں میر، سودا اور درد نے بھی رباعیاں لکھیں مگر تسلسل کے ساتھ نہیں تعداد میں اگرچہ درد کی رباعیاں میر سے کم ہیں مگر معیار میں بہتر ہیں تصوف کے مضامین کو درد کی گداز طبیعت نے سوز و ساز بنا دیا ہے میر کی اکثر رباعیاں عشقیہ ہیں سودا کی رباعیوں کا کوئی خاص رنگ نہیں ہے ان کی طبیعت کو رباعی سے فطری لگاؤ نہ تھا۔

انشا اور جرأت، اپنے اپنے رنگ میں پختہ اور قادرالکلام شاعر ہیں مگر رباعی گو کی حیثیت سے ان کے یہاں کوئی قابل ذکر تبدیلی دکھائی نہیں دیتی یہ لوگ سرشاری اور سرمستی کی جس کیفیت میں ڈوبے ہوئے تھے اس کے لئے انہیں غزل کی فضا راس آ گئی تھی۔ آتش و ناسخ کے یہاں تو رباعی ہے ہی نہیں۔انشا اور جرأت کی رباعیوں میں معاملہ بندی اور لذتیت کا وہی سامان موجود ہے جس نے ان کی غزل کو چاٹ بنا دیا تھا۔

انیس، دبیر، غالب، مومن اور ذوق کا دور رباعی کا پہلا باقاعدہ دور کہا جا سکتا ہے۔ یہ زمانہ بیک وقت غزل، قصیدہ، مرثیہ اور رباعی کے عروج کا زمانہ تھا۔ انیس اور دبیر نے مرثیے کے علاوہ رباعی پر توجہ دی اور اسے مجلسی زندگی کا لازمہ بنا دیا۔ رباعی میں انیس و دبیر کی عطا یہ ہے کہ انہوں نے واقعات کربلا کے نتائج اور عمومی زندگی پر اس کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے فلسفۂ اخلاق کو رباعی میں مرکزی حیثیت دی، اس کے علاوہ انسانی رشتوں، محبت،

انس، رفاقت، اخوت، صبر، استقامت، عجز، انکسار، توکل، ھمدردی، دردمندی، عزم، وفاداری صداقت، جاں سپاری اور شجاعت جیسی قدروں کو رباعی میں پیش کیا۔ انیس اور دبیر کی رباعیاں سلاست، برجستگی، فصاحت اور بلاغت کے معیار پر بھی پوری اترتی ھیں۔

غالب فارسی رباعی کی طرف تو باقاعدہ راغب ھوئے مگر اردو میں ان کی رباعیوں کی تعداد پندرہ سولہ سے زیادہ نہیں ان میں بھی رفعت خیال کا عنصر مفقود ھے۔ ذوق کی رباعیوں میں زندگی کا نہ سہی زبان کا محاورہ موجود ھے مومن بلاشبہ رباعی کے میدان میں اپنے ھم عصروں سے بہت آگے ھیں۔ رباعی میں مومن کی شاعرانہ بے نیازی اور استغنائے فطری کے جوھر کھلتے دکھائی دیتے ھیں۔ عشقیہ معاملات پر پہلے بھی رباعیاں کہی گئی ھیں مگر مومن کی رباعیاں نفسیات محبت کے حوالے سے کچھ اور ھی لطف کی حامل ھیں۔

غالب کے بعد شاعری کا محاورہ تبدیل ھو جاتا ھے حالی نے مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر شعر کی موجود صورت حال پر سخت ناپسندیدگی بلکہ ناگواری کا اظہار کیا اور سیاسی و سماجی شعور کو لازمۂ شاعری بنانے پر زور دیا۔ حالی کی رباعیاں اسی دور کی یادگار ھیں جب زمانہ تیزی سے کروٹ لے رہا تھا۔ ان کی رباعیوں میں انقلاب زمانہ کے قدموں کی آھٹ صاف سنائی دیتی ھے حالی کے بعد اکبر نے رباعیوں میں فکر کی ایک جولاں گاہ تعمیر کر دی۔ اکبر نے مغربی فکر کی یلغار کے نتیجے میں پیدا ھونے والے معاشرتی تضادات اور دو عملی کو نشانہ بنایا اسی عہد میں امیر مینائی، داغ، پیارے صاحب رشید اور عزیز نے بھی رباعی کی طرف توجہ کی مگر کوئی نئی بات پیدا نہ کر سکے۔

بیسویں صدی کے نصف اوّل کو رباعی کا بہترین دور کہنا چاھئیے اس دور میں رباعی کے حوالے سے چند نمایاں اور بڑے نام دکھائی دیتے ھیں۔ امجد حیدرآبادی، جوش، فانی، سیماب، فراق، تلوک چند محروم، جگت موھن لال رواں، اختر حیدرآبادی اور یگانہ نے رباعی کی طرف باقاعدہ اور بھرپور توجہ دی۔ ان میں سے کچھ تو صرف رباعی کے حوالے سے معروف ھیں جیسے امجد

حیدرآبادی، تلوک چند محروم، جگت موھن لال رواں اور اختر حیدرآبادی۔ امجد تو رباعی کے فن میں اس قدر رواں تھے کہ وہ نظمیں بھی رباعی کے وزن میں کہتے تھے۔ تصوف، توحید اور عشق حقیقی ان کے موضوعات ھیں ۔ ان کی رباعیوں میں شائستہ لب و لہجے میں کیفیت قلب و نظر بیان ھوتی ھے۔ جوش کی رباعیوں میں شکوہ بیان اور فکری ربط ھم آمیز ھیں انہوں نے شراب اور شباب کو اس کے تمام لوازمات اور تقاضوں کے ساتھ موضوع بنایا اس کے علاوہ رموز فطرت اور عرفان ذات بھی ان کا دل پسند موضوع ھے۔ سیماب نے سیاسی اور قومی شعور کو رباعی میں پیش کیا۔ فانی کی رباعیوں میں حسرت و غم کا ذکر پھیلا ھوا ھے۔فراق کے یہاں خالص ھندی کلچر کی نمود ملتی ھے مگر اس کے ساتھ ھی دورِ حاضر کے انسانی، سماجی اور نفسیاتی حقائق بھی ان کی رباعیوں میں ملتے ھیں۔ فراق کی جمال پسندی اور رومان پسندی کے رجحانات بھی ان کی رباعیوں میں دیکھے جا سکتے ھیں۔ محروم کی رباعیوں میں عام انسانی احساسات کی مصوری ملتی ھے ان کے یہاں سماجی اور قومی تحریکوں کے اثرات بھی دکھائی دیتے ھیں۔رواں کے یہاں وطنیت کے تصورات کے علاوہ ھند و تمدن، فطری مناظر اور قومی و تاریخی المیوں پر رباعیاں ملتی ھیں۔

یگانہ نے رباعی کے میدان میں اپنی جولانیٔ طبع کے جوھر سب سے مختلف انداز میں دکھائے ھیں وہ اپنے شعری اظہار کے ذریعے کائنات اور سماج دونوں کو چونکانا اور جھنجھوڑنا چاھتے ھیں۔رباعی کے فن کی پابندیوں کو قبول کرتے ھوئے رباعی کے فن پر گرفت کرنا اور اپنی خطر پسند طبیعت سے کام لے کر اس کے چاروں کھونٹ کامیابی سے گزر جانا انہی کا حصہ ھے کتنے ھی اس کوہ ندا کی خبر لینے گئے اور واپس نہ پلٹے۔

یگانہ مشاعروں میں اکثر و بیشتر صرف اپنی رباعیاں ھی سنایا کرتے تھے غزلوں کی نسبت رباعیوں میں یگانہ کا زورِ بیان زیادہ نمایاں ھے۔ یگانہ کی رباعیوں کو ان کی ذات کے چھوٹے چھوٹے شذرے سمجھنا چاھئیے اپنی شخصیت ھی کی طرح رباعیوں کے ذریعے سے بھی انہوں نے معاشرتی جمود کو توڑنے کی سعی کی تھی۔کریم الدین احمد کے لفظوں میں " اگر معاشرہ جامد

ہو جائے یا اس میں تبدیلیاں بہت ہی آہستہ آہستہ پیدا ہوں تو فن کا سنگسار ہو جانا یقینی ہے یگانہ بھی کچھ ایسے ہی حالات سے دوچار تھے۔"(12) مگر یگانہ کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے خود سنگسار ہو کر اپنے فن کو سنگسار ہونے سے بچا لیا۔

یگانہ کی ناکام آرزوؤں اور ذاتی مجرومیوں نے انہیں تنہائی کا کسالا دیا تھا اسی لئے وہ زندگی اور معاشرے میں اس کی رسم پرستی ، قدامت پسندی، تنگ نظری، کم ظرفی ، تقلیدی روش اور تقدیر پر قناعت کرنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جمود اور بے حرکتی کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں اس کلبیت یا جبّریت کو یگانہ کے مزاج کا حصہ سمجھنے کے بجائے ان کے طنزیہ لہجے کے عناصر سمجھنا چاہئیے کیونکہ زندگی پر گہرا طنز کرنے کے باوجود زندگی سے ان کی بے پایاں محبت اور لگاؤ زندگی اور انسان پر ان کے اعتماد کا اظہار بھی کرتے ہے۔ یگانہ کی رباعیوں میں بھی ان کی زندگی کا تحرک اور شخصیت کا تلاطم نظر آتا ہے ڈاکٹر فرمان فتح پوری یگانہ کی رباعیوں کے حوالے سے لکھتے ہیں " نوارا تلخ ترمی زن چوں ذوق نغمہ کم یابی " پر ان کا عمل تھا لیکن یگانہ نے اپنی نوا میں اکثر جگہ اتنی شدت و تلخی پیدا کر لی ہے کہ " ذوق نغمہ " اس کی تاب آسانی سے نہیں لا سکا۔" (13) یگانہ کی آواز میں جو تلخی اکثر و بیشتر گھلی ہوئی ہے اس کا سبب زمانے کی ناقدر شناسی کو سمجھنا چاہئیے جس نے یگانہ کی چنگیزی رگ کو پھڑکایا گویا یگانہ کی خود ستائی کے ساتھ ان کی زمانے بھر سے لڑائی کا سبب بھی ناقدر شناسی اور دوسری محرومیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی " تنہائی " ہی ہے۔

یگانہ کی رباعیوں کا پہلا مجموعہ " ترانہ " 1933ء میں منظر عام پر آیا اس مجموعے کے دو سو دس صفحات تھے اور ہر صفحے پر ایک رباعی رقم تھی۔ " ترانہ " یگانہ کے قیام دکن کی تخلیق ہے دکن آنے سے پہلے وہ صرف غزل کہتے تھے مگر دکن آنے کے بعد جب انہیں ایک مدت تک اپنے اہل و عیال سے دور رہنا پڑا تو اس تنہائی اور دوری نے اوّل اوّل رباعی کی شکل میں قربت کا جواز تلاش کیا :

ـہ وہ گھر وہ در وہ آستانہ بھولا　　　وہ گل وہ چمن وہ آشیانہ بھولا
وہ لحن وہ نغمہ وہ ترانہ بھولا　　　وہ دور وہ عہد وہ زمانہ بھولا

اس رباعی سے مجموعے کے عنوان پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ رباعی کا قدیم ترین نام " ترانہ " تھا جسے دل آویز غنائی تخلیق کا درجہ حاصل تھا اور جس کے آھنگ پر راگ ترتیب دئیے جاتے تھے۔ گویا ترانہ لحن اور نغمگیت کے امتزاج کا نام ہے۔ یگانہ اپنے ذھن میں گونجنے والی آوازوں اور یادوں کو سوز و ساز بنا کر رباعی میں پیش کرتے ھیں۔ یگانہ نے رباعی کو اظہار ذات اور تسکین ذات کا وسیلہ بنایا تھا۔ وہ ملازمت کے سلسلے میں عثمان آباد (دکن) گئے تو بیوی بچوں سے جدائی بڑی شاق گزری۔ اس کیفیت کا اظہار ان کے خطوط میں دکھائی دیتا ہے ایک خط میں شعلہ کو لکھتے ھیں

(1؍اکتوبر 1928ء) "آپ کو غالباً معلوم ہے کہ میں اپنی باوفا اور محترم بیوی کا بندہ ھوں چوبیس گھنٹے میں بس جب تک دفتر میں رہتا ھوں یا جب تک شطرنج کھیلتا رہتا ھوں (عثمان آباد آ کر لڑکپن کا یہ شوق جو بھول گیا تھا پھر تازہ ھو گیا ہے) وہ گویا مجھ سے جدا ھو جاتی ھیں باقی ھر وقت میرے دل ودماغ پر ان کا قبضہ رہتا ہے آج کل میں نے ایک رباعی کہی ہے جس میں اپنے جذبات کی نہیں ان کے جذبات کی ترجمانی ہے آپ جانتے ھیں ھندوستان کی بیویاں اپنے شوھروں پر کس درجہ جان فدا کرتی ھیں۔" (14)

" ترانہ " کی رباعیوں سے پہلے یگانہ نے " نشتر یاس " میں کچھ رباعیوں کو شامل کیا تھا لگ بھگ اسی زمانے میں ان کی کچھ رباعیاں " نظارہ " میرٹھ (نومبر 1915ء) میں شائع ھوئی تھیں مگر یہ رباعیاں روایتی موضوعات پر مبنی ھیں اس کے بعد یگانہ غزل کی طرف متوجہ رہے یہاں تک کہ آیات وجدانی طبع اوّل کی اشاعت تک وہ صرف غزل ھی کہتے رہے قیام لاھور کے آخری

دنوں میں جب وہ اپنے اہل خانہ کو لکھنو بھیج چکے تھے اور پھر دکن روانگی کے بعد جب ان کی تنہائی گھر کی یاد سے آباد ہوئی اور انہوں نے اپنے ایک خط میں اپنے اور بیوی بچوں کے بارے میں شعلہ کو لکھا کہ (20 ستمبر 1928ء) " آج دس مہینے سے میں ان کو اور وہ مجھے دیکھنے کو ترستے ہیں اللہ اکبر دل کی دنیا کا یہ منظر بھی کیا عالم دکھا رہا ہے۔ "(15) تب وہ باقاعدگی سے رباعی کی طرف مائل ہوئے یوں ان کی رباعیوں میں اوّل اوّل ان کا جدائی کا تجربہ بیان ہوا۔

اس مرتبہ پہلے پہل یگانہ کی آٹھ رباعیاں نیرنگ خیال لاہور (ستمبر 1927ء) میں ایڈیٹر کے اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوئیں۔ " فخر لکھنو حضرت میرزا یاس یگانہ لکھنوی نے نیرنگ خیال کے لئے رباعیاں لکھنے کا سلسلہ شروع کیا ہے جس کی پہلی قسط پیش کی جاتی ہے اردو زبان میں ایسی بلند پایہ اور اچھوتے خیالات کی رباعیاں آج تک شائع نہیں ہوئیں۔ "

آغاز میں یگانہ نے رباعی میں کیفیت ہجر کا بیان کر کے اسے آسودگیٔ ذات اور اطمینان ذات کا ذریعہ بنایا مگر رفتہ رفتہ یہ ان کی مکمل ذات کے اظہار کا وسیلہ بنی اور انہوں نے حیات و کائنات کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بنایا اس کے ساتھ ساتھ یگانہ نے رباعی میں اپنے بعض غیر سنجیدہ رویّوں کو بھی جگہ دی۔ "ترانہ" کی اشاعت کے بعد یگانہ نے اپنے کلام کو " یگانہ آرٹ " کا نام دیا افتخار امام کے لفظوں میں " ترانہ " یگانہ آرٹ کا ایک خوب سیرت فن پارہ ہے۔ "(16)

" ترانہ " اور یگانہ کا نام ذہن میں آتے ہی بہت سے معرکے ذہن میں تازہ ہو جاتے ہیں۔عام طور پر یگانہ کی شاعری کو ان کی معرکہ آرائی کے تناظر میں دیکھا جاتا رہا ہے مگر اب جب کہ ان معرکوں کی دھول بیٹھ چکی ہے ضروری ہے کہ ماضی کے تلخ واقعات کو تازہ کئے بغیر " ترانہ " اور یگانہ کا مطالعہ خالص فن کے نقطہ نظر سے کیا جائے۔ " آیات وجدانی "(مجموعہ غزل) کی طرح "ترانہ " (مجموعہ رباعیات) بھی یگانہ کا نمائندہ مجموعہ کلام ہے یہ درست ہے کہ یگانہ کی جس شاعری کی دھوم (اچھی بھی ، بری بھی) ہے وہ شاعری انہی رزم آرائیوں کے

بطن سے پیدا ہوئی تھی لیکن یگانہ کی تمام شاعری کو ان رزم آرائیوں کے تناظر تک محدود کر دینا " ناحق پرستی " ہے۔ یگانہ کی غزل اور رباعیوں کا مطالعہ ابھی تک اس پہلو سے نہیں ہوا کہ ان کی کل شعری کائنات کیا ہے؟ ان کا اپنا عصر ان کی شاعری میں کس قدر موجود ہے اور آئندہ ان کی شاعری کے کیا امکانات ہیں؟ ان کی شاعری تازہ کاری کی وسعت لئے ہوئے ہے یا نہیں؟

" ترانہ " کے بارے میں راقم کا خیال ہے کہ یگانہ کا احساس تنہائی شعر و نغمہ میں ڈھل گیا ہے۔ " تنہائی " یگانہ کی شعری فکر کی روح رواں ہے یعنی ان کی غزلوں اور رباعیوں کا محرک ان کی ذات کا سناٹا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے ان کی معرکہ آرائیاں بھی تنہائی کا مداوا کرنے کی کوشش تھیں۔ تاہم جب وہ تلاش معاش میں حیدرآباد (دکن) گئے اور وہاں معقول اور مستقل روزگار کا بندوبست ہو گیا تو وہ وقتی طور پر اپنی بے روزگاری اور در بدری کے دکھ بھول گئے مگر یہاں " تنہائی " نے انہیں ایک نئے پہلو سے بے قرار کیا اور یہی بے قراری رباعی کی تخلیق کا سبب بن گئی۔ رباعیوں میں پہلی مرتبہ یگانہ کے یہاں محبت کے حقیقی جذبات کا رچاؤ نظر آتا ہے۔ یہ کیفیت ان کی غزل میں بھی نہیں۔

یگانہ کی غزل میں " محبت " کا مفہوم بہت کمزور اور روایتی تھا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ محبت کا جذبہ جس طرح انسان کے جذباتی انتشار کی تہذیب کرتا ہے یگانہ کو اس کا ذاتی تجربہ نہیں تھا۔ اس جذبے کی صداقت کا شعور انہیں اس وقت ہوا جب حیدرآباد آنے کے بعد انہیں پہلی مرتبہ بیوی بچوں سے طویل مفارقت کا تجربہ ہوا اس تجربے میں فرقت اور جدائی کے تمام پہلو موجود تھے جس نے یگانہ کی " تنہائیوں " کو غم فرقت اور ہجر کی بے قراری کی ایک بالکل انوکھی لذت سے آشنا کیا اور ان کے اندر اس میٹھے درد کو جگایا جس نے اکثر بڑی شاعری کو جنم دیا ہے۔ یوں ان کی بے چینی اور تڑپ نے رباعی کی شکل میں اپنا اظہار کیا اور ان کی لے میں نرمی، ملائمت اور مٹھاس پیدا ہوئی ان کے لہجے کا یہ سوز بالکل نئی چیز ہے۔

یگانہ کی غزل میں بظاہر کیفیت کی کمی کا احساس ہوتا ہے گو وہاں بھی کیفیت موجود ہے مگر یہ کیفیت گہرائی کی تہوں میں موجود ہے اور دقت نظری کا تقاضہ کرتی ہے اگر یگانہ کی غزل کی ان تہوں میں اترا جائے تو وہاں ایسی ایسی کیفیتیں مل جاتی ہیں جن سے اردو غزل بہت حد تک بے خبر تھی کیفیت کا شاعر ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ گویا یگانہ کی غزل میں کیفیتیں پوشیدہ اور رباعی میں ظاہر ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئیے کہ یگانہ کی رباعی کی اساس کیفیت ہی ہے ان کی چند رباعیاں دیکھئیے

ساجن کو سکھی منا لو پھر سو لینا   سوتی قسمت جگا لو پھر سو لینا
سوتا سنسار سننے والا بیدار   اپنی بیتی سنا لو پھر سو لینا

مر مر کے مسافر سرِ منزل پہنچا   پہنچا تو سہی مگر بہ مشکل پہنچا
دیکھے کوئی اس دردِ طلب کی پرواز   دل ایک تڑپ میں تا دردِ دل پہنچا

دزدیدہ نگاہی کا سبب کیا کہئیے   بیگانگیٔ حسنِ طلب کیا کہئیے
دل کے گاہک ہیں کیا سیانے گاہک   انداز پیام زیر لب کیا کہئیے

اے پائے طلب ہوا پہ سبقت لے چل   اس وادیٔ وحشت سے سلامت لے چل
وہ جانِ وفا نہ جانے کس حال میں ہے   لے چل مجھے لکھنو امانت لے چل

دل نشہ میں سرشار نظر آنے لگا   ویرانہ بھی گلزار نظر آنے لگا
کیا جانے محبت نے چڑھایا کیا رنگ   عالمِ گل بے خار نظر آنے لگا

رباعی میں چوتھا مصرع اعجاز بیانی کا نمونہ ہوتا ہے۔ اسی مصرعے پر رباعی کے مضمون کے زور اور تاثیر کا دارو مدار ہوتا ہے یگانہ کی رباعی کا ہر مصرع مضمون کے وزن کو بڑھاتا ہے یہاں تک کہ چوتھا مصرع [illegible] ہم کنار کر دیتا ہے یگانہ کی مصرع رباعی

دیکھئیے

مخمور مئے شباب ہو لینا تھا | کم سے کم ایک نیند سو لینا تھا
دامان ہوس کہیں بھگو لینا تھا | بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لینا تھا

یگانہ کی ایک اور مصرع رباعی میں پہلے تین مصرعوں کی بڑھتی ہوئی روانی کے ساتھ چوتھے مصرع کی جولانی ملاحظہ کیجئے

دل ہو مردہ تو زندگانی بھی حرام | پیری کا ذکر کیا جوانی بھی حرام
افسانۂ عمر جاودانی بھی حرام | آب حیواں کہاں کا ، پانی بھی حرام

یگانہ کی ایک منفرد صفت یہ بھی ہے کہ وہ طویل ردیفوں میں کامیاب رباعی کہنے پر قدرت رکھتے ہیں طویل ردیف میں غزل کہنا سہل ہے مگر رباعی کہنا اتنا ہی دشوار بھی ہے۔ یگانہ نے مرکب ردیفوں میں خیال کے تنوع کو پیش کیا ہے یگانہ کی ایسی ہی رباعیوں میں الفاظ کی صوری اشکال معنوی بلاغتوں کا ذریعہ بنتی ہیں۔

کعبہ کی طرف دور سے سجدہ کر لوں | یا دیر کا آخری نظارہ کر لوں
کچھ دیر کی مہمان ہے جاتی دنیا | اک اور گنہ کر لوں کہ توبہ کر لوں

کوئی تجھ کو پکارتا جاتا ہے | کوئی ہمت ہی ہارتا جاتا ہے
کوئی تہ کو سدھارتا جاتا ہے | دریا ہے کہ موجیں مارتا جاتا ہے

آخرالذکر رباعی کو بلند خیالی اور فکری گہرائی کی مثال سمجھا جا سکتا ہے ایک پیچیدہ مضمون کو اتنی سادگی اور سہولت کے ساتھ بیان کر دینا فن کی انتہائی صورت ہے۔ اردو رباعی میں رفعتِ خیال اور عمیق فکری کی ایسی مثالیں بہت کم ہیں اس رباعی میں خیال اور فکر تخلیقی صداقت میں ڈھل کر ایک ہو گئے ہیں۔ غزل کے مقابلے میں یگانہ کی رباعیوں میں فکری عمل صحیح سمت (WELL DIRECTED) میں ہے، دیکھئیے

چارہ نہیں کوئی جلتے رہنے کے سوا
سانچے میں فنا کے ڈھلتے رہنے کے سوا
اے شمع تری حیات فانی کیا ہے
جھونکا کھانے سنبھلتے رہنے کے سوا

تھمنے کا نہیں قافلۂ موجِ سراب
کٹنے کا نہیں مرحلہ موجِ سراب
آغاز ہی آغاز ہے انجام کجا
عالم ہے عجب سلسلہ موجِ سراب

واللہ یہ دنیا بھی عجب دنیا ہے
ہر رنگ میں وہ کشش ہے کہ دل کھنچتا ہے
منہ بولتی جیتی جاگتی تصویریں
اعجازِ ہنر ہے یا کوئی دھوکا ہے

یگانہ کی رباعیوں میں ہمیں کچھ ایسا روّیہ بھی دکھائی دیتا ہے جو اردو فارسی کی حکیمانہ شاعری میں ہمیشہ موجود رہا ہے یعنی کائنات کی ناقابل فہم وسعت اور اس کے بارے میں پایا جانے والا استمرار کا احساس، زندگی اور اس کی ماہئیت، زندگی کی نااعتباری کے باوجود اس کا لبھاؤ، تخلیق حسن اور شش جہت میں اس کی دھوم، شعور حیات، تماشائے ناگوار میں دلچسپی؛ ناکامیوں اور حسرتوں کے باوجود بے پناہ شوق کی حکایت، زندگی کو شایان آرزو اور لائق تمنا جاننا یہ سب مضامین حکیمانہ شاعری کا حصہ رہے ہیں اکثر و بیشتر شعراء کائنات کی حقیقت اور ماہئیت پر غور کرتے ہوئے تشکیک کا شکار ہوئے ہیں گویا تشکیک بھی حکیمانہ شاعری کا لازمہ رہی ہے۔ بعض شعراء نے کائنات کی اساس پر اظہار خیال کرتے ہوئے بعض ایسے سوالات اٹھائے ہیں جن کے جواب تلاش کرنے کی کوششیں ہمیشہ کی جاتی رہی ہیں اس حوالے سے یگانہ کی چند رباعیاں دیکھئے

منزل کی خبر کسے ہے منزل کی نہ پوچھ
منجدھار میں بہتا چل ساحل کی نہ پوچھ
کیا جانیے کس گھاٹ لگے جاتا ہے
آنکھیں جو دکھائیں دیکھ لے دل کی نہ پوچھ

دھارا ہے زمانے کا رواں بے سر و پا
پھرتے ہیں زمیں آسماں بے سر و پا
کیا جانیے کس منزل موہوم کی دھن ہے
کھینچے لئے جاتی ہے کہاں بے سروپا

یوسف کو اس انجمن میں کیا ڈھونڈتا ہے — ہنگامۂ ماؤ من میں کیا ڈھونڈتا ہے

نیرنگِ تماشا ہے حجابِ معنی — تصویر کے پیرہن میں کیا ڈھونڈتا ہے

صبحِ ازل شامِ ابد کچھ بھی نہیں — اک وسعتِ موہوم ہے حدکچھ بھی نہیں

کیا جانیے کیا ہے عالمِ کون و فساد — دعوے تو بہت کچھ ہیں سندکچھ بھی نہیں

یگانہ کی رباعیاں اس امر کا مظہر ہیں کہ تشکیک بحیثیت مجموعی یگانہ کی شاعری کے ریشوں میں سرسراتی محسوس ہوتی ہے۔ اس تشکیک کا منبع یگانہ کا وہ فکری مزاج تھا جو کائنات کی ماہئیت اور اصلیت کو کسی خاص تصور کے حوالے کے بغیر جاننا اور سمجھنا چاہتا تھا یگانہ حقیقت کی ذاتی تاویل اور اقدار کی شخصی تشکیل کے قائل تھے اور فطرت کی کھلی کتاب کو اپنے علم، مشاہدے، تجربے اور وجدان کی روشنی میں پڑھنا چاہتے تھے یگانہ کے زمانے میں عقاید اور معاشرے کے ڈھانچے میں اضمحلال کی کیفیت ظاہر ہو رہی تھی۔ خود ان کا ذاتی عقیدہ وراثتی عقیدے سے الجھ کر تشکیک کو جنم دے رہا تھا اور یگانہ اپنی تشکیک کو زیادہ جسارت کے ساتھ پیش کر رہے تھے تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی جرأت اظہار خود ان کے اپنے اندرونی خلفشار پر قابو پانے کی ایک کوشش ہو۔ یگانہ کی تشکیک نے زندگی اور کائنات کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کو بہت حد تک منفی بنا دیا ہے خاص طور پر ایسے مدعیان مذہب کے بارے میں ان کی رائے میں شدت آ گئی جو رسمی مذہب کے علم بردار تھے۔ جس طرح وہ غالب پرستوں سے لڑتے لڑتے خود "غالب شکن" بن گئے تھے بالکل اسی طرح خدا کے معاملے میں بھی وہ اس خدا کے منکر ہو گئے تھے جسے بندگانِ ضرورت نے اپنی اپنی سہولت کی خاطر تراش رکھا تھا۔ یگانہ کی ایک رباعی دیکھئیے

درد اپنا کچھ اور ہے دوا ہے کچھ اور — ٹوٹے ہوئے دل کا آسرا ہے کچھ اور

ایسے ویسے خدا تو بہتیرے ہیں — میں بندہ ہوں جس کا وہ خدا ہے کچھ اور

اسی ترنگ میں وہ مذہب، فلسفہ اور علم کی حقیقت سے بھی انکاری ہو گئے تھے اگرچہ وہ راہ راست

پر آنے کے لئے گمراھی کو ضروری خیال کرتے رھے مگر ان کے پاس کوئی ایسا لائحہ عمل نہیں تھا جو انہیں انکار سے اقرار کی منزل تک لے جاتا۔ وہ کونسا راستہ تھا جو وہ اختیار کرنا چاھتے تھے مگر کر نہ سکے یوں محسوس ھوتا ھے جیسے کوشش کے باوجود وہ راستہ انہیں مل نہ سکا۔ ان کی ایک رباعی ملاحظہ کیجئے

ھے اور بھی اک راہ مذھب کے سوا　　منطق کے سوا علم مذبذب کے سوا

باز آ گئے منزل سے کہاں کی منزل　　مطلب نہیں کوئی ترک مطلب کے سوا

جس طرح یگانہ عابدوں کے تراشے ھوئے معبود کا انکار کرتے ھیں اسی طرح وہ "کعبۂ خانہ ساز" سے اختلاف رکھتے ھیں گویا وہ مذھب کو داخلی زندگی کا ایک ایسا جزو سمجھتے ھیں جس کا خارجی زندگی سے برائے نام تعلق ھے۔کعبہ ان کے نزدیک دل اور دل کعبہ کے مثل ھے اسی لئے انہیں کعبہ کا سفر گھر سے در تک معلوم ھوتا ھے کہ گھر اور در دونوں خانہ ساز ھیں جب کہ دل سے دل تک کی منزل انہیں بہت بھاری دکھائی دیتی ھے۔ دل کو یگانہ جلوہ گاہ عالی سمجھتے ھیں اور یہ یگانہ کی تشکیک کا مثبت پہلو ھے

مر مر کے مسافر سر منزل پہنچا　　پہنچا تو سہی مگر بہ مشکل پہنچا

دیکھے کوئی اس درد طلب کی پرواز　　دل ایک تڑپ میں تا در دل پہنچا

زنجیر سے ھونے کا نہیں دل بھاری　　ھوں پاؤں میں کتنے ھی سلاسل بھاری

کعبہ کا سفر ھی کیا ھے؟ گھر سے در تک　　دل سے دل تک، مگر ھے منزل بھاری

وہ دل جسے کہتے ھیں دیار امید　　آئینہ صد نقش و نگار امید

شاید تیری جلوہ گاہ عالی ھے وھی　　جس گھر میں ھے جلوہ گر بہار امید

یگانہ کے یہاں دل درد آشنا ھو کر زندگی کا اثبات کرتا ھے

دل زندہ ہے درد مغتنم ہے جب تک — آباد ہے گھر ہجومِ غم ہے جب تک

بچھڑے ہیں تو کیا آپ سے اک لاگ تو ہے — دم بھرتے رہیں گے دم میں دم ہے جب تک

یگانہ تصوف کی طرف میلان نہیں رکھتے تھے وہ اپنے اشعار میں تصوف کی اصطلاحوں تک محدود رہے۔ " دل " ان کی شاعری کا مرکزی حوالہ ہے۔ " ترانہ " کی تقریباً نصف رباعیوں میں " دل " مختلف مفاہیم میں استعمال ہوا ہے اسی طرح مجسم اور موہوم کی بحث اور انسانی مجبوریوں کا احساس انہیں تصوف کے قریب لے جاتا ہے مگر ان کی ذات راہ میں حائل ہو جاتی ہے اور یہ ان کی مجبوری تھی کہ وہ اپنی ذات کی نفی نہیں کر سکتے تھے اپنے آپ سے باہر وہ کچھ بھی ڈھونڈنے یا پانے کے قائل نہیں رہے۔ ان کی خودپسندی کا حوالہ صوفی کے تسلیم و رضا سے بالکل مختلف ہے۔ یکتائی کا مضمون یگانہ کی غزل کے مقطعوں میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ یہاں ان کی ایک رباعی دیکھئیے جس کا عنوان ہے " یگانہ ہوں میں "

مہماں ہے تو صاحبِ خانہ ہوں میں — آئینۂ حسنِ جاودانہ ہوں میں

مجھ سا کوئی دوسرا نہ تجھ سا کوئی — یکتائے جہاں تو ہے یگانہ ہوں میں

ایسی رباعیاں یگانہ کی خودپسندی اور انانیت کا مظہر ہیں اگر وہ تصوف کی طرف مائل ہوتے تو ان کی حد سے بڑھی ہوئی انانیت کی تہذیب ممکن تھی اور وہ بھی غالب کی طرح کہہ سکتے تھے ۔ہ اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یگانہ غالب کی طرح وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا جلوہ نہ کر سکے بلکہ وہ تو " حسنِ یگانہ " کو دیکھ کر اتنے مسحور ہوئے کہ پھر کسی اور کو نہ دیکھ سکے گویا وہ صوفی کی طرح اپنی ذات کی نفی کر کے حسنِ حقیقی کا اثبات نہ کر سکے۔ اس کی وجوہ کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

در اصل یگانہ کے ذاتی مسائل اور خارجی زندگی کی معرکہ آرائی نے انہیں اس قدر مصروفِ پیکار رکھا کہ ان کی فکر کی تنظیم نہ ہو سکی۔ وہ اپنے ماحول سے مستقل الجھے رہے

جس کی وجہ سے وہ اپنے گرد و پیش سے اوپر نہ اٹھ سکے۔ فرد اپنی زندگی میں بہت سے سمجھوتے کرتا ہے اور بعض اوقات اپنے گرد و پیش سے مطابقت نہ رکھنے کے باوجود اسے قبول کر لیتا ہے اور خود اپنی محرومیوں کو، اپنے ماحول کو اور یہاں تک کہ اپنے عقیدے کو جذب (TRASCEND) کرنے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے۔ یگانہ کی کمزوری یہ تھی کہ وہ ایسا نہ کر سکے وہ اپنی ذات کے حوالے سے کسی ایک معمولی واقعہ کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے بلکہ اسے پوری زندگی پر پھیلا کر دیکھنے کے عادی ہو گئے تھے یہاں تک کہ بعض لوگوں کی انفرادی کمزوریوں اور خامیوں کو بھی اجتماعی رنگ میں دیکھنے لگے تھے کسی ایک یا چند خبط مذہب رکھنے والوں کی وجہ سے وہ پورے مذہب کو مطعون کرنے پر اتر آئے لکھنو میں چند شعراء نے ان کے دامن کو حریفانہ کھینچا تو وہ سارے لکھنو پر برس پڑے۔ ان کی غالب شکنی کی وجہ یہ تھی کہ "غالب پرستی" ان کے زمانے کا چلن قرار پائی تھی۔ گویا یگانہ نے اپنی بیشتر توانائیاں فوری ردعمل ظاہر کرنے پر صرف کر دیں۔ اگر ان کی صوفیانہ تربیت ہو گئی ہوتی تو ان میں جذب و قبول کا مادہ پیدا ہو جاتا اور رواداری کا ایسا جذبہ جنم لیتا جو معاف کر دینے کی طاقت اور صبر کی ہمت دیتا ہے جب کہ یگانہ کی لغت میں معافی مانگنے یا معاف کر دینے کے الفاظ ہی نہیں تھے۔ یگانہ نے انانیت کے حوالے سے خود کو منوانے (SELF ASSERTION) کی کوشش کی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یگانہ اپنے "فلسفۂ خود پرستی" کی وجہ سے نہیں اپنے شاعرانہ کمال کی وجہ سے مانے جائیں گے ان کا فلسفہ خود پرستی بہت عرصے تک ان کی تفہیم کی راہ میں دیوار بنا رہا اور اب جب کہ ان کی محرومیوں کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ یگانہ کی تعلی اور خود ستائی کو ان کی مجبوری اور ان کی ضرورت سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

یگانہ نے "ترانہ" میں مزاحیہ کا عنوان قائم کر کے طنزیہ اور مزاحیہ رباعیوں کو الگ کر دیا ہے لیکن اس حصے کے علاوہ بھی ان کی بیشتر رباعیوں میں طنزیہ لہجے کی کاٹ موجود ہے یگانہ کا طنز خاصا تیکھا اور کڑوا ہوتا ہے طنز میں تو ویسے بھی نوک خار کی چبھن ہوتی ہے

مگر یگانہ کے طنز میں تلخی بھی گھلی ہوئی ہے وہ جس پر چوٹ کرتے ہیں اس کا تلملانا واجب ہے یہی وجہ ہے کہ "ترانہ" کے شائع ہوتے ہی جیسا شدید رد عمل ظاہر ہوا ایسا شاید ہی کسی شعری مجموعے کی اشاعت پر ہوا ہو گا (تفصیل آئندہ باب میں ملاحظہ کیجئے)

یگانہ نے اپنی " مزاحیہ " رباعیوں میں " ستم ظریفیٔ فطرت "، " حسن ِ دوروزہ "، " رسمی عبادت "، " قومی سیاست "، " دنیا ئے دنی "، " آنکھوں والے مگر عقل کے اندھوں "، " شیخ و برھمن " ادواتن کے توتوں (تقلید پرستوں) ، غالب پرستوں اور غالب کو موضوع بنایا ہے۔ مجموعی طور پر ان کا مزاح سطحی اور عامیانہ ہے خاص کر ان کی رباعیوں میں جو غالب یا غالب پرستوں کے بارے میں ہیں تاہم کہیں کہیں ان کے طنز میں گہرائی بھی دکھائی دیتی ہے اور ان کے فطری طناز ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ ایسی رباعیوں میں محض الفاظ کا الٹ پھیر نہیں ہوتا بلکہ ایک مقصد اور خیال بھی ہوتا ہے دیکھئیے

دیکھوں کب تک گلوں کی یہ تشنہ لبی   فطرت کا گلہ کروں تو ہے بے ادبی
پیاسے تو ہیں جاں بلب مگر ابر کرم   دریا پہ برستا ہے زہے بوالعجبی

یگانہ کی رباعیوں پر کی جانے والی بحث کے بعد اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں کہ ان کی رباعیوں کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جس میں سوز ِ عشق اور غم ِ جدائی کا تصور ان کے لہجے میں لوچ اور گھلاوٹ پیدا کرتا ہے اور دوسرا حصہ وہ ہے جس میں یگانہ زندگی کے جبر ِ مسلسل کو موضوع بناتے ہیں اور ناگوار حالات سے مردانہ وار نمٹنے کے لئے اپنے لہجے کو صقیل کر لیتے ہیں۔

یہ بحث ادھوری رہ جائے گی اگر ہم یگانہ کی رباعیوں میں متعارف ہونے والے ایک نئے اسلوب ِ شعر کا جائزہ نہ لیں " ترانہ " میں ایسی رباعیوں کی تعداد کم نہیں جن میں ہندی بھاشا کی روح شامل ہے۔ دکنی شاعری پر ہمیشہ سے ہندی بھاشا کا اثر رہا ہے۔ دکن میں گیت اور دوھے کی روایت بھی ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ مستحکم ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دکنی تمدن اپنے جغرافیائی حصار کی بنا پر بیرونی اثرات سے محفوظ

رہا۔ دکنی تہذیب اس وقت سے دفاعی تہذیب ہے جب شمالی ہندوستان کے حکمران دکن پر قبضہ کرنے کے لئے منصوبے بنایا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ دکنی اردو پر فارسی اور عربی کے اثرات محدود نظر آتے ہیں۔ گیت اور دوہے کا خمیر ہندوستان کی مٹی سے اٹھا تھا یگانہ کی بیشتر رباعیاں بھی اسی مٹی کی مہک لئے ہوئے ہیں۔ ساجن، سکھی، سنسار، کاگا جیسے لفظ دوہے کا مزاج رکھتے ہیں۔ فارسی شاعری میں بلبل کے چہچہے سنائی دیتے ہیں۔ فارسی شاعری کی پیروی میں " بلبل " اردو شاعری کا بھی مستقل کردار رہا ہے۔ جب کہ مقامی روایتوں اور قصوں میں کاگا (کوّا) اہم کردار ہے۔ کوّے کا اچانک گھر کی منڈیر پر آ کر بیٹھ جانا اور کائیں کائیں کرنا مہمان کی آمد کا بلیغ استعارہ سمجھا جاتا ہے اور اگر آنے والا مہمان " ساجن " ہے تو کوّے کی موجودگی فال نکالنے کا کام بھی دیتی ہے۔ یعنی کاگا سے اگر راہ مانگی جائے ۔ یگانہ کے لفظوں میں " کاگا راہ تو دے کاگا " یہ الفاظ کہنے پر اگر کوّا جس مقام پر بیٹھا ہوا ہے وہاں سے اٹھ کر قریب ہی دوسری جگہ پر جا بیٹھے تو گویا یہ فال نیک ہے، یعنی کاگا نے راہ دے دی اور فال نکل آئی کہ ہاں اب وہ ضرور آ رہے ہیں بس آتے ہی ہوں گے۔" (17) یگانہ کی ایک رباعی دیکھئیے :

دکھ درد کے ماروں کا نصیبا جاگا	گھر بولتا ہے آج دلدر بھاگا
دن کاٹے ہیں گن گن کے اسی دن کے لئے	ساجن آتے ہیں راستہ دے کاگا

مذکورہ رباعی کے حوالے سے عابد علی عابد لکھتے ہیں " چاروں مصرعوں میں حرف " د " کی تکرار سے ترنم پیدا ہوا ہے اس پر غور کیجئیے۔ اسی طرح الف سے رباعی کا جو ٹھاٹھ بنا ہے اس کے رنگ پر غور کیجئیے الف کی تکرار آپ کی تفریح طبع کے لئے گنواتا ہوں ماروں، کا، نصیبا، جاگا، بولتا، آج، بھاگا، کاٹے، ساجن، آتے، راستہ، کاگا، اس رباعی میں حروف علت کی تکرار نے جو آہنگ پیدا کیا ہے ان لوگوں سے بھی پوشیدہ نہیں رہے گا جو موسیقی کا شعور نہیں رکھتے۔ اسی طرح " ی " کہ حرف علت ہے، کی تکرار بھی ٹھاٹھ متعین کر رہی ہے یعنی کے، ہے، ٹے، کے، اسی، کے لئے، آتے اور دے " (18)

اسی طرح ان کی رباعی میں ساجن ، پیا اور سکھی کے لفظ میں محبت، رفاقت اور رازدارانہ قربت کا گہرا احساس ملتا ہے " سنسار " پورے عالم کا مفہوم رکھتا ہے اور " سونا سنسار " میں سناٹے، ویرانی اور تنہائی کی جو کیفیت ہے اس کا متبادل کوئی دوسرا لفظ نہیں۔

ہندی دوہوں اور گیتوں میں خصوصاً عورت کی زبان سے جدائی کے مضامین کا بیان ان کی تاثیر میں اضافہ کرتا ہے یگانہ نے فرقت کی ذاتی واردات کو بیان کرنے کے لئے اسی روایت سے کام لیا ہے۔ " ترانہ " کی رباعیوں میں مجموعی طور پر ہندی آمیز لہجہ نمایاں ہوا ہے ان میں گاڑھے عربی فارسی الفاظ کے بجائے آسان نرم اور ملیح لہجے اور سیدھے سادے الفاظ و تراکیب کا استعمال زیادہ ملتا ہے ان رباعیوں میں نامانوس اور غیر مستعمل الفاظ کی بھی کثرت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یگانہ اردو شاعری کے مستعمل ذخیرہ الفاظ(WORKING VOCABULARY) سے ہٹ کر نئے الفاظ متعارف کرانا چاہتے ہیں یگانہ نے محاورں ، کہاوتوں روزمرہ تراکیب، نئے نئے الفاظ اور ان کی شکست و ریخت کے عمل سے رباعیوں کو سجایا ہے ان کی وہ رباعیاں بھی توجہ طلب ہیں جن میں غیر مانوس الفاظ کا استعمال اکھڑا اکھڑا معلوم ہوتاہے۔

ہندی لب و لہجے کی آمیزش کے علاوہ یگانہ کی رباعیوں میں فارسی شاعری کے آہنگ دار اسلوب کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں یگانہ نے فارسی غزلوں کے علاوہ فارسی رباعیاں بھی کہی ہیں اگرچہ ان غزلوں اور رباعیوں میں موضوعاتی سطح پر کوئی بڑی تبدیلی نظر نہیں آتی تاہم فارسی اسالیب سے یگانہ کی واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے گویا یگانہ کی رباعی میں ایک طرف تو فارسی رباعی کا کلاسیکی آہنگ ملتا ہے اور دوسری طرف ہندی بھاشا کے اثرات اور ٹھیٹھ اردو لہجہ دکھائی دیتا ہے۔ یگانہ الفاظ کو برتنے کا سلیقہ جانتے تھے جس کی وجہ سے وہ الفاظ جو شعری زبان کے لئے غیر مانوس یا اجنبی رہے وہ بھی ان کی رباعی میں اس طرح کھپ گئے ہیں کہ ایک نئی شعری زبان بنتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ عابد علی عابد یگانہ کی رباعیوں کے لہجے کے حوالے سے لکھتے ہیں " یاس یگانہ چنگیزی کی رباعیات میں مجھے وہ لہجہ ملتا ہے جو فارسی رباعی

سے خاص ھے اس کے ھاں خیام کی طرح فکر کی تنظیم ھے، استعارے اور تشبیہہ کی جدّت ھے، ابو سعید ابوالخیر کی طرح محاورے میں رسی بسی وہ سجیلی ، میٹھی ، رس بھری اردو زبان ھے جسے نہ فارسی اور عربی نے بوجھل بنایا ھے نہ ھندی نے بیگانہ کر کے دکھایا ھے۔" (19)

یگانہ کی رباعیوں کے زیر اثر اردو رباعی میں اسلوب و معنی کی سطح پر تبدیلی کے آثار دکھائی دیتے ھیں فراق گورکھپوری کی رباعیاں اس کی واضح مثال ھیں تاھم رباعیوں میں یگانہ نے جو محاورے اور الفاظ استعمال کئے ھیں ان میں سے بہت سوں کی تراش خراش ابھی ھونا تھی۔ یہ کام فراق گورکھپوری کے ھاتھوں ھوا۔ فراق کی رباعیوں کے مجموعہ " روپ " کی زبان یگانہ کے مجموعے " ترانہ " کی زبان کی ترقی یافتہ صورت ھے جس میں ھندی اور اردو کے تال میل کے کامیاب نمونے ملتے ھیں۔ یگانہ نے اردو میں SLANG کے استعمال کو رواج دیا جس کا مقصد ڈاکٹر سید اعجاز حسین کے لفظوں میں " زور دار بات کہنا اور ادبی طور پر غیر مستعمل الفاظ و محاورات کی پذیرائی کے امکان کو نمایاں کرنا ھے۔" (20)

اردو شاعری کا لب و لہجہ فارسی زدہ ھے یگانہ نے خالص اردو لہجہ کو آزاد کرانے کی کوشش کی۔ انہوں نے بغیر کسی جھجک، بغیر کسی لکنت اور بغیر کسی احساس کمتری کے اس لہجہ کو غزل اور رباعی میں برتا۔ اردو شاعری کی روایت میں یہ ایک چونکا دینے والی تبدیلی تھی یگانہ کی ایک رباعی ھے

پھر کوئی نئی لگن لگی ھے شاید	ھاں ھاں تہ پیرھن لگی ھے شاید
دل پریم کے ساگر میں بے تاب ھے کیوں	تازہ کوئی ڈگن لگی ھے شاید

" لگن لگی ھے شاید "، " ڈگن لگی ھے شاید " یہ وہ زبان ھے جسے روزمرہ گفتگو سے اٹھا کر یگانہ نے رباعی میں برتا۔ بہت سے ایسے الفاظ جو گفتگو کا تو حصہ رھے مگر شاعری میں لائق انتخاب نہیں سمجھے گئے یگانہ نے انہیں ایوانِ شاعری میں نشست دی یگانہ کی اس کاوش کے حوالے سے جوش ملسیانی لکھتے ھیں " ذوقِ سلیم اور سلیقہ میسر ھو تو ٹھیٹ زبان کے اشعار میں

بھی حسن سخن پیدا کیا جا سکتا ھے اور عطف و اضافت سے بھی کلام کو بچایا جا سکتا ھے اس کوشش میں مرزا صاحب کا یہ کلام قندیل راہ کا کام دے گا مگر افسوس کہ روزمرہ کی زبان کے یہ الفاظ جو ھماری تنگ دلی کے شکوہ سنج ھیں استعمال کرنا تو درکنار انہیں عامیانہ، سوقیانہ، مبتذل اور گردن زدنی قرار دیا جاتا ھے۔" (21) جوش ملسیانی نے جس اجتماعی احساس کمتری کا حوالہ دیا ھے یگانہ کی شاعری بالعموم اور ان کی رباعی بالخصوص اسے ختم کرنے کی بلیغ کوشش ھے یگانہ کی درج ذیل رباعیاں لسانی آزادی کا ثبوت ھیں

دنیانے دنی مجھ سے عداوت رکھے جھوٹی سچی ھزار تہمت رکھے
تیرے دم سے ھے اپنی دنیا آباد اے درد! خدا تجھ کو سلامت رکھے

دنیا کے مزے میں ڈوب کر کیا تیرتے آنکھیں رکھتے تو کیوں گڑھے میں گرتے
لو دیکھ لو اب عیش پرستوں کی دسا مردے دیکھے نہ ھوں گے چلتے پھرتے

پروانے کہاں مرتے بچھڑتے پہنچے دیوانہ صفت ھوا سے لڑتے پہنچے
پیاس آگ میں کود کر بجھانے والے دھن کے پکّے تھے گرتے پڑتے پہنچے

دیوانہ کیوں تیری نظر پر نہ چڑھے پروانہ وہ کیا جو شمع کے سر نہ چڑھے
کس کام کا وہ خار جو دل میں نہ گڑے وہ پھول ھی کیا جو مہیسر نہ چڑھے

ھم پلہ تھے دو گل کوئی چھوٹا نہ بڑا کانٹوں میں تلا کوئی نگاھوں میں تڑا
کھلتا نہیں کیا جانے کیا پھیرا پڑا پروان چڑھا کوئی گھوڑے پہ سڑا

وہ دل جسے لاگ ھو کسی سے نہ لگاؤ اک خاک کا ڈھیر ھے جہاں چونپ نہ چاؤ
ٹھنڈی مٹی کا اک انوکھا پتلا پہلو میں ھمیں کو دیکھ لو دور نہ جاؤ

کیا مفت کا بہتان خدا پر باندھا | کیا گردش تقدیر نے چرخہ باندھا
فطرت کیا ساتھ دیتی نامردوں کا | جیتے مُردے کو کون دیتا کاندھا

تقلید کے پھندے ہیں گلے میں جن کے | واللہ قدم رکھتے ہیں کیا گِن گِن کے
رفتار میں تیزی نہ پرواز بلند | شاعر تو نہیں تو تے ہیں اد وائن کے

ایک بالکل نئے اور ٹھیٹ شعری لہجے کے باوجود یگانہ کی رباعیوں میں تمام فنی محاسن موجود ہیں ان میں جامعیت اور خیال کی مکمل ادائی ملتی ہے اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر فرمان کے لفظوں میں " ان کے اسلوب کی تندی و تیزی، کڑک، گرج اور زور و اثر اکثر جگہ برقرار رہتا ہے اور بحیثیت مجموعی ان کی رباعیوں میں زندگی کی وہی ہمہ گیری و توانائی ملتی ہے جو اردو کے چند بڑے رباعی گو جوش، فراق اور امجد وغیرہ کے یہاں نظر آتی ہے۔" (22) رباعی کے فن کو باقر مہدی " آبگینے کا فن " کہتے ہیں ان کے خیال میں " اس میں مہارت چند ہی شاعروں کو حاصل ہے ان میں بیسویں صدی کے شاعروں ہی میں نہیں بلکہ انیس کے بعد یگانہ کا نام آتا ہے پھر جوش اور فراق کا "(23)

یگانہ کی مطبوعہ اور غیرمطبوعہ رباعیوں کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے موضوعات کے اعتبار سے ان میں خاصا تنوع ہے۔طنزیہ اور مزاحیہ رباعیوں کے علاوہ ایک بڑی تعداد سنجیدہ، حکیمانہ، اخلاقی، معاشرتی اور سماجی مضامین پر مشتمل رباعیوں کی ہے، رباعی میں یوں تو کسی مضمون کو خاص طور پر پیش نہیں کیا جاتا پھر بھی بعض مضامین ایسے ہیں جنہیں ہمیشہ سے رباعی میں جگہ دی گئی ہے۔ ان میں مابعد الطبیعات ، ناپائیداریٔ کائنات اور پند و نصائح کے مضامین کو خصوصیت حاصل رہی ہے۔ یگانہ کے بعض مضامین پر مابعدالطبیعات سے متعلق ہونے کا گمان گزرتا ہے مگر یہ طے ہے کہ یگانہ کا نقطۂ نظر صوفیانہ نہیں شاعرانہ ہے۔ وہ صوفی شعراء کی طرح شعری احساس سے ماورا ہو کر کائنات کی تفہیم نہیں کرتے۔ پند و نصائح کے مضامین کو یگانہ نے یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ جملہ مضامین کا اظہار بلند اور کڑکدار

لہجے میں کرتے ہیں۔ بلند آہنگ لہجے میں عام طور پر روانی اور بہاؤ تو پیدا ہو جاتا ہے مگر شعر کے فنی محاسن پس منظر میں چلے جاتے ہیں یگانہ کے لہجے کا اعتماد ان کے مصرعوں کو بے کیف ہونے سے بچاتا ہے ان کے اکثر مصرعے مترنم اور خوش آہنگ ہوتے ہیں وہ مصرعوں کی تراش خراش میں خصوصی فنی مہارت کا ثبوت دیتے ہیں۔ عابد علی عابد کے لفظوں میں " ان کے الفاظ کی کاٹ اور مصرع کہنے کا پینترا ایک عجیب رنگ رکھتا ہے کہ شنیدنی ہے۔" (24)

یگانہ کی رباعیوں میں انفرادیت کے جو منفی پہلو ابھر آئے ہیں وہ ان کے مزاج کی سختی، اپنے ماحول سے بیک وقت محبت اور نفرت، معرکوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تلخی اور جھنجھلاہٹ اور رفتہ رفتہ پیدا ہو جانے والی بے اعتمادی کے سبب سے ہیں اگرچہ خود یگانہ نے " ترانہ " کے " مغالطہ " میں اپنے مزاج کی تلخی اور برھمی سے انکار کیا ہے لیکن اس کے اثرات بہر صورت مسلم ہیں۔

یگانہ کی رباعیوں کا ایک کڑا انتخاب انہیں صف اوّل کا رباعی گو منوا سکتا ہے ان کی رباعی میں تنقید حیات کا عنصر موجود ہے۔ قدرت زبان کی وجہ سے وہ کھرے خیالات، صاف اور بامحاورہ عبارت میں بیان کرتے ہیں۔ ان کی رباعیاں بے معنی رعایت لفظی سے مبّرا ہیں اور ان میں غزل کی طرح فن کا مکمل برتاؤ موجود ہے۔ یگانہ کی رباعیوں پر اعتراضات کی بھرمار رہی ہے۔(25) مگر اب وہ اعتراضات بھی پرانے رسائل کی فائلوں کے انبار میں یا تو دب چکے ہیں یا انہیں دیمک چاٹ چکی ہے۔

حـــواشـــی

=•=•=•=•=

1- بحوالہ۔رباعیات منشی تلوک چندمحروم، صفحہ 12، طبع دوم

2- بحوالہ اصول انتـقاد ادبیات، صفحہ 433، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاھور، مئی 1966ء

3- بحوالہ مضمون " اردو رباعی کا فنی و تاریخی ارتقاء "مطبوعہ نـگار پاکستان (اصناف شاعری نمبر)، سالنامہ 1967ء، صفحہ 29

4- ڈاکٹر عبدالسلام سندیلوی کا مضمون " رباعی کی وجہ تسمیہ " مطبوعہ اردو نـظم پـر تنـقـیدی نـظر، صفحہ 219، تاج بک ڈپو لاھور 1966ء

5- بحوالہ۔نـگار پاکستان (اصناف شاعری نمبر) صفحہ 219

6- یـگانہ کے مجموعہ رباعیات کا بھی یہی نام ھے۔

7- بحوالہ۔اردو نـظم پر تنـقـیدی نـظر، صفحہ 537

8- بحوالہ۔اصول انتـقاد ادبیات، صفحہ 426

9- ھزج کے لغوی مـعنی مترنم آواز، خوش گوار موسیقی کے ھیں(بحوالہ غیاث اللغات)

10- بحوالہ۔اصول انتـقاد ادبیات، صفحہ 428

11- رباعی کے چار مصرعے

12- بحوالہ مضمون " یـگانہ کی غیر مـطبوعہ رباعیات " مطبوعہ تنقیدی تحریریں، صفحہ 170 آئینہ ادب، لاھور، نومبر 1984ء

13- بحوالہ۔اردو رباعی فنی و تاریخی ارتقاء، صفحہ 124، مطبوعہ مکتبہ عالیہ لاھور، طبع دوم 1984ء

14- مخزونہ نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی، نمبر این ایم 1963.215/13

15- ایـضـاً، نمبر 1963.215/23

16- بحوالہ مضمون " کچھ یـگانہ اور ترانہ کے بارے میں "، مطبوعہ " شاعر " بمبئی، ستمبر 1985ء، صفحہ 14۔

17- بحوالہ یگانہ کا خط بنام شعلہ،محررہ 1 اکتوبر 1928ء، این ایم نمبر 1963،25/13۔

18- بحوالہ اصول انتقاد ادبیات، صفحہ 437-438

19- ایضاً، صفحہ 435

20- بحوالہ مختصر تاریخ ادب اردو، صفحہ 247، مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ، پہلا پاکستانی ایڈیشن 1956ء

21- بحوالہ مضمون " میرزا یگانہ چنگیزی "،مطبوعہ " آج کل " دھلی، یکم اپریل 1945ء،صفحہ 11

22- بحوالہ اردو رباعی فنی و تاریخی ارتقاء، صفحہ 124

23- بحوالہ مضمون " یگانہ آرٹ " مطبوعہ " آج کل " دھلی مئی 1956ء، صفحہ 11

24- بحوالہ اصول انتقاد ادبیات، صفحہ 435

25- ملاحظہ کیجئے مضمون " میرزا یگانہ عقل و خرد سے بیگانہ " از علامہ مضحک دھلوی " ساقی " دھلی، اپریل 1934ء، صفحات 41 تا 64۔

" بیگانہ شاعری " از ماھر القادری، " ساقی " دھلی، مئی 1934ء، صفحات 57 تا 71۔

" ترانہ یگانہ " از " نقاد "، " الناظر " لکھنو،مارچ اپریل 1936ء،صفحات 73 تا 88۔

باب ہفتم

یگانہ کے ادبی معرکے

یگانہ کی لکھنو آمد اور شعری فضا -- " نشتر یاس" اور " چراغ سخن " کی اشاعت اور شعرائے لکھنو سے محاذ آرائی کا آغاز -- لکھنو کے مشاعروں میں یگانہ کے بارے میں پڑھی جانے والی ھجویں -- عزیز لکھنوی کے ایک شعر پر یگانہ کی پھبتی -- عروض کی بحثیں -- یگانہ کی غزل پر اعتراضات -- رسالہ " نظارہ " میرٹھ (جولائی 1918ء) میں عزیز لکھنوی کے کلام پر یگانہ کے پچھتر اعتراضات -- یگانہ کے لہجے کی جارحیت کے محرکات -- لکھنو اور بیرون لکھنو مشاعروں میں یگانہ کا بائیکاٹ -- انجمن معیار ادب لکھنو کے متوازی انجمن خاصان ادب لکھنو -- یگانہ کا اظہار فضیلت --

" شہرت کاذبہ المعروف بہ خرافات عزیز " کی اشاعت اور یگانہ کی " اودھ اخبار " لکھنو سے برطرفی -- شعرائے لکھنو اور غالب کمپلیکس -- غالب اور یگانہ کا اشتراک ذہنی -- غالب کے بارے میں یگانہ کے مضامین کا تجزیہ اور غالب دشمنی کی حقیقت -

" محاسن کلام غالب " کی اشاعت اور یگانہ کا رد عمل -- " ترانہ " کی " مزاحیہ " رباعیاں -- مخالفانہ رد عمل -- غالب شکنی کے عوامل اور " غالب شکن " کی شان نزول -- "غالب شکن " یا غالب کے طرف دار -- یگانہ بنام غالب کی مثل کا داخل دفتر ہونا --

اقبال اور یگانہ -- ادب آموز کا جارحانہ لہجہ -- ادب آموز کی حقیقت -

" شعرائے حال میں یگانہ کا درجہ " -- " ادب خبیث " کی بحث -- ذہنی چنگاریاں -- حواشی --

یگانہ کی عمر کا ایک بڑا حصہ علمی و ادبی معرکوں میں گزرا۔ لکھنو آنے کے بعد سے بسترِ مرگ تک ان کو معرکوں سے فرصت نہ ملی۔ اگرچہ یگانہ کے اپنے معاصرین سے بہت سے اختلافات شعر و فن کی راہ سے تھے مگر ان معرکوں میں ان کے مخالفین نے ان کے ساتھ جو طرزِ عمل روا رکھا اور اس کے ردِعمل میں خود یگانہ نے جو روّیہ اختیار کیا اسے مدِنظر رکھتے ہوئے ان معرکوں کے بیشتر حصوں کو ادب کی بحث سے خارج کر دینا چاہئیے تاہم یہ معرکے چونکہ یگانہ کے کردار اور فن کو سمجھنے میں مدد کرتے ھیں اس لئے ان کا مختصر جائزہ لینا ضروری ھے۔

یگانہ نے تمام عمر تحفظ ذات کی جنگ لڑی تھی مگر ان کا انداز حملہ آوروں کا سا تھا جس سے گمان گزرتا ھے جیسے مداخلتِ بے جا کا جرم یگانہ سے سرزد ہوا تھا بالخصوص جس طرح وہ لکھنو کے اہلِ زبان شعراء سے لڑتے لڑتے غالب کو اس لڑائی میں گھسیٹ لائے تھے اور بعد کو "غالب شکن" بن گئے تھے اس سے خود ان کی ذات اور شاعری کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا بڑے نقاد تو ایک طرف رہے ایک عام آدمی کو بھی ان کی شعر فہمی اور ذوقِ شعری پر شبہ ہونے لگا اور وہ اس وقت کے معروف نقادوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے اور اپنی "شہرت" کے سبب نک چڑے، تنک مزاج، خودپسند، مغرور اور نہ جانے کیا کیا سمجھے جاتے رہے۔ جس کے نتیجے میں لوگ ان کے بارے میں یک طرفہ رائے قائم کرنےلگے۔ جس کی ایک مثال میکش اکبرآبادی کا یہ بیان ھے "جب مجھے معلوم ہوا کہ یگانہ صاحب نے مرزا غالب پر بھی اعتراض کئیے ھیں

تو مجھے ان کے نام سے نفرت ہو گئی اور میں نے انہیں بھول جانے کی کوشش کی اور بھول گیا۔" (1)

یگانہ کے معرکوں کی تفصیل خاصی طویل ہے۔ان کی نجی زندگی پر بھی ان معرکوں کے اثرات نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں اگرچہ یہ روداد کسی بھی پہلو سے خوشگوار نہیں ہے مگر چونکہ ان کی زندگی اور شاعری کے بناؤ اور بگاڑ میں ان معرکوں کے نتائج نے حتمی کردار ادا کیا ہے اس لئے اس کی تفصیل میں جائے بغیر نہ تو یگانہ کی شخصیت کا مطالعہ مکمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان کے فن کا ۔

یگانہ کے لکھنو آنے کے بعد ان کے اور شعرائے لکھنو کے درمیان چشمک کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جس کا اختتام یگانہ کے مرنے پر ہوا اس لئے ان کی معرکہ آرائیوں کی داستان بھی وہیں سے شروع ہوتی ہے جب وہ نوجوان تھے اور مرزا واجد حسین یاس عظیم آبادی کے نام سے جانے جاتے تھے۔ یہ یگانہ کی شاعری کا اولین دور تھا اور ان کی غزل بھی روایتی غزل کے لوازمات سے مزین تھی اس لئے ان کے آنے سے فوری طور پر لکھنو کی زندگی میں کوئی ہلچل پیدا نہیں ہوئی یگانہ باقاعدگی سے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے لکھنو کی شعری فضا پر اس وقت عزیز، صفی، آرزو اور ثاقب چھائے ہوئے تھے یہ لوگ اور ان کے ان گنت شاگرد نہ صرف غالب کی زمینوں میں غزلیں کہہ رہے تھے بلکہ طرز غالب کی تقلید میں بھی کمربستہ تھے۔ ان معروف شعراء کی خوشنودی حاصل کئے بغیر کسی نو آموز شاعر کا لکھنو کے ادبی میدان میں قدم جمانا محال تھا۔یگانہ ابھی نو آموز ہی نہیں لکھنو میں نووارد بھی تھے اور لکھنو کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ وہ منشی نول کشور کے لفظوں میں " تراش خراش، بول چال میں اور شہروں کی زبان کو اپنے برابر نہیں جانتے تھے۔" (2) لکھنو کے مشاعروں کی مثالی شائستہ فضا زوال پذیر تھی ، چنانچہ لکھنو آنے کے بعد یگانہ نے کاظم صاحب جاوید ، عارف، اوج ، فصاحت، انجم اور افضل سے نیاز حاصل کئیے اور پیارے صاحب رشید سے اپنے اشعار پر اصلاح لی مگر یہ سب یا تو شعر کہنا چھوڑ چکے تھے یا پھر انہوں نے مشاعروں میں پڑھنا ترک کر دیا تھا تاہم شعر و فن کی قدردانی کا سلسلہ جاری

رکھے ہوئے تھے۔ لکھنو کے شعراء نے " معیار الادب " کے نام سے ایک تنظیم بھی قائم کی ہوئی تھی۔

یہ ہم خیال شعراء کی انجمن تھی جس کا مقصد لکھنو یا انواحِ لکھنو میں منعقد ہونے والے مشاعروں پر اپنا تسلط قائم کرنا تھا۔ یہیں سے یگانہ کے ادبی معرکوں کا پہلا دور شروع ہوا، ڈاکٹر نیر مسعود لکھتے ہیں " یاس عظیم آبادی کے تیوروں سے بہت جلد ظاہر ہونے لگا کہ انہیں ان شاعروں کی کوئی خاص پروا نہیں اور وہ ان کے مقابلے میں شہر کے پرانے استادوں کو زیادہ مستند سمجھتے ہیں چنانچہ انہوں نے شاد عظیم آبادی کا شاگرد ہونے کے باوجود لکھنو میں میر انیس کے نواسے پیارے صاحب رشید سے اپنی چند غزلوں پر اصلاح بھی لی اس سے لکھنو کی فضا میں ایک کشیدگی سے پیدا ہوئی اور یاس پر اعتراض ہونے لگے کہ ان کی زبان ٹکسالی اور مستند نہیں۔" (3) " آیات وجدانی " طبع اوّل کے مطابق 1912ء سے یہ سلسلہ شروع ہوا، (صفحہ 279) اور اس میں شدّت " نشتر یاس" کی اشاعت کے بعد آئی۔ " نشتر یاس" 1914ء میں لکھنو سے شائع ہوا اس کے آغاز میں یگانہ کے کلام کے بارے میں لکھنو کے پرانے اساتذہ نواب انجم لکھنوی، اوج (خلف ارشد مرزا دبیر)، جاوید (خلف امید لکھنوی)، پیارے صاحب رشید (نبیرۂ انیس) عارف (نبیرۂ میر نفیس) اور فصاحت لکھنوی (خلف امانت لکھنوی) کی آراء شامل تھیں یگانہ نے ان صاحبان فن کے بارے میں حاشیے میں یہ جملہ لکھ دیا تھا " لکھنو کے اساتذہ سچ پوچھئیے تو یہی ہیں جن کی رائیں درج کی جاتی ہیں۔" (صفحہ الف) اس کے علاوہ یگانہ نے " ماھئیت شاعری " کے عنوان سے دیوان کا پیش لفظ لکھا جس کے آخر میں ان کا نوٹ قابل ذکر ہے لکھتے ہیں کہ انہیں " لکھنو اہل زبان نہ مانے جب خاندانی شعراً اور اہل زبان نے مان لیا تو معاصرینِ حال اور آئندہ نسلوں پر فرض ہے کہ یاس کی زبان اور اجتہادی تصرفات سے سند لیں .... مگر لکھنو کے اکثر نافہم دوسروں کے حقوق کو نہایت بے دردی سے پامال کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اہل انصاف کی نگاہوں میں خود ذلیل ہوتے ہیں۔" (صفحہ ع) یگانہ کے بیان سے ظاہر ہے کہ ان کے اور شعرائے لکھنو کے درمیان اوّل اوّل زبان کے مسئلے پر کشیدگی پیدا ہوئی

یگانہ کا تقریظ نگاروں کے بارے میں حاشیہ، غالب کے بارے میں رویہ اور اپنی زبان دانی پر فخر و مباہات کا اظہار ان کے احساس محرومی کو ظاہر کرتا ہے گویا شعرائے لکھنو نے ان کو وہ اہمیت نہیں دی جس کے وہ متقاضی تھے۔ یہیں سے ان کے اندر خود پسندی کے جراثیم پلنا شروع ہوئے اب تک تو وہ صرف یاس عظیم آبادی تھے اور اپنے آپ کو لکھنوی کہنا ابھی شروع نہیں کیا تھا تاہم بعض وجوہات کی بنا پر اپنے آپ کو اہل زبان ضرور منوانا چاہتے تھے مگر اب اپنے آپ کو اہل زبان منوانے کے لئیے انہوں نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر دیں۔ ادھر لکھنو والے انہیں تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے یوں محاذ آرائی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لکھنو میں ان کے قدم اکھاڑنے کی کوششیں شروع ہوئیں لیکن انہوں نے ہار نہ مانی۔ بدقسمتی سے یہ لڑائی ادب اور شعر کی محفل سے اٹھ کر گھر کے آنگن تک جا پہنچی۔ یگانہ اس مسئلے کو گھر سے باہر نمٹانا چاہتے تھے مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا۔

" نشتر یاس" کی اشاعت کے بعد مخالفت کا سیلاب امڈ آیا۔ رسالہ " معیار" کے ایڈیٹر اہر لکھنوی نے اس پر سخت تبصرہ کیا اور انجم اور اوج وغیرہ کو استادوں کی فہرست سے خارج کر دیا اور یہ ظاہر کیا کہ اب ان کا رائے دینا کچھ اعتبار نہیں رکھتا۔ " نشتر یاس" کی قیمت آٹھ آنے تھی یگانہ نے اس کے اشعار پر صاد بنا کر اہل نظر کو ان کی طرف خاص طور پر متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسی دوران شفق لکھنوی کے یہاں ان کے استاد آرزو لکھنوی کی صدارت میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں یگانہ بھی مدعو تھے اس مشاعرے میں صفی لکھنوی کے برادرخورد ظریف لکھنوی نے یگانہ کی موجودگی میں ہزل پڑھی جس میں یگانہ کے بارے میں ہجویہ اشعار بھی تھے۔ یگانہ خود نوشت میں لکھتے ہیں "اسی زمانہ میں منصور نگر میں شفق کے یہاں ایک مشاعرہ تھا جس میں میاں ظریف نے میری ہجو میرے سامنے پڑھی میں نے ظریف کو بہت داد دی مگر الحمدللّٰہ کہ اب تک میں نے کسی کی ہجو نہیں کی۔" (4) مشاعرے کے میزبان شفق لکھنوی نے بھی اس موقع پر خاموشی اختیار کی ظریف لکھنوی کی ہزل کے ہجویہ اشعار یہ تھے۔

لکھنو والوں کی سنجیدہ ظرافت دیکھی   سندیں دے کے بناتے ہیں مجھے سب شاعر ۔۔۔ ہ

شاعروں نے نہ لیا کیا اسے رذیل سمجھے   میرے دیوان کی آٹھ آنے جو قیمت دیکھی

انکھڑیاں پھاڑ کے رہ رہ گیا وہ شوخ نظر   میرے اشعار پر جب صاد کی کثرت دیکھی

ہے مرے منہ میں زباں اہل زباں ہوں میں ظریف   آپ نے میرا تصرف میری جدّت دیکھی (5)

" آیات وجدانی " طبع اوّل کے مطابق یہ ہجو تو مشاعرے میں پڑھی گئی تھی ایک اور ہجو چھپوا کر چوک میں تقسیم کی گئی (صفحہ 29) - یگانہ نے چراغ سخن طبع اوّل میں اس کے بارے میں لکھا ہے " لکھنو میں ایک شخص متخلص " آس" پیدا ہوئے ہیں ان کے نام سے ایک رجز (جس میں میری اور آتش مغفور کی ہجو کی گئی ہے۔) زبان فارسی میں چھپوا کر چوک میں تقسیم کیا گیا " (صفحہ 29) یگانہ نے آیات وجدانی طبع اوّل میں خیال ظاہر کیا ہے کہ فارسی میں ہجو صفی لکھنوی نے لکھی تھی (صفحہ 29)- انہوں نے " چراغ سخن " طبع اوّل میں فرضی نام سے لکھے جانے والے رجز کے اشعار بھی نقل کئے ہیں (صفحہ 29، 30) آیات وجدانی طبع اوّل ہی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یگانہ کی ایک غزل کے اشعار پر فحش مصرعے لگائے گئے تھے جن میں یگانہ کے والدین کی شان میں گستاخیاں کی گئی تھیں ان فحش مصرعوں کو صفدر مرزاپوری لوگوں کو سناتے پھرتے تھے (صفحہ 26) یگانہ کو گمان تھا کہ یہ مصرعے عزیز لکھنوی کے شاگرد جوش ملیح آبادی نے کہے تھے۔ (صفحہ 27)

شفق لکھنوی کے مشاعرے میں تو یگانہ صبر کے گھونٹ بھر کر چپ رہے لیکن مشاعرے کے بعد "معیار پارٹی" کے ایک اہم رکن عزیز لکھنوی کی اسی مشاعرے میں پڑھی جانے والی غزل کے ایک شعر کا روزنامہ " سیارہ " لکھنو میں جی بھر کر مضحکہ اڑایا۔ یگانہ نے اس کی تفصیل " خود نوشت " میں رقم کی ہے۔ عزیز لکھنوی کے اس شعر پر سارا مشاعرہ چیخ اٹھا تھا۔

۔ہ دل سمجھتا تھا کہ خلوت میں وہ تنہا ہوں گے   میں نے پردہ جو اٹھایا تو قیامت دیکھی

یگانہ نے لکھا تھا " اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ تنہا نہ تھے کوئی غیر بھی تھا اور قیامت کا سامنا تھا آخر وہاں کیا ہو رہا تھا کچھ کھل کے تو کہو کیا سچ مچ معاملہ بے ڈھب تھا۔ واہ واہ کیا پاکیزہ شعر ہے سبحان اللہ واضح ہو کہ یہ شعر میاں عزیز کے نزدیک سراسر رنگ

معرفت میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔" (6) یگانہ کا رد عمل خاصا شدید تھا حالاں کہ عزیز لکھنوی کا شعر تصوف کے روایتی مضمون کا حامل نظر آتا ہے، مگر یگانہ جس طرح مشاعرے سے چوٹ مول لے کر لوٹے تھے ان کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اسی رد عمل کی توقع کی جا سکتی تھی۔ یگانہ نے جس طرح " قیامت دیکھی " کی تاویلیں کیں اس سے عزیز کا یہ شعر ہزل کا شعر بن کر رہ گیا نتیجتہً یگانہ اور ان کے حریفوں کے درمیان لاگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

1914ء میں عروض و قوافی پر یگانہ کا رسالہ " چراغِ سخن " لکھنو سے شائع ہوا تو یگانہ نے اسے اپنے موقف کے اظہار کا ذریعہ بنایا اسی زمانے میں انہوں نے روزنامہ " سیارہ " لکھنو کے علاوہ " نظارہ " میرٹھ اور " خیال " ہاپوڑ میں مضامین لکھے، ڈاکٹر نیر مسعود کے خیال میں " علم عروض پر رسالہ لکھنے کا مقصد یہ ثابت کرنا بھی تھا کہ عروض دانی میں ان کے حریف ان سے پیچھے ہیں۔" (7) یگانہ کو زحافات کے استعمال پر بھی عبور حاصل تھا۔ اپنے اشعار میں زحافات کا استعمال کر کے وہ اپنے مخالفین کو مخمصے میں ڈال دیا کرتے تھے۔انھی دنوں یگانہ نے بحر منسرح میں چند شعر کہے جن میں خبن و طے و تسکین اوسط کے زحافات سے کام لیا گیا تھا۔ یہ تینوں شعر انہوں نے ایک صاحب کے ذریعے صفی، عزیز اور ثاقب کے پاس تقطیع کے لئے بھیج دئیے اشعار یہ تھے :

آج وہ کیوں زیرخاک سوتے ہیں آرام سے	کانوں پہ رکھتے تھے ہاتھ جو موت کے نام سے
دنیا کی آرزو نہ دین کی آرزو	اڑے ہیں ہوش ایسے اب گردش ایام سے
جلوۂ معنی کجا دیدۂ حیراں کجا	باز آؤ یاس اس آرزوئے خام سے

" چراغِ سخن " طبع دوم میں یگانہ نے اس معاملے کی تفصیل رقم کی ہے انہوں نے مطلع میں یاس کی جگہ کچھ اور لکھ دیا تھا۔ یگانہ لکھتے ہیں " صفی و عزیز نے تو بالکل سون کھینچی باوجود تاکیدی خطوط روانہ کرنے کے کوئی جواب نہ دیا مگر میاں ثاقب نے بے دھڑک جو جی میں آیا لکھ مارا ان تینوں اشعار کو بحر منسرح سے بحر بسیط میں لے گئے اور خوب خوب داد ہمہ دانی دی۔" (صفحہ 138)

یگانہ نے ایک مضمون " میاں ثاقب کی عروض دانی " کے عنوان سے " خیال " ھاپوڑ (بابت دسمبر 1915ء) میں شائع کیا اور اس میں ثاقب کی غلطیوں کی پکڑ کی ۔ ثاقب نے اس کا جواب ڈیڑھ سال بعد رسالہ " خیال " ھی میں شائع کیا جو اب میرٹھ سے نکلنے لگا تھا۔اس عرصے میں اطہر ھاپوڑی نے ثاقب کی حمایت میں " خیال " ھاپوڑ (اپریل 1916ء) میں ایک مضمون لکھا جس کا جواب یگانہ نے" خیال " ھاپوڑ کے جون 1916ء کے شمارے میں دیا ثاقب نے یگانہ کے مضامین کے رد میں"خیال" میرٹھ(اپریل 1917ء) میں مضمون لکھا تو یگانہ نے" میاں ثاقب کی ڈھٹائی " کے عنوان سے رسالہ " مذاق عروض " لکھنو(دسمبر 1917ء) میں جواب الجواب تحریر کیا۔ اس تمام کارروائی سے یگانہ یہ باور کرانا چاھتے تھے کہ انکے حریف عروض کی باریکیوں سے نابلد ھیں انھیں اس میں کامیابی بھی ھوئی ۔

ابھی اس معرکے کی گونج سے فضا میں ارتعاش باقی تھا کہ لکھنو کے اخبار اودھ پنچ (شمارہ 12 اپریل 1918ء) میں ناطق بلگرامی نے سیف زبان لکھنوی کے نام اور " ادبی دنیا کا انقلاب " کے عنوان سے یگانہ کی ایک غزل کے چار اشعار پر اعتراضات کر دئیے۔یگانہ نے یہ سمجھتے ھوئے کہ ع کوئی معشوق ھے اس پردہ ز نگاری میں ۔ ان اعتراضات کا جواب رسالہ " نظارہ " میرٹھ(بابت جولائی 1918ء) میں شائع کیا یگانہ کی جس غزل پر اعتراض کئے گئے تھے اس غزل کا مقطع تھا

ے نہ چُھپا پر نہ چُھپا جوھرِ عالی نسبی یاس مٹنے پہ بھی خاک درِ میخانہ بنے

ڈاکٹر نیر مسعود اپنے مضمون " یگانہ کے معرکے " میں لکھتے ھیں " اس مقطع پر یہ فقرہ چست کیا گیا تھا کہ اس سے شاعر کے خاندان کا پتہ چلتا ھے اور اس پر جو مصرعے لگائے گئے تھے ان سے یاس کے والدین کی منقصت نکلتی تھی۔ یاس کا خیال تھا کہ یہ مصرعے جوش ملیح آبادی نے لگائے ھیں جو عزیز کے شاگرد تھے یاس کو یہ بھی یقین تھا کہ سیف زبان لکھنوی دراصل ناطق لکھنوی ھیں جنھوں نے عزیز کے کہنے پر یہ اعتراضی مضمون لکھا ھے چنانچہ انھوں نے میرٹھ کے رسالہ " نظارہ " میں ان اعتراضوں کے جواب دینے کے ساتھ عزیز لکھنوی کے کلام پر پچھتر اعتراض کر دئیے جھگڑا زیادہ بڑھتے دیکھ کر جوش نے عزیز اور یاس میں صلح کرانے کی کوشش کی جو ناکام رھی اور بالآخر یاس نے

عزیز لکھنوی کے خلاف ایک پوری کتاب شائع کر دی جس کا نام انہوں نے " شہرت کا ذبہ المعروف بہ خرافات عزیز " رکھا۔ (8)

" شہرت کا ذبہ " کے چھپنے کی نوبت تو بوجوہ 1925ء میں آ سکی جس کی تفصیل ذرا آگے چل کر آئے گی۔ فی الحال اتنا عرض ہے کہ یگانہ نے ناطق کے اعتراضات کے جوابات اور عزیز لکھنوی کی شاعری پر پچھتر اعتراضات میں سے پینتیس اعتراضات ترمیم و اضافے کے ساتھ بعد میں " شہرت کا ذبہ " میں شائع کئے تھے۔یگانہ کا لہجہ ایسا تیکھا اور تیز تھا کہ رسالہ " نظارہ " میں مضمون چھپتے ہی تناؤ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔عزیز لکھنوی کے بارے میں جو کشمیری الاصل تھے یگانہ نے لکھا " یہ معشوق کون ہے اک کشمیری الاصل نوجوان ہے جس کی طینت میں وفا کا نام نہیں اور اس کے ساتھ اور بھی دو معشوقچے ہیں جن کا جوبن ڈھل چکا ہے۔ " (9) یگانہ کا روئے سخن عزیز لکھنوی کے علاوہ صفی اور ثاقب کی طرف تھا۔ یگانہ کے بعض اعتراضات خاصے دلچسپ اور مدلل تھے۔ (10) تاہم ان کی زبان کسی بھی اعتبار سے تنقید کی زبان نہیں تھی ڈاکٹر نیر مسعود لکھتے ہیں " اہل لکھنو کے ساتھ یاس کے ادبی معرکے میں ذاتیات کی آمیزش شروع ہی سے دونوں طرف تھی اور تحریروں میں تنقید سے زیادہ تضحیک کا انداز نمایاں تھا خصوصاً یاس کے لہجے میں بڑی جارحیت تھی۔ " (11) ڈاکٹر نیر مسعود نے یگانہ کے لہجے میں جارحیت کے محرکات کا تذکرہ نہیں کیا۔ مجنوں گورکھپوری اس ساری صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں " یہ مخالفت ادبی چشمک کی حد سے گزر کر گندی اور رکیک گالیوں تک پہنچ گئی۔ پھر ایک طرف یاس یک و تنہا اور بے یارو مددگار تھے اور دوسری طرف ان کو ہر طرح آزار پہنچانے والوں کا ایک پورا جرگہ تھا۔ یاس کے مزاج میں مقابلہ اور نبرد آزمائی کا میلان ہمیشہ سے تھا یہ میلان اب خشونت ، درشتی اور جنگ جوئی کی شکل میں ظاہر ہونے لگا۔لیکن اکیلا سپاہی لاکھ جواں مرد سہی اتنوں کے نرغے میں پڑ کر کہاں تک اپنے کو سنبھالے رہ سکتا ہے۔ " (12)

عزیز، صفی اور ثاقب ان معرکوں میں براہ راست یگانہ سے نہیں الجھے مگر جب " نظارہ "

میں عزیز لکھنوی کی شاعری پر یگانہ نے پچھتر اعتراضات شائع کئے تو صورت حال خاصی کشیدہ ہو گئی۔ " شہرت کا ذبہ " کے مطابق مشاعروں میں یگانہ کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔(صفحہ 21) انہی دنوں کیننگ کالج لکھنو میں سال کے سال مشاعرہ ہوا کرتا تھا نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کیننگ کالج کے مشاعروں میں یگانہ کو دعوت دی جاتی تو صفی، عزیز، ظریف، ثاقب اور محشر میں سے کوئی بھی اس مشاعرے میں نہ جاتا کیننگ کالج کے طلبہ نے اس کا حل یوں نکالا کہ ایک سال کا مشاعرہ یگانہ کے لئے وقف کر دیا ایک سال کا حضرات لکھنو کے لئے۔" یگانہ کی بیاض (مخزونہ نیشنل میوزیم کراچی) اور آیات وجدانی سے پتہ چلتا ہے کہ یگانہ نے آخری غزل جو کیننگ کالج کے سالانہ مشاعرہ(منعقدہ 7 مارچ 1920ء) میں پڑھی اس کا مطلع ہے۔

یہ تماشا ہے مری تصویر کا بیکار ہو جانا ظلم کے زخم کھا کر پیکرِ خونبار ہو جانا

اس شعر سے یگانہ کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ 1920ء کے بعد تو حالات روز بروز بگڑتے چلے گئے۔یگانہ نے آیات وجدانی طبع اوّل میں لکھا ہے کہ "شعرائے لکھنو نے جب ان کا بائیکاٹ کر دیا تو انہوں نے بھی عہد کر لیا کہ لکھنو کے کسی مشاعرے میں نہ پڑھیں گے۔"(صفحہ 126) یگانہ کی غیر مطبوعہ بیاضوں اور " آیات وجدانی " کے محاضرات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد یگانہ نے دوسرے شہروں میں جا کر تو مشاعروں میں اپنا کلام پڑھا مگر لکھنو کے مشاعروں میں اس کے بعد ایک طویل مدت تک حصہ نہیں لیا۔ بیرونِ لکھنو بھی جہاں جہاں شعرائے لکھنو کا اثر رسوخ تھا یگانہ کا منظم بائیکاٹ کیا گیا یا درپردہ ان کی تذلیل کی کوششیں کی گئیں۔

لکھنو کی ہوا کو مخالف دیکھتے ہوئے یگانہ نے اپنے قدم جمانے کی کوشش کی اور انجمن " معیار الادب " کے متوازی " انجمن خاصانِ ادب لکھنو" قائم کر دی یگانہ اس انجمن کے سیکرٹری اور سید محمد احمد بے خود موہانی صدر نامزد کئے گئے اس وقت تک بے خود نہ صرف یگانہ کے ساتھ تھے بلکہ ان کے خیر خواہ بھی تھے۔ لکھنو کے ان شاعروں کے ساتھ بے خود کے تعلقات بھی یگانہ ہی کی طرح کشیدہ تھے۔ ڈاکٹر نیر مسعود نے بے خود اور یگانہ کو در پیش صورت حال کی مطابقت کا تذکرہ کرتے ہوئے شعرائے لکھنو کے [illegible]

موھانی حیات و شاعری " از سید سکندر آغا (لکھنو 1974ء صفحہ 42-43) سے اختر موھانی کا درج ذیل بیان نقل کیا ھے

" لکھنو میں ایک مشاعرہ تھا جس میں بے خود کو بھی مدعو کیا گیا تھا انہوں نے اس میں ایک شعر پڑھا

ے ناکامیوں میں گزری بدنامیوں میں گزری　　　عمر عزیز گزری کب خامیوں میں گزری

اتفاق سے اس مشاعرے میں لکھنو کے مایہ ناز استاد سخن مرزا محمد ھادی عزیز لکھنوی بھی موجود تھے انہوں نے مذکورہ شعر کو اپنے اوپر حملہ سمجھا پھر کیا تھا تمام جلسہ بے خود کو قہر کی نگاھوں سے دیکھنے لگا جب بے خود کو معلوم ھوا کہ ان کا شعر حملہ سمجھا گیا ھے تو انہوں نے اخلاقاً معذرت چاھی اور اپنی لاعلمی کا اظہار کیا مگر معذرت قبول نہ ھوئی اور اس وقت کے تمام شعراء ان سے در پردہ کاوش و کینہ رکھنے لگے اور یہ کینہ عمر بھر ان کے دلوں سے دور نہ ھوا .... بعض نے ان سے مقاطعہ بھی کر لیا تھا جہاں وہ جاتے تھے بے خود کو مدعو ھی نہ کیا جاتا اور جہاں بے خود ھوتے وھاں وہ جانے سے محترز رھتے۔" (13) مقاطعے کی ھو بہو صورت یگانہ کے ساتھ بھی اختیار کر گئی ۔ " شہرت کا ذبہ " کے مطابق 5 نومبر 1922ء کو الہ آباد میں پنڈت مدن موھن ناتھ رینہ ایم اے ایل ایل بی کے مشاعرے میں شعرائے لکھنو نے متحد و متفق ھو کر صاحب مشاعرہ سے کہہ دیا کہ اگر مشاعرے میں مرزا یاس کو قدم رکھنے کی بھی اجازت دی گئی تو ھم سب کے سب مشاعرے سے اٹھ کر چلے جائیں گے۔" (صفحہ 5) صورت حال کی نزاکت اور صاحب مشاعرہ کی مشکل کو محسوس کرتے ھوئے یگانہ نے ان سے کہا " آپ میرے لئے غم نہ کریں میں مشاعرے میں شریک نہ ھوں گا ۔" (صفحہ 5) یگانہ اس واقعہ کے حوالے سے بائیکاٹ کی تفصیل بیان کرتے ھوئے لکھتے ھیں " ناواقفوں کو یہ دھوکا دیا جاتا کہ ھم لوگوں نے تو مرزا یاس کا بائیکاٹ نہیں کیا بلکہ مرزا صاحب خود لکھنو کے مشاعروں میں شریک نہیں ھوتے ۔ سید جالب نے لکھنو میں ایک مشاعرہ کیا تھا جس میں اھل لکھنو جمع تھے وھاں سے مرزا یاس یہ کہہ کر اٹھ آئے تھے کہ ھم اھل لکھنو کے سامنے غزل پڑھنا اپنی توھین سمجھتے ھیں .... تو ھم نے بھی الہ آباد

کے مشاعرے میں مرزا صاحب کا بائیکاٹ کر دیا مگر یہ کس قدر جھوٹ ہے ۔ سید جالب کا مشاعرہ تو 1921ء میں ہوا کیا 1921ء تک اہل لکھنو نے مرزا صاحب کا بائیکاٹ نہیں کیا تھا؟ مرزا صاحب کا بائیکاٹ تو 1921ء سے بہت پہلے ہو چکا تھا یعنی اس سے چار پانچ سال پہلے جب مرزا یاس کیننگ کالج کے مشاعروں میں مدعو ہوتے تھے اسی وقت سے بلکہ اس کے پہلے سے مرزا صاحب کا بائیکاٹ قائم ہے۔ "(صفحہ 6، 7)

1930ء میں یگانہ نے " قطعہ فخریہ " اور " ترانہ شقشقیہ " تصنیف کیا۔ ان منظومات کے لہجے نے راھی معصوم رضا کے لفظوں میں " لکھنو کے سمندِ ناز پر ایک تازیانے کا کام کیا۔ " (14) دراصل جیسے جیسے لکھنو والوں کی طرف سے یگانہ کی مخالفت بڑھتی گئی ویسے ویسے یگانہ کے تیور بھی بدلتے گئے اس عرصے میں " شہرت کا ذبہ المعروف بہ خرافات عزیز " کا مواد تیار ہوتا رہا۔ 1920ء میں یہ رسالہ مرتب ہوا اور 1923ء میں پریس میں دیا گیا۔یگانہ نے " شہرت کا ذبہ " کے آخری دو صفحات (95-96) پر " خاتمہ " کے عنوان سے رسالہ کی اشاعت کے مراحل پر روشنی ڈالی ہے۔ رسالے کے متن کی تشہیر پہلے ہی ہو چکی تھی اس لئے عزیز لکھنوی اور ان کے بہی خواہوں نے کوشش کی کہ رسالہ شائع نہ ہونے پائے چنانچہ اس کے شائع ہونے کی نوبت 1925ء میں آئی۔ رسالے کی طباعت اصح المطابع لکھنو میں ہوئی مگر اس کا ٹائیٹل یگانہ کے قیام علی گڑھ کے دوران مطلع النور پریس علی گڑھ سے طبع ہوا۔ " خاتمہ " کی تحریر بھی 1925ء ھی کی ہے جس میں یگانہ "شہرت کا ذبہ" کی اشاعت میں دشواریوں اور شعرائے لکھنو سے ہونے والے مجادلے کے افسوس ناک نتیجے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ھیں " رخنہ اندازیوں کی بیسیوں صورتیں پیدا کی گئیں۔ آخرکار موقع پا کر یاس عظیم آبادی کی روزی پر کمین گاہ سے حملہ کیا گیا ایسی ایسی سازشیں کی گئیں کہ مجھے اودھ اخبار سے ترک تعلق کر کے در بدر ہونا پڑا لکھنو چھوڑ کر اٹاوہ اور اٹاوہ سے علی گڑھ کی ٹھوکریں کھانا پڑیں جس کی وجہ سے یہ رسالہ معرض التوا میں پڑ گیا۔ " (صفحہ 95) گویا رسالہ ابھی پریس ھی میں تھا کہ یگانہ کو اس کی اشاعت سے باز رکھنے کے لئے انہیں ملازمت

سے علیحدہ کرانے کا انتہائی قدم اٹھایا گیا۔ یگانہ کی صاحبزادی کا کہنا ہے کہ " یہ کام خود عزیز لکھنوی نے اپنا ذاتی اثر و رسوخ استعمال کر کے کیا تھا۔ " (15)

اس تمام تفصیل کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شعرائے لکھنو جن میں عزیز، صفی، آرزو، محشر اور ثاقب جیسے اساتذۂ فن شامل تھے لکھنو کے شریف الطبع، مہذب و شائستہ اور باکمال دانشوروں میں شمار کئیے جاتے تھے باہم متفق ہو کر یگانہ کی مخالفت پر کیوں اتر آئے؟ کیا یہ سب کچھ یگانہ کی افتاد طبع کی وجہ سے ہوا؟ کیا یگانہ دوست دشمن کے فرق سے نا آشنا تھے؟ کیا وہ اپنی زبان دانی اور سخن سنجی پہ نازاں خبط عظمت میں مبتلا ہو گئے تھے؟ کم از کم نشتر یاس کی تحریر، "ماہیت شاعری"، " چراغ سخن " کے مضامین اور عروض و قوافی کی بحثیں، قطعہ فخریہ اور ترانہ شقشقیہ کی تصنیف سے تو یہی گمان ہوتا ہے۔حتیٰ کہ شعرائے لکھنو کو چھوڑ کر غالب سے بھڑ گئے اور اپنے پرزے اڑنے کی بھی پروا نہیں کی۔ ان کی زندگی کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ احساس عظمت کی تہہ میں ان کا شدید قسم کا احساس محرومی پوشیدہ تھا۔ ان کی سخن سنجی اور زبان دانی کا دعویٰ شعرائے لکھنو کے اس شعبے میں منتہی ہونے کے دعوے ہی کا رد عمل تھا۔ ایک طرح کے احساس کمتری کے ساتھ یگانہ نے شروع شروع میں لکھنو کے مشاعروں میں شریک ہونا شروع کیا تھا ادھر کسی بیرونی شخص کی قدردانی یا حوصلہ افزائی شعرائے لکھنو کے لئے ممکن ہی نہ تھی مجنوں گورکھپوری کے لفظوں میں " ان کے اندر اتنا ظرف کبھی نہ تھا کہ کسی باہر کے بڑے سے بڑے شاعر کو لکھنو کے چھوٹے سے چھوٹے شاعر کے مقابلے میں کوئی بلند مقام دے سکیں۔عزیز اور صفی اور ان کے گروہ نے یاس کی شاعری کو اپنے لئے ایک خطرہ سمجھا اور ان کا نام تک مٹا دینے کی کوشش کرنے لگے شاید یہ لوگ اپنے مقصد میں زیادہ کامیاب نہ ہوتے اگر خود یاس وقار اور سنجیدگی کے ساتھ لکھنو والوں کی کھوکھلی مخالفت پر بے نیازی کی نگاہ ڈال اس کو ٹال جاتے اور اتنی اہمیت نہ دیتے، مگر وہ بھی خم ٹھونک کر بھیڑ میں لڑنے کے لئے اتر آئے۔ "(16) یوں یگانہ کا احساس کمتری احساس برتری کی شکل میں ظاہر ہونے لگا۔ شعرائے لکھنو غالب کے رنگ

سخن کی تقلید میں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے تھے۔یگانہ ان تمام رسوم و قیود پر معترض ہوئے جنہوں نے لکھنو کی غزل کو تقلید کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور باوجود لہجے میں تبدیلی کے غزل ابھی تک فرسودہ روایات کی پاسداری کر رہی تھی۔ یگانہ کا یہ طرز عمل شعرائے لکھنو کو ناگوار گزرا اور بات بڑھتے بڑھتے ذاتیات تک پہنچ گئی۔ تنقید نے غیر مہذب تنقیص اور غیر شائستہ عیب جوئی کی شکل اختیار کر لی اور ذاتی عناد نے لعن طعن کی صورت فضا کو مکدر کر دیا۔ یگانہ سے نمٹنے کے لئے تو عزیز اور صفی وغیرہ کے شاگرد ہی کافی تھے چنانچہ اس کشمکش میں نقصان سراسر یگانہ کا ہوا اور بقول مجنوں گورکھپوری " اب وہ جھلا کر خود اپنی ستائش کرنے لگے عزیز و صفی کی ضد میں وہ اتنے سبک ہو گئے تھے کہ نہ صرف اپنے کو " غالب کا پیر" اور " ثانی میر" سمجھنے لگے بلکہ غالب کے چچا ہو کر " غالب شکنی" پر اتر آئے۔" (17)

یگانہ کو بدقسمتی سے غالب پرستی کا وہ دور نصیب ہوا جب شعرائے لکھنو اپنی اپنی روشوں کو چھوڑ کر غالب کے رنگ کو اپنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یگانہ ، عزیز اور صفی کی طرح اپنی روش تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہو سکے۔شعرائے لکھنو سے یگانہ کی چشمک کا آغاز بقول ان کے 1912ء سے ہوا اسی وقت سے غالب ان کے اور شعرائے لکھنو کے درمیان وجہ تنازعہ بن گئے تھے اور یگانہ اپنی تحریروں میں میر، آتش، اور غالب کا موازنہ کرنے لگے تھے۔ اسی زمانے میں غالب کے بارے میں یگانہ کی بعض متضاد آراء دیکھنے میں آتی ہیں۔ چراغ سخن، طبع اوّل سے چند اقتباسات دیکھئے " غالب کی شاعری میں یہ عیب بہت نمایاں ہے کہ اپنے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں وہ نہایت مضحک ہوتا ہے یا اتنا تنگ ہوتا ہے کہ معنی سما نہیں سکتے مگر جہاں جہاں صاف کہا ہے اوس کا کیا کہنا " (صفحہ 4) " افسوس ہے کہ آج کل ہندوستان میں غالب کے ان پیچیدہ انداز بیان کی تقلید کی جاتی ہے جو معنی و بیان کی رو سے نہایت معیوب ہیں ہاں غالب کے وہ چند اشعار جن میں منطق کی شوخیاں پسندیدہ نزاکتیں اور قریب الفہم کنائے پائے جاتے ہیں ان کی تقلید کی جائے تو بے شک اردو کی شاعری کے لئے نہایت مفید ہے مگر ایسا نہیں کیا جاتا اور یہ کام کچھ آسان بھی نہیں۔" (صفحہ 21)

یگانہ کے ان تمام بیانات کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ھے کہ وہ غالب کے بجائے غالب کی ہونے والی کورانہ تقلید کے مخالف ھیں ان کے حریف غالب پرست تھے اور یگانہ شخصیت پرستی کے خلاف تھے چنانچہ یگانہ نے شروع شروع میں محض " غالب دشمنی " کے پردے میں شعرائے لکھنو کی دکھتی رگوں کو چھیڑا۔ غالب کے بارے میں آگے چل کر بھی یگانہ نے جس طرح اظہار خیال کیا بالخصوص غالب سے متعلق رباعیوں میں وہ جس طرح چھیڑ چھاڑ کرتے نظر آتے ھیں اس سے ان کے طرز فکر کی غیر سنجیدگی کا اندازہ ھوتا ھے۔ غالب کو نشانہ بنانے سے ان کے حریف چڑتے تھے اور وہ بت پرستی کے روّیے کی مذمت کرنا چاھتے تھے ڈاکٹر تاراچند رستوگی نے درست لکھا ھے کہ

" مرکوزات و مضمرات یگانہ کا محل اصلی یعنی فوکو پوائنٹ (FOCAL POINT) غالب یا شعر غالب تھا ھی نہیں بلکہ وہ عصری مزاج و ماحول تھا جس کا مطالعہ علم نفسیات سے استفادہ کرتے ہوئے کیا جا سکتا ھے۔اس عصری مزاج و ماحول کو مجموعی حیثیت سے غالب کومپلیکس کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ھے۔" (18) صرف عزیز لکھنوی کے یہاں تقلید غالب کا رنگ دیکھیے

دیتے ھیں جنت حیات دھر کے بدلے — نشہ باندازۂ خمار نہیں (غالب)

بقدر جوش جوانی بڑھا غرور ان کا — کہ مے میں نشہ باندازہ خمار نہیں (عزیز)

وائے دیوانگئ شوق کہ ھر دم مجھکو — آپ جانا ادھر اور آپ ھی حیراں ھونا (غالب)

وائے دیوانگئ شوق کہ پھر بھی نہیں چین + جانتا ھوں جو نکل جائے وہ ارماں کیوں ھو (عزیز)

آئینہ کیوں نہ دوں کے تماشا کہیں جسے — ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے (غالب)

آئینہ رکھ کے دیکھ تماشا کہیں جسے — تو ھی تو خود ھے وہ بھی کہ تجھ سا کہیں جسے (عزیز)

غالباً ایسے ھی اشعار ھوتے ھیں جنھیں پڑھتے ھی ذھن میں سرقہ اور توارد کا فرق قائم ھوتا ھے حالاں کہ شعرائے لکھنو نے اپنی تازہ گوئی اور جدّت کلام کا بڑا چرچا کر رکھا تھا۔

یہ ایک حقیقت ھے کہ غالب کی شاعری مبالغہ آمیز اثبات و انکار کی زد میں رھی ھے مثال کے طور پر عبدالرحمان بجنوری کا دیوان غالب جدید کا مقدمہ " محاسن کلام غالب " اور

ڈاکٹر عبداللطیف کی کتاب "GHALIB"(1927ء) دو مختلف ذہنی رویوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔ یگانہ غالب پرستوں کے غلو سے سخت نالاں تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ یگانہ نے غالب شناسی کے میدان میں تنقید و تحقیق کو اپنے غیر معتدل اور تلخ لہجے سے اعتدال اور توازن کی راہ پر ڈالا اور ان کے بعد غالب کی خامیوں اور کمزوریوں پر گرفت کرنے کا رویہ پیدا ہوا۔

خود غالب کا اپنا رویہ اپنے بعض معاصرین اور پیشرووں کے بارے میں شائستگی کے معیار سے کم تر تھا انہوں نے بھی اپنے بارے میں بعض خود پسندانہ دعوے کئے تھے اپنے کئی معاصرین اور پیش رووں کو ملامتی انداز میں یاد کیا تھا مثلاً انہوں نے مولف " موید برہان " کی خاص کمزوری یہ بتائی کہ اس نے ایک ہندو زادہ کو پیشوا بنا رکھا ہے واضح رہے کہ مولف " موید برہان " مولوی احمد علی تھے جن کے شاگردوں اور عقیدت مندوں نے غالب کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اسی طرح غالب نے صاحب " برہان قاطع " کو " مردود " ، " کھتری " ، " الو کا پٹھا " اور " علیہ اللعن " کہا مگر غالب کو قتیل کے معاملے میں اہل کلکتہ کے آگے سر جھکانا پڑا اور مثنوی بادمخالف میں معافی مانگنی پڑی۔ غالب نے ملا غیاث الدین رامپوری صاحب " غیاث اللغات " کو ملائے مکتبی اور غیاث اللغات کو " لتہ حیض" کے علاوہ عبدالواسع ہانسوی کو گھاگس الو جیسے رکیک و نحیف الفاظ سے یاد کیا حالاں کہ یہ لوگ ایک ایک لفظ پورے غور و فکر سے استعمال کرتے تھے۔ یگانہ نے اپنی ایک رباعی میں اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے کہ انہوں نے بدزبانی غالب سے سیکھی تھی ۔

ہاں میر سے اعجاز بیانی سیکھی   گویا تلوار کی روانی سیکھی

اور قاطع برہان سے کیا فیض ملا   غالب کی طرح بدزبانی سیکھی

یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ غالب کا براہ راست ہدف ان کے مخالفین تھے جب کہ یگانہ کے تند و تیز لہجے کا ہدف غالب نہیں غالب پرست تھے جنہیں یگانہ " غلبچی " کہہ کر پکارتے تھے۔ غالب سے تو انہیں ایک نسبت بھی تھی ۔

غالب و یگانہ دونوں کے آبا٫ پیشۂ سپہ گری سے تعلق رکھتے تھے اور کھرے مغل تھے دونوں

ھی نے اپنے بزرگوں کی نشانی تلوار کو چھوڑ کر قلم ھاتھ میں پکڑ لیا تھا اور اسی کو سان پر چڑھا دیا تھا۔ دونوں کو چغتائی النسل ھونے کا زعم تھا اور اس نسلی تفاخر کے "کمالات" بھی دونوں کی شخصیت اور فن میں موجود تھے۔ دونوں ھی پٹی ھوئی لکیروں کو مزید پیٹنا نہیں چاھتے تھے۔ دونوں ھی جاگیردارانہ سماج کی پیداوار تھے اور جاگیردار طبقے کی آخری نشانیوں میں سے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی مخالفت اور ھتک عزت کا نظارہ کیا۔ دونوں کے فن کی تفہیم کے راستے ان کی زندگی میں بند رھے۔ اس بے اصولی پر دونوں کی تیوری چڑھی رھی اور وہ اپنے معاصرین پر در پردہ چوٹیں کرتے رھے حالات نے انہیں شاعری میں مرتبے کی ترتیب کے حوالے ھی سے نہیں معاشرتی اور سماجی زندگی میں بھی مرتبے کی ترتیب کے اعتبار سے پیچھے دھکیل دیا تھا مگر ان کے اندر جو مغل شہزادوں کا سا تیہہ تھا وہ ان کی شاعری سے چھلکا پڑتا ھے۔ ڈاکٹر حنیف کیفی غالب اور یگانہ کے اشتراک ذھنی کا تجزیہ کرتے ھوئے لکھتے ھیں "دونوں کے مزاج میں ایک ڈیڑھ اور "آ بیل مجھے مار" والی کیفیت تھی ، فرق صرف اتنا تھا کہ غالب زمانہ سازی کا فن بھی جانتے تھے اور خود کو مغلوب ھوتا دیکھ کر مصالحت پر آمادہ ھو جاتے تھے جب کہ یگانہ پسپا ھو کر بھی اکڑ پر قائم رھتے تھے۔ یگانہ اسیر ذات رھے غالب ماورائے ذات بھی دیکھ سکتے تھے۔" (19)

غالب اور یگانہ کے اشتراک نسلی و ذھنی کو جاننے کے بعد ان کے اختلاف فکر و فن کا جائزہ لیا جا سکتا ھے۔ یگانہ نے "نشتر یاس" اور "چراغ سخن" میں غالب کے بارے میں جن آراء کا اظہار کیا تھا ان میں غالب کی بے جا تقلید کو ھدف تنقید بنایا تھا اس وقت عالم یہ تھا کہ غالب کی لسانی تشکیلات اور تراکیب کو اپنا کر غزل کہنے کو فن کی معراج سمجھا جا رھا تھا۔ یگانہ نے اسے "تحسین ناشناس" کا نام دیا۔ یگانہ اس بات کے قائل تھے کہ "تقلید ھنر کی ھونی چاھئیے نہ کہ عیب کی" پیروی غالب کا سلسلہ کچھ اس طرح شروع کیا گیا تھا کہ غالب کی فارسی آمیز تراکیب اور "چیستان نما" مضامین کو آنکھ بند کر کے اشعار میں باندھا جا رھا تھا یگانہ نے بزعم خود غالب کے شعری عیوب کو فن کی خدمت کے نقطۂ نظر سے بیان کرنا شروع کیا انہوں

نے رسالہ " خیال " ھاپوڑ (بابت ماہ نومبر 1915ء) میں " آتش و غالب " کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا۔ جس میں غالب کی اندھی تقلید کو گمراھی کا سبب قرار دیا۔

یگانہ نے آتش اور غالب کے بعض ھم خیال اشعار کے حوالے سے غالب پر بعض اعتراضات کئے تاھم یہ اعتراضات عام طور پر ان اشعار پر کئے گئے تھے جن میں فارسیت کا غلبہ تھا یا جن میں مضمون پیچیدہ ھو گیا تھا اور مفہوم کو سمجھنے کے لئے اچھی خاصی دماغی ورزش کرنا پڑتی تھی۔ یگانہ در حقیقت لکیر کو پیٹنے والوں کی گرفت کرنا چاھتے تھے ظاھر ھے ان کے اس انداز کو بھی قبول نہیں کیا گیا۔ اس صورت حال نے بھی بگڑ کر تنازعہ کی شکل اختیار کر لی۔ " صلائے عام"، " تمدن "، " شعلہ "، " مخزن "، اور " خیال " میں یگانہ کے اس مضمون کے خلاف جواب مضمون لکھے گئے۔ بہر صورت جب یگانہ کی مخالفت نے زور پکڑا تو آزردہ سیتاپوری کا ایک طویل سلسلہ وار مضمون بعنوان " آتش و غالب " " مخزن " میں چار اقساط (مارچ، اپریل، مئی، جون 1918ء) میں شائع ھوا جس کے بارے میں راقم کا خیال ھے کہ یہ مضمون یگانہ نے خود ھی لکھا تھا اور اسے آزردہ سیتاپوری کی اجازت سے شائع کیا تھا کیونکہ اس مضمون میں " ماھیت شاعری" (نشتر یاس) اور " شعر و سخن " (چراغ سخن) کے مواد کے علاوہ وہ باتیں بھی شامل ھیں جنہیں بعد میں یگانہ نے اپنے ایک مضمون " میرزا غالب اور میں " (مطبوعہ مخزن، جون 1918ء) اور اپنی تصانیف "آیات وجدانی" کے محاضرات اور "شہرت کا ذبہ" کے دیباچہ میں شامل کیا اور مصنف کی حیثیت سے بالترتیب مرزا مراد بیگ شیرازی اور غازی الدین بلخی کا نام دیا۔ خصوصاً مذکورہ مضمون " آتش و غالب" کی آخری قسط اور " مرزا غالب اور میں " میں حیرت انگیز تطابق موجود ھے۔ حسن اتفاق سے یہ دونوں چیزیں ایک ھی ماہ میں شائع ھوئیں۔ مضمون کے کچھ اقتباسات دیکھئیے۔ " یہ مضامین لایعنی لکھ کر مخالفین یاس نے غالباً یہ خیال کیا ھو گا کہ چلو اچھا تو ھے تھوڑے دنوں یاس سے چخ بخ رھے گی۔" (مخزن، مارچ، صفحہ 16) " غالب کی تقلید اسی حد تک کریں جتنی اردو زبان کے لئے مفید ھو۔" (مخزن، اپریل، صفحہ 27) " مرزا یاس نے "چراغ سخن" میں یا رسالہ " خیال " میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ غالب کی شاعری سے متعلق ھے غالب کی ذات یا ان کے افعال

سے بحث نہیں کی۔" (مخزن ، مئی ، صفحہ 17) " انسان کو زندگی میں بعض ناگوار فرض بھی ادا کرنا پڑتا ہے مرزا یاس خود غالب کے مداح ہیں مگر ان حضرات معیار کی تنبیہہ کے لئے غالب کی شاعری کے عیوب اور آتش کی شاعری کے محاسن دکھانے پر مجبور ہوئے۔ حسن و قبح سے نہ غالب کی شاعری خالی ہے نہ آتش کی ۔ مگر یہ لوگ حد اعتدال سے گزر کر افراط و تفریط پر آمادہ ہو گئے لہذا چشم نمائی کی ضرورت ہوئی۔" (مخزن ، جولائی، صفحہ 31) " بعض حضرات آتش و غالب کی اس بحث کو لکھنو اور دھلی کے دیرینہ اختلاف پر محمول فرماتے ہیں مگر محض غلط فہمی ہے اس بحث کے محرک لکھنو کے بعض ناعاقبت اندیش حضرات ہیں جنہوں نے مرزا یاس سے بیر باندھا ہے۔" (مخزن ، جولائی ، صفحہ 34)

یہ طویل مضمون یگانہ کی غالب دشمنی کے عوامل پر روشنی ڈالتا ہے مضمون سے درج ذیل نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں

(1) یگانہ کے مضمون " آتش و غالب" مطبوعہ رسالہ " خیال " (نومبر 1915ء) کے جواب میں مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ (آزردہ کے مضمون میں شاہ دلگیر اور شوکت میرٹھی کے مخالفانہ مضامین کے حوالے آئے ہیں) (2) یگانہ چاہتے تھے کہ غالب کی تقلید اسی حد تک ہونی چاہئیے جتنی اردو زبان کے لئے مفید ہو۔ (3) حضرات لکھنو خواہاں تھے کہ ان کی طرح سبھی آنکھیں بند کر کے غالب کو خدائے سخن تسلیم کر لیں ۔ (4) مخالفین کے رویے سے چڑ کر یگانہ نے غالب کے بعض اشعار پر سرقہ کا الزام لگایا (5) جواباً مضمون نگروں نے یگانہ کے عقائد پر حملے کئے (6) یگانہ نے اس وقت تک محض غالب کی شاعری کو موضوع بنایا تھا ان کی ذات کو نہیں (7) یگانہ کے خیال میں غالب کے خلاف ان کا لکھنا ایک ناگوار فرض تھا۔ جس کا مقصد غالب پرستی کی وبا کو روکنا تھا۔

یگانہ کی حمایت میں مخزن میں چھپنے والے اس طویل مضمون کے موقف کی تائید مخزن کے ایڈیٹر تاجور نجیب آبادی نے مخزن کی جولائی 1918ء کی اشاعت میں " شذرات " کے ذیل میں ان لفظوں میں کی " غالب انسان تھے خدا نہ تھے۔ ان کی شاعری انسانی کلام تھی الہام نہ

تھی .... جہاں ان کی جذبات نگاری، پرواز تخیل، سہل الممتنع نثر دشمن سے بھی خراج تحسین وصول کرتی ہے وہیں بعض دفعہ ان کی چیستان نما، دقت آفرینی، طہرانی اردو، ذوق کش ترکیبیں دوستوں کے ایمان کو بھی متزلزل کر دیتی ہیں۔"

یگانہ نے " سرقہ توارد ترجمہ " (مطبوعہ " مخزن " اگست 1917ء) کے عنوان سے ایک مضمون اور لکھا تھا جس میں غالب کے بعض اشعار پر سرقہ کا الزام عاید کیا تھا۔ مضمون ان تحریروں کا رد عمل تھا جو یگانہ کے مضمون " آتش و غالب " (مطبوعہ خیال، نومبر 1915ء) کی مخالفت میں شائع ہوئیں۔ اس مضمون کو ایڈیٹر " مخزن " نے اپنے تعارفی نوٹ میں " گراں بہا " قرار دیا اور دلی شکریے کے ساتھ شائع کیا۔ یگانہ نے یہ مضمون خاصی محنت سے لکھا تھا جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے یگانہ نے سرقہ، توارد اور ترجمہ کی الگ الگ تعریف کی اور اپنے خیالات کی تائید میں جابجا فارسی اور اردو شعروں سے مثالیں دیں۔ اس مضمون میں مجموعی طور پر غالب کے نو اشعار کو ترجمے کے ذیل میں فیاض قمی، خسرو دھلوی، مشرف قزوینی، فسونی، عرفی، حسن بیگ، رفیع اور عاقل خاں رازی کے اشعار سے بڑھ کر بتایا تاہم یگانہ کا یہ بیان " غالب پرستوں " پر کھلا وار تھا کہ " عرفی، ظہیری، نظیری، ظہوری اور بیدل کے سینکڑوں اشعار پر غالب نے دست تصرف دراز کیا ہے ایسی پیچیدہ فارسی ترکیبوں سے کام لیا ہے کہ اردو کی صورت ہی بگڑ گئی ہے۔ غالب ایسے شخص کے یہاں اس قسم کے تصرفات بے جا نہایت افسوس ناک ہیں دوسروں کے مال پر تصرف کرنے کا مزہ جب ہے کہ شاعر خود اپنی قوت بھی اس قدر صرف کرے کہ وہ اس کی ملک معلوم ہونے لگے جب تک یہ بات نہ ہو گی آپ سے آپ سرقہ کا الزام عاید ہو گا مگر ان باتوں کے پرکھنے والے کہاں ہیں جو اس قسم کے ترجمے اور سرقہ میں فرق پیدا کر سکیں۔" (صفحہ 11، 12) یگانہ کے اس بیان کی وجہ سے ایک اچھا خاصا علمی مضمون بھی متنازعہ بن کر رہ گیا۔ یگانہ نے مذکورہ مضمون اس وقت تحریر کیا جب ان کی " غالب دشمنی " کو بطور خاص مطعون کیا جا رہا تھا۔

مخزن (جون 1918ء) میں یگانہ کا ایک اور مضمون " میرزا غالب اور میں " کے عنوان سے نکلا جس میں یگانہ نے واضح طور پر غالب کے بارے میں اپنے ظاہر اور پوشیدہ نقطہٗ نظر کی وضاحت کی اس مضمون میں یگانہ کا لہجہ معذرت خواہانہ نظر آتا ہے اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ غالب کے معاملے میں سارے ہندوستان سے الجھنے پر آمادہ نہیں تھے۔ مضمون کی آخری سطور قابل غور ہیں یگانہ لکھتے ہیں " خلاصہ یہ ہے کہ میں نے غالب مغفور پر جو کچھ لکھا تھا وہ محض مقامی ضرورتوں سے مجبور ہو کر لکھا جس سے محض لکھنو کے چند نافہموں کی چشم نمائی مقصود تھی اس بحث کو لکھنو اور دہلی کی مخالفت دیرینہ پر محمول کرنا غلط فہمی ہے یہ بحث صفی و عزیز و ثاقب وغیرہم کی چشم نمائی کے لئے چھیڑی گئی تھی اور آج ختم ہو گئی۔ " (صفحہ 52) تاہم بعد کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ اصل بحث تو اب چھڑی تھی رفتہ رفتہ پورے ہندوستان میں یگانہ کی مخالفت زور پکڑتی گئی اور انہیں ان کی وضاحتوں کے باوجود غالب شکنی کی طرف دھکیلا جاتا رہا۔ یگانہ کے مذکورہ مضمون کو بھی وضاحتی مضمون سمجھا جا سکتا ہے۔ مضمون کا یہ اقتباس یگانہ کے ارادوں کی خبر دیتا ہے " میرا روئے سخن معیار پارٹی کے سوا اور کسی طرف تھا ہی نہیں جو لوگ مجھے غالب کی شاعری کا ہمہ تن منکر سمجھتے ہیں انہیں اختیار ہے مگر در حقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ یہ کہوں گا کہ صفی و عزیز و ثاقب وغیرہم سے میں غالب کا زیادہ مرتبہ شناس ہوں ان لوگوں نے ابھی غالب کو پہچانا ہی نہیں غالب کے ساتھ میری یہ مخالفت ظاہری ان لوگوں کی تحسین ناشناس سے کہیں بہتر ہے اور میری یہ مرتبہ شناسی بمقابلہ ان لوگوں کے جو دراصل غالب کی مرتبہ شناسی کے اہل ہیں ناقص و ناتمام ہے۔ " (صفحہ 51) یگانہ مضمون میں بار بار اپنی مخالفت ظاہری کے ہدف کو واضح کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی مضمون میں آگے چل کر وہ غالب پر اپنے اعتراضات اور لہجے کی سختی کے بارے میں ایک بار پھر ان لفظوں میں وضاحت کرتے ہیں " اس میں شک نہیں کہ میں نے غالب کے فقط انہیں اشعار پر اعتراضات وارد کئے ہیں جن میں فی الحقیقت خامیاں پائی جاتی ہیں جن سے کوئی صاحب فن انکار نہیں کر سکتا غالب کے ان اشعار پر میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا جو اردو کے لئے سرمایہ ناز ہیں ان اعتراضات

واقعی پر بگڑنا اصول فن کی مخالفت کرنا ہے ہاں مجھ پر الزام ضرور عاید ہوتا ہے کہ ایسے سخت لب و لہجہ میں اعتراضات کرنا سوء ادب تھا یہ شکایت میرے سر آنکھوں پر مگر کیا کروں لکھنو کے چند نافہموں نے میر انیس و خواجہ آتش کے معاملے میں اس قدر میرا دل دکھایا کہ مجھے بھی وہی لب و لہجہ اختیار کرنا پڑا۔ " (صفحہ 52) ان تمام وضاحتوں کے باوجود یگانہ اپنے سر سے اس اتہام کو کہ وہ غالب دشمن ہیں نہ ٹال سکے۔

یگانہ نے " میرزا غالب اور میں " لکھ کر غالب سے متعلق بحث کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی مگر ایسا ہو نہ سکا۔اسی سال اہل لکھنو سے ان کے معرکوں نے زور پکڑا جس کے نتیجے میں بالآخر اودھ اخبار (مطبع منشی نول کشور) سے ان کی ملازمت جاتی رہی اور وہ پریشان خستہ حال ملازمت کی تلاش میں لکھنو سے اٹاوہ پہنچے اور اسلامیہ ہائی سکول میں مدرس متعین ہوئے۔ اٹاوہ سے یگانہ نے جنوری 1925ء میں ماہوار ادبی رسالہ " صحیفہ " کے نام سے نکالا جس کی خواہش ایک عرصہ سے ان کے اندر پل رہی تھی یگانہ کے محدود وسائل کی بنا پر اس رسالے کا صرف ایک ہی شمارہ شائع ہو سکا اور یگانہ کو مجبوراً اسے بند کر دینا پڑا مگر یہ رسالہ بعض اعتبار سے بہت اہم ہے ایک تو یہ کہ اس شمارے کا کم و بیش تمام مواد یگانہ کے قلم سے نکلا ہے اور دوسرے یہ کہ اس رسالے میں یگانہ کا ایک نہایت قیمتی مضمون " تقلید غالب " کے نام سے شامل ہے جو غالب کے بارے میں ان کے ذاتی نقطۂ نظر کی بہت خوبی کے ساتھ وضاحت کرتا ہے۔ ضیا عظیم آبادی نے درست لکھا ہے

" عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ غالب کے دشمن تھے حالاں کہ
" صحیفہ " جنوری 1925ء اس کی نفی کے لئے کافی ہے۔ " (20)

یگانہ کا مضمون " تقلید غالب " معمولی سے فرق کے ساتھ ان کے مضمون " میرزا غالب اور میں " کی ہی توسیع ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ "میرزا غالب اور میں " میں یگانہ غالب کے ساتھ اپنی مخالفت ظاہری کے بارے میں وضاحتیں دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور " تقلید غالب " میں وہ اپنے نقطۂ نظر کی تشریح کے علاوہ غالب سے اپنی ارادت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

مضمون سے چند اقتباسات دیکھیے " حقیقت یہ ہے کہ غیر زبان اور غیر قوم تو کجا خود اپنی زبان میں مرزا غالب مغفور کی صحیح تقلید میں ہندوستان کا ایک متنفس بھی آج تک کامیاب نہیں ہوا۔ " (صفحہ 3)

غالب کے شعر : اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی کے بارے میں یگانہ لکھتے ہیں " یہ شعر فقط غالب کے لئے مایہ ناز نہیں ہے بلکہ جس قوم کا لٹریچر ایسا بیش بہا موتی پیش کر سکتا ہو اوسے دنیا کے سامنے بجا طور پر فخر کرنا چاہئیے۔" (صفحہ 4)

غالب کے درج ذیل اشعار :

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے	کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے	بے نیازی تری عادت ہی سہی
یار سے چھیڑ چلی جائے اسد	گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی	اب کسی بات پر نہیں آتی

کی تحسین کرتے ہوئے یگانہ لکھتے ہیں " اگر تقلید کا دعویٰ ہے تو اس رنگ کے اشعار پیش کیجئے مگر یہ لوہے کے چنے ہیں شاندار فارسی ترکیبوں سے ناواقفوں کو مرعوب کر لینا آسان ہے مگر اس سہل ممتنع کا جواب مشکل ہے۔" (صفحہ 5) غالب کے فکر و فن کے بارے میں یگانہ کی توصیفی رائے صحیفہ کے صفحات 5 اور 6 پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

مضمون کے آخر میں یگانہ پرزور انداز میں غالب دشمنی کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں " افسوس ہے کہ اھل وطن کی کوتاہ نظری و غلط فہمی سے میں غالب کا مخالف مشہور ہو گیا ہوں مگر یہ ایسی ہی بے معنی بات ہے جیسے غالب کے بعض بعض اشعار، آج کل ہرکس و ناکس نے غالب کی بے جا مدح سرائی کو اپنا فیشن بنا لیا ہے مگر میں اس تحسین ناشناس کو اپنا فیشن بنانا جرم سمجھتا ہوں۔ " (صفحہ 7)

یگانہ کے اس مضمون کو پڑھ کر انہیں غالب کا مخالف ٹھہرانا محال ہی نہیں نا ممکن

ہو جاتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ یگانہ کی غالب دشمنی کے محرکات کا ابھی تک تفصیلی مطالعہ نہیں ہو سکا۔ اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ یگانہ کو یہ گوارا نہیں تھا کہ غالب کے بعد پوری اردو غزل دیوانِ غالب کے تار سے بندھ کر رہ جائے چنانچہ آہستہ آہستہ غالب ان کی چڑ بن گیا ان کے حریف انہیں غالب کے نام سے چڑاتے تھے اور وہ اپنی تیزی سے بڑھتی ہوئی خود پرستی (جو ان کے احساسِ محرومی اور شدّتِ تنہائی کا مظہر تھی) کی وجہ سے آگے چل کر غالب پر الٹے سیدھے اعتراض کرنے لگے۔ راہی معصوم رضا کی یہ بات درست ہے کہ " انہیں غالب کے پرستاروں نے دھکا دے دے کر غالب شکنی کی کگر تک پہنچا دیا تھا۔ " (21)

یہاں اس امر کی طرف اشارہ بھی ضروری ہے کہ عبدالرحمان بجنوری کے " دیوان غالب جدید " المعروف بہ نسخۂ حمیدیہ (مرتبہ مفتی محمد انوارالحق، مطبوعہ مفید عام اسٹیم پریس آگرہ، 1921ء) کے مقدمہ بعنوان " محاسن کلام غالب " کے طرز استدلال اور طرز ادا نے بھی یگانہ کو غالب کے خلاف لکھنے پر اکسایا۔ بجنوری کی اس تحریر کا رد عمل آہستہ آہستہ یگانہ کی تحریروں میں ظاہر ہوا۔ یہ رد عمل خاص طور پر " آیات وجدانی " کے محاضرات میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی نہیں رسالے کا نام " صحیفہ " اور مجموعۂ کلام کا نام " آیات وجدانی " تجویز کرنا بھی عبدالرحمان بجنوری کے اس جملے کا نفسیاتی رد عمل معلوم ہوتا ہے کہ " ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں وید مقدس اور دیوان غالب "

بجنوری غالب کی طرف داری میں انتہا پر نظر آتے ہیں انہوں نے انفس و آفاق کے تمام مباحث کے علاوہ زمانہ قدیم و جدید کے تمام چیدہ چیدہ فلاسفہ اور شعراء کے نظریات اور محاسنِ کلام "دیوان غالب" میں ڈھونڈھ نکالے ہیں۔ ان کی اس تحریر نے غالب کے بارے میں غلو کی ایسی روایت ڈالی کہ جس نے تنقید کو جادۂ اعتدال سے ہٹا دیا یگانہ انہی دنوں " آیات وجدانی " کے محاضرات مرتب کر رہے تھے اور صحیفہ میں " تقلید غالب " جیسا مضمون لکھ چکے تھے جس میں غالب کی شاعرانہ عظمت کا بوطا اعتراف کرنے کے باوجود مقلدینِ غالب اور شارحین غالب کی خوب

خبر لی تھی ۔ انھی دنوں یگانہ ملازمت کی تلاش میں اٹاوہ سے علی گڑھ اور علی گڑھ سے لاھور پہنچے۔ لاھور میں بھی روزگار کا مستقل بندوبست نہ ھو سکا ۔ تاجور نجیب آبادی نے تصنیف و تالیف کا دفتر لپیٹا تو یگانہ پھر بے روزگار ھو گئے اب ایک طرف ذھنی پریشانیاں اور معاشی مسائل تھے تو دوسری طرف بجنوری کے "محاسن کلام غالب" کا غلغلہ تھا اور تیسری جانب " آیات وجدانی " کی ترتیب اور اشاعت کی فکر۔ چنانچہ جب 1927ء میں "آیات وجدانی" شائع ھوئی تو اس میں شامل نثری تعلیقات گویا بجنوری کے " محاسن کلام غالب " کا جواب تھیں۔ ڈاکٹر حنیف کیفی کے لفظوں میں " یگانہ کی غالب دشمنی کا عمل ایک جذباتی ردّ عمل بھی تھا اور نفسیاتی ردّعمل بھی ۔ " (22)

بجنوری نے " دیوان غالب " کو بدیسی کھڑاؤں پہنا دی تھی جس کا ردّ عمل "آیات وجدانی" کے محاضرات میں جابجا " اللّٰہ اللّٰہ " ، " اللّٰہ اکبر "، " سبحان اللّٰہ " کی صورت میں ظاھر ھوا اور یگانہ نے میرزا مراد بیگ شیرازی کی زبان میں اشعار کے حوالے سے نہ صرف اپنی الہامی زبان، الہامی تخیل اور الہامی کرشموں کا ذکر بار بار کیا بلکہ جا بجا اپنا موازنہ غالب سے کیا اور کئی موقعوں پر بجنوری کو براہ راست نشانہ بنایا۔ مثال کے طور پر محاضرات کا یہ جملہ " اگر ھندوستان کے مقدس صحیفے دو ھیں ایک وید مقدس اور دوسرا دیوان غالب تو مرزا یاس کے "آیات وجدانی" کو تیسرا صحیفہ ماننا پڑے گا۔ " (صفحہ 178)

محاضرات میں جگہ جگہ یگانہ کے کلام میں فصاحت و بلاغت، جلالت تخیّل، الہامی زبان، حسن معانی ، دنیائے معنی ، مضامین عالیہ، فم جاودانی کے فلسفے، انسان کی وجدانی دنیا ، تصرّفات عشق ، نازک اور گہری حقیقتوں، معجز بیانی اور فلسفیانہ تخیّل کی جو داد دی گئی ھے اسے بجنوری اور چند دوسرے لوگوں کی مقدّماتی تحریروں کا رد عمل سمجھا جا سکتا ھے۔مثال کے طور پر اصغر گونڈوی کے مجموعۂ کلام " نشاط روح " پر سہیل و احسان کے مقدمے اور " باقیات فانی " پر رشید احمد صدیقی کا دیباچہ " آیات وجدانی " سے پہلے شائع ھو چکے تھے۔ سہیل و احسان کے

مقدموں کے خلاف یگانہ نے " ادب آموز " کے قلمی نام سے " نشاط روح پر وکیلوں کی مقدمہ طرازی " کے عنوان سے ایک مضمون بھی تحریر کیا تھا (مطبوعہ 'نیرنگ خیال' لاہور، اگست 1926ء، صفحات 21 تا 26)

" آیات وجدانی " کی اشاعت کے بعد یگانہ کا لاہور میں قیام ناممکن ہو گیا۔ آمدنی کا کوئی بھی ذریعہ باقی نہیں رہ گیا تھا چنانچہ لکھنو واپس چلے آئے اور یہاں سے تلاش معاش کے لئے حیدرآباد (دکن) جانے کی ٹھانی۔ یگانہ 1928ء میں حیدر آباد پہنچے ۔ حیدرآباد میں ان کی زیادہ تر توجہ رباعی کہنے پر رہی یہاں آ کر انہوں نے اس تیزی سے رباعیاں کہیں کہ بہت جلد ایک مجموعہ تیار ہو گیا جسے یگانہ نے " ترانہ " کے نام سے 1933ء میں اردو بک سٹال لاہور سے شائع کیا " ترانہ " کے آخر میں انہوں نے مزاحیہ کا عنوان قائم کر کے غالب کی ہجو میں کچھ رباعیاں شامل کر دیں تھیں۔ جس کی وجہ سے " ترانہ " اور یگانہ دونوں محرک بحث بن گئے۔ یگانہ کے ایک خط (بنام شعلہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان رباعیوں کا محرک بے خود موہانی کا ایک مضمون تھا، وہ لکھتے ہیں

(یکم مئی 1929ء) " نیرنگ خیال میں میاں بے خود موہانی کا مسلسل مضمون شائع ہو رہا ہے جس میں میرزا غالب کی کھلی ہوئی چوریوں پر ملمع سازی کی جا رہی ہے اس پر میں نے ایک رباعی کہی جو قول فیصل ہے۔

دیوانوں کے یہ زور نہ دیکھے نہ سُنے　　نادانوں کے یہ شور نہ دیکھے نہ سنے
جھنڈے یہ چڑھانے کو چڑھاتے ہیں مگر　　غالب سے چچا چور نہ دیکھے نہ سنے
(عثمان آباد دکن) (23)

مذکورہ رباعی " ترانہ " میں شامل ہے۔ یوں یگانہ کی مخالفت کے ریلے میں شدت آ گئی۔ یہ ریلا یگانہ کو بہا کر غالب کی چٹان تک لے آیا اور وہ تیشہ اٹھا کر اس چٹان کو ریزہ ریزہ کرنے کے

ڈاکٹر سلیم اختر کے لفظوں میں " نرگسی تسکین کی خاطر تعمیر کی بجائے تخریب کا سہارا لے کر کسی ایک کو نشانہ بنا لیتے ھیں اور یوں اچھا بھلا یگانہ غالب شکن بن جاتا ھے۔ (24) ڈاکٹر نیر مسعود نے یگانہ کے" غالب شکن " بننے کی تفصیل یوں بیان کی ھے " اپنی رباعیوں کے مجموعے " ترانہ " کے آخر میں انھوں نے غالب کی ھجو میں کچھ رباعیاں شامل کر دیں جب ان کے ایک دوست پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب نے ان رباعیوں کے شمول کو خلاف مصلحت قرار دیا تو یگانہ نے جواب میں انھیں ایک بہت طویل خط لکھا جس میں غالب پر طرح طرح کے حملے تھے پھر انھوں نے اس خط کو " غالب شکن " کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا پھر اس کو مزید سخت اورمفصل کر کے " غالب شکن دو آتشہ "کے نام سے چھاپا اور غالب کے خلاف کئی اور رباعیاں کہہ کر کتاب میں شامل کر دیں۔ اس سلسلے کی بعض رباعیاں بہت چبھتی ہوئی تھیں۔ " (25) مندرجہ بالا اقتباس سے ظاھر ھے کہ یگانہ نے سید مسعود حسن رضوی ادیب کے خط کے جواب میں جو خط لکھا وھی بعد میں انھوں نے " غالب شکن "اور پھر مزید اضافوں کے ساتھ شائع کیا۔ یہ نکتہ قابل غور ھے کہ جب تک یہ مکتوب شائع نہیں ھوا تھا اس مکتوب کی حیثیت ذاتی تھی بعد میں یگانہ نے اسے کتابی صورت میں شائع کیا تو اس کی ذاتی حیثیت ختم ھو گئی اور یگانہ باقاعدہ " غالب شکن " قرار پائے۔ سوال یہ ھے کہ ادیب کے مختصر سے خط کے جواب میں یگانہ کو طویل خط لکھنے اور پھر بعد میں اسے کتابی شکل میں چھپوانے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ اس سوال کی تفصیل میں جانے سے یگانہ کی " غالب شکنی " کا اصل سبب معلوم ھو جاتا ھے۔ یگانہ کے طویل خط کے جواب میں مسعود حسن رضوی ادیب نے جو خط یگانہ کو لکھا اس میں اس خط کو چھپوانے کا خیال ظاھر کیا بقول ڈاکٹر نیر مسعود " ادیب کو یہ خط اس قابل معلوم ھوا کہ اس کو چھپوا دیا جائے۔ "(26) ادیب کے خط کے جواب میں یگانہ نے انھیں لکھا

(27) فروری 1934ء) " مکرمی حضرت مسعود صاحب سلام علیکم ! آپ کا پوسٹ کارڈ

مورخہ 23 فروری موصول ھوا جس سے معلوم ھوتا ھے کہ آپ نےمیرے

اس طویل مکتوب میں کچھ نہ کچھ صداقت محسوس کی ھے اورغالباً

اسی وجہ سے شائع کرا دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے بہت
مناسب ہے اگر آپ شائع کر دیں جہانگیر، عالمگیر، نیرنگِ خیال
جس میں چاہے چھپوا دیجئے۔ نیرنگِ خیال ہو تو زیادہ اچھا ہے۔
زیادہ نیاز ۔ میرزا یگانہ چنگیزی (لاتور دکن) " (27)

ادیب ہی کے نام ایک اور خط میں یگانہ لکھتے ہیں۔(7 اپریل 1934ء) " میں حیدر آباد سے واپس آیا تو آپ کا عنایت نامہ ملا جس سے معلوم ہوا کہ میرا مکتوب آپ نے جہانگیر کو بھیج دیا ہے میں نے بھی ان کو تحریری اجازت بھیج دی ہے۔ " (از لاتور دکن)(28)

ان خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ مسعود حسن رضوی ادیب اور یگانہ،خط کو " جہانگیر " لاہور میں شائع کروانا چاہتے تھے گویا یگانہ کے ذہن میں اس وقت تک اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ پیدا نہیں ہوا تھا یہ خیال انہیں بعد میں آیا۔ ادیب کے نام لکھے گئے یگانہ کے ایک خط (محررہ 13 مئی 1934ء) سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ رسائل کو اشاعت کی غرض سے خط کی جو نقول بھیجی گئی تھیں ان میں اس کا عنوان " مکتوبِ یگانہ " تجویز کیا گیا تھا۔ یگانہ نے لکھا تھا " مکتوبِ یگانہ کی اشاعت کا انتظار ہے دیکھیے کب تک شائع ہوتا ہے۔"(29) پھر " جہانگیر " لاہور کو یہ خط اشاعت کے لئے ادیب نے بھیجا تھا اور یگانہ نے اس کی تحریری اجازت دی تھی۔ ادیب جیسے غالب شناس کے بارے میں یہ سوچنا بھی بعید ہے کہ انھوں نے اس خط کو " غالب شکن " کے عنوان سے چھپوانا چاہا ہو گا۔ادیب اسے " مکتوبِ یگانہ " ہی کے عنوان سے چھپوانا چاہتے تھے مگر نہ تو " جہانگیر " نے اور نہ ہی " نیرنگِ خیال " نے اسے شائع کیا۔ اس کے بعد ممکن ہے کہ اسے شائع کرنے کا خیال یگانہ کے دماغ سے نکل جاتا کہ اچانک رسالہ " ساقی " دہلی میں " ترانہ " کی رباعیوں کے حوالے سے یگانہ کے خلاف ایک باقاعدہ مہم کا آغاز ہو گیا۔ " ساقی " کے اپریل 1934ء کے شمارے (ظریف نمبر) میں علامہ مضحک دہلوی کا ایک مضمون بعنوان " میرزا یگانہ عقل و خرد سے بیگانہ " شائع ہوا مضمون کے آخر میں ایک کارٹون

بھی شائع کیا گیا تھا جس میں یگانہ کے ایک ھاتھ میں ترانہ تھی اور دوسرا ھاتھ ٹھوڑی کے نیچے تھا یگانہ کے سر سے ٹوپی نیچے گرتی ھوئی دکھائی گئی تھی ان کے سامنے علامہ مضحک دہلوی کھڑے قہقہہ لگا رہے تھے ان کے ھاتھ کے اشارے سے معلوم ھوتا تھا جیسے انہوں نے یگانہ کے طمانچہ رسید کیا ھو اور کہہ رہے ھوں یہی ھے ترانہ ۔ مضحک نے اپنے مضمون میں یگانہ کی پوری شاعری کو " الٹا بخیہ " قرار دیا اور ان کی چنگیزیت کو نرے غصے کا نام دیا اس مضمون میں " ترانہ " کے دیباچے سے لے کر ایک ایک رباعی پر سطحی اعتراضات متبذل زبان میں کئے گئے تھے۔ مضحک نے یگانہ کی ذات اور ان کی نجی زندگی کو تضحیک کا نشانہ بنایا۔ " ترانہ " میں شائع ھونے والی یگانہ کی تصویر کے بارے میں مضحک نے لکھا " حجام کی حماقت کہئیے یا مزاجی کے چہرے کا رخ ایک مونچھ چھوٹی ایک بڑی ھو گئی چہرہ کا زاویہ غلط ھونے کی وجہ سے ایک کان غائب ھو گیا سب سے بڑی صفت کہئے یا آرٹ، یہ ھوا کہ اچھا خاصا چہرہ ایک رنگ سے دورنگا اور سفید سے ابلق ھو گیا۔ " (صفحہ 44)

ترانہ کے دیباچے میں یگانہ نے اپنی بیگم کے بارے میں توصیفی کلمات تحریر کئے تھے۔ اور انہیں " صدق و صفا کی دیوی " قرار دیا تھا۔ یگانہ نے یہ بھی لکھا تھا " مردوں کے لئے تو زندگی کے تلخ تجربے کڑوی دوا کا حکم رکھتے ھیں جو اصلاح مزاج کے لئے ایک ضروری چیز ھے طبیعت کا مکدر رھنا اور نظریۂ حیات میں افسردگی پیدا کرنا تو کجا یہی تلخی و ترشی تزکیۂ نفس کا آلہ بن کر انسان کو سچی مسرتوں سے شاد کام بناتی ھے۔ مضحک نے اس پر اس طرح حرف زنی کی " پہلے اصلاح مزاج کے لئے صرف کڑوی دوا تجویز ھوئی تھی اب چونکہ حکیم صاحب کی شریک حیات " صدق و صفا کی دیوی " بھی انسانی جماعت میں ھیں اس لئے صنف نازک کی نزاکت کا خیال کر کے نسخہ میں کچھ ترشی بھی بڑھا دی گئی۔ " (صفحہ 46)

مضحک دھلوی کا یہ مضمون یگانہ کی رگ چنگیزی کو بھڑکانے کا سبب بن گیا۔ " ساقی " کے مئی کے شمارے میں یگانہ کی ایک کھلی چٹھی بنام ایڈیٹر شائع ھوئی۔ یہ چٹھی یگانہ کی

" غالب شکنی " کے عوامل کی نہایت اہم کڑی ہے اس چٹھی سے اقتباس دیکھئے۔۔۔

" میرے پیارے شاھد سلامت رھو ساقی کا " ظریف نمبر " شاید آپ نے میرا دماغی توازن برابر کرنے کی غرض سے بھیجا ہے مگر آپ کی اس نیت کا انجام بخیر ہوتا معلوم اب تک تو محض مزاحیہ انداز میں چچا جان کے ساتھ طفلانہ شوخیاں ہوتی رہی ہیں مگر اب چچا جان کے کریکٹر اور ان کے طرز زندگی پر روشنی ڈالنی پڑے گی۔ جان برادر جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے آپ لوگ میرا جس قدر مذاق اڑائیں یا کھسیانی ہنسی ہنس کر دل کو جھوٹی تسلی دے لیں حق بجانب ہیں۔میں بھی آپ حضرات کے اس جذبۂ انتقام سے ھمدردی رکھتا ہوں مگر جناب ضحک دھلوی نے جوش انتقام میں یگانہ آرٹ پر نکتہ چینی کی جو ھمت کی ہے وہ اتنی مضحک ہے کہ کوئی صاحبِ فن ہنسی روک نہیں سکتا۔ زبان کی غلطی یا معنوی سقم تلاش کرنا چاہتے ہو تو دیوانِ غالب میں بڑی آسانی سے پا سکتے ہو شاعر کے کلام اور اس کے طرزِ زندگی کا جائز مضحکہ اڑانا چاہتے ہو تو اس کے لئے غالب خاص توجہ کا مستحق ہے۔ " (صفحہ 14)

اس چٹھی کے ساتھ اگلے صفحے پر " اسمعوا ۔ افہموا " کے عنوان سے غالب کی ھجو میں یگانہ کی نو رباعیاں بھی شائع ہوئیں ان رباعیوں میں یگانہ نے پہلی مرتبہ غالب کے مبینہ کردار اور طرزِ زندگی کو موضوع بنایا۔ یہ تمام رباعیاں بعد میں " غالب شکن " طبع اوّل میں شامل کی گئیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یگانے/مسعود حسن رضوی ادیب کے خط کے جواب میں جو طویل خط لکھا تھا وہ غیر مطبوعہ ہی رہ جاتا کیونکہ " نیرنگ خیال " اور " جہانگیر " نے اسے بوجوہ شائع نہیں کیا تھا مگر علامہ ضحک دھلوی اور پھر ماھر القادری کے مضمون " بیگانہ شاعری " (مطبوعہ " ساقی " دھلی ،مئی 1934ء) نے یگانہ کو " غالب شکن " بنا دیا۔

ماھر القادری کا مضمون در حقیقت ضحک دھلوی کے مضمون ہی کے سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ ماھر القادری نے لکھا تھا " خود ستائی کے اس ابوالھول سے کوئی پوچھے کہ وہ کون بدنصیب

صاحبِ نظر ہے جس نے آپ کے آرٹ کی تاریکی سے اپنی بصارت کا خرابہ کر لیا۔ " (صفحہ 61) آگے چل کر ماہرالقادری نے لکھا " میرا یہ ایقان ہے کہ جو شخص غالب کو شاعر نہیں تسلیم کرتا اس کو شاعری سے ذرا بھی لگاؤ نہیں اور اس کو شعر پڑھنے کا بھی حق حاصل نہیں . . .

ڈاکٹر عبدالرحمان مرحوم بجنوری کا یہ جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ " ہندوستان میں الہامی کتابیں دو ہیں وید مقدس اور دیوان غالب " (صفحہ 66) ماہرالقادری کا مضمون ، یگانہ کی کھلی چٹھی اور غالب کی ہجو میں ان کی نو رباعیاں " ساقی " کے ایک ہی شمارے میں شائع ہوئے۔ یگانہ کی چٹھی سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے مضحک دہلوی کے مضمون کے فوری ردّ عمل میں یہ نو رباعیاں لکھی تھیں۔ ان رباعیوں کا لب و لہجہ بھی مضحک دہلوی سے مستعار تھا۔ جس طرح مضحک نے یگانہ کے ذاتی کردار اور نجی زندگی کے معاملات کو اچھالا تھا یگانہ نے بھی غالب کی ہجو میں وہی چلن اختیار کیا ادھر " ساقی " کے اسی شمارے میں ماہرالقادری نے یگانہ اور " ترانہ " دونوں کے بخیے ادھیڑنے کی کوشش کی۔ اپنی اور " ترانہ " کی ایسی مٹی خراب ہوتے دیکھ کر ناممکن تھا کہ یگانہ کی موجِ فکر میں طغیانی پیدا نہ ہوتی۔ چنانچہ ان حالات میں یگانہ کو ادیب کے نام اپنے خط کی اشاعت کی سخت ضرورت محسوس ہوئی اور انہوں نے ادیب کو اپنے ایک خط میں لکھا۔

(13 مئی 1934ء) " ساقی " دہلی کا اپریل اور مئی نمبر آپ کی نظر سے گزرا یا نہیں میاں مضحک دہلوی اور بدایوں کے ایک امرد لڑکے (ماہرالقادری) نے خوب خوب دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ پیٹ بھر کے مجھے گالیاں سنائی ہیں میں نے کئی بار ان دونوں کی بکواس کو پڑھا دیر تک ہنستا رہا اچھی خاصی تفریح ہو گئی گویا یہ لوگ غالب کی محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ کتنے نادان ہیں فریب مجھے سچ مچ غالب کا دشمن سمجھ لیا ہے۔ مکتوبِ یگانہ کی اشاعت کا انتظار ہے دیکھیے کب تک شائع ہوتا ہے۔ " (30)

یگانہ کے خط کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یگانہ کے ذہن میں ابھی تک " غالب شکن " بننے کا سودا نہیں سمایا تھا۔ کیونکہ " ساقی " کے جون 1934ء کے شمارے میں یگانہ نے

ماھر القادری کے مضمون کا جواب بھی کھلی چٹھی کی صورت میں دیا تھا اور ماھرالقادری کی " غالب شناسی " کا مضحکہ اڑایا تھا مگر جب ماھرالقادری نے یگانہ کی کھلی چٹھی کا جواب کھلی چٹھی کی صورت میں " ساقی "(جولائی 1934ء) میں شائع کیا اور لکھا " میری تنقید سے مبہوت ھو کر چنگیزی صاحب نے کھسیانی بلّی کی طرح کھمبے نوچنے کی ناکام کوشش کی ھے وھی سوقیانہ انداز وھی بازاری زبان وھی غیر شاعرانہ اسلوب نگارش ھے۔" (صفحہ 20) تو یگانہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ھو گیا اور " غالب شکن "کی صورت میں چھلک پڑا۔

یوں مسعود حسن رضوی ادیب کے نام لکھا جانے والا یگانہ کا خط 1934ء ھی میں "غالب شکن " کے نام سے شائع ھوا۔ متن کے پہلے صفحے پر حاشیے میں یگانہ نے یہ نوٹ دیا " اصل خط دستیاب نہ ھو سکا مکرر مسودہ کیا گیا جس سے جابجا اختلاف ھونا ضروری ھے۔" اس نوٹ سے یگانہ کی اضطراری کیفیت کا اندازہ ھوتا ھے کہ وہ ادیب سے اصل مسودہ بھی نہ منگوا سکے اس پہلے ایڈیشن کے 32 صفحات ھیں جن میں سے 20 صفحوں میں خط آیا ھے اور آخری 12 صفحوں میں غالب کی ھجو میں 22/رباعیوں رباعیاں ھیں۔ کی کل تعداد 24 ھے۔ نو رباعیاں تو " ساقی " (مئی 1934ء) میں شائع ھو چکی تھیں پندرہ رباعیاں مزید لکھ کر شامل کیں۔

" غالب شکن " کی اشاعت میں علامہ مضحک دھلوی اور ماھرالقادری کا کردار بظاھر بنیادی اور مرکزی دکھائی دیتا ھے۔ لیکن در حقیقت پس پردہ ایک شخصیت اور بھی ھے ۔ تمام احوال و آثار کا تجزیہ کرنے کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا ھے کہ یگانہ کو "غالب شکن" بنانے اور مکتوب یگانہ کی " غالب شکن " کے عنوان سے کتابی شکل میں اشاعت کی بیشتر ذمہ داری شاھد احمد دھلوی ایڈیٹر " ساقی " دھلی پر عاید ھوتی ھے۔ ایڈیٹر ساقی کی ذاتی دلچسپی اور تھپتھپی دینے کی وجہ سے بحث نے طول پکڑا حالاں کہ مضحک دھلوی اور ماھرالقادری کے مضامین کی زبان ایسی نہیں تھی کہ وہ کسی موقّر ادبی رسالے میں شائع ھوتے ۔ یہی نہیں بلکہ کھلی چٹھیاں شائع کر کے جوابی کارروائیوں کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی ۔ مزید یہ کہ یگانہ کا ایک ایسا

کارٹون بھی شائع کیا گیا جو ان کی دل آزاری کا سبب بنا۔ یگانہ اپنی اس تضحیک کو کبھی نہیں بھول سکے۔ (31)

"غالب شکن" شائع ہوئی تو حسب توقع یگانہ کی مخالفت میں بھی شدت پیدا ہو گئی۔ لکھنو کے ماہوار ادبی جریدے "الناظر" نے ان کے خلاف "دو میرزا ۔ ایک آیات وجدانی کا مصنف دوسرا اس کا مفسر" کے عنوان سے سلسلہ مضامین شائع کرنا شروع کیا یہ سلسلہ جولائی 1935ء سے جون 1936ء تک چلتا رہا اس مضمون کے مصنف اسماعیل احمد مینائی تسنیم (موجودہ مدیر رسالہ "فاران" کراچی) تھے۔ وہ اپنے طویل مضمون کی آخری قسط میں لکھتے ہیں "حال ہی میں انہوں نے جو مجموعہ اپنی رباعیات کا ترانہ کے نام سے شائع کرایا ہے اس سے اس امر کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ وہ نہ صرف غالب کے کلام پر حرف گیری کرتے ہیں بلکہ اس کی خانگی زندگی پر بھی حملہ آور ہوتے ہیں۔ رسالہ ساقی بابت ماہ مئی میں جو مکتوب اور کلام ان کا شائع ہوا ہے ان سے بھی ان بیانات کی تائید ہو گی۔ اب تک یگانہ نے غالب کی تنقیص و تذلیل میں کس ایمانداری، انصاف اور علم سے کام لیا تھا جو آئندہ ان کے سدھرنے کی امید ہوتی مگر بہر حال اب تک غالب کا کلام ایک آڑ تو تھا لیکن اب انہوں نے کھلے بندوں اس کی پرائیویٹ زندگی پر عریاں تبصرہ کرنا شروع کر دیا .... یگانہ کو یاد رکھنا چاہئیے کہ صرف انہیں کو رباعیاں کہنا، ہجو لکھنا، پھبتیاں کسنا نہیں آتا دوسرے بھی اس میدان میں لنگ نہیں۔" (32)

اسماعیل احمد مینائی تسنیم کا یہ مضمون "ترانہ" اور "غالب شکن" ہی کا رد عمل معلوم ہوتا ہے کیونکہ "آیات وجدانی" کو شائع ہوئے تو آٹھ سال بیت چکے تھے اس پر اتنی تاخیر سے لکھنے کا بظاہر کوئی جواز نہیں تھا۔ صاحب مضمون نے رسالہ "ساقی" میں شائع ہونے والے مضحک دہلوی اور ماہرالقادری کے مضامین کو یکسر نظر انداز کر کے یگانہ کی کھلی چٹھی کو جس طرح غلط معنی پہنائے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا یہ طویل مضمون "ترانہ" اور "غالب شکن" کے رد عمل ہی کی پیداوار تھا۔ راقم السطور نے اس حوالے سے اپنے ایک مراسلے (محررہ 20 جون

1985ء) میں اسماعیل احمد مینائی تسنیم سے استفسار کیا تھا تو انہوں نے اپنے جوابی خط (محررہ 11 جولائی 1985ء) میں اصرار کیا کہ یہ مضمون " آیات وجدانی " جیسے گستاخ لہجہ، غیر علمی اور متعصّب تالیف کے جواب میں ہی لکھا گیا تھا۔ مینائی نے اپنے ایک اور مراسلے (محررہ 5 اگست 1986ء) میں راقم کو لکھا کہ "دو میرزا کی اشاعت کے بعد یگانہ کے بہت سے خطوط ملے جن میں دل کی بھڑاس نکالی گئی تھی آنجہانی کی یک طرفہ مراسلت سے جب تنگ آ گیا تو ایک مخمس، ایک قطعہ اور ایک غزل ان کو آئینہ دکھانے کی غرض سے تیار کیں۔" مینائی صاحب کا کہنا ہے کہ جب یگانہ نے انہیں " غالب شکن " بھیجی تو انہوں نے بھی اپنے رشحات فکر یگانہ کو روانہ کر دئیے۔ مینائی نے اپنے " رشحات فکر " کی ایک نقل راقم کو بھیجی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ " غالب شکن " کی رسید میں یگانہ کو کیا کیا کچھ وصول ہوا تھا۔ قطعہ، مخمس اور غزل کا مطلع درج ذیل ہے

(قطعہ) آنکھ اس کی سی سو لاکھ میں چھوٹی نہ ملے　　ماروں جو ہاتھ جسم پہ بوٹی نہ ملے

واللہ یگانہ کی ہے صورت ایسی　　صبح دیکھوں تو شام تک روٹی نہ ملے

(مخمس) ریاض دھر کی کیوں کر بیاں، ہو نیرنجی　　کہ جس کی ثاٹث ہو اھل سخن کی شطرنجی

بساط شعر سے جس کو ملے نہ اک جھنجی　　خدا کی شان وہ پُہنچے کسی کلچڑی گنجی

حضور غالب خوش گو کرے نوا سنجی

(غزل کا مطلع) اب تک تو جوں توں بچ گیا اُخ تھو تری اوقات پر

اب بھاگ تو جانوں بچا اُخ تھو تری اوقات پر

1934ء اور 1935ء کے سال یگانہ کی زندگی میں کئی اعتبار سے اھمیت رکھتے ھیں۔ ایک تو ان کی تصانیف " ترانہ " " آیات وجدانی " (طبع دوم) " غالب شکن "(طبع اوّل) اور " غالب شکن دو آتشہ " شائع ھوئیں دوسرے یہ کہ ان دو سالوں میں یگانہ کے خلاف مسلسل لکھا گیا۔ " غالب شکن " اور " غالب شکن دو آتشہ " کی اشاعت کو تو واضح طور پر انہی مخاصمانہ تحریروں کا رد عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔

"غالب شکن" کا دوسرا ایڈیشن 1935ء کے اواخر میں شائع ہوا کیونکہ یگانہ نے ادیب کو "غالب شکن دو آتشہ" شائع ہونے کے بعد اس کے دس نسخے بھیجے تھے اور اس کی اطلاع اپنے ایک خط (محررہ 7 فروری 1937ء) کے ذریعے دی تھی۔(33) دوسرے ایڈیشن میں جو اضافے کئے گئے ان کی بنیاد وہی مخالفانہ غلغلہ تھا جو "غالب شکن" طبع اوّل کی اشاعت کے بعد بلند ہوا یگانہ غالب کے نام کی زرّہ بکتر پہن کر میدان میں آنے والوں کے خلاف نبرد آزما تھے "غالب شکن دو آتشہ" میں ہجویہ رباعیوں کے علاوہ چوریوں اور نقالیوں کے ایک باب کا اضافہ بھی اسی لئے کیا گیا۔ یگانہ نے اس ایڈیشن میں جہاں مضمون کے متن میں توسیع کی وہاں چنگیز خاں کے نام کتاب کے انتساب کا اضافہ بھی کیا۔ کتاب 80 صفحات پر مشتمل ہے اس میں مکتوب یگانہ 68 صفحات اور رباعیاں آخری 12 صفحات پر مشتمل ہیں۔ رباعیوں کی مجموعی تعداد 32 ہے اور انہیں "میٹھی میٹھی چٹکیاں" کا عنوان دیا گیا پہلی ہی رباعی یہ ہے

کیا امّت غالب میں بپا ہے فریاد	مرزا کے بت پہ آہ ایسی افتاد
ہنس ہنس کے جلاجلا کے کرتے ہو جہاد	کیا کہنے ہیں واہ ہاتھ لانا استاد

"غالب شکن" میں شامل "مکتوب یگانہ" غالب کی شاعری کے بارے میں بے لاگ رائے کی حیثیت رکھتا ہے جس کے آغاز ہی میں یگانہ نے واضح کر دیا تھا کہ ان کا مذہب غالب پرستی نہیں بلکہ خود پرستی یا حق پرستی ہے۔ غالب کے بارے میں لکھی جانے والی رباعیوں کا انہیں جو خمیازہ بھگتنا پڑا اور نقادوں کی بے توجہی کا شکار ہونا پڑا اس کے بارے میں خود ان کا کہنا تھا کہ "فطرت میرزا غالب کی اتنی ہواہ خواہ تو نہیں ہے کہ میرزا یگانہ علیہ السلام کا ذاتی جوہر چند ظریفانہ رباعیوں یا "غالب شکن" لکھنے کی وجہ سے مٹا دے گی۔" (صفحہ 10)

یگانہ نے "غالب شکن دو آتشہ" کے آخر میں خود بھی "غالب شکن" کی شانِ نزول پر روشنی ڈالی ہے جس سے راقم السطور کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ یگانہ لکھتے ہیں "غالب پرستوں نے تمام اساتذۂ ماضی و حال کا حق تلف کر کے غالب کو دے دیا ہے۔ مگر میں نے ہرگز غالب کا حق تلف نہیں کیا (ان کو اردو کا مایۂ ناز شاعر مانتا ہوں) ہاں کھری کھری سنا

دی جس کے مخاطب غالب نہیں ھیں بلکہ غالب پرست ۔ غالب شکن کی اشاعت کا ذمہ دار کون ھے؟ دلّی وال ۔ ترانہ کی محض چند مزاحیہ رباعیوں سے چراغ پا ھو کر جب دلّی وال نے رسالہ ساقی، دھلی کے اکیس صفحوں پر مہمل خامہ فرسائی کر کے ترانہ کو گویا مجموعۂ خرافات باورکرانا چاھا تو میں نے کہا جاتا کہاں ھے اور لیتا جا۔یہ ھے " غالب شکن " کی شانِ نزول "(صفحہ 34) یہاں " دلّی وال " سے یگانہ کی مراد مضحک دھلوی ھیں اور اگر مضحک دھلوی کے پردے میں خود شاھد احمد دھلوی مدیر ساقی ھیں تو گویا وھی " غالب شکن " کے ذمہ دار ھیں۔

یگانہ نے بارھا اپنی " غالب شکنی " کی حقیقت کا ذکر کیا ھے۔ " غالب شکن دو آتشہ " میں وہ لکھتے ھیں " غالب پر جتنی بوچھاریں ھو رھی ھیں انہیں غالب سے کوئی تعلق نہیں یہ بوچھاریں تو فقط اس غرض سے ھیں کہ غلچیوں کی بہکی ھوئی ذھنیتوں پر چوٹ پڑے دماغوں میں جو فاسد مادہ جمع ھو گیا ھے، خارج ھو جائے۔" (صفحہ 34) " غالب شکن دو آتشہ " میں یگانہ نے غالب پرستوں کے لئے غلچیوں کی اصطلاح استعمال کی ھے۔اس سے پہلے وہ غالب پرست لکھتے رھے تھے۔ یہ صحیح ھے کہ ان کے مخالفوں نے انہیں رفتہ رفتہ " غالب شکن " بنا دیا تھا مگر اس کے باوجودوہحقیقی معنوں میں غالب دشمن یا غالب شکن نہیں تھے۔ خود ان کی تصنیفا"غالب شکن " اس امر کی شہادت دیتی ھے کہ وہ غالب شکنی کے پردے میں در اصل بت شکنی کرنا چاھتے تھے۔ وگرنہ وہ خود بھی غالب سے مغلوب تھے۔ " غالب شکن " میں یگانہ نے غالب کے کل 59 اشعار کو موضوع بحث بنایا ھے ان میں سے بیشتر اشعار ایسے ھیں جو نہایت غیر معروف ھیں اور جن کی وجہ سے غالب،غالب نہیںھیں ۔یہ بات یگانہ بھی جانتے تھے اسی لئے وہ غالب کو"اردو کا مایۂ ناز شاعر" مانتے تھے۔ " غالب شکن دو آتشہ " میں بعض مقامات پر انہوں نے اپنی کم مایگی کا برملا اعتراف کیا ھے۔ دراصل غالب کی شاعری کی توقیر گھٹانا ان کا مقصودنہ تھا اگر ایسا ھوتا تو وہ صرف 59 اشعار پر اعتراض نہ کرتے اور وہ بھی واجبی سے۔ جب کہ ان میں سے بیشتر اشعار پر یگانہ سے پہلے نظم طباطبائی اور عبدالباری آسی سرقہ کے الزامات عاید کر چکے تھے۔ خود یگانہ نے بھی اپنے مضمون " سرقہ توارد ترجمہ " میں

انھی میں سے کچھ اشعار کے ماخذات کے حوالے دئیے تھے۔ " غالب شکن دو آتشہ " میں کئی مقامات پر یگانہ کا عجز بڑا دلچسپ ھے جس سے اصل حقیقت تک پہنچنے میں مدد ملتی ھے۔ مثال کے طور پر چند اقتباسات دیکھیے:

" بڑا بانکا شعر ھے مگر یہ خیال شیخ حزیں کے اک شعر سے پیدا ھوا ھے جسے ترقی دے کر غالب نے نقل کو اصل سے بڑھا دیا ھے۔ " (صفحہ 50) " شعر اگرچہ ORIGINAL نہیں ھے مگر اصل سے بڑھ گیا ھے۔ " (صفحہ 54) " دیکھ لو وھی مفہوم جو مولانا جمال الدین کے ھاں معمولی اور سست الفاظ میں بیان ھوا تھا اسی کو غالب کے زور بیاں نے کہاں سے کہاں پہونچا دیا ھے۔" (صفحہ 58)

اور یہاں تو یگانہ کی معصومیت قسم کھانے کے قابل ھے، غالب کے شعر

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا   جام جم سے تو مرا جام سفال اچھا ھے

کے بارے میں یگانہ لکھتے ھیں " شعر بجائے خود مکمل ھے۔جام جم پر جام سفال کی ترجیح نہایت لطیف ھے۔خدا کرے یہ شعر غالب ھی کا ھو کسی کی نقل نہ ھو۔ " (صفحہ 62)

" غالب شکن دو آتشہ " سے یگانہ کے چند اعترافات ملاحظہ کیجئے لکھتے ھیں " ڈاکٹر عبداللطیف کا یہ کہنا درست نہیں ھے کہ غالب کوئی بڑا شاعر نہیں ھے۔غالب اردو کا بڑا شاعر ھے۔اعلیٰ درجے کا غزل گو۔ " (صفحہ 22)

" تعلیم یافتہ گمراھوں کی نسبت غالب کے کمالات شاعرانہ کی صحیح قدرشناسی کا جوھر فطرت نے مجھ میں زیادہ ودیعت کیا ھے شاعر کو بہ حیثیت شاعر، شاعر ھی خوب سمجھ سکتا ھے مگر بضرورت خاص یعنی ملک کی بڑھتی ھوئی بدمذاقی کی روک تھام کے لئے غالب کے متعلق اس قدر تلخ حقیقتوں کا انکشاف واجب سمجھتا ھوں کہ غالب پرست ذرا حقیقت تلخ کا بھی مزہ چکھ لیں۔ " (صفحہ 29-30)

" میں غالب کے کمالات کا بھی معترف ھوں مگر اسی حد تک جتنی میرا ضمیر اجازت دیتا ھے میں غالب کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ھوں پرائی آنکھ سے دیکھ نہیں سکتا۔ " (صفحہ 31)

طرف داری کی اتنی بہت سی مثالوں سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ھوتی ھے کہ یگانہ نے " تقلیدشکنی "

کا نام غالب شکنی رکھ چھوڑا تھا " ادوائن کے توتے " کی طرح " غالب شکنی " بھی دراصل غالب سے اندھی ارادت رکھنے والوں پر ایک چبھتی ہوئی پھبتی تھی یگانہ کی درج ذیل رباعی اسی جانب اشارہ کرتی ہے۔

تقلید کے پھندے ہیں گلے میں جن کے   واللہ قدم رکھتے ہیں کیا گن گن کے
رفتار میں تیزی ہے نہ پرواز بلند   شاعر تو نہیں توتے ہیں ادوائن کے

جوش ملسیانی نے درست لکھا ہے کہ " سچ پوچھو تو مرزا یگانہ کی تصنیف " غالب شکن " غالب پرستوں کی اندھی ارادت کا نتیجہ ہے ورنہ جاننے والے جانتے ہیں کہ کمالات غالب کے جائز احترام میں وہ بھی کسی سے کم نہیں۔ " (34)

" غالب شکن دو آتشہ " کی اشاعت کے بعد گرمی بازار دیکھنے کی چیز تھی ۔ مخالفت کا ایک ریلا آیا جو ایک مدت کے لئے یگانہ کی شاعرانہ شناخت کو بہا کر لے گیا۔ محمد مبین کے لفظوں میں " شاعری میں منفرد اور مخصوص طرز و اسلوب رکھنے کے باوجود ایک عرصے تک ادبی دنیا نے انہیں غالب شکن کے نام سے جانا اور پہچانا۔ " (40) شاعری کے شقہ نقادوں نے ان کی شاعری کے بارے میں بے گانگی کا طرز عمل اختیار کیا حتٰی کہ اردو شاعری کے تذکروں اور تاریخوں میں ان کا نام تک لکھنے سے گریز کیا۔ یگانہ نے آیات وجدانی جدید میں خود بھی " غالب شکنی " کے نتائج پر اظہار خیال کیا ہے وہ لکھتے ہیں " یگانہ آرٹ کو طاق نسیاں پر رکھ کر فقط غالب شکن کے ذریعے سے یگانہ کو یاد کرنا آخر کیا ہے عداوت یا رواداری؟ یہ تو ویسی ہی بات ہے جیسے کوئی غالب کے تمام شاعرانہ کمالات کو بالائے طاق رکھ کر یہ کہتا پھرے کہ ہاں ہاں وہی غالب جو " قاطع برہان " کے مصنف ہیں جنہوں نے " برہان قاطع " کے مصنف کو گالیاں دی ہیں مگر کیا واقعی غالب کے پاس " قاطع برہان " کے سوا اور کچھ نہیں یا یگانہ کے پاس "غالب شکن" کے سوا اور کچھ نہیں۔ " (صفحہ 202) یگانہ نے زمانے کی بیگانگی کا تذکرہ اپنے ایک شعر میں بھی کیا ہے

یہ کیوں آپ سے یگانہ بیگانہ ہے زمانہ   غالب شکن جو ٹھہرے پھر پوچھنا ہے کیا ہے

" غالب شکن دو آتشہ " کا پہلا رد عمل نقاد کے مضمون " " ترانۂ یگانہ " کی صورت میں " الناظر " لکھنؤ(مارچ 1936ء) کے صفحات پر ظاھر ھوا جس میں مضمون نگار کا روّیہ انتہا پسندانہ اور متانت سے یکسر خالی تھا۔حضرت نقاد کے پردے میں دراصل بے خود موھانی تھے۔ یاد رھے کہ "غالب شکن دو آتشہ" میں یگانہ نے جابجا بے خود موھانی کی تشریحات کا تمسخر اڑایا تھا۔بے خود موھانی نے اپنے رسالے " جوھر آئینہ " میں نقاد کے نام سے یگانہ کے شعر

۔ہ بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے وہ بدنصیب جسے بخت نارسا نہ ملا

پر اعتراض کیا تھا کیونکہ مسعودحسن رضوی ادیب نے اس شعر کو اپنی تصنیف " ھماری شاعری "(طبع اوّل 1927ء) میں بلند خیالی کے ذیل میں درج کیا تھا ادیب نے بے خود موھانی کے اعتراض کا جواب تفصیل سے اپنی کتاب آئینۂ سخن فہمی " میں (صفحہ 83 تا 91) میں دیا ھے۔

اسی طرح مولانا حامدحسن قادری نے " مہر نیم روز " کراچی (مطبوعہ مئی 1956ء) میں اپنا ایک قطعہ شائع کرایا تھا جو انہوں نے 1937ء میں " غالب شکن " کی رسید کے طور پر یگانہ کو بھیجا تھا اس قطعے کے ساتھ حامدحسن قادری کا جو نوٹ شائع ھوا تھا اس سے ظاھر ھوتا ھے کہ یگانہ نے غالب کے ممدوحین کو " غالب شکن " از خود ارسال کی تھی وہ غالب شکن کا رد عمل معلوم کرنا چاھتے تھے۔ " غالب شکن دو آتشہ " کا رد عمل معلوم کرنے کے لئے انہوں نے ادیب کو لکھا تھا۔(7 فروری 1936ء) " کشتگان و زخم خوردگان " میرزا غالب شکن " کا کیا حال ھے آپ تو بہت تماشے دیکھا کرتے ھوں گے۔ " (35) حامدحسن قادری کا قطعہ بھی یگانہ کے لئے غیر متوقع نہیں ھو گا۔ قطعہ کے آخری دو اشعار کچھ یوں ھیں

مقابلہ اسداللّٰہ کی ذوالفقار سے کیا پڑے ھوئے ھیں تری تیغ میں دندانے

یگانہ کیوں نہ ھو مبہوت سن کے یہ نعرہ ہیا ورید گر ایں جا بود سخن دانے

قطعہ کے آخری مصرعے کے حوالے سے حامد حسن قادری نے حاشیہ میں لکھا تھا " غالب کا مصرعہ ھے جس میں " سخن دانے " کی جگہ زبان دانے " ھے میں نے اس موقع کے لحاظ سے اور زیادہ تر

قطعہ کی قافیہ آرائی کی غرض سے سخن دانے لکھا دیا ہے۔" (صفحہ 12)

یگانہ نے " غالب شکن " ان لوگوں کو بھی بھیجی تھی جو شعر و فن سے دلچسپی رکھتے تھے چنانچہ ایک صاحب عبدالعزیز کے " غالب شکن " سے متعلق استفسار پر یگانہ لکھتے ہیں " غالب کے ساتھ تمسخر کیوں؟ وہی عامیانہ پیش پا افتادہ سوال جو ذرا سی غور و فکر سے سمجھ میں آ سکتا ہے جس کا جواب " غالب شکن " میں بھی موجود ہے یہ تمسخر غالب کے ساتھ نہیں .... کیا یگانہ غالب کے ہم عصر ہیں یہ تو غلبچیوں کی بہکی ہوئی ذہنیت کو کچل ڈالنے کے لئے ہے اور یہ قلم کی مار وہ مار ہے جو کبھی بھول ہی نہیں سکتی۔" (36)

بہر صورت وقت گزرنے کے ساتھ " غالب شکنی " کی گرد بھی بیٹھ گئی خود یگانہ نے غالب کی مثل داخل دفتر کر دی اپنے ایک خط میں یگانہ شعلہ کو لکھتے ہیں (7 اگست 1945ء) " ارے میاں، اب لکھنو اور غالب کے معاملے کو کیا تازہ کرو گے وہ دونوں بت ٹوٹ چکے دونوں مقدمے فیصل ہو کر مثلیں (کذا) داخل دفتر ہو چکیں۔" (37) اس کے بعد کبھی کبھی باسی کھچڑی میں ابال آتا رہا مگر عملاً یگانہ نے غالب کے خلاف لکھنا ترک کر دیا۔ آیات وجدانی جدید (مطبوعہ 1946ء) کے محاضرات میں انہوں نے غالب کا ذکر بالکل محدود کر دیا گویا اس معرکے کی بس یادیں ہی رہ گئی تھیں جسے وہ کبھی کبھی کرید لیا کرتے تھے۔ یہاں آخری تجزیے کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ " غالب شکن " میں بلند ہونے والی یگانہ کی آواز کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ غالب کے اشعار کے ماخذ و مصادر کی تلاش شروع ہوئی اور غالب کے ماخذات سے علمی بحث کرنے کی روایت وجود میں آ گئی۔

غالب کے بعد اردو کے جس بڑے شاعر کی ہجو میں یگانہ نے رباعیاں کہی ہیں وہ اقبال ہیں۔ شعلہ کے نام اپنے ایک خط میں یگانہ لکھتے ہیں۔" (7 اگست 1946ء) غنیمت ہی جانو کہ یگانہ نے اقبال کی طرف توجہ نہ کی دو چار رباعیوں ہی پر بلا ٹل گئی اور کہیں اقبال کو بھی مرزا نے نمبر پر لے لیا ہوتا تو پھر دیکھتے اقبالچیوں کا حال۔بڑی خیر گزری اور یہ رباعیاں بھی خود

اقبالچیوں نے اشتعال دے کر کہلوائی ہیں۔" (38) گویا معاملہ یہاں بھی کم و بیش وہی ہے۔ یگانہ نے اقبال پرستوں کو "اقبالچی" کے علاوہ "اقبالی امت" کا نام بھی دیا تھا دیکھئے یگانہ کی غزل (مطبوعہ عالمگیر لاهور، دسمبر 1943ء) پر ان کا حاشیہ۔

"نگار" لکھنو (مطبوعہ جولائی 1944ء) میں "باب المراسلة و المناظر" کے ذیل میں یگانہ کا ایک مراسلہ نما مضمون "بے حیا اقبالچی" شائع ہوا تھا یہ مراسلہ دراصل نگار (مئی 1944ء) میں شائع ہونے والے سید صفدر حسین کے مقالے کے جواب میں تھا۔ جس میں مقالہ نگار نے اردو غزل میں حیات و کائنات کے مسائل سمونے، اسے نئی قدریں عطا کرنے، پرانی قدروں کو نئی صورت دینے، غزلوں کی زبان، لہجہ اور آہنگ بدلنے، نئے مفہوم اور متنوع خیالات کی گنجائش پیدا کرنے غزل کو رهبری اور بصیرت کا ذریعہ بنا کر دل و دماغ کو بیدار کرنے اور بہ حیثیت مجموعی غزل کو تعمیری ادب کی شان دینے کو اقبال کا کارنامہ بتایا اور یہ کہا کہ "اقبال کے بعد جس شخص کے ہاں غزل میں تھوڑے بہت کچھ ایسے ہی احساس ملتے ہیں وہ فراق ہیں یا ایک جھلک میرزا یگانہ کے ہاں کسی وقت پائی جاتی تھی۔ مگر اب وہ بھی نہیں۔" (صفحہ 469) اس پر یگانہ کا رد عمل ملاحظہ کیجئے" اس بے غیرت، بے حیا، بد نصیب اقبالچی نے یگانہ کے اس تمام کارنامے کو (نگار، بابت ماہ مئی 1944ء میں) کس بے حیائی کے ساتھ اقبال کی طرف منسوب کر دیا ڈاکٹر اقبال نے اپنی نظمیات کے ذریعہ سے جو تعمیری کام کیا ہے وہ مسلم سہی مگر ان کی غزل کیا اعتبار رکھتی ہے اپنی غزلوں کے متعلق خود اقبال نے کوئی ایسا جھوٹا دعویٰ نہ کیا۔" (صفحہ 469)

اس پس منظر میں اقبال کے خلاف لکھی گئی رباعیوں کو اقبال پرستی پر اظہار ناپسندیدگی سمجھنا چاہئیے ضیا عظیم آبادی کا یہ خیال درست ہے کہ "اقبال کے نقادوں نے انہیں تڑپا دیا تھا اور وہ خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے تھے۔" (39)

یگانہ نے اپنی نثری مضامین میں جو کچھ اقبال کے بارے میں تحریر کیا ہے اس سے اندازہ

ھوتا ھے کہ اقبال کے بارے میں ان کی رائے سطحی اور یک رخی تھی اپنے مضمون " ادب خبیث" (مشمولہ آیات وجدانی جدید) میں وہ جدید نظم کی بدنظمی کا ذمہ دار بھی اقبال کو ٹھہراتے ھیں یہ رائے وہ دکن میں بیٹھ کر دے رھے تھے جس سے ان کی ناکافی معلومات کا پتہ چلتا ھے ۔ یوں اقبال کے بارے میں ان کی رائے اور معرکہ آرائی یک طرفہ ھی ثابت ھوئی ۔

لاھور میں قیام کے دوران یگانہ کو جگر مرادآبادی اور اصغر گونڈوی کو قریب سے دیکھنے اور ان کا کلام سننے کا موقع ملا۔ یگانہ تاجور نجیب آبادی کی معاونت کے لئے لاھور آئے تو جگر اور اصغر پہلے سے لاھور میں موجود تھے اور تاجور کے "اردو مرکز" سے وابستہ تھے ایک ھی جگہ ملازمت کی وجہ سے اُن میں اور جگر اور اصغر میں مراسم بھی پیدا ھوئے مگر یہ مراسم کبھی دوستی کی حدود میں داخل نہ ھوئے۔ جگر اور اصغر میں پہلے سے گاڑھی دوستی تھی اسی زمانے میں "نیرنگ خیال" لاھور کے اگست 1926ء کے شمارے میں ایک مضمون " نشاط روح پر وکیلوں کی مقدمہ طرازی یا پھبتیوں کی پھبتی " کے عنوان سے شائع ھوا جس کے آخر میں مصنف کا نام " ادب آموز " درج تھا۔ " ادب آموز " کا لہجہ انتہائی جارحانہ اور انداز بیاں غیر تنقیدی تھا مضمون کا پہلا ھی جملہ اس طرح تھا " مغرب کی جوتیوں کے صدقے میں آج کل کے بعض وکالت پیشہ اصحاب نے جھوٹ کو سچ کر دکھانے میں جو کمال حاصل کیا ھے حق کو ناحق اور ناحق کو حق ثابت کر کے قابل ججوں کی آنکھ میں خاک ڈالنے میں جو ھنر مندی دکھائی ھے وہ ایک ایسی نفرت انگیز حقیقت ھے جس کا ھرکس و ناکس کو آئے دن تجربہ ھوتا رھتا ھے۔ " (صفحہ 21)

قصّہ کچھ یوں تھا کہ اصغر کی شاعری کا پہلا مجموعہ " نشاط روح " 1933ء میں شائع ھوا تھا جس کے شروع میں علی گڑھ کے دو اصحاب مرزا احسان احمد اور مولانا سہیل کے طویل مقدمے شامل تھے جن میں اصغر اور ان کی شاعری کی مبالغہ آمیز تعریف کی گئی تھی۔ مولانا سہیل کا لکھا ھوا مقدمہ "نیرنگ خیال" (مئی جون 1926ء) میں مکرر شائع ھوا۔ " ادب آموز " کا مضمون انہی مقدمہ نگاروں اور اصغر کی شاعری کے خلاف تھا۔ یہی نہیں بلکہ "ادب آموز" نے جگر کو بھی نشانے پر رکھا مثلاً یہ جملہ دیکھیے " اس مرادآبادی پیندے پر قلعی گری کا ھنر دکھایا جا چکا تو ایک

اور ٹھیکرا ہاتھ آ گیا۔ " (صفحہ 22) آگے چل کر اصغر کے بارے میں لکھا " جس کی زبان کسی موچ تک نہیں نکلی جس کا لب و لہجہ، جس کا روزمرہ تک درست نہیں غالب و مومن سے بھڑا دینا بلکہ ان مسلّم الثبوت اساتذہ پر فضیلت دینا کونسی غیرت و انصاف کا تقاضہ ہو سکتا ہے۔ " (صفحہ 25) اس مضمون کی اشاعت کے بعد خاصی ہلچل پیدا ہوئی جوابی مضامین لکھے گئے " نیرنگ خیال " لاہور کے دفتر میں لوگوں کا تانتا بندھ گیا جو یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ " ادب آموز " کے پردہ زنگاری میں اصل شباہت کس کی ہے۔ ان دنوں ایم ڈی تاثیر " نیرنگ خیال " کے ادارہ تحریر میں شامل تھے انہوں نے مالک رام کے احتجاج پر انہیں بتایا کہ " مضمون نگار بھی یوپی کے ایک صاحب ہیں جنہوں نے مصلحتاً اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ " (40) بعد میں یگانہ نے ایک ملاقات میں مالک رام کو اس مضمون کے بارے میں بتایا کہ " وہ میں نے لکھا تھا " (41)

" ادب آموز " کے مضمون کے شائع ہونے کے بعد اگلے ہی ماہ نیرنگ خیال میں تاثیر کا مضمون " حضرت اصغر اور ادب آموز " کے عنوان سے شائع ہوا، جس میں مولانا سہیل اور " ادب آموز " کے مضمونوں کو تنقید کی برودت اور اندیشہ مندی سے عاری قرار دیتے ہوئے محض وجدانی حدت و اشتعال کا مظہر قرار دیا۔ " ادب آموز " کے حوالے سے مضمون کا آخری جملہ خاصا جارحانہ تھا۔ تاثیر نے لکھا تھا " اگر اس مراة الفطرت اسلوب تحریر کے سوا انہیں کوئی چارہ کار نظر نہ آتا تھا تو چلمن کو اٹھا دیا ہوتا کہ ان کے ہم قماش لوگ انہیں کاوش اندازی کی پوری پوری سزا دے سکتے۔ " (42)

یگانہ کو " ادب آموز " کے قلمی نام سے ایک غیر سنجیدہ تحریر لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اس کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے ایک موقع پر مالک رام سے کہا " میں اصغر کو شاعر مانتا ہی نہیں نہ ان کی فکر شاعرانہ ہے، نہ زبان شاعرانہ۔ اس لئے میں انہیں شعر و سخن کی کسوٹی پر کسنے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مضمون میں میرا لہجہ شروع سے آخر تک غیر سنجیدہ رہا۔ " (43)

" ادب آموز " کا قلمی نام اس سے پہلے بھی ادبی رسائل میں دکھائی دیتا ہے دارالاشاعت پنجاب لاہور کے ادبی رسالے " کہکشاں "(جنوری 1919ء) کے صفحات پر " ادب آموز " کے نام سے ایک متنازعہ مضمون شائع ہو چکا تھا۔ انہی دنوں یگانہ پنجاب کے ادبی رسائل میں چھپ رہے تھے۔ بالخصوص" مخزن " لاہور میں ان کی چیزیں باقاعدگی سے شائع ہو رہی تھیں " کہکشاں " کے جنوری 1920ء کے شمارے میں یگانہ کی ایک غزل شائع ہوئی تھی جس کا مطلع تھا۔

هنوز زندگیٔ تلخ کا مزہ نہ ملا کمال صبر ملا صبر آزما نہ ملا

یہی زمانہ تھا جب یگانہ زبان کے مسائل اور بحثوں میں الجھے ہوئے تھے اس لئے گمان ہوتا ہے کہ " کہکشاں " میں " ادب آموز " کے قلمی نام سے پنڈت برجموھن دتاتریہ کیفی کی ایک نظم پر جو تنقیدی مضمون چھپا تھا وہ بھی یگانہ ہی کا تھا۔ علیٰ ھذا القیاس ۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ " کہکشاں " (دسمبر 1918ء) میں پنڈت برجموھن دتاتریہ کیفی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں نظم طباطبائی کی دو نظموں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ کہکشاں کے ایڈیٹر معروف ڈرامانگار ادیب سید امتیاز علی تاج نے اس مضمون کو اپنے اس نوٹ کے ساتھ شائع کیا تھا کہ " کیفی صاحب ایک پختہ مشق ناظم اور واقف فن بزرگ ھیں۔ انھوں نے اس تحریر میں متانت و وقار کو قائم رکھا ہے " یگانہ کے نظم طباطبائی سے دوستانہ مراسم تھے۔ کہکشاں کے آئندہ شمارے (جنوری 1919ء) میں کیفی کی ایک نظم پر جو " مخزن "لاہور میں شائع ہوئی تھی " ادب آموز " کا مضمون شائع ہوا مضمون میں جوابی کارروائی کے طور پر کیفی کی نظم کی زبان پر اعتراضات کئے گئے تھے۔ ایڈیٹر نے بھی مضمون اور صاحب مضمون کی کسی قسم کی تقریب کرانے سے گریز کیا۔ راقم السطور نے کہکشاں کے کچھ شمارے پبلک لائبریری لاہور میں دیکھے جن سے "ادب آموز" کی روایت کا پتہ چلا۔ تاهم یگانہ اور کیفی کے درمیان اس کشمکش نے طول نہیں پکڑا اور یہ سلسلہ "ادب آموز" کے مضمون پر ہی ختم ہو گیا۔

بیسویں صدی کی تیسری دھائی تک شعرائے لکھنو کے ساتھ یگانہ کی معرکہ آرائی قصۂ ماضی بن چکی تھی۔ لکھنو میں شاعری انحطاط پذیر ہو گئی تھی اور اس کی ...

چکا تھا شاعری کے نئے مراکز وجود میں آ گئے تھے ڈاکٹر نیر مسعود لکھتے ھیں " ابھی وہ(یگانہ) اپنے لکھنوی حریفوں کے زوال سے پوری طرح آسودہ بھی نہ ھوئے تھے کہ اردو کی شعری فضا میں کچھ اور نام گونجنے لگے یہ تھے اصغر گونڈوی، فانی بدایونی، حسرت موھانی، جگرمرادآبادی اور جوش ملیح آبادی اور یگانہ کو محسوس ھوا کہ ان کا نام ان ناموں کے پیچھے رہ گیا ھے۔"(44)

ان دنوں یگانہ ایک نئے محاذ پر مصروف عمل نظرآتے ھیں اپنے آپ کو نظر انداز ھوتا دیکھ کر انھوں نے اصغر، جگر اور جوش کی شاعری کو تنقید کا نشانہ بنایا اور ان پر بہت سخت حملے کئے۔ تاھم ان معاصرین پر ان کے اعتراضات خالص تنقیدی اصولوں کے مطابق قابل لحاظ نہیں بن سکے ان کے لہجے کی تندی اور بے اعتدالی نے ان کی تحریروں سے سنجیدگی اور توازن کو غائب کر دیا۔

1936ء میں فراق گورکھپوری کا ایک مضمون رسالہ نگار لکھنو میں شائع ھوا جس میں انھوں نے غزل دور حاضر میں جن منزلوں سے گزر رھی تھی اس کا ایک جائزہ لینے کی کوشش کی۔ فراق نے اس مضمون میں حسرت، فانی، اصغر، جگر اور یگانہ کی غزل کو موضوع بنایا تھا۔ یگانہ کو یہ گمان گزرا کہ فراق نے انھیں نظر انداز کرنے کی کوشش کی ھے چنانچہ انھوں نے فراق کے نام 31 مئی 1938ء کو سیلو دکن سے ایک طویل خط لکھا جسے بعد میں انھوں نے " شعرائے حال میں یگانہ کا درجہ " کے عنوان سے نیرنگ خیال(نومبر 1942ء) میں شائع کر دیا۔ خط کے ابتدائی حصے سے یگانہ کے تیوروں کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ھے یگانہ لکھتے ھیں " زمانہ دراز کے بعد غزل کی حمایت میں آپ کی یہ مضمون نگاری نیک فال ھے یہ دیکھ کر کہ غزل کی اھمیت کا آپ کو کافی اندازہ ھے میں آپ کی قدر کرتا ھوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ محض انگریزی لٹریچر کے مطالعہ پر اکتفا کر کے(ایرانی لٹریچر سے بے خبر رہ کر) فن غزل گوئی پر تبصرہ کرنا " سنسنی خیز" تو ھوسکتا ھے مگر پایۂ اعتبار کو نہیں پہنچ سکتا۔ میں وہ شخص ھوں کہ شعرو سخن کے معاملہ میں اختلاف رائے کا موقعہ آئے تو نہ دوست کا لحاظ کرتا ھوں نہ دشمن کی

پروا۔ یہاں دوست دشمن سب ایک گھاٹ اتر جاتے ھیں تلوار کی آنچ گھلا سکھا نہیں دیکھتی" (صفحہ 9)

اپنے اس خط میں یگانہ نے حسرت، فانی، اصغر اور جگر کے بارے میں جو رائے دی ھے اس سے معلوم ھوتا ھے کہ ان کے حالات نے انہیں اظہار رائے کے معاملے میں غیر متوازن کر دیا تھا۔ حسرت کے بارے میں یگانہ لکھتے ھیں " حسرت موھانی سے میں بھی واقف ھوں ایک اوسط درجے کے شاعر ھیں ان کی شاعری میں جان کتنی؟ ان کی فکر کی رسائی کتنی؟ بڑا شاعر ھوتا تو بڑی بات ھے حسرت تو آرزو لکھنوی کو بھی نہیں پہنچتے۔" (صفحہ 11) جگر کے بارے میں لکھتے ھیں "آپ کے چاروں چھٹ بھیوں کی چوکڑی میں اس شخص کو جو شہرت عامہ یا شہرت کا ذبہ حاصل ھے وہ کسی کو بھی نہیں مگر اس شہرت عامہ کے باوجود وہ کیا ھے اک ناپختہ، اک اناڑی موزوں طبع یہ ممکن ھی نہیں کہ ایسا بیگانۂ ادب شاعر یا آرشٹ کے مرتبہ کو پہنچ سکے۔" (صفحہ 18)

جگر کے بارے میں یگانہ نے "آیات وجدانی جدید" میں ایک مضمون " جگر کی شاعری جاپانی مال " کے عنوان سے شامل کیا ھے اس مضمون میں یگانہ نے جگر کے شعر

؎ ھجوم مے اور پھر جناب جگر پی پلا کر برائیاں توبہ

کے حوالے سے یگانہ نے لکھا ھے" دوسرا مصرعہ نہایت برجستہ مگر جگر تو ایک ھی مصرعہ کا شاعر ھے مصرع پر مصرع لگانا آتا نہیں دیکھو یوں مصرع لگاتے ھیں

؎ کہیں جگر ھجوم مے اسی منہ سے پی پلا کر برائیاں توبہ (صفحہ 234، 235)

یگانہ نے فانی کے خلاف ایک آدھ رباعی کے علاوہ کچھ نہیں لکھا حیدر آباد میں قیام کے ابتدائی دنوں میں یگانہ اور فانی کی ملاقاتیں رھیں پھر ایک غلط فہمی کے سبب دونوں کے تعلقات برقرار نہ رھے۔ یگانہ کا خیال تھا کہ حیدر آباد کے ایک اخبار میں شیعوں کے خلاف جو مضمون لکھا گیا تھا اس میں فانی کا ھاتھ تھا، تفصیل میکش اکبر آبادی نے اپنے مضمون " میرزا یگانہ چنگیزی کے ساتھ چند لمحے" (مطبوعہ نقوش لاھور، اکتوبر 1958ء) میں دی ھے۔ مضمون سے یگانہ اور فانی کے علاوہ یگانہ اور جگر کے تعلقات پر بڑی روشنی پڑتی ھے اور جگر کے بارے میں یگانہ کے رویے کی

وضاحت ہوتی ہے۔ 1935ء میں جے پور میں ایک یادگار مشاعرہ ہوا تھا جس میں شرکت کے لئے
یگانہ ، فانی اور جگر بھی آئے تھے۔ میکش لکھتے ہیں " یہ مشاعرہ تین دن اور تین رات رہا
تھا آج رات اس کی آخری نشست تھی اور اساتذہ کے پڑھنے کی باری تھی مشاعرے میں فانی صاحب
کے ساتھ میں پہنچا تو منتظمین نے ہمیں ایک مخصوص جگہ لے جا کر بٹھا دیا میں نے دیکھا کہ
میرے برابر صف میں مرزا یگانہ بیٹھے ہوئے ہیں اور میرے اور فانی صاحب کے پیچھے جگر صاحب
تشریف فرما ہیں اور سرخوشی کے عالم میں جھوم رہے ہیں مجھے دیکھ کر فرمانے لگے "میکش صاحب اس
کے پاس سے ہٹ کر بیٹھئے (یگانہ صاحب کی طرف اشارہ کر کے) مرزا یگانہ کی آنکھیں سرخ ہو
گئیں جگر صاحب کہنے لگے " میکش ہم میں سے ہے تم میں سے نہیں " یگانہ صاحب کہنے لگے
" دیکھئے یہ شخص یہاں بھی شیعہ سنّی سوال پیدا کر رہا ہے۔ " جگر صاحب نے فرمایا "نہیں
یہ شیعہ سنّی کا سوال نہیں ہے یہ شاعر اور غیر شاعر کا سوال ہے۔ میکش شاعر ہے تم شاعر نہیں
ہو ہٹ کے بیٹھو میکش کے پاس سے۔ " کچھ دیر بعد مرزا یگانہ کا نام پکارا گیا۔(صفحہ 239)
اس واقعے کے بعد یگانہ کے مزاج کی برھمی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ان کی یہی برھمی چنگیزیت
کا روپ دھار کر ان کے مضامین میں تلخیٔ اظہار کی صورت میں ظاہر ہوئی ۔ میکش نے جو مضمون
تحریر کیا ہے اس کے مطابق فانی یگانہ سے مفاہمت کرنا چاہتے تھے جب کہ جگر نے بھرے مشاعرے میں
یگانہ پر غیر شاعر ہونے کی پھبتی کسی تھی ۔ چنانچہ یگانہ کا روئے سخن بھی زیادہ تر جگر ہی
کی طرف رہا اور انہوں نے جگر کو نہ صرف " بیگانۂ ادب " قرار دیا بلکہ جگر کے اشعار

بال بکھرائے کوئی دیوانہ وار آ ہی گیا — تم کو پیار آئے نہ آئے ہم کو پیار آ ہی گیا

گوری گوری کلائیاں توبہ — ہائے یہ کچ ادائیاں توبہ

کے بارے میں آیات وجدانی جدید میں یہ رائے دی " اس قسم کے مصرعے نابغہ مرادآبادی کے ذریعہ
سے اردو ادب میں داخل ہو گئے حالاں کہ یہ سستی شاعری لکھنو کے تانگے والوں کے لئے چھوڑ دی
گئی تھی ۔ " (صفحہ 225)

یگانہ نے "آیات وجدانی جدید" میں شامل اپنے دو مضامین بعنوان " زہٹ زیٹ "اور " دختران حوّا

کا کـورس" میں جوش کی شاعری کے بارے میں بھی خیالات کا اظہار کیا ھے۔ " زیٹ زیٹ" میں اس طرح کے فقرے ھیں " شاعر انقـلاب کہیں سے سن بھاگے ھیں کہ قطب شمالی میں آفتاب کی حرارت برائے نام تھوڑی دیر تک رہتی ھے وھاں سردی کے سوا گرمـی کا نام نہیں اس لئے آپ نے لیـلی حیات کے گیسو سے قطب شمالی کے دامـن میں آگ لـگا دی۔" (صفحہ 327)

" آرٹ کے لحاظ سے ان کی نظمیات یا " جوشیات" کے کامیاب و ناکامیاب دونوں طرح کے نمـونے صفر سے زیادہ قیمت نہیں رکھتے کیونکہ وہ نہ آرٹ کا حقیقی تصور رکھتے ھیں نہ عملی طور پر برت سکتے ھیں۔" (صفحہ 320)

ڈاکٹر نیر مسعود کے خیال میں " جوش کے بارے میں ان کی (یـگانہ) یہ رائے خاصی نپی تلی ھے" وہ زیادہ سے زیادہ جوشیلے، رنگیلے، چٹکیلے، بھڑکیلے الفاظ نظم کر کے سمجھ لیتے ھیں کہ شعر بن گیا مگر کم سے کم الفاظ، سادہ، سہل و برجستہ الفاظ سے زیادہ سے زیادہ معنی پیـدا کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔" (45)

یـگانہ کی غیر متـوازن انداز تحریر سے قطع نـظر انھوں نے مختلف شعراء کے بارے میں جو رائے دی ھے اور خاص طور پر ان کی شاعری کے مستقبل میں امـکانات کے بارے میں جو نتائج مرتّب کئے ھیں ان میں سے بیشتر کے ساتھ اتفاق کیا جا سکتا ھے تاھم ان کے غیر متـوازن انـداز نے خـود ان کی تنـقیدی صلاحیت کو نقـصان پہنچایا حالاں کہ ان میں تنقید کی فطری صلاحیتیں موجـود تھیں مگر وہ سب کی سب بے جا مـعرکہ آرائیـوں کی نذر ھو گئیں۔ حالات نے ان کے ھاتھ سے قلم چھین کر تیـغ تھما دی تھی۔

یـگانہ کا اگلا ھدف بیک وقت ترقی پسنـد ادب اور ادب لطیف تھے جس کو انھوں نـے " ادب خبیث" کا نام دے رکـھا تھا اسی عنوان سے ان کا ایک مضمون " آج کل "دھلی (جنـوری 1945ء) میں شائع ھوا تھا۔ جسے بعد میں انھوں نے"آیات وجدانی جدید" میں بھی شامل کیا۔

یگانہ کا بڑا اعتراض بلینک ورس (BLANK VERSE) پر تھا جسے وہ شاعری ماننے پر تیار نہ تھے۔ترقی پسندوں کا نام انہوں نے " ادبی غدار " رکھ چھوڑا تھا۔ یگانہ نے اس مضمون میں فیض اور راشد کی نظموں کے تجزیے بھی کئے۔ مضمون کے آخری حصے سے یگانہ کے مزاج کے ابال کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے وہ لکھتے ہیں " ترقی پسندوں کے دستور العمل میں فن شعر کو فن کی حیثیت سے ترقی دینے کے لئے کوئی دفعہ رکھی ہی نہیں گئی بلکہ اس کے برعکس زبان اور فن کی تخریب میں بڑی سرگرمی سے کام لیا جاتا ہے خصوصاً ادب کی اعلیٰ اور مکمل ترین صنف غزل سے مخاصمت اور بغاوت کرنا اس کی تخریب کے درپے رہنا ترقی پسندوں کے دستورالعمل کی سب سے اہم دفعہ ہے۔" (آیات وجدانی جدید ، صفحہ 303)

یگانہ کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نئے ادب کی مخالفت بلاجواز نہیں کر رہے تھے بلکہ نظم گوئی کے سیلاب میں جس طرح غزل کو نظر انداز کرنے کی رسم چل پڑی تھی اور اسے فرسودہ سمجھ کر اس کی بے تکان گردن مار دینے کے مشورے بہم ہو رہے تھے یگانہ نے درحقیقت اپنے مخصوص انداز میں غزل کی مدافعت میں بانگ اٹھائی تھی اور یہ یقیناً اس معرکے کا مثبت پہلو تھا۔

یگانہ کے مضمون " ادب خبیث" کے بعد فضا میں حسب توقع ہلچل پیدا ہوئی " آج کل " دھلی (مارچ 1945ء) کے شمارے میں عشرت رحمانی کا جوابی مضمون " ادب خبیث" ہی کے عنوان سے شائع ہوا ۔ عشرت رحمانی نے موقف اختیار کیا کہ " نظم کی شاعری کا یہ منشا نہیں کہ وہ غزل کا منہ چڑھانا چاہتی ہے یا غزل پر اس طرز کو فوقیت دی جاتی ہے یہ بھی درست ہے کہ جدید شعراء کی صف میں چند نکمے اور یاوہ گو تک بند بھی شامل ہو گئے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ادب لطیف یا کلام جدید کو کلیہ کے طور پر ادب خبیث یا اوباشانہ تحریک کہہ دیا جائے .... یوں تو طرز یگانہ کی زد میں آ کر جدید شعراء کو شاکی نہ ہونا چاہئیے کیونکہ حضرت غالب اور علامہ اقبال تک اس انداز سے محفوظ نہ رہ سکے۔" (صفحہ 33-34)

عشرت رحمانی کے جوابی مضمون کا پس منظر کچھ یوں ہے۔ یگانہ جن دنوں "اردو مرکز" سے وابستہ تھے اُن دنوں تاجور نجیب آبادی نے لاہور میں " انجمن ارباب علم و ادب " قائم کی ہوئی تھی جس کے زیر اہتمام ماہانہ مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ مالک رام کے لفظوں میں " اس زمانے میں لاہور میں دو ادبی محاذ تھے ایک تو یہی " انجمن ارباب علم و ادب " اور دوسرا " بزم ادب پنجاب " جس کے کرتا دھرتا نیاز مندان لاہور یعنی سالک، تاثیر، اور پطرس وغیرہ تھے۔"(46)
" بزم ادب پنجاب " دراصل تاجور سے اختلاف رائے کی وجہ سے قائم کی گئی تھی۔ " (47) گویا دونوں تنظیموں میں مسابقت کا رجحان موجود تھا " انجمن ارباب علم و ادب " میں یو پی کے وہ ادیب و شاعر شامل تھے جو بوجہ ملازمت لاہور میں مقیم تھے جب کہ " بزم ادب پنجاب " کے ارکان، پنجاب سے تعلق رکھنے والے ادیب و شاعر تھے۔ عشرت رحمانی " بزم ادب پنجاب " کے ترجمان تھے ان کے مذکورہ جوابی مضمون میں بھی اسی مسابقت کا رنگ موجود ہے۔ گو وہ انجمنیں تتر بتر ہو گئی تھیں مگر نشانیاں باقی تھیں۔ ویسے بھی یو پی والوں اور پنجاب والوں میں ادب و شاعری کے ناتے سے چشمک رہی ہے۔ پنجاب ہی میں اردو نظم لکھنے کا رواج پڑا۔ جس کی بنیاد 1874ء میں "انجمن پنجاب لاہور" کے تحت منعقد ہونے والے موضوعاتی مشاعروں میں ڈالی گئی تھی اور پھر پنجاب ہی میں نظم کی ترقی و ترویج کی کوششیں ہوئیں۔ یگانہ کے مضمون میں غزل کی حمایت زور شور سے کی گئی تھی جب کہ عشرت رحمانی کے مضمون میں جدید نظم کی وکالت۔

عشرت رحمانی کے مضمون کی اشاعت کے بعد " آجکل " دھلی (15 جولائی 1945ء) میں معین زلفی کا مضمون بعنوان " یگانہ چنگیزی اور عشرت رحمانی کی تنقیدات پر ایک نظر " شائع ہوا جس میں بہت حد تک یگانہ کی حمایت اور نئی نظم کی مخالفت کی گئی تھی۔ تاھم یہ سلسلہ بھی ھلکا سا ارتعاش پیدا کر کے یہیں رک گیا۔ نیر مسعود نے درست لکھا ھے کہ " یگانہ کے یہ حملے بھی قریب قریب یک طرفہ رھے کبھی کبھی ان کی تنقیدوں کا جواب دے دیا جاتا لیکن لکھنو میں ان کے پہلے ادبی معرکے نے جو گرما گرمی پیدا کی تھی وہ اب پیدا نہیں ہو رہی تھی اور ان کے حملوں سے ان کے تازہ حریفوں کی صف میں کوئی انتشار نظر نہیں آتا تھا۔"(48)

آخر کار یگانہ لڑتے لڑتے نڈھال ہو گئے، زمانہ انہیں مسلسل نظر انداز کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ ان کے بیوی بچے تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے آئے اور یگانہ لکھنو میں بالکل تنہا رہ گئے بیمار تو ہمیشہ کے تھے اب ناتواں بھی ہو گئے تاہم اس حال میں بھی شخصی کس بل میں کمی نہیں آئی۔ کمر خم کھا گئی مگر گردن کا تناؤ باقی رہا۔ عمر کے آخری حصے میں جب کوئی ہمدم، کوئی رفیق، کوئی غم گسار ان کے پاس نہ تھا ان کی ذہنی کیفیت زیر زبر ہو گئی اور ان کے قلم کی نوک کا رخ مذہب کی طرف پھر گیا۔ زمانہ تو انہیں پہلے ہی مٹانے پر تلا ہوا تھا اور پھر ایک رات کھانستے کھانستے بلغم تھوکتے تھوکتے ان کا سانس اکھڑ گیا اور وہ جو تمام عمر زورآزما رہا جس کے معرکوں کی گونج ہندوستان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سنی جاتی تھی اتنی خاموشی سے گزر گیا کہ محمد رضا انصاری جب رات کی خاموشی میں پُرسہ دینے کے لئے گئے اور محلے میں جا کر ان کے گھر کے بارے میں دریافت کیا تو سب ہی ناواقف نکلے۔ جب یہ پوچھا کہ " آج یہاں جس گھر میں غمی ہوئی ہے وہ کون سا ہے؟ تو ایک بھینس والے نے کہا " وہ بڈھا جو کل مرا ہے؟ وہ مکان یہ ہے۔" (49)

حـــواشـــی

1- بحوالہ مضمون " میرزا یـگانہ چنگیزی کے ساتھ چند لمحے "،مطبوعہ نقـوش لاھور، اکتـوبر 1958ء، صفحہ 237

2- بحوالہ مضمون " لکھنو "،مطبوعہ " تعمیر " ھریانہ(منشی نول کشور نمبر)، جولائی اگست 1979ء، صفحہ 24

3- بحوالہ مضمون " یـگانہ کے مـعرکے "،مطبوعہ " شاعر " بمبئی ،ستمبر 1985ء، صفحہ 69

4- بحوالہ راھی معصوم رضا کی تصنیف " یاس یـگانہ چنگیـزی "،صفحہ 40

5- مکمل ھزل سید مقبول حسین ظریف لکھنوی کے مجموعۂ کلام " کلیات ظریف " (مرتّبہ صفی لکھنوی ، مطبوعہ بزم کہسار،شملہ،طبع اوّل1942ء، صفحہ 88-89) میں شامل ھے۔

6- بحوالہ۔علی گڑھ میگزین 1959-60ء، 1960-61ء ، صفحہ 162

7- بحوالہ۔ " شاعر " بمبئی ، صفحہ 70

8- ایـضـاً، صفحہ 71

9- بحوالہ " شہرت کاذبہ الـمعروف بہ خرافات عزیز "،صفحہ 4-5

10- ملاحظہ کیجئے (1) تـذکرۂ مـعرکۂ سخن از مولوی عبدالباری آسی ، مطبوعہ نـگار بک ایجنسی لکھنو،1932ء، صفحات 169-170 و 180 تا 190

(2) " شاعر " آگـرہ،مئی 1947ء، صفحہ 45

(3) " نقـوش" لاھور، ادبی معرکے نمبر (2)، مطبوعہ ستمبر 1981ء، صفحات548 تا 555

11- بحوالہ " شاعر "بمبئی ، صفحہ 71

12- بحوالہ۔غزل سرا ، صفحہ 281

13- بحوالہ " شاعر " بمبئی ، صفحہ 72

14- بحوالہ۔یاس یـگانہ چنگیـزی ، صفحہ 42

15- بحوالہ بلنـد اقبال بیگم سے راقم کی ملاقات مورخہ 10 نومبر 1984ء

16- بحوالہ" غـزل سرا " صفحہ 282

17- ایـضـاً۔

18- بحوالہ مضمون " غالب کومپلیکس اور یـگانہ "،مطبوعہ سہ ماھی " اردو ادب " دھلی، شمارہ 1،2 1982ء، صفحہ 112

19- بحوالہ مضمون " یگانہ غالب شکن یا معتقد غالب "، مطبوعہ " اوراق " لاہور، اپریل مئی 1987ء، صفحہ 175

20- بحوالہ۔میرزا یگانہ چنگیزی حیات اور شاعری، صفحہ 57

21- بحوالہ۔یاس یگانہ چنگیزی، صفحہ 209

22- بحوالہ " اوراق " لاہور، صفحہ 168

23- بحوالہ۔تخلیقی ادب (2)، صفحہ 475

24- بحوالہ۔ادب اور لاشعور، صفحہ 91، مطبوعہ مکتبہ عالیہ لاہور، 1976ء

25- بحوالہ " شاعر " بمبئی، صفحہ 73

26- بحوالہ مضمون " میرزا یگانہ(بہ حوالۂ ادیب)، مطبوعہ دوماہی " اکادمی " لکھنؤ، جنوری فروری 1985ء، صفحہ 25

27- بحوالہ۔خطوط مشاہیر بہ نام سید مسعود حسن رضوی ادیب، مرتبہ نیر مسعود، صفحہ 445 مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، 1985ء

28- ایضاً، صفحہ 446

29- ایضاً، صفحہ 447

30- ایضاً، صفحہ 446-447

31- شاہد احمد دہلوی، مدیر " ساقی " کراچی نے 1955ء میں یگانہ سے اجازت حاصل کئے بغیر من موہن تلخ کے نام یگانہ کے ذاتی خطوط قسط وار شائع کر کے ان کے شب و روز کو مشتہر کر دیا تھا جس کا یگانہ کو بہت افسوس ہوا تھا یہ تمام تفصیل یگانہ کے ایک خط سے معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے 5 ستمبر 1955ء کو باقر حسنین رضوی کو تحریر کیا تھا یہ خط شاہد احمد دہلوی اور یگانہ کے " تعلقات دیرینہ " پر روشنی ڈالتا ہے یگانہ لکھتے ہیں " معلوم نہیں شاہد احمد صاحب کو مجھ سے میرے حالات سے کیوں ایسی دلچسپی ہے ایک دفعہ کوئی اٹھارہ بیس سال ہوئے ساقی میں میرا ایک کارٹون شائع کیا تھا ایک شخص کھڑا ہے اس نے گویا ایک چپت ماری ہے میرے سر سے ٹوپی اڑ گئی ہے بہت خوب! "(پیلا مکان شاہ گنج لکھنؤ) خط کے مکمل متن کے لئے ملاحظہ کیجئے ضمیمہ نمبر 7 ۔

32- بحوالہ " الناظر " لکھنؤ، مطبوعہ جون 1936ء، صفحہ 3

33- بحوالہ۔خطوط مشاہیر بہ نام مسعود حسن رضوی ادیب، صفحہ 448

34- بحوالہ ۔ منثورات جوش ملسیانی، صفحہ 121، مطبوعہ ومل پبلی کیشنز بمبئی، 1977ء

35- بحوالہ۔خطوط مشاہیر بہ نام مسعود حسن رضوی ادیب، صفحہ 448

36- بحوالہ " غالب ایک گونگا شاعر" (مکتوب یگانہ بہ نام عبدالعزیز محررہ یکم فروری 1937ء)، مطبوعہ نقوش لاہور ، غالب نمبر، فروری 1969ء، صفحہ 525

37- نیشنل میوزیم آف پاکستان نمبر 1963.215/7

38- ایضاً

39- بحوالہ۔میرزا یگانہ چنگیزی حیات اور شاعری ، صفحہ 95

40- بحوالہ۔وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 152 ۔ مالک رام کے احتجاج کا ذکر سید علی جواد زیدی نے اپنے مضمون " ذکر مالک" میں بھی کیا ہے(ملاحظہ کیجئے ارمغان مالک، صفحہ 30، مطبوعہ مجلس ارمغان مالک، نئی دہلی، 1971ء)

41- بحوالہ۔وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 153

42- بحوالہ۔مقالات تاثیر ، صفحہ 374، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول،جون 1978ء

43- بحوالہ۔وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 154

44- بحوالہ " شاعر" بمبئی ، صفحہ 74

45- ایضاً

46- بحوالہ۔وہ صورتیں الٰہی ، صفحہ 138

47- بحوالہ مضمون " ہری چند اختر فن اور شخصیت" مطبوعہ " نگار پاکستان " کراچی ، اگست 1984ء، صفحہ 66

48- بحوالہ " شاعر" بمبئی ، صفحہ 75

49- بحوالہ مضمون " یگانہ سے متعلق کچھ یادیں"،مطبوعہ دو ماہی " اکادمی " لکھنو، جنوری فروری 1985ء، صفحہ 72

باب ہشتم

متفرق شعری تخلیقات اور نثری تحریریں (فنی جائزہ)

اظہار کے روایتی اور غیر روایتی سانچے -- قطعات -- سہرا -- مثلث -- نعت -- نظم -- فارسی شاعری -- ترجمہ -- تنقیدی و تحقیقی مضامین -- جوابی مضامین -- مختلف شعراء کے کلیات میں کتابت کی غلطیوں کی اصلاح سے متعلق مضامین -- تبصرے -- اشتہار نما مضامین -- تاریخی مضامین -- مذہبی مضامین -- علمی مضامین -- انشائی مضامین -- لسانی موضوعات -- سوانحی تحریریں -- ترجمہ -- خطوط -- حواشی --

یگانہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں لیکن انھوں نے غزل سے آگے بڑھ کر متعدد روایتی اور غیر روایتی اظہار کے سانچے اختیار کئیے۔ غزل، رباعی، قطعہ، سہرا، نظم، نعت اور مثلث سب میں طبع آزمائی کی۔

یگانہ نے نثر میں بہت کچھ لکھا ہے۔"چراغ سخن " (طبع اوّل، طبع دوم)،"شہرت کاذبہ المعروف بہ خرافات عزیز" اور "غالب شکن"(طبع اوّل ، طبع دوم) جیسی نثری تصانیف کے علاوہ یگانہ نے 1921ء میں لکھنو سے " کار امروز " اور 1925ء میں اٹاوہ سے" صحیفہ " کے نام سے ادبی رسائل جاری کئے۔ " کار امروز " کے مجموعی طور پر چھ اور " صحیفہ " کا ایک شمارہ منظر عام پر آیا۔ ان رسائل کے علاوہ یگانہ کے نثری مضامین باقاعدگی سے ہندوستان کے مؤقر جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ ان کے مضامین میں بھی موضوعات اور اسالیب کے اعتبار سے بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ یگانہ کے بیشتر مضامین تنقیدی نوعیت کے ہیں جن میں وہ ایک جارح اور غیر متوازن نقاد معلوم ہوتے ہیں تاہم ان کے سنجیدہ علمی مضامین کی تعداد بھی خاصی ہے مگر وہ ابھی تک پرانے رسالوں کی فائلوں میں دبے پڑے ہیں، ان پر سے گرد جھاڑنے کی ضرورت ہے۔ یگانہ کے ایسے ہی مضامین کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ غیر ضروری ادبی لڑائیوں میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو ضائع نہ کرتے تو ان کے لہجے کی صلابت اور عمیق نظری انہیں ایک کامیاب نقاد بنا سکتی تھی۔ یگانہ کے بعض مضامین پر رسائل کے مدیران کی تعریفی آرا اس کا ثبوت ہیں۔ راقم السطور نے یگانہ کے مضامین کی ایک بڑی تعداد بیسویں صدی کی دوسری،

تیسری، چوتھی اور پانچویں دھائی میں ھندوستان میں شائع ھونے والے رسائل میں سے تلاش کی ھے۔ ان مضامین سے یگانہ کے مطالعے کی مختلف جہتوں کا پتہ چلتا ھے۔ یوں متفرق موضوعات پر یگانہ کی شعری و نثری تخلیقات کی ترتیب کچھ اس طرح بنتی ھے۔

(1) متفرق شعری تخلیقات (2) تنقیدی و تحقیقی مضامین (3) جواب مضامین
(4) مختلف شعراء کے کلیات میں کتابت کی غلطیوں کی اصلاح سے متعلق مضامین
(5) تبصرے (6) اشتہاری تحریریں (7) تاریخی مضامین (8) مذھبی مضامین
(9) علمی مضامین (10) انشائی مضامین (11) لسّانی موضوعات پر مضامین
(12) سوانحی مضامین (13) ترجمہ (14) خطوط

(1) متفرق شعری تخلیقات

قطعات: یگانہ کے قطعات کی تعداد چھ سات سے زیادہ نہیں۔ اگرچہ یگانہ کی غزلوں میں مربوط اور مسلسل فضا اور مضمون ملتا ھے جس سے اندازہ ھوتا ھے کہ ان کے اندر ایک نظم گو چھپا بیٹھا تھا تاھم اس نظم گو نے اپنا اظہار رباعی میں تو کیا مگر قطعہ کی طرف متوجہ نہ ھوا حالاں کہ بیشتر رباعی گو شعراء قطعہ کی طرف مائل ھوئے ھیں یا رباعی نما قطعہ کہتے رھے ھیں۔ یگانہ چونکہ رباعی کے اوزان پر حاوی تھے اس لئے وہ رباعی کہتے کہتے پھسل کر قطعہ کہنے نہیں لگ جاتے" ترانہ" میں ایک جگہ ضرور ایسا ھوا ھے مگر انہوں نے اسے " قطعہ" کے عنوان ھی سے کتاب میں شامل کیا ھے۔ قطعہ کی طرف ان کے مائل نہ ھونے کی وجہ یہ بھی معلوم ھوتی ھے کہ وہ رباعی کو فنی صلاحیتوں کے اظہار کا نچوڑ سمجھتے تھے مگر شاید اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی کہ یگانہ میں فطری حس مزاح (NATURAL SENSE OF HUMOUR) کی کمی تھی اور قطعہ کے لئے برجستگی، اچانک پن، تازگی احساس، شگفتگی اور حاضر جوابی کی ضرورت ھوتی ھے۔

یگانہ نے جتنے قطعات لکھے ھیں وقت کے بعض تقاضوں سے مجبور ھو کر لکھے ھیں اس اعتبار سے یگانہ کے قطعات کا مطالعہ ان کے شخصی مزاج اور میلانات کو سمجھنے میں مدد دیتا

ہے اور یہی ان قطعات کی اہمیت ہے۔ " قطعۂ فخریہ " (بہ زبان اردو، تصنیف 1920ء) اور "ترانۂ شقشقیہ" (بہ زبان فارسی ، تصنیف 1920ء) اس کی واضح مثالیں ہیں۔ مذکورہ قطعات میں وہ اظہار فضیلت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ "ترانۂ شقشقیہ" کا عنوان انہوں نے حضرت علی کے "خطبۂ شقشقیہ" کے طرز پر رکھا تھا اس قطعہ میں یگانہ نے خودشناسی ، خودداری، جذبۂ حرّیت و آزادی ،استقلال و پامردی کو اپنی نمایاں خصوصیات کے طور پر پیش کیا۔

یگانہ کے دو قطعات ایسے ہیں جن کی ردیف " خدا خیر کرے " ہے ایک قطعہ " ترانہ " (صفحہ 116) میں شامل ہے اور دوسرا غیر مطبوعہ ہے (دیکھیے باب دہم) موضوع کے اعتبار سے بھی دونوں میں خیال کا تسلسل موجود ہے مطبوعہ قطعے میں حسن کی گرم بازاری کا ذکر ہے اور غیر مطبوعہ قطعے میں دل کی دھڑکنوں کی بے ترتیبی کا مضمون باندھا گیا ہے۔ یگانہ ایک قطعہ "آیات وجدانی" طبع اوّل کے آخری صفحے پر متفرقات کی ذیل میں درج ہے۔ جس میں یگانہ اپنی دربدری کی کہانی سناتے ہوئے نظر آتے ہیں، قطعہ کا پہلا شعر ہے

مبارک ہو کسی کی جستجو میں دربدر ہونا + وطن کو چھوڑ کر آلودۂ گرد سفر ہونا

ایک اور قطعہ جو ان کی کسی تصنیف یا بیاض میں نہیں یگانہ کے ایک خط بنام دل شاہجہاں پوری (مطبوعہ " الحمرا " لاہور اگست 1956ء، صفحہ 56) میں شامل ہے، قطعہ اس طرح ہے

خدا کے بعد بھروسا ہے حضرتِ دل کا   خدانخواستہ شک ایسے دوست پر گزرے

نکالے عیب میں سو حسن ،حسن میں سو عیب   خیال ہی تو ہے جیسا بندھے جدھر گزرے

یگانہ کی بیاض (نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی نمبر 1957.902) میں ایک غیر مطبوعہ قطعۂ تاریخ بھی ملتا ہے یگانہ نے یہ اکلوتا قطعۂ تاریخ اپنے قیام سیلو (1938ء) کے دوران لکھا۔قطعہ کی تصنیف کی بابت یگانہ نے اپنی بیاض میں لکھا ہے " نواب معین الدولہ بہادر رئیس پائے گاہ حیدر آباد دکن کا عنایت نامہ مورخہ 8 بہمن 48 ف آج سیلو میں 10 بہمن کو مجھے ملا (صاحب موصوف کی خدمت میں مجھے شرف نیاز حاصل نہیں ہے) کہ میرا اک دیوان

" معین سخن " طبع ہو رہا ہے اس کے لئے اک قطعہ تاریخ بھیج دیجئے تو باعث تشکر ہے میں نے حسب ذیل قطعہ کہہ کر بھیج دیا (یگانہ) "

اے زہے حسن فیض ملک دکھن	دور پہنچا ہے جس کا آوازہ
سرپرستوں سے ہے یہیں کے بندھا	آج علم و ہنر کا شیرازہ
تم بھی تسکین ذوق کیوں نہ کرو	وا ہے شعر و سخن کا دروازہ
اک اضافہ ہے دید کے قابل	ہے معین سخن گل تازہ

1

قطعۂ تاریخ کی قابل ذکر خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ مادۂ تاریخ ایسا دلچسپ، پرکشش اور جدّت کا حامل ہو کہ یادداشت میں محفوظ ہو جائے۔ یگانہ کا قطعۂ تاریخ یہ صلاحیت رکھتا ہے یہ مادۂ تاریخ صنعت تعمیہ میں نکالا ہے یعنی " ہے معین سخن گل تازہ " کے اعداد 1357 ہوتے ہیں ان میں ایک کا اضافہ کرنے سے سال تخلیق 1358ھ نکلتا ہے۔ قطعہ میں صنعت کی خوبی کے علاوہ خیال کا تسلسل اور معنوی ربط موجود ہے۔

سہرا: یگانہ نے غالب کے سہرے کی زمین میں ایک سہرا بھی کہا تھا یہ سہرا " نشتر یاس " کے آخری صفحے پر طبع ہوا تھا۔ سہرے کا انداز قصیدے کی تشبیب کا سا ہے۔ مدح کے موضوع سے یگانہ کو فطری مناسبت نہیں تھی اس لئے اس میں زور کلام کچھ ایسا زیادہ نہیں۔ دو شعر دیکھیے

کیا دل آویز ہے نوشاہ کے سر پر سہرا	زیوروں میں ہے عجب شان کا زیور سہرا
چشمۂ نور کی موجیں بھی ہیں لڑیوں سے خجل	غرق ہے حسن کے دریا میں سراسر سہرا

" نشتر یاس " کی اشاعت سے ایک سال قبل خود یگانہ کی شادی ہوئی تھی۔ یگانہ کے مزاج سے کچھ دور نہیں کہ انہوں نے اپنی شادی کی یادگار کے طور پر خود ہی سہرا کہہ دیا ہو سہرے کے آخری شعر کے علاوہ ایک اور شعر میں اس طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔ اشعار اس طرح ہیں

آتش رشک سے جلنے لگے دل حاسد کا	دیکھ کر اس عرق آلودہ جبیں پر سہرا
قابل دید ہے یاس آج کا شاہانہ جلوس	دیکھنے والے بس اب دیکھ لیں آ کر سہرا

مـثـلـث : یـگانہ نے دو اعلیٰ درجے کے مثلث بھی تخلیق کئے۔ان میں یـگانہ کی طبع رواں اپنی پوری جولانی پر ھے یـگانہ کے یہ دونوں مثلث اھل فن سے بھرپور داد حاصل کر چکے ھیں ان مثلثوں میں یـگانہ کا نظریۂ حیات نمایاں ھوا ھے اور اِنھیں یـگانہ کی تخلیقی صلاحیت کا موثر اظہار کہا جا سکتا ھے۔ یہ اظہار یـگانہ کے جداگانہ لحن اور منفرد آھنگ کی دلیل ھے۔ یـگانہ کے مثلثوں میں قافیـوں کی ترتیب ااا ۔ ب ب ا ۔ ج ج ا کے اصول پر ھے، ھر بند کا تیسرا مصرعـہ دھرایا نہیں جاتا بلکہ تبـدیل ھوتا رھتا ھے۔

پہلا مثـلث جو"آیات وجدانی" طبع اوّل میں شامل ھے یـگانہ نے یکم مارچ 1925ء کـو اسلامیہ ھائی سکول اٹاوہ کے سالانہ مشاعرے میں پڑھا۔ پہلا بند اس طرح ھے۔

امید و بیم میں کٹے تو کیا مـزہ شباب کا　　　　ھوائے دھر دیتی ھے پیـام انـقـلاب کا

الٹ نہ جائے ناگہاں ورق مـری کـتاب کا

سلیم احمد نے اس مثلث پر بڑا وقیع تبصرہ کیا ھے وہ لکھتے ھیں " اس مثلث میں چھ بند ھیں اور ھر بند میں بظاھر الگ الگ مضمون ھے لیکن ان مضامین کو حرکت کی ایک رو ایک دوسرے سےمنسلک کئے ھوئے ھے اس حرکت کو یـگانہ صاحب نے مثلث کی تکنیک استعمال کر کے ظاھر کیا ھے۔ جس میں ھر شعر اپنی جگہ مکمل نہیں ھوتا بلکہ ایک تیسرے مصرعے کی مدد سے اپنا سلسلہ دوسرے شعـر سے ملا دیتا ھے۔ مثـلث کی تکنیک کے استعمال کے علاوہ یـگانہ صاحب نے یہ کوشش بھی کی ھے کہ اپنے تجربات کو ترتیب وار بیان کریں تاکہ ان کی بے ترتیبی ان کے خیال کی حرکت کو منقطع نہ کر دے۔ "(1)

یـگانہ کے اس مثـلث کے بارے میں عابد علی عابد کی یہ رائے بھی درست مـعلوم ھوتی ھے کہ یہ مثـلث ان کی (یـگانہ) کی وضع داری،ان کی استقامت طبع اور ان کے حوصلے پر دلالت کرتا ھے اور ساتھ ھی نفسیاتی پیچیدگیوں کا سراغ بھی دیتا ھے۔ " (2)

دوسرا مثـلث پہلی مرتبہ " نیرنگ خیال " (ستمبر 1927ء، صفحہ 62) میں شائع ھوا

اس مثلث کا پہلا بند ملاحظہ کیجئے

ناخدائے کم ہمت ہاتھ پاؤں مار آیا   تہ کی کیا خبر لاتا حوصلہ بھی ہار آیا
پار اتارنا کیسا بار سر اتار آیا

نعت: یگانہ نے قیام دکن کے دوران 1931ء میں ایک نعت بھی لکھی تھی۔ نعت کے باب میں یہ یگانہ کی واحد تخلیق ہے۔ ڈاکٹر نیر مسعود کے خیال میں " یگانہ کی یہ نعت اردو کی بہترین نعتوں میں شمار ہونے کے لائق ہے۔" (3) نعت "آیات وجدانی" طبع دوم (1934ء) میں شامل ہے (صفحہ 267 تا 272) مگر یہ ایڈیشن اب نایاب ہے۔ماہنامہ "نیرنگ خیال" کے گولڈن جوبلی نمبر(1) (1978ء،صفحہ 491) میں یہ نعت مکرر شائع ہوئی تھی مگر اس مرتبہ اسے بغیر احتیاط کے شائع کیا گیا۔کتابت کی غلطیوں نے نعت کی معنویت ہی کو نہیں آہنگ کو بھی نقصان پہنچایا۔ نعت کے بندوں کی ترتیب بھی درست نہیں۔ اس نعت کے مطالعے سے اس زمانے کے یگانہ کے مزاج اور ان کے مطالعہ کے رخ کو سمجھا جا سکتا ہے۔

نعت کی شان نزول یہ ہے کہ عثمان آباد میں مبارزالدین خاں کی حویلی میں ہر چند رہوائے نعتیہ مشاعرہ ہوا کرتا تھا یگانہ جب عثمان آباد میں تعینات ہوئے تو مبارزالدین خاں نے ان کی میزبانی کی تھی بلند اقبال کے مطابق یگانہ نے مبارزالدین خاں کی فرمائش پر 1931ء میں یہ نعت لکھی تھی اور نعتیہ مشاعرے میں پڑھی تھی۔" (4) نعت میں عام طور پر شاعر قوت بیان کے ساتھ نادر تشبیہوں اور انوکھی ترکیبوں کا کمال دکھاتا ہے۔ یگانہ کی نعت میں یہ ہنر بہ حسن و خوبی موجود ہے۔ پوری نعت سرشاری کی کیفیت میں ڈوب کر کہی گئی ہے۔ شاعر کا حسن عمل اور ذوق طلب نعت کے ایک ایک مصرعے میں جگ مگ جگ مگ نظر آتا ہے۔ وہ اپنے دردِ پنہانی کا تذکرہ وارفتگی کے عالم میں کرتا ہے اور اپنی گمراہی کے اندھیروں کو شمع جمال کی تابناکی سے دور کرنا چاہتا ہے۔ یوں اس کا ہر بن مو دعا کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔

نعت کے چند بند دیکھئیے۔

اے آئینۂ انوار ازل — اے جلوہ گہ ہر حسن عمل

ہے دیر سے ٹھنڈا دل کا کنول — دیدار دکھا پردے سے نکل

میرے اندھیرے گھر کے اجالے — اٹھ مرے کالی کملی والے

آشفتہ بیانی سن تو سہی — کچھ درد نہانی سن تو سہی

ہاں میری زبانی سن تو سہی — یہ رام کہانی سن تو سہی

میرے اندھیرے گھر کے اجالے — اٹھ مرے کالی کملی والے

نظم: یگانہ نے اگرچہ نظم کی طرف باقاعدہ توجہ نہیں دی تاہم ان کی بیشتر غزلیں نظم نما معلوم ہوتی ہیں۔اسی طرح جب وہ نظم کہتے ہیں تو اس پر غزل کا گمان ہوتا ہے۔ گویا غزل ہو یا نظم، رباعی ہو یا قطعہ، یگانہ کے تخلیقی عمل کی نوعیت ایک سی رہتی ہے۔"آیات وجدانی" طبع اوّل میں یگانہ کی ایک نظم بعنوان " مجذوب کی بڑ " ملتی ہے اس نظم کو پڑھنے کے بعد آسانی سے موضوع کا تعین ہو جاتا ہے مگر اس کے باوجود یگانہ نے "آیات وجدانی" طبع دوم میں اس نظم کا عنوان " پولیٹیکل مجذوب کی بڑ " درج کرنے کی ضرورت محسوس کی ۔ یگانہ برصغیر پاک و ہند کی اس دور کی سیاست سے قطعی مطمئن نہ تھے بالخصوص ہندوستان کی اقوام جس انداز سے خود غرضی کا مظاہرہ کر رہی اس سے ان میں آپس میں نفاق پیدا ہو گیا تھا اور یہی حکمرانوں کا مقصد بھی تھا۔ یگانہ کو ہندوستان کی سیاست میں ہر طرف بیگانگی دکھائی دیتی ہے یگانہ کی نظم بھی اسی تناظر میں لکھی گئی ایک نظم ہے جب دیواستبداد پائے کوب تھا اور آزادی کی نیلم پری اس کی قید میں تھی ۔ نظم کے چند اشعار دیکھیے

ہارنے والے کبھی کافرو دیندار نہیں — کُشتیاں لڑتے ہیں اب ہاتھ میں تلوار نہیں

سب اسیران قفس گاتے ہیں صیاد کے گن — کون اس بھول بھلیاں میں گرفتار نہیں

اپنا گھر اپنی زمیں اپنا فلک بیگانہ — آشنا کوئی بجز سایۂ دیوار نہیں

یگانہ کی ایک فارسی نظم " موافقت کا ماحول " کے عنوان سے ان کی بیاض (این ایم نمبر902۔1957)

میں ملتی ھے یہ نظم یگانہ نے 14 اپریل 1926ء کو عیدالفطر کے دن لاھور میں لکھی تھی بعد میں یہ "مخزن" لاھور (مارچ 1927ء) میں شائع ھوئی یہی نظم "موافقت و رزیدن بما حول خویش" کے عنوان سے "آیات وجدانی" طبع دوم میں شائع ھوئی پہلا شعر ھے

دل خود را کہ پشیمان نہ توانم دیدن　　　　بہ کسے دست و گریباں نتوانم دیدن

یگانہ کی دو نظمیں ایسی ھیں جو مختلف شخصیات پر لکھی گئیں۔ایک نظم بہ عنوان " انسانیت عین ایمان " یگانہ کے دوست ھاشم اسماعیل کے اوصاف ظاھری و باطنی کے بارے میں ھے۔ دوسری نظم ھجویہ ھے اس کا ھدف جگر مرادآبادی ھیں۔ نظم کا عنوان ھے " کالا بھوت " دونوں نظمیں تخلیق ادب (2) میں شائع ھو چکی ھیں اور ان کے اصل مسودے نیشنل میوزیم کراچی میں محفوظ ھیں۔

<u>فارسی شاعری</u>: یگانہ نے فارسی زبان میں بھی طبع آزمائی کی ھے ان کا فارسی کلام " آیات وجدانی "، " ترانہ "، اور " گنجینہ " میں شائع ھوا ھے۔ " گنجینہ " میں نو غزلیں اور " ترانہ " میں پندرہ رباعیات فارسی میں ھیں۔ یہ فارسی کلام مذکورہ کتابوں کے وسطی صفحات میں درج ھے گویا یگانہ نے اس کی اشاعت کے لئے کوئی خاص اھتمام نہیں کیا اور الگ سے کوشش خاص حصہ نہیں بنایا ۔ مقدار کے اعتبار سے یہ کلام اتنا کم ھے کہ اس پر تفصیلی اظہار خیال کی گنجائش بھی کم ھے بہر حال یہ کلام اردو کے ان متقدمین شعراء کی روایت کو تازہ کرتا ھے جنھوں نے اردو کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی اشعار کہے۔ یگانہ کے فارسی کلام سے دو باتیں واضح ھوتی ھیں۔ (1) فارسی کے کلاسیکی ادب پر یگانہ کی گہری نظر ، مطالعہ اور ذوق شاعری (2) فارسی گوئی پر عبور ۔

اردو کلام کی طرح فارسی اشعار میں بھی یگانہ نے اپنی روش کو قائم رکھا ھے انھوں نے بامحاورہ فارسی میں اشعار کہے ھیں اس میں ان کے ذاتی محاورہ (PERSONAL IDIOMS) کا طنطنہ بھی پایا جاتا ھے۔ یگانہ کی فارسی غزلیں خیال بندی، دور ازکار تشبیہات، تراکیب کی

فراہت اور ژولیدگی سے پاک ہیں اور ان میں فنی پختگی کے لوازمات موجود ہیں۔ ان غزلوں میں مشاقی ، پختہ کاری اور ہنر مندی دکھائی دیتی ہے۔ یگانہ کے یہاں فکر ، خود آگہی ،بشاشت اور حوصلے کا اظہار بھی ان کی فارسی غزل میں بار بار ہوتا ہے۔ یگانہ کی اُس شخصیت میں جو ان کی اردو فارسی شاعری میں نمایاں ہوتی ہے ایک بنیادی وحدت ہے اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ہم ہر جگہ اسی وحدت سے دوچار ہوتے ہیں۔

یگانہ نے فارسی شاعری میں سہل اور بامحاورہ انداز اختیار کیا ہے وہ فلسفیانہ موضوعات کو بھی نہایت سہولت کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں ان کی ایک رباعی ہے

پیراهن تن عالم دیگر دارد — یوسف به کفن عالم دیگر دارد

گم گشته تماشا بتماشائے دگر — هر چشم زدن عالم دیگر دارد

ایک اور رباعی ہے۔

از چشمهٔ حیواں دم آبے نکشم — و از میکدهٔ خضر شرابے نکشم

شام و سحرم مرگ و حیات دگرے — از عمر ابد رنج عذابے نکشم

یگانہ کی فارسی رباعیاں مضامین اور اسلوب کے اعتبار سے دلکش اور موثر ہیں کم و بیش یہی خصوصیات ان کی فارسی غزل میں نظر آتی ہیں۔ یگانہ کی فارسی غزلوں میں "تنہا" کی ردیف والی غزل خاص طور پر قابل ذکر ہے یہ غزل یگانہ کے انداز فکر اور اسلوب حیات کی نمائندہ ہے۔چند اشعار حسب ذیل ہیں :

منکه برنمی تابم درد زیستن تنها — صبح دم چساں بینم شمع انجمن تنها

رهبران خود گم را جز رماچه فرمایم — پا شکسته و حیراں مانده در وطن تنها

صد رفیق و صد همدم پرشکسته و دل تنگ — داورانمی زیبد بال و پر به من تنها

آخری شعر انسان دوستی کے لئے حوالے کا شعر ہے۔ شاعر انسان سے اتنی محبت رکھتا ہے کہ اگر دوست احباب پرشکستہ اور دل تنگ ہیں اور بال و پر نہیں رکھتے تو اسے بھی اپنے بال و پر ایک آنکھ نہیں بھاتے اس موضوع پر یگانہ کا اردو میں بھی ایک نہایت بلند پایہ شعر ہے۔

مجھے اے ناخدا آخر کسی کو منہ دکھانا ھے + بہانہ کر کے تنہا پار اتر جانا نہیں آتا

یگانہ کی تمام فارسی غزلیں بالعموم اور مذکورہ بالا غزل بالخصوص ان کے تصور حیات اور نظریۂ فن کی وضاحت کرتی ھیں۔

ترجمہ = یگانہ کے نثری مضامین " نظارہ " میرٹھ میں نومبر 1915ء سے اکتوبر 1916ء تک کے شماروں میں مسلسل شائع ھوئے۔ نظارہ میرٹھ کا پہلا شمارہ نومبر 1915ء میں محمد عبدالحمید میرٹھی (علیگ) کی ادارت میں شائع ھوا تھا یگانہ پہلے ھی شمارے سے اس کے قلمی معاونین میں شامل تھے پہلے شمارے میں یگانہ کی آٹھ رباعیاں شائع ھوئی تھیں یہ رباعیاں ان کے کسی مجموعۂ کلام میں شامل نہیں۔ "نظارہ" کے نومبر 1915ء سے دسمبر 1916ء تک کے چودہ شمارے یگانہ کی ملک تھے بعد میں یگانہ نے جب تنگ دستی کے ھاتھوں مجبور ھو کر اپنی کتابیں بیچیں تو مسعود حسن رضوی ادیب نے یگانہ سے یہ شمارے خرید لیے تھے۔(5) ان شماروں پر کہیں کہیں یگانہ کے قلم کی تحریریں بھی ھیں ان قلمی تحریروں میں سب سے دلچسپ چیز محمد یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی کی نظم " ھماری حالت زار" کے ابتدائی پانچ شعروں کا منظوم فارسی ترجمہ ھے جو یگانہ نے ان شعروں کے اوپر تحریر کیا ھے۔ رنجور کے شعر اور ان کے ترجمے درج ذیل ھیں

شعر = منزل پہ پہنچے ھیں کیوں کر نہ ھو دشواری   لنگ اسپ عمل اس پر عصیاں کی گراں باری

ترجمہ = رسیدن تاسر منزل چراباشد نہ دشواری   کہ ھم اسپ عمل لنگ و ھم از عصیاں گراں باری

شعر = سن پائی جو ھے اس نے مولا تری غفاری   بے غم ھے عقوبت سے عاصی کی گنہگاری

ترجمہ = ازاں وقتے کہ گوشش یافت درشاعت ز غفاری   نہ کرد ایچ عاصیے فکر عقوبت بر گنہگاری

شعر = یا کرتے تھے ھم پہلے اعدا سے ملنساری   یا ھم کو ھے آج اپنے احباب سے بیزاری

ترجمہ = چناں ھم بود با اعدائے خود کردیم غم خواری   چناں ھم ھست از احباب ھم داریم بیزاری

شعر = کب کوئی عمل اپنا اخلاص پہ مبنی ھے   کب کوئی عبادت ھے خالی از ریاکاری

ترجمہ = عمل یکنیست از ما کاندراں اخلاص می باشد   عبادت ھیچ از مانیست خالی از ریاکاری

شعر = ہے دین کے پردے میں شہرت طلبی پنہاں   کس کام کی ہے اپنی بہ نام کسی دیں داری

ترجمہ = نہاں در پردۂ دیں شہرت و نام آوری خواہی   نہادندے ہمیں بےسود شے را نام دیں داری

یگانہ کے ان تراجم میں تخلیقی عمل کی کار فرمائی بالکل دکھائی نہیں دیتی۔ ان کی یہ کوشش لفظی تراجم کے ذیل میں آتی ہے۔

غرض یگانہ کی منظومات میں قطعہ، سہرا، مثلث، نعت، نظم، فارسی غزل، اور ترجمہ کو ان اصناف میں کوئی بہت بڑا اضافہ تو قرار نہیں دیا جا سکتا تاہم ان منظومات کے عام معیار کو دیکھتے ہوئے انہیں اہمیت دینی پڑتی ہے۔ بالخصوص یگانہ کے مثلث اور نعت تو کسی بھی انتخاب میں جگہ پا سکتے ہیں۔

(2) تنقیدی و تحقیقی مضامین

(1) "آتش و غالب" (مطبوعہ " خیال " ہاپوڑ، نومبر 1915ء)

یگانہ کا یہ مضمون اس وقت شائع ہوا جب ان کا پہلا شعری مجموعہ " نشتر یاس" اور " عروض و قوافی " پر ان کا رسالہ " چراغ سخن " منظر عام پر آ چکے تھے۔ ان دونوں تصانیف میں انہوں نے " ماہیت شاعری " اور " شعر و سخن " کے عنوان سے فنی بحث کی تھی۔ جس میں جابجا آتش اور غالب کا تقابلی مطالعہ کیا تھا۔ یگانہ کا مذکورہ بالا مضمون بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں لکھنو میں یگانہ کی معرکہ آرائی کے ابتدائی زمانے کی گونج سنائی دیتی ہے۔ یگانہ نے مضمون میں غالب کے بعض چیستان نما اشعار پر اعتراض کئے تھے اور ان کے ایسے اشعار کو ناسخ کی پیروی قرار دے کر ناسخ اور غالب دونوں کو واقعیت اور اصلیت سے دور بتایا تھا جب کہ آتش کے اشعار میں موجود اصلیت، جوش اور سادگی کی تعریف کی تھی۔ اس مضمون کی اشاعت کے بعد لکھنو میں یگانہ کی مخالفت میں شدت آ گئی۔

(2) "بعض شعرائے عظیم آباد" (مطبوعہ "نظارہ" میرٹھ، جنوری فروری 1916ء)

مضمون کے آغاز میں یگانہ نے عظیم آباد کی مختصر تاریخ درج کر کے اس شہر کی تاریخی عظمت باور کرانے کی کوشش کی ھے آگے چل کر انہوں نے عظیم آباد کی زبان کو بوجوہ دھلی اور لکھنو جتنی معیاری اور معتبر قرار دیا ھے۔ یگانہ لکھتے ھیں " اوائل میں دھلی کی زبان اور آخر میں لکھنو کی زبان کی تقلید عظیم آباد میں ھوئی (چنانچہ کمترین یاس کے دادیھالی بزرگوں کی زبان دلّی کی زبان تھی اور نانھالی بزرگوں کی زبان لکھنو کی۔ کیونکہ نانھالی سلسلہ لکھنو سے تھا) اور یہی زبان اردو اس شہر کے عمائدین کی مادری زبان ھے کیونکہ ان کے مورث اعلیٰ یا دھلی سے آئے یا لکھنو سے۔ یہ لوگ اردو کو ساتھ لائے اسی سبب سے یہ نسبت ھندوستان کے اور نامی شہروں کے عظیم آباد کے عماید اور رئیسوں کی اردو صحیح ھے۔" (صفحہ 55)

یگانہ نے مضمون میں 35 فارسی گو شعرائے عظیم آباد کا تذکرہ کیا ھے بیشتر شاعروں کے احوال فارسی تذکروں سے اخذ کئے گئے ھیں البتہ کچھ شعراء کے بارے میں یگانہ نے اپنی ذاتی معلومات کو بھی بنیاد بنایا ھے۔ شعراء کے کلام پر مختصر رائے کے ساتھ انتخاب کلام اور سوانحی اشارے کہیں مفصل کہیں مجمل دئیے ھیں۔ بیدل عظیم آبادی کا سال وفات درج کیا ھے۔شعراء کی ترتیب بہ اعتبار حروف تہجی قائم کی ھے۔ مضمون کا انداز فارسی تذکروں کا سا ھے۔ جودت کے مصرعے ع چراغی کردہ ام کہ در ھر خانہ می سوزد کے بارے میں ایڈیٹر "نظارہ" نے حاشیہ میں لکھا تھا " اس مصرعے میں کوئی لفظ رہ گیا ھے مگر مسودہ میں اسی طرح ھے مجبوراً درج کیا گیا۔" (صفحہ 58) "نظارہ" میرٹھ کا شمارہ جو مسعودحسن رضوی ادیب کے کتب خانے میں ھے اس پر یگانہ نے اپنے قلم سے ایڈیٹر کے نوٹ کے نیچے لکھ دیا ھے۔ " لفظ "روشن" رہ گیا۔ یاس "

(3) "کلام آتش برنگ صاحب" (مطبوعہ "نظارہ" میرٹھ، ستمبر اکتوبر 1916ء)

یگانہ آتش سے عقیدت خاص رکھتے تھے آتش پر ان کے نصف درجن مضامین اس کا ثبوت

ھیں۔ زیر نظر مضمون میں یگانہ نے آتش کے چالیس کے قریب ایسے اشعار کی شرح کی ھے جن میں ان کے خیال میں صائب کا رنگ جھلکتا ھے۔ مضمون کی خامی یہ ھے کہ یگانہ نے صائب کے مخصوص رنگ کو واضح نہیں کیا۔ تاھم آتش کے نظریۂ فن سے بحث کی گئی ھے۔ مضمون کے شروع میں ناسخ اور آتش کا موازنہ بھی کیا ھے۔ ناسخ کے بارے میں لکھتے ھیں " وہ خلقی طور پر شاعر ھی نہ تھے۔ " (صفحہ 281) یگانہ کا یہ مضمون تنقیدی حیثیت سے کمزور سہی لیکن اس مضمون میں ایسے حصوں کی کمی نہیں جن سے ان کی شعر فہمی کا پتہ چلتا ھے۔ مثال کے طور پر آتش کے شعر ۔ع بل نہ نکلا تری زلفوں کا صنم شانے سے واقعی زور نہیں پنجۂ شل میں ھوتا

یگانہ لکھتے ھیں " شانے کو پنجۂ شل سے تعبیر کرنا نہایت ھی بلیغ، قریب الفہم اور بالکل نیا استعارہ ھے۔ " (صفحہ 288)

(4) "حضرت راسخ عظیم آبادی" (مطبوعہ " صلائے عام " دھلی ، دسمبر 1916ء)

راسخ عظیم آبادی زبان اردو کے قدیم اساتذہ میں شمار ھوتے ھیں راسخ ، میر اور سودا کے معاصر تھے اور رنگ میر میں شعر کہتے تھے یگانہ نے انہیں میر کا شاگرد قرار دیا ھے۔ انہوں نے راسخ کی میر سے پہلی ملاقات کا حال بھی تحریر کیا ھے۔ یگانہ نے اس امر کی تردید کی ھے کہ راسخ لکھنو میں سودا کے پاس شاگرد ھونے گئے تھے۔ تاھم انہوں نے سودا اور راسخ کی ملاقات کی تصدیق کی ھے جس میں بقول مصنف آب حیات راسخ نے مرزا سودا کو یہ مطلع سنایا تھا

ھوئے ھیں پیر ھم اب دیدنی رونا ھمارا ھے پلک پر اپنی آنسو صبح پیری کا ستارا ھے (صفحہ 20)

یوں تو راسخ عظیم آبادی کو ثانیٔ میر کہا جاتا ھے مگر یگانہ کا یہ مضمون راسخ پر پہلا قابل ذکر مضمون ھے یگانہ نے "صلائے عام" دھلی میں نسبتاً غیر معروف شعراء پر مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا زیر نظر مضمون اس سلسلے کا پہلا مضمون تھا اس اعتبار سے یگانہ کے ان مضامین کو تحقیقی بھی کہا جا سکتا ھے کہ انہوں نے شعراء کی زندگی کے بعض اوجھل پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی سعی کی اور چونکہ یہ سلسلۂ مضامین کسی معرکہ آرائی کا حصہ نہیں تھا اس لئے ان مضامین

میں سنجیدہ تنقیدی و تحقیقی کاوش نظر آتی ہے یگانہ کے ایسے ہی مضامین کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ان کی تنقیدی صلاحیت غیر ضروری معرکوں کی بھینٹ نہ چڑھ گئی ہوتی تو اردو کو ایک صاحب مطالعہ نقاد مل سکتا تھا۔

(5) "مثنوی حسن و عشق" (مطبوعہ " صلائے عام " دھلی ، فروری 1917ء)

یگانہ کا مذکورہ مضمون بھی تحقیقی نوعیت کا حامل ہے جس میں انہوں نے راسخ عظیم آبادی کی مثنوی " حسن و عشق " کو متعارف کرایا ہے۔ یگانہ لکھتے ہیں " میں حسب وعدہ آج حضرت راسخ عظیم آبادی کی ایک مثنوی مسمی بہ " حسن و عشق " ناظرین صلائے عام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں یہ مثنوی بادشاہ غازی الدین حیدر کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے کہی گئی تھی نہ معلوم پیش ہوئی یا نہ ہوئی ۔ بادشاہ غازی الدین حیدر کا سنہ جلوس 1229ھ ہے اور سنہ وفات 1243ھ ہے اور حضرت راسخ کی وفات 1240ھ میں واقع ہوئی یعنی یہ مثنوی سو برس ادھر کی تصنیف ہے۔ یہ تصنیف ایک عالمانہ تصنیف ہے جس میں حمد و نعت و منقبت کے علاوہ فلسفۂ عشق پر مصنف نے جو زور قلم دکھایا ہے وہ اہل علم کے دیکھنے کے قابل ہے۔اس مثنوی کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے محض عشق صادق کی تصویریں کھینچی ہیں۔ " (صفحہ 42)

یگانہ کے تبصرے اور تعارف کے بعد مثنوی درج کی گئی ہے۔ مثنوی میں توحید واجب الوجود کے مضامین پیش کئے گئے ہیں۔ مثنوی کا مرکزی حصہ " وصف عشق " کا بیان ہے جو کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ یگانہ نے ہر صفحے پر حاشیے میں کچھ لفظ بھی درج کئے ہیں جو اشعار کے بارے میں کلیدی اشارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً صلّی اللہ، آرائش عشاق، اہل ہنر، دل، معشوق، خواب وغیرہ ۔

(6) "ضیا عظیم آبادی" (مطبوعہ " صلائے عام " دھلی ، دسمبر 1916ء)

یگانہ کا یہ مضمون بھی گذشتہ دو مضامین کے سلسلے کی کڑی ہے مضمون کے آغاز میں لکھتے ہیں " آج میں پھر اس اجڑے دیار عظیم آباد کے جواں مرگ ناشاد نامراد کے جذبات شور انگیز

کے کچھ نمونے ناظرین " صلائے عام " کے آگے پیش کرنا چاھتا ھوں " (صفحہ 41) اس کے بعد ضیا عظیم آبادی کے حالات زندگی درج کئے ھیں جن سے معلوم ھوتا ھے کہ ابھی ان کی شادی بھی نہیں ھوئی تھی کہ وہ ھیضے کی وبا کا شکار ھو کر بیس اکیس برس کے سن میں انتقال کر گئے تھے۔ یگانہ نے ضیا کا ایک غیر مطبوعہ شعر درج کیا ھے جسے انہوں نے ضیا کا آخری شعر قرار دیا تھا۔ ضیا کا یہ شعر زبان زد عام ھے مگر اس کے اصل خالق کا نام شاید کسی کو معلوم نہیں تھا اس مضمون کے ذریعے ایک بہت ھی معروف شعر کے خالق سے تعارف ھوتا ھے۔ ان کا یہ شعر اردو کے ان مفرد اشعار میں سے ھے جو شاعر کی شہرت عام اور بقائے دوام کا سبب بن جاتے ھیں، شعر ھے

اک ٹیس جگر میں اٹھتی ھے اک درد سا دل میں ھوتا ھے

ہم راتوں کو اٹھ کر روتے ھیں جب سارا عالم سوتا ھے

ضیا عظیم آبادی کے شعر

آسماں پہلے نہیں تھا یا زمیں پہلے نہ تھی + دوستی جب ان سے کی دشمن نکل آئے بہت

کے بارے میں یگانہ لکھتے ھیں " لاجواب شعر کہا ھے " (صفحہ 45) یگانہ کے اس جملے کی تائید اڈیٹر " صلائے عام " سید ناصر علی ناصری نے اپنے نوٹ میں " واقعی لاجواب ھے۔ " کہہ کر کی ھے۔ (صفحہ 45)

یگانہ کا یہ مضمون اس لحاظ سے قیمتی ھے کہ انہوں نے ایک دل گداز لہجے کے گم نام شاعر کو اردو دنیا سے متعارف کرایا۔ مضمون کے آخر میں اڈیٹر کا نوٹ مضمون کی اھمیت پر روشنی ڈالتا ھے انہوں نے یہ کہہ کر مضمون کی تعریف کی کہ " مجھے معلوم نہ تھا کہ عظیم آباد میں اس مرتبہ کے شاعر ھوئے ھیں جن کا کلام جناب یاس کی وجہ سے دیکھنے میں آیا۔ " (صفحہ 47)

(7) " خواجہ آتش علیہ الرحمہ " (مطبوعہ " صلائے عام " دھلی ، جولائی 1916ء)

(8) " خواجہ آتش علیہ الرحمہ " (مطبوعہ " صلائے عام " دھلی ، ستمبر 1916ء)

مذکورہ دونوں مضامین تشریحی نوعیت کے ہیں نمونۂ تحریر حسب ذیل ہے۔

" خواجہ حافظ اور خواجہ آتش کی شاعری میں جذبات و تخیل کے ساتھ دل آویز ترکیبیں زیادہ پائی جاتی ہیں مگر ہر جگہ زبان کی روانی اور آمد کا یہ عالم ہے جیسے دریا موجیں مارتا چلا آتا ہے۔" (" صلائے عام" جولائی 1916ء، صفحہ 16)

آتش کے ایک شعر

اٹھا نقاب چہرۂ زیبائے یار سے	دیوار درمیاں جو تھی ہم اس کو ڈھاچکے

کے بارے میں یگانہ لکھتے ہیں " نقاب یار" کو " دیوار درمیان " سے استعارہ کرنا قوت متخیلہ کی نہایت اعلیٰ مثال ہے نقاب کو دیوار سے استعارہ کرنا استعارہ مفرد ہے۔ استعارہ مفرد میں جدّت کی گنجائش کم ہوتی ہے کیونکہ ایک شے کے لئے جتنی تشبیہیں ذہن میں آ سکتی تھیں امتداد زمانہ اور شعراء کی فکر رسا کی بدولت سب کام میں آ چکیں ہاں استعارہ مرکب میں بہت کچھ گنجائش ہوتی ہے نقاب اٹھنے کو دیوار ڈھینے سے استعارہ بالکل نیا خیال ہے۔" (" صلائے عام" ستمبر 1916ء، صفحہ 48)

(9) " احسن دھلوی" (" صلائے عام" دھلی ، جولائی 1916ء)

احسن دھلوی کے بارے میں یگانہ نے شیفتہ اور صفیر بلگرامی کے تذکروں کے حوالے سے لکھا کہ " مرزا احسن علی نام تخلص احسن ، نواب آصف الدولہ بہادر کی سرکار میں شاعرانہ حیثیت سے ملازم تھے اور خوش نویس بھی تھے سودا کے شاگردوں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔"(صفحہ 25) یگانہ نے احسن کے جن اشعار میں تازگیٔ تخیل، بلاغت زبان، سادگیٔ اظہار اور پرانی زبان کے لطف کو محسوس کیا ان میں سے چند دیکھئیے

تھے جمع میرے سینۃ میں رنج و الم و درد	پر سب میں غم یار جو تھا صدر نشیں تھا
کوچۃ میں اس کے مجھ سے کہے ہے یہ دل مرا	تو جا جدھر کو دل ہو ترا میں یہیں رہا

(10) "آباد عظیم آبادی" (" صلائے عام " دھلی ، اکتوبر 1916ء)

آباد عظیم آبادی یگانہ کی اگلی نسل کے شاعر ھیں۔ یگانہ نے عظیم آباد سے تعلق رکھنے والے شعرائے فارسی و اردو پر چند مضامین تحریر کئے تھے نفسیاتی طور پر یگانہ دراصل اپنی زبان دانی کا جواز فراہم کر رہے تھے تاھم اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اردو کے بعض گم نام شعراء سے تعارف حاصل ھو گیا۔ آباد عظیم آبادی بھی ان میں سے ایک ھیں جن کے بارے میں یگانہ کا دعویٰ ھے کہ " کلام آباد میں حقائق و معارف کے سوا چھچھورے مضامین کا نام نہیں۔" (صفحہ 33) یگانہ نے آباد کے درج ذیل شعر کی بہت تعریف کی ھے

صورت و معنی میں فرق اصلا نہیں　　　آنکھ کا پردا کوئی پردا نہیں

مضمون میں آباد کی غزلوں کے علاوہ رباعیاں بھی دی گئی ھیں آخر میں مضمون پر ایڈیٹر کا یہ نوٹ قابل ذکر ھے " جناب یاس نے واقعی آباد کے کلام کی خوب داد دی ھے۔شعرائے اردو کا تذکرہ لکھنے والے اگر اس قدر سخن فہمی و سخن سنجی کی لیاقت نہیں رکھتے تو اس جھگڑے میں نہ پڑیں اس خوبی کے ساتھ شعرائے اردو کا تذکرہ لکھا جائے تو یادگار روزگار ھو گا۔" (صفحہ 46)

(11) " سرقہ ۔ توارد ۔ ترجمہ " (مطبوعہ " مخزن " لاھور، اگست 1917ء)

گذشتہ باب میں اس مضمون کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا چکا ھے مختصراً یہ یگانہ کے ان چند مضامین میں سے ایک ھے جسے ان کی تنقیدی بصیرت اور تحقیقی صلاحیت کا نمونہ سمجھا جا سکتا ھے۔ یگانہ کا یہ مضمون ایڈیٹر " مخزن " تاجور نجیب آبادی کے اس تعریفی نوٹ کے ساتھ شائع ہوا تھا " ذیل کا گراں بہا مضمون جناب مرزا واجدحسین صاحب یادگار آتش یاس کا نتیجۂ فکر ھے جسے ھم دلی شکریے کے ساتھ درج کرتے ھوئے ھل من مزید تصدیعہ دیتے ھیں۔" (صفحہ 1) یگانہ نے مضمون میں سرقہ، توارد اور ترجمہ کی حدود متعین کی ھیں۔مضمون کا موضوع اگرچہ غالب کی شاعری ھے مگر یگانہ نے ترجمہ اور توارد کے حوالے سے غالب کے اشعار کی بے پناہ تعریف کی ھے تاھم انہوں نے غالب کے بعض اشعار پر سرقہ کا الزام بھی لگایا ھے۔ بعد میں جب یگانہ " غالب

شکن " بن گئے تھے تو " غالب شکن دو آتشہ " میں چوریوں کے ضمن میں جس باب کا اضافہ کیا تھا اس میں اکثر مثالیں اسی مضمون سے شامل کی تھیں۔

(12) "ملا صائب اصفہانی" (مطبوعہ " مخزن " لاھور، دسمبر 1917ء)

صائب، یگانہ کے نزدیک ایک مثالی شاعر ھے۔ مضمون میں یگانہ نے صائب کے بارے میں جو رائے دی ھے اس سے یگانہ کے تصور فن کو سمجھنے میں مدد ملتی ھے۔ مضمون میں صائب کی شخصیت اور فن دونوں کا مطالعہ کیا گیا ھے۔ صائب کے حسن اخلاق کی داد یگانہ نے ان لفظوں میں دی ھے " شعرا میں انانیت جس قدر ھوتی ھے شاید ھی اور کسی طبقہ میں پائی جاتی ھو مگر مرزا صائب سانیک نفس اور انصاف دوست سننے میں نہیں آیا دیکھنا تو کجا۔ معاصرین و متقدمین میں جس کو یاد کیا نیکی سے یاد کیا۔ " (صفحہ 26)

صائب کی شاعری کے بارے میں یوں رائے دی ھے" بلندیٔ تخیل کے ساتھ زبان کی سلاست قائم رکھنا کمال شاعری ھے اور یہ خصوصیت مرزا صائب ھی کے یہاں پائی جاتی ھے۔"(صفحہ 27)

(13) "میرزا غالب اور میر" (مطبوعہ " مخزن " لاھور، جون 1918ء)

تفصیل کے لئے دیکھئے باب ھفتم (" یگانہ کے ادبی معرکے") مضمون میں یگانہ نے غالب سے متعلق اپنے ذاتی نقطۂ نظر کی وضاحت کی ھے۔ یگانہ لکھتے ھیں " میں ھرگز غالب کا اتنا مخالف نہیں ھوں جتنا لوگوں نے مشہور کر رکھا ھے یا بجائے خود سمجھ لیا ھے۔"(صفحہ 49-50)

(14) "خواجہ آتش" (مطبوعہ " مخزن " لاھور، اگست 1918ء)

مضمون میں آتش کے بارہ اشعار کی شرح کر کے آتش کے فن پر بحث کی گئی ھے۔ آتش کے ایک شعر

درد سر میں ھوکسی کے تو مرے دل میں درد　　واسطے میرے ھوا ھے غم عالم پیدا

کو مضمون میں مختلف مواقعوں پر تین مرتبہ درج کر کے یگانہ نے فلسفۂ محبت اور فلسفۂ ہمدردی پر روشنی ڈالی ہے۔

(15) "تقلید غالب" (مطبوعہ "صحیفہ" اٹاوہ، جنوری 1925ء) مکرر اشاعت "فنون" لاہور، نومبر دسمبر 1987ء

تفصیل کے لئے دیکھئے باب ہفتم ("یگانہ کے ادبی معرکے") مضمون یگانہ ہی کے ایک مضمون "میرزا غالب اور میں" کی توسیع ہے جس میں یگانہ غالب شناسی کا دعویٰ کرتے کھائی دیتے ہیں۔

(16) "اساطین لکھنو" (مطبوعہ "صحیفہ" اٹاوہ، جنوری 1925ء)

مضمون یگانہ کا ہے مگر آغا رضی شیرازی کے قلمی نام سے شائع ہوا ہے (یہ بحث آئندہ باب میں آئے گی) یگانہ نے اس مضمون پر ایڈیٹر کی حیثیت سے ایک تمہیدی نوٹ بھی لکھا ہے اسے بھی مضمون کا حصہ سمجھنا چاہئیے۔اسی نوٹ میں مضمون کی اصل غرض و غایت پوشیدہ ہے۔ یگانہ لکھتے ہیں "معزز نامہ نگار نے اساطین لکھنو کے ذیل میں اس کمترین کی نسبت جن حوصلہافزا خیالات کا اظہار کیا ہے ہمارے خیال میں وہ بہت قبل از وقت ہے۔ مولانا صفی و عزیز کے نام نامی کے ساتھ میرا نام شاید اسی وجہ سے لیا گیا ہے کہ میں اس دور میں پیدا ہوا اور خوش نصیبی یا بدنصیبی سے ان حضرات کا معاصر سمجھا گیا ورنہ اہل نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ یاس عظیم آبادی کا شاعرانہ مطمع نظر لکھنو کے شعرائے ماضی و حال سے جداگانہ ہے۔" (صفحہ 26)

پورا مضمون بظاہر یاس و صفی و عزیز کی تحسین میں لکھا گیا مگر در حقیقت یہ مضمون صفی و عزیز کی ہجو ملیح کی حیثیت رکھتا ہے اور آخر میں یگانہ کی بھرپور مدح پر اس کا اختتام ہوتا ہے انداز ہو بہو "آیات وجدانی" کے محاضرات کا سا ہے۔ تنقیدی نقطۂ نظر سے یک رخاپن اس مضمون کی کمزوری ہے۔

(17) " نشاط روح پر وکیلوں کی مقدمہ طرازی یا پھندیتوں کی پھندیتی "

(مطبوعہ " نیرنگ خیال " لاھور، اگست 1926ء)

تفصیل کے لئے دیکھئے باب ھفتم (یگانہ کے ادبی معرکے) مضمون یگانہ نے " ادب آموز " کے قلمی نام سے قیام لاھور کے دوران لکھا۔ یگانہ کا یہ زمانہ بے روزگاری اور مایوسی کا تھا جس نے ان کے لہجے میں کڑواھٹ پیدا کر دی تھی۔ مضمون میں یگانہ نے اصغر گونڈوی کے شعری مجموعے " نشاط روح " پر لکھے گئے مرزا احسان اور مولوی سہیل کے مقدموں پر ناگواری کے ساتھ اظہار خیال کیا ھے۔ مرزا احسان احمد اس سے پہلے جگر کے شعری مجموعے " داغ جگر " کا مقدمہ بھی لکھ چکے تھے۔ مضمون کی زبان انتہائی غیر علمی ھے، نمونۂ تحریر ملاحظہ کیجئے " یہ ملمع سازی زیادہ دن تک ٹھہر نہیں سکتی زمین سر سے کھو دو، ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ مگر " داغ جگر " اور " نشاط روح " کی بیل منڈھے چڑھنے کی نہیں۔ " (صفحہ 22) یگانہ کے اس مضمون کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔

(18) " خواجہ آتش " (مطبوعہ " زمانہ " کانپور، اگست 1940ء)

پورا مضمون آتش کی ایک غزل کی تشریح پر مبنی ھے جس کا مطلع ھے۔

کون سی جا ھے جہاں تیرے نہیں اے یار مست   دیکھیے جس کوچے میں پڑ مارتے ھیں چار مست

آتش کی شاعری کے بارے میں یگانہ لکھتے ھیں " خواجہ آتش کی شاعری کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ھے کہ یہ زندگی کی حرارت اور کیفیت سے لبریز ھے۔ " (صفحہ 83) مضمون میں بعض محاوروں، استعاروں اور تراکیب کی طرف بھی متوجہ کیا ھے۔ آتش کے سلسلے کا ایک اچھا مضمون ھے۔

(19) " ادب خبیث " (مطبوعہ " آجکل " دھلی، یکم جنوری 1945ء)

مضمون کو بعد میں جابجا اضافے کر کے یگانہ نے " آیات وجدانی جدید " میں شامل کیا۔ تفصیلی بحث باب ھفتم " یگانہ کے ادبی معرکے " میں آ چکی ھے۔ یگانہ نے مضمون میں نظم معریٰ اور نظم آزاد پر سخت زبان میں تنقید کی ھے اور اسے " ادب جمیل "، " ادب لطیف " اور

" ادب جدید " کے بھیس میں اردو شاعری کے خلاف سازش قرار دے کر اس کا نام " ادب خبیث " تجویز کیا ھے۔ یگانہ کے لہجے کو متوازن قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(20) " زیٹ زیٹ " (مطبوعہ " آیات وجدانی جدید " 1946ء)

جوش کی شاعری پر غیر متوازن اسلوب پر مبنی ایک مخالفانہ مضمون ھے جس میں جوش کی نظموں کو " جوشیات " کا نام دے کر زیٹ زیٹ قرار دیا ھے۔ مضمون میں جوش کی شعری زبان پر بعض جانبدار اعتراض کئے گئے ھیں۔ مثال کے طور پر جوش کی نظم "حسین اور انقلاب" کے درج ذیل شعر

اس طرح جس سے ظلم سیہ فام ھو گیا   لفظ یزید داخل دشنام ھو گیا

کے حوالے سے یگانہ کا اعتراض یہ ھے " روسیاہ کی جگہ سیہ فام کہنا ایک ایسی ادبی لغزش ھے جو اھل زبان سے ھو نہیں سکتی سیہ فام کالے کلوٹے کے معنی میں بولا جاتا ھے برخلاف اس کے روسیاہ میں رسوائی و بدنامی کا مفہوم ھے۔" (صفحہ 328)

(21) " دختران حوا کا کورس " (مطبوعہ آیات وجدانی جدید)

یہ مضمون بھی گذشتہ مضمون سے پیوستہ ھے مضمون میں یگانہ نے جوش کی زبان پر اعتراضات کا سلسلہ جاری رکھا ھے ایک مقام پر جوش کو ان لفظوں میں لتاڑتے ھیں " پہلے زلف کی طرف تغافل کو بڑھانے کا تماشا دکھا چکے تھے اب پھر وھی لکھنوی زلف و کاکل ، جھونٹے اور چونڈے والی شاعری کرنے لگے۔ لکھنو کی شاعر پر منہ بھی آتے ھو اور پھر اسی منہ سے اسی پرانی کھوسٹ زلفیہ شاعری کی تقلید بھی کرتے ھو۔" (صفحہ 339)

(22) " جگر کی شاعری ۔ جاپانی مال " (مطبوعہ آیات وجدانی جدید)

تفصیل کے لئے دیکھئے باب ھفتم (یگانہ کے ادبی معرکے) مضمون میں یگانہ نے جگر کی غزل کے " ناقص معیار " پر اعتراضات کئے ھیں۔ مضمون کی زبان غیر معیاری ھے۔

یگانہ کے تنقیدی و تحقیقی مضامین کو دیکھتے ھوئے ان کے نفس مضمون کی اھمیت سے

تو انکار نہیں کیا جا سکتا بالخصوص ان کے اعتراضات دلیل کا وزن رکھتے ہیں تاہم ان کے مزاج کی انتہا پسندی ان کے موقف کو نقصان پہنچاتی ہے اگر ان میں رک رک کر اور ٹھہر ٹھہر کر فیصلے کرنے کی عادت ہوتی تو ان کی تنقیدی تحریریں یقیناً وقیع ہوتیں مگر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انہیں اطمینان سے مضمون لکھنا میسر ہی نہ آیا۔ زندگی میں جو مکھی لڑنے کی وجہ سے وہ یکسوئی کے ساتھ کسی ایک محاز پر جم کر نہ لڑ سکے۔ان کی تحریروں کی کاٹ ان کے وار کرنے کی عادت کا پتہ دیتی ہے۔ تاہم جو مضامین انہوں نے قلم سنبھال کر لکھے ہیں ان میں وہ سنجیدہ اور متین مضمون نگار دکھائی دیتے ہیں اور رسائل کے مدیران سے داد سمیٹتے ہیں۔

یگانہ کی تحریروں کی ایک خاصی تعداد جوابی مضامین پر مبنی ہے ان مضامین میں قدرتی طور پر ان کا لہجہ غیر معتدل اور کہیں کہیں غیر مہذب اور غیر شائستہ ہے۔

(3) جوابی مضامین

(23) "میاں ثاقب کی عروض دانی" (مطبوعہ " خیال " ہاپوڑ، دسمبر 1915ء)

یہی مضمون یگانہ نے " چراغ سخن " طبع دوم (1921ء) میں شامل کیا ۔ راقم السطور کو " خیال " ہاپوڑ دستیاب نہ ہو سکا اس لئے " چراغ سخن " سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مضمون کے حوالے سے تفصیلی گفتگو گذشتہ باب میں ہو چکی ہے (دیکھیے باب ہفتم) یگانہ نے اپنے تین اشعار جو بحر منسرح میں کہے گئے تھے اور جن میں انہوں نے خبن و طے و تسکین اوسط کے زحافات سے کام لیا تھا ایک صاحب کے ذریعے تقطیع کے لئے میاں صفی و عزیز و ثاقب کے پاس بھیجے تھے ۔ صفی و عزیز نے تو جواب نہ دیا البتہ ثاقب نے تینوں اشعار کو بحر بسیط میں بتایا۔ یگانہ نے مذکورہ مضمون ثاقب کی تقطیع کے جواب میں قلم بند کیا اور ثاقب کی عروض دانی کے حوالے سے ان کی شاعری کو بھی نشانہ بنایا۔ یگانہ لکھتے ہیں " میرے اشعار کی جو تقطیع حضرت نے فرمائی ہے وہ ہرگز تقطیع حقیقی نہیں ہے غیر حقیقی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میاں ثاقب کی شاعری فقط موزونیٔ طبع کا نتیجہ ہے فن کی طرح نہیں کرتے۔ " (صفحہ 143) یگانہ کے

مضمون کے جواب میں حسب توقع اطہر ھاپوڑی کا مضمون " میاں ثاقب کی حمایت میں " خیال ھاپوڑ (اپریل 1916ء) میں شائع ھوا یگانہ نے اس جوابی مضمون کے جواب میں ایک اور مضمون لکھا ۔

(24) "میاں ثاقب کی حمایت میں" (مطبوعہ " خیال " ھاپوڑ ، جون 1916ء)

(اسی مضمون کو یگانہ نے "چراغ سخن" طبع دوم میں شامل کیا راقم نے "چراغ سخن" سے استفادہ کیا ھے۔)

اطہر ھاپوڑی نے اپنے مضمون میں یہ تسلیم کیا کہ آخری دو اشعار کی تقطیع میں ثاقب نے ٹھوکر کھائی ھے مگر پہلے شعر کی تقطیع کو درست بتایا۔یگانہ نے اپنے مضمون " میاں ثاقب کی عروض دانی " میں اصفہانی کا جو شعر سند کے طور پر نقل کیا تھا اطہر ھاپوڑی نے اس پر اعتراض کیا کہ یگانہ نے خاقانی کا شعر غلط لکھا ھے اور تقطیع بھی غلط کی ھے۔دراصل اصفہانی نے خاقانی کے شعر میں تصرف کیا تھا ۔ خاقانی کا شعر چونکہ مشہور تھا اس لئے اطہر ھاپوڑی کو اعتراض وارد کرنے کا موقع ملا مگر وہ یگانہ کے سوچے سمجھے منصوبے کی زد میں آ گئے۔ اور یگانہ کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ " اس عبارت سے صاف ظاھر ھے کہ جناب اطہر نے میاں ثاقب کی غلطیوں کو مٹانے اور یاس کو خطاوار ثابت کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا مگر آخر ناکامیاب ھوئے اور میاں ثاقب کی غلطیوں کا اعتراف کرنا پڑا۔ " (صفحہ 148)

(25) "میاں ثاقب کی ڈھٹائی" (مطبوعہ " مذاق عروض " لکھنو، دسمبر 1917ء)

(یہ مضمون بھی " چراغ سخن " طبع دوم میں شامل ھے۔)

ثاقب نے رسالہ " خیال " (جو اب میرٹھ سے نکلنے لگا تھا) کے اپریل 1917ء کے شمارے میں یگانہ کے مضامین کا جواب شائع کرایا تھا یگانہ کا مضمون ثاقب کے اسی مضمون کے جواب میں ھے مضمون میں یگانہ نے متعدد بار ثاقب کے لئے " بیگانۂ فن " کی اصطلاح استعمال کی ھے۔

(26) " ناطق کے اعتراضات کے جواب میں " (مطبوعہ " نظارہ " میرٹھ ، جولائی 1918ء)

یگانہ کا مضمون ناطق کی طرف سے عاید کئے گئے ان اعتراضات کے جواب میں ھے جنھیں

ناطق نے سیف زبان لکھنوی کے قلمی نام سے بعنوان " ادبی دنیا کا انقلاب " " اودھ پنچ "لکھنو (12 اپریل 1918ء) میں شائع کرایا تھا۔ ناطق کے اعتراضات اتنے وزنی نہیں تھے خصوصاً یگانہ کے ایک شعر

نہ چھپا پر نہ چھپا جوھر عالی نسبی   یاس مٹنے پہ بھی خاک در میخانہ ہنسے

کے حوالے سے ناطق نے جس طرح یگانہ کے نسب کے بارے میں غیر شائستہ رویّہ اختیار کیا تھا اس نے یگانہ کو برافروختہ کیا چنانچہ انہوں نے نہ صرف ناطق کے اعتراضات کے جواب دئیے بلکہ پلٹ کر عزیز کی شاعری پر پچھتر اعتراض کر ڈالے۔ یگانہ نے اپنے مرخانۂ معرفت کی مٹی پلید ہوتی دیکھ کر عزیز لکھنوی کے شعر

دل سمجھتا تھا کہ خلوت میں وہ تنہا ھوں گے + میں نے پردہ جو اٹھایا تو قیامت دیکھی

میں ایسے ایسے مطالب اخذ کئے کہ معرفت کے روایتی مضمون پر مبنی اچھا خاصا شعر کوک شاستر معلوم ہونے لگا۔

(27) " شاعران در گور و شاعری در کتاب " (مطبوعہ " کارامروز " لکھنو، فروری مارچ 1921ء)

مضمون ادیب لکھنوی کے یگانہ کے دو اشعار پر اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا ھے۔ ادیب کو لفظ " ڈھہی " بر وزن " رھی " کے استعمال پر اعتراض تھا کہ یہ لکھنو کی زبان نہیں۔ ادیب کا موقف تھا کہ " ڈھہی " بر وزن گئی یا کئی صحیح ھے یگانہ جواب دیتے ہوئے لکھتے ھیں

" ہ " ایک جزو لاینفک ھے جس کا مصدر ڈھہنا ھے ڈھینا نہیں ھے لہذا " ڈھہنا " سے جتنے صیغے مشتق ھوں گے " ہ " ان سب میں باقی رھے گی۔ "

یگانہ کے مضمون کے آخری حصے کی زبان اگر غیر متوازن نہ ھوتی تو یہ ان کا ایک کامیاب سنجیدہ علمی مضمون ہوتا تاھم مضمون سے یہ ظاھر ھوتا ھے کہ یگانہ اپنے اوپر کئے گئے اعتراضات کو دلیل سے کاٹنے کا ھنر جانتے تھے۔

(28) " آیات وجدانی " (مطبوعہ " نیرنگ خیال " لاہور، ستمبر 1927ء)

یگانہ کا یہ جواب مضمون " مہجور قادیانی " کے قلمی نام سے شائع ہوا۔ "نیرنگ خیال" (جولائی 1927ء) میں " نقد و نظر " کے عنوان سے ادارے کی جانب سے " آیات وجدانی " پر ایک تبصرہ شائع کیا گیا تھا جس میں مقدمہ نگاری کی وبا پر اظہار ناپسندیدگی کیا گیا تھا اور لکھا گیا تھا کہ " اب یہی غلطی زیادہ بدمذاقی سے آیات وجدانی" میں دھرائی بلکہ تہرائی گئی ہے۔ (صفحہ 71) اس تبصرے کا متوقع جواب (ستمبر 1927ء) کے شمارے میں شائع ہوا جس میں یگانہ نے اپنے ساتھ نقادوں کی غفلت کا تذکرہ کیا اور لکھا " محاضرات کے متعلق مجھے بھی میرزا مراد بیگ صاحب سے بہت کچھ اختلاف ہے مگر وہ لوگ جنہیں حقیقت و صداقت کی تلاش رہتی ہے۔ یک قلم ان کی محنت کو لغویات کا انبار کہہ کر رائیگاں نہیں ٹھہرا سکتے۔ "(صفحہ 52)

(29) " ترانہ " (مطبوعہ " باغ و بہار " ملتان (دو اقساط) جولائی 1935ء، اگست 1935ء)

مضمون سید شفاعت حسین ریحانی کے قلمی نام سے دو اقساط میں شائع ہوا۔ یگانہ 1935ء میں " باغ و بہار " ملتان میں مسلسل چھپتے رہے۔ " باغ و بہار " میں شائع ہونے والے ان کے کچھ مضامین کا تذکرہ آگے چل کر آئے گا۔ یگانہ جن دنوں لاہور میں مقیم تھے' ان کی رسم و راہ معروف شاعر عبداللطیف تپش سے ہوئی۔(8) یہ تعلق خاطر بعد میں بھی قائم رہا۔ 1935ء میں تپش ایمرسن کالج ملتان میں پروفیسر تعینات تھے۔ غنچہ قریشی امروہی نے جب 1933ء میں ملتان سے " باغ و بہار " کا اجراء کیا تو تپش اس کے قلمی معاونین میں شامل تھے۔ غالب امکان ہے کہ یگانہ تپش ہی کے کہنے پر " باغ و بہار " کے لئے لکھنے پر آمادہ ہوئے۔ انہی دنوں " ترانہ " کے بارے میں مخالفانہ مضامین شائع ہو رہے تھے۔ چنانچہ یگانہ نے ان تمام اعتراضات کا تفصیلی جواب اس مضمون میں دیا ہے جو ترانہ پر وارد کئے گئے تھے۔ مضمون کی ایک ایک سطر یگانہ کے مزاج اور انداز تحریر کی حامل ہے اگرچہ مضمون سید شفاعت حسین ریحانی (حیدر آباد دکن) کے نام سے شائع ہوا مگر جس طرح پورے مضمون میں لکھنو کی زبان اور محاوروں پر دلائل اور اسناد

دی گئی ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی دکن کا باشندہ نہیں ہے بلکہ واقف حال لکھنوی ہے۔ دراصل یگانہ کو جب اچھے نقاد اور تبصرہ نگار میسر نہ آئے تو انہوں نے اپنی تحسین کے لئے نام بدل بدل کر اپنے ہی قلم کو استعمال کیا۔ یگانہ نے اپنے ایک خط میں مسعود حسن رضوی ادیب سے فرمائش بھی کی تھی کہ "کیا آپ بھی "آیات وجدانی" اور "ترانہ" کو ضائع کرنا گوارا کریں گے یا اس آرٹ سے (اگر یہ واقعی آرٹ ہے) ملک کو روشناس کرائیں گے میں کہہ نہیں سکتا کہ مجھے کوئی FITZGERALD ملے گا تو کب ملے گا۔" (9) (لاتور دکن)

یگانہ کا مضمون مدلل دفاع کی صورت رکھتا ہے اور ان کے خلاف پروپیگنڈے کی فضا کو سامنے لاتا ہے مثال کے طور پر اپنے مخالفین کے حوالے سے یگانہ کا لکھنا کہ "انہی غیر ذمہ دار اشخاص میں سے اک دلّی وال اور اک اگروال صاحب ہیں جنہوں نے محض اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ لینے کی غرض سے حضرت یگانہ پر قلم فرسائی کی جرأت کی ہے جس سے میرزا صاحب کا تو کچھ بگڑا نہیں البتہ دلّی اور آگرے کی عظمت کو ضرور صدمہ پہنچا۔" (باغ و بہار، جولائی 1935ء، صفحہ 26) بعد ازاں یگانہ نے ان تمام اعتراضات کا ایک ایک کر کے دلائل اور اسناد کے ساتھ جواب دیا ہے جو مذکورہ دو اصحاب نے ان کی رباعیوں پر کئے تھے۔ یگانہ کے مطالعے اور زبان دانی کے جوہر ان کے جوابی مضامین ہی میں کھلتے ہیں خصوصاً اس وقت جب وہ منطقی استدلال سے اپنے اوپر کئے گئے اعتراض کو بے معنی بنا دیتے ہیں۔

(30) "غالب ایک گونگا شاعر" (مطبوعہ "نقوش" لاہور (غالب نمبر) فروری 1969ء)

یگانہ نے جن احباب کو "غالب شکن" بھیجی تھی ان میں سے کچھ نے یگانہ کو رسید کے طور پر خطوط لکھے تھے جن میں غالب کے متعلق ان کے روّیے کے بارے میں استفسار کیا گیا تھا۔ یگانہ نے جستہ جستہ جواب تحریر کئے تھے انہی جوابی خطوط میں سے ایک طویل مضمون نما خط عبدالعزیز کے نام ہے جسے یگانہ نے یکم فروری 1937ء کو لاتور دکن سے تحریر کیا تھا اور جسے "غالب ایک گونگا شاعر" کے عنوان سے "نقوش" لاہور نے غالب نمبر میں شائع کیا۔ اس تحریر

میں یگانہ نے غالب کے ساتھ تمسخر کی اصل حقیقت پر ان لفظوں میں روشنی ڈالی ہے " یہ تمسخر تو غلبچیوں کی بہکی ہوئی ذہنیت کو کچل ڈالنے کے لئے ہے۔ " (صفحہ 527)

(31) " شعرائے حال میں یگانہ کا درجہ " (مطبوعہ " نیرنگ خیال " لاہور، نومبر 1942ء)

(یہی مضمون یگانہ نے "آیات وجدانی" جدید میں بھی شامل کیا ہے۔)

مضمون کے حوالے سے تفصیلی بحث گذشتہ باب میں کی جا چکی ہے۔ یگانہ کا یہ مضمون دراصل ایک طویل خط ہے جو فراق گورکھپوری کو 31 مئی 1938ء کو سیلو(دکن) سے لکھا گیا یہ مضمون نما خط فراق کے ایک طویل مضمون کے جواب میں لکھا گیا جو انہوں نے غزل کی حمایت میں لکھا تھا اور جو 1936ء میں " نگار " میں چھپا تھا۔ یگانہ نے اس میں حسرت اور جگر کی شاعری کو خاص کر تنقید کا نشانہ بنایا۔ اصغر، فانی اور اقبال کی شاعری پر بھی کہیں کہیں بحث کی ہے اور جابجا اپنے فنی نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے۔

(32) " میرزا یگانہ چنگیزی " (مطبوعہ " آج کل " دھلی ، 15 ستمبر 1943ء)

مضمون نخشب جارجوی کے مضمون " میرزا یگانہ چنگیزی " (مطبوعہ " آج کل " دھلی ،جولائی 1943ء) کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ نخشب نے یگانہ کے اشعار میں بعض ایسی تراکیب کا ذکر کر کے جنہیں یگانہ نے ایک سے زائد مرتبہ برتا تھا اپنے مضمون میں لکھا تھا " کیا غضب ہے کہ اردو کا اس قدر بڑا شاعر عربی و فارسی کی اچھی استعداد رکھتے ہوئے اتنا بخیل اور جب کہ شاعر اپنی عظمت سے خوب واقف ہو۔ " (صفحہ 36) یگانہ نے اس کا جواب یوں دیا " ظاہر ہے کہ یہ اشعار ایک غزل کے نہیں ہیں مختلف غزلوں سے چن لئے گئے ہیں یہ دکھانے کے لئے کہ "معنئ بے لفظ" کو میرزا صاحب نے بار بار استعمال کیا ہے۔بڑے سے بڑے اساتذہ کے دواوین سے ایسی ترکیبیں چھانٹ چھانٹ کر پیش کی جا سکتی ہیں جو بار بار استعمال کی گئی ہیں کیا ان اشعار کا موضوع بھی ایک ہی ہے ۔ کیا " معنئ بے لفظ " لانے سے یہ سب اشعار مکرر سمجھے جا سکتے ہیں۔ " (صفحہ 29) مضمون میں یگانہ نے اپنے شعروں میں محاوروں اور ٹھیٹھ اردو کے استعمال

پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

(33) "بے حیا اقبالچی" (مطبوعہ "نگار" لکھنو، جولائی 1944ء)

تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے باب ہفتم (یگانہ کے ادبی معرکے)

مختصراً یہ کہ اس مراسلہ نما جوابی مضمون (سید صفدر حسین کے مقالے مطبوعہ "نگار" مئی 1944ء کے جواب میں لکھا گیا) میں یگانہ نے اقبال پرستی کے رجحان کی سختی کے ساتھ ملامت کی ہے۔ یگانہ کے طرز تحریر کا اندازہ مضمون کے عنوان سے لگایا جا سکتا ہے۔

(34) "ادب خبیث" (مطبوعہ "آجکل" دھلی، یکم اکتوبر 1945ء)

یگانہ نے یہ مضمون معین زلفی کے مضمون "یگانہ چنگیزی اور عشرت رحمانی کی تنقیدات پر ایک نظر" (مطبوعہ "آجکل" دھلی جولائی 1945ء) کے جواب میں تحریر کیا تھا یگانہ لکھتے ھیں "صاحب موصوف کا یہ خیال درست ہے " دونوں صاحب جذبات کے تیز دھارے میں بہہ گئے ھیں۔ " مگر یہ کلمہ نہایت مغالطہ انگیز ہے کیونکہ " ادب خبیث" کے عنوان سے میرا مضمون جن لوگوں کی نظر سے نہیں گزرا ہے وہ اس کلمہ سے یہ نتیجہ نکال سکتے ھیں کہ جذبات کے دھارے میں بہہ کر شاید میں حق سے تجاوز کر کے ناحق کوشی پر اتر آیا ھوں گا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میرا لب و لہجہ بے شک تلخ ہے اور ھونا چاھئیے گذشتہ بیس پچیس سال کی مدت میں جوش و جگر اور ان کے بعد آنے والے ترقی پسندوں کے ھاتھوں ادب ، اخلاق ، ھندوستانی نسوانیت کو جیسا صدمہ پہنچا ہے میں اسے نہایت شدت سے محسوس کرتا رھا ھوں۔ " (صفحہ 52)

نظم معریٰ اور نظم آزاد کی بحث میں یگانہ کو سب سے زیادہ دکھ قافیے کے گم ھوجانے کا تھا۔ یگانہ کے مذکورہ مضمون سے کچھ یوں محسوس ھوتا ہے کہ اگر نظم آزاد کی حمایت میں غزل کو گردن زدنی قرار نہ دیا جاتا تو یگانہ اور ترقی پسندوں میں سمجھوتہ ھو سکتا تھا۔ یگانہ خود بھی شاعری میں زندگی کی حقیقتوں اور صداقتوں کے اظہار کے زبردست مؤید تھے۔

(4) مختلف شعراء کے کلیات میں کتابت کی غلطیوں کی اصلاح سے متعلق مضامین

(35) "تصحیح دیوان عرفی" (مسلسل مضمون) مطبوعہ "کار امروز" لکھنو (چھ شمارے 1921ء) ، "صحیفہ" اٹاوہ، جنوری 1925ء

"تصحیح دیوان عرفی" کے ذیل میں "صحیفہ" (جنوری 1925ء) میں یگانہ لکھتے ہیں "رسالۂ کار امروز" میں ہم نے تصحیح دیوان عرفی کا سلسلہ شروع کیا تھا جو بہت پسند کیا گیا تھا افسوس ہے کہ عرفی کا دیوان غزلیات اہل مطابع کے ھاتھوں مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔ اہل مطابع کو اتنی توفیق کہاں کہ جو لوگ تصحیح کی اہلیت رکھتے ہیں اون کی خدمت سے فائدہ اٹھا کر اس دیوان کو صحیح چھاپنے کی کوشش کریں .... اس تصحیح سے میرا مقصد یہ ہے کہ اہل سخن کلام عرفی کا مطالعہ زیادہ توجہ کے ساتھ کریں اور اہل مطابع کے ہاتھوں کلام عرفی کی جو مٹی خراب ہوئی ہے اوس کی صحت کرتے جائیں۔" (صفحہ 12)

یگانہ کے سلسلہ وار مضمون کی نوعیت اس اعتبار سے تحقیقی ہے کہ انہوں نے نہ صرف مطبوعہ دیوان عرفی میں کتابت کی غلطیوں کی نشاندھی دیوان عرفی کے قلمی نسخوں سے تقابلی مطالعے کے بعد کی ہے بلکہ جابجا مطبوعہ اور قلمی نسخوں کا تقابل کرتے ہوئے ان اشعار کا اضافہ کیا جو کسی وجہ سے مطبوعہ دیوان میں شائع ہونے سے رہ گئے تھے یگانہ نے "کار امروز" (فروری مارچ 1921ء) میں عرفی کی پچیس غزلوں کے مجموعی طور پر تراسی اشعار کی تصحیح کی ہے اور دو اشعار کا اضافہ کیا ہے۔ کار امروز کے بقیہ شمارے دستیاب نہ ہو سکے۔ "صحیفہ" میں انہوں نے چار غزلوں کے مجموعی طور پر بارہ اشعار کی تصحیح دیوان عرفی کے قلمی نسخوں کی مدد سے کی۔

(36) "میر کا کلام" (مسلسل مضمون)

(مطبوعہ "زمانہ" کانپور، جون 1940ء، "زمانہ" کانپور، جولائی 1940ء، "زمانہ" کانپور، دسمبر 1940ء، "زمانہ" کانپور، اپریل 1941ء، "زمانہ" کانپور، جون 1941ء)

یگانہ نے میر کے کلام کی اصلاح کرتے ہوئے اپنے ذوق شعری کو رہنما بنایا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"خدائے سخن میر کا کلیات اتنا غلط چھپا ہے کہ کسی صفحہ کو اوّل سے آخر تک صحیح پڑھنا بہت مشکل ہے اگرچہ قلمی نسخے ملک میں موجود ہیں مگر میں اب تک کسی قلمی نسخے سے مستفیض نہ ہو سکا بوقت مطالعہ اسی مروجہ نسخے کے مطبوعہ غلط اشعار کو صحیح پڑھنے کی اکثر بقدر امکان کوشش کرتا رہا ہوں یہ تصحیح میں نے اور کسی نسخے کو سامنے رکھ کر نہیں کی ہے بلکہ محض اپنے ذوق کی رہنمائی سے حضرت میر کے انداز سخن کو ملحوظ رکھ کر کی ہے۔" (" زمانہ " جون 1940ء، صفحہ 317) چند مثالیں دیکھیے (لکیر کے نیچے یگانہ کی اصلاح درج کی گئی ہے۔)

جب سے خورشید ہوا ہے چمن افروز عمل — رنگ گل جھمکے ہے ہر پات میں ~~ہے گی~~ اوجھل (صفحہ 317)
ہوکر

ناصح مرے جنوں سے آگہ نہ تھا کہ ناحق — ~~گو دز گیا~~ گریباں سارا سلا سلا کر (" زمانہ "جولائی 1940ء، صفحہ 31)
گودڑ کیا

~~راہ درد عشق سے~~ روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا (زمانہ، دسمبر 1940ء، صفحہ 329)
ابتدائے عشق ہے

تو ہے کس ~~ناحیے~~ سے اے دیار عشق کیا ~~جانوں~~ — ترے باشندگاں ہم کاش سارے بے وفا ہوتے (زمانہ، اپریل 1940ء صفحہ 178)
ناحیہ — جانیں

روشن ہے جل کے مرنا پروانے کا وہ لیکن — اے شمع ~~کچھ تو کہہ تو تری بھی~~ تو زباں ہے (زمانہ، جون 1940ء صفحہ 300)
تو بھی کچھ کہہ تیرے بھی تو

یگانہ نے میر کے دیوان اوّل سے تین سو دس اشعار اور دیوان دوم سے پینتیس اشعار کی کتابت کی غلطیاں درست کیں۔ انھوں نے اپنے ان مضامین کے ذریعے عرفی اور میر جیسے شعراء سے برتی جانے والی غفلت کی طرف متوجہ کیا۔

(5) تبصرے
========

(37) " ~~ایثار حسین~~ " (مطبوعہ " کار امروز " لکھنؤ، فروری مارچ 1921ء)

یگانہ نے مرزا سلطان احمد کے رسالے " ایثار حسین " پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت امام حسین اور یزید کے درمیان جنگ کو حق اور ناحق کی جنگ قرار دیا۔ ان کے خیال میں حق

پرست کبھی جادہ اعتدال سے نہیں ہٹتا اور نہ ہی جان بچانے کے لئے سجدۂ ناحق کے پردے میں منہ چھپانا گوارا کرتا ہے یگانہ نے اپنے خیال کی تائید میں اپنا ہی ایک شعر بھی درج کیا ہے

غضب ہے منہ چھپانا سجدۂ ناحق کے پردے میں　　بلا سے تختۂ مشقِ ستم لوحِ جبیں ہوتی

یگانہ کا استدلال مصنف "ایثار حسین" کے بیانات کی تائید میں ہے۔ "کار امروز" کے اسی شمارے میں یگانہ نے "صحیفہ وارث" نامی ماہوار رسالہ اور "خیابان بے خزاں" مصنف سید مرتضیٰ شیر صاحب شیر رضوی نقشبندی عظیم آبادی پر مختصر تبصرے بھی درج کئے ہیں۔

(38) "معراج الکلام" (مطبوعہ "صحیفہ" اٹاوہ، جنوری 1925ء)

"معراج الکلام" مرزا اوج لکھنوی خلف ارشد مرزا دبیر لکھنوی کے چند منتخب مراثی کا مجموعہ ہے جسے سید سرفراز حسین خبیر لکھنوی نے مرزا اوج کی وفات کے بعد ان کی مختصر سوانح عمری کے ساتھ شائع کیا۔ انیس و دبیر کے اٹھ جانے کے بعد مرثیہ جس طرح اپنے جادہ سے ہٹ کر زوال پذیر ہو گیا تھا یگانہ نے اپنے تبصرے میں اس طرح توجہ دلائی ہے اور مرزا اوج کے حوالے سے لکھا ہے" مرزا اوج مغفور نے مرثیہ میں صحت روایات، مضامین عالیہ اور سنجیدگی و متانت کلام کا جتنا لحاظ رکھا ہے آپ کے معاصرین میں کسی نے اس کا التزام نہیں کیا مگر افسوس ہے کہ لکھنو کی پبلک نے ساقی نامہ اور بہاریہ مضامین کے مقابلے میں مرزا صاحب کی متانت و سنجیدگی کلام کی کافی قدر نہ کی۔" (صفحہ 16)

(39) "پروفیسر اکبر حیدری دہلوی" (مطبوعہ "عالمگیر" مارچ 1932ء)

یگانہ کا یہ مضمون دراصل پروفیسر اکبر حیدری دہلوی کے شعری مجموعے "روح جذبات" کے حوالے سے پروفیسر موصوف کے فکر و فن پر روشنی ڈالتا ہے۔ یگانہ نے اکبر حیدری کے "بسم اللہ" سے متعلق مندرجہ ذیل شعر کی خاص کر تعریف کی ہے

انتہائے دور بینی ہے کہ میں　　ابتدا کرتا ہوں تیرے نام سے

مضمون سے یگانہ کی شعر فہمی اور تصور فن پر روشنی پڑتی ہے۔

یگانہ نے سید مسعود حسن رضوی ادیب کی تصنیف " ہماری شاعری " پر بھی تبصرہ کیا تھا یہ تبصرہ " نیرنگ خیال " لاہور (مئی 1930ء) میں شائع ہوا۔ بعد ازاں یہی تبصرہ ادیب نے ہماری شاعری کے تیسرے ایڈیشن (1935ء) میں شامل کتاب کیا۔ نمونۂ تحریر دیکھیے

" یہ تو وہ تصنیف ہے جو یورپ زدہ اصحاب کی غلامانہ ذہنیت میں انقلاب پیدا کرنے کی زبردست طاقت رکھتی ہے۔ "

(6) اشتہار نما مضامین

(40) "تمام شعرائے حال کی خدمت میں اپیل" (مطبوعہ " نظارہ " میرٹھ، جولائی 1916ء)

مضمون میں یگانہ نے معاصر شعرائے اردو سے اپیل کی تھی کہ وہ ایک فل سکیپ سائز کے کاغذ پر اپنی پسند کے اشعار اپنا نام مع ولدیت و سکونت و سنہ ولادت اپنے دست خاص سے لکھ کر انہیں بھجوائیں تاکہ وہ اسے محفوظ کر سکیں یگانہ نے تمام معاصر شعراء کی تصویروں کے البم کی ضرورت پر بھی زور دیا تھا۔ انہوں نے اخبار و جرائد کے ایڈیٹروں سے بطور خاص اپیل کی کہ وہ اپنے پرچوں میں ان کی اپیل کو مکرر شائع کریں۔یگانہ نے اپنے حافظے کی مدد سے ایک سو اکتیس شاعروں کی فہرست دی تھی اس فہرست سے 1916ء کے آس پاس اردو کے ممتاز شعراء کے ناموں سے واقفیت ہوتی ہے۔ یگانہ کی اس اپیل پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر نیر مسعود لکھتے ہیں

" یقین ہے کہ یگانہ کی اپیل صدا بہ صحرا ثابت نہ ہوئی ہو گی اور انہیں کچھ شاعروں کا خود نوشتہ کلام ضرور موصول ہو گیا ہو گا لیکن بعد میں ان کی دربدری اور آخر میں ان کے مکان پر حملے کے نتیجے میں جس طرح ان کی بہت سی چیزیں تلف ہوئیں اسی طرح غالباً یہ قیمتی اوراق بھی ادھر ادھر ہو گئے۔ " (11)

(41) "انجمن خاصان ادب لکھنو" (مطبوعہ " مخزن " لاہور، جولائی 1919ء)

یگانہ اور بے خود موہانی نے مل کر 1919ء میں " انجمن معیار ادب لکھنو " کے مقابل

" انجمن خاصان ادب لکھنو" قائم کی تھی جس کی تفصیل باب دوم اور باب ھفتم میں آ چکی ھے۔ مذکورہ مضمون میں انجمن کے تعارف، اغراض و مقاصد ، سرپرستان انجمن ، ممبران اعزازی، ممبران خاص اور ممبران امدادی کے اسمائے گرامی کے علاوہ رکنیت حاصل کرنے کی شرائط بیان کی گئی تھیں۔ انجمن کے اغراض و مقاصد خاصے دل فریب تھے مگر یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ یے خود کے ایک خط سے جو مسعودحسن رضوی ادیب کے نام لکھا گیا ھے پتہ چلتا ھے کہ اس انجمن کا نامکمل دستورالعمل ھمدم اخبار ، پیسہ اخبار اور اودھ اخبار میں شائع ھوا تھا۔(12)

ان مضامین کے علاوہ یگانہ کی وہ تحریریں بھی دلچسپی کی حامل ھیں جو انہوں نے اپنی تصانیف کے اشتہار کے سلسلے میں شائع کیں۔ ان کی تصانیف کے اشتہار وقتاً فوقتاً ھندوستان کے رسائل میں شائع ھوتے رھے یہ اشتہار باغ و بہار ملتان (مارچ 1935ء، مئی 1935ء) ، آج کل ، دھلی (یکم مئی 1947ء) میں شائع ھوئے۔

(7) تاریخی مضامین

یگانہ کو تاریخ نویسی کا بھی شوق رھا تاھم تاریخی مضامین لکھتے ھوئے انہوں نے اپنے آپ کو مغلوں کی تاریخ تک محدود رکھا۔ یگانہ کے کچھ تاریخی مضامین دیکھیے ۔

(42) "مرزا ذوالقرنین ارمنی" (مطبوعہ " کار امروز " فروری مارچ 1921ء)

مرزا ذوالقرنین دربار اکبری کا امیرالامراء تھا وہ مذھب کے اعتبار سے عیسائی تھا اور حلب کے ایک تاجر کا بیٹا تھا جس نے ھندوستان میں سکونت اختیار کر لی تھی اور لاھور میں اکبر کے دربار میں رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ یگانہ نے مرزا ذوالقرنین ارمنی کے بارے میں تمام معلومات ریونڈر فادر ھوسٹن کے ایک تذکرے کے ان اقتباسات سے حاصل کیں جو ھندوستان ریویو 1918ء کے ایک پرچے میں شائع کئے گئے تھے۔ یگانہ کے مضمون میں مرزا ذوالقرنین کی زندگی کے بعض اھم ترین اور دلچسپ واقعات کی تفصیل ملتی ھے کہ کس طرح جہانگیر نے اس کے حسن انتظام کے صلے میں اسے

اودھ میں بہرائچ کا فوجدار بنایا اور کس طرح اسے مسلمان کرنے کے لئے زبردستی ختنہ کا حکم دیا اور کس طرح شاہجہان نے اسے فوجداری سے ہٹا کر آٹھ لاکھ روپے جرمانہ وصول کر کے اسے کنگال کر دیا۔ مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا ذوالقرنین کی امداد سے جسیوپٹ پادریوں نے آگرہ کالج بنایا۔ یگانہ نے ریونڈر فادر ھوسٹن کے علاوہ ارمنی مورخ طامس خوجہ مال سے بھی استفادہ کیا مگر اس کی روایتوں پر شبے کا اظہار بھی کیا ہے جس سے ظاہرھوتا ہے کہ وہ تاریخ نویسی میں واقعات کے انتخاب کی اہلیت رکھتے تھے۔ یگانہ نے مرزا ذوالقرنین کے عروج و زوال کی داستان نہایت دلچسپ پیرائے میں بیان کی ہے۔

(43) "شاہ عباس صفوی" (مطبوعہ "مخزن" لاھور، مئی 1921ء)

صنادید عجم میں یگانہ کو جو عقیدت شاہ عباس صفوی سے تھی یہ مضمون اسی کا مظہر ہے۔مضمون میں شاہ عباس صفوی کی مہمانداری کا بیان دلچسپ ہے اور مغلوں سے شاہ عباس صفوی کے تعلق خاطر کو ظاہر کرتا ہے۔ مضمون میں "ایک واقعہ غریب" کا بیان محاکات نگاری کی عمدہ مثال ہے۔

(44) "بابر اور فتح پنجاب" (مطبوعہ "نیرنگ خیال" لاھور، نومبر 1927ء)

تاریخ حقائق کے بیان کا نام ہے مگر یگانہ کا بیان اتنا رواں اور پر فریب ہوتا ہے کہ وہ تاریخ میں افسانے کی سی دلچسپی بھی پیدا کر دیتے ہیں اور تاریخی واقعیت کو بھی مسخ نہیں ہونے دیتے۔ یگانہ نے مذکورہ مضمون میں بابر کے ابتدائی معرکوں کی تفصیل بیان کی ہے اور جابجا بابر کے روزنامچے اور رشبروک ولیمس کی تصنیف "حیات بابر" سے حوالے دئیے ہیں۔جو جیز یگانہ کی تحریر کو روایتی تاریخ نویسی سے مختلف بناتی ہے وہ ان کے جملوں کی بے ساختگی اور برجستگی ہے۔ مضمون سے کچھ اقتباس دیکھیے" بابر اپنی تیموری نسل کی بنا پر پنجاب کو اپنا موروثی ترکہ سمجھتا تھا کیونکہ امیر تیمور نے اسے فتح کیا تھا۔" (صفحہ 12) "سلطان ابراھیم لودھی نے اپنے احمقانہ مظالم سے افغان جاگیرداروں کو جن کی تلوار کے بل پر حکومت کی بنیاد

مستحکم تھی آمادہ بغاوت کر دیا تھا " (صفحہ 14) " بابر نے نہایت سادہ دلی و خندہ پیشانی سے لاھور کے بدلے جالندھر اور سلطان پور کے دو اضلاع دولت خاں کے حوالے کر دئیے مگر دولت خاں ان دو لقموں سے کیا خوش ھوتا اس کی تو نیت ھی کچھ اور تھی۔ "(صفحہ 15)

(45) "گوھر بیگم" (مطبوعہ "باغ و بہار" ملتان، مئی 1935ء)

یگانہ کا مضمون دراصل خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کے مضمون گوھر بیگم (13) (مطبوعہ "باغ و بہار" ملتان، مارچ 1935ء) کی توسیع ھے جس میں لکھنو میں مشہور ایک نیم تاریخی نیم افسانوی قصے کو بیان کیا گیا تھا اس قصے کے کردار فطری مگر واقعات مافوق الفطرت معلوم ھوتے ھیں۔ نواب آقا علی خاں قاچار کا صاحب ثروت مگر بے اولاد ھونا۔ چوری چھپے دوسری شادی کرنا، دو بیٹوں کا باپ بننا، پہلی بیوی کو پتہ چلنا، اس کا نواب کی دوسری بیوی سے ملاقات پر پابندی لگانا، دوسری بیوی پر عرصۂ حیات تنگ ھونا، نواب کا اپنی پہلی بیوی کی بدزبانی سے ڈرنا، دوسری بیوی کا اپنی مملوکہ جائیداد کا فروخت کر کے لکھنو روانہ ھو جانا، محلہ وزیر گنج میں کرایہ کا مکان لے کر مقیم ھونا، لکھنو کے نامی گرامی چور میر دلاور کا اپنے چالیس ساتھیوں کی مدد سے مال اسباب لوٹنے کی غرض سے آنا اور گوھر بیگم (دوسری بیوی) کا بنوٹ کے ھاتھ دکھانا۔ رومال کے کونے میں موٹا پیسہ باندھ کر ایک ایک چور کے باری باری گردن پر مارنا اور بے ھوش کرنا۔ نواب کے انتقال کی خبر آنا، عدت کے دن پورے کر کے گوھر بیگم کا دھلی روانہ ھونا اور نواب کی جائیداد کا جائز وارث ٹھہرنا، پہلی بیگم کا ان سے میل کر لینا سب کچھ افسانہ معلوم ھوتا ھے۔ عشرت لکھنوی نے مضمون کے آخر میں لکھا تھا " خدا جانے گوھر بیگم کی اولاد اب کہاں ھے اور کس حال میں ھے اور غدر کے بعد ان کا کیا حال ھوا۔ " (صفحہ 13) یگانہ کا مضمون یہیں سے شروع ھوتا ھے وہ گوھر بیگم کی اولاد کے بارے میں لکھتے ھیں " نواب آقا علی خاں کے دو بیٹوں کا نام اکبر علی خاں اور اصغر علی خاں تھا یہ وھی نواب اصغر علی خاں ھیں جو نسیم دھلوی کے نام سے مشہور ھیں لکھنو میں بھولا ناتھ کے کنویں پر رہتے تھے اور

منشی نول کشور کے مطبع میں ملازم تھے۔" (صفحہ 9) دوسرے بیٹے کے بارے میں یگانہ لکھتے ہیں
" نواب آقا علی خاں کے فرزند اکبر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے نواب آغا حسین قلی خاں عاشق
ہیں جن کا تذکرۂ شعرا " نشتر عشق " مشہور و معروف ہے غالباً چنار گڑھ میں نواب حسین قلی
خاں صاحب انگریزوں کی طرف سے ایک بڑے عہدے پر مامور تھے اس کے بعد عظیم آباد جا بسے۔" (صفحہ 10)
یگانہ کا یہ مضمون بھی یگانہ کی مغلوں سے خصوصی دلچسپی کو ظاہر کرتا ہے۔

(46) "لکھنو سے للہیت" (مطبوعہ " عالمگیر " لاہور، مارچ 1946ء)

لکھنو سے وابستہ یادوں کو یگانہ دبی ہوئی چنگاریوں کی طرح کریدتے رہتے تھے بہت
سی ناخوش گوار باتوں کا کسیلا ذائقہ اس مضمون میں بھی موجود ہے۔

(8) مذہبی مضامین (14)

حیدر آباد جانے کے بعد یگانہ کو مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا شوق پیدا ہوا ایک عرصے
تک ان پر شیعت کا غلبہ رہا پھر تاریخ اسلام کے ساتھ مذاہب عالم کا مطالعہ کرتے رہے۔ یوں ان
کی افتادِ طبع اور تنگیٔ حالات نے انہیں کسی ایک راہ پر مستقل نہ چلنے دیا کبھی شیعت کا غلبہ
تو کبھی شیعت سے تائب ، کبھی خدا کی وحدانیت کا اقرار تو کبھی انکار ، کبھی پیغمبر خدا
کی شان میں نعت گوئی تو کبھی نیت کار ساز میں شک ۔ یگانہ کی ذہنی کیفیت کے تمام پہلو
نفسی تجزیے کے متقاضی ہیں۔ عمر کے آخری حصے میں جب شاعری تقریباً موقوف ہو چکی تھی اور
وہ ایک گوشے میں تنہا ، بے یارو مددگار اور خوف زدہ پڑے ہوئے تھے ان پر بے دماغی کی حالت
بھی طاری ہوئی پھر مرنے سے چند روز قبل اپنے احباب اور عزیزوں کی موجودگی میں کلمہ پڑھ کر
اپنے مسلمان ہونے کی گواہی بھی لی۔ یگانہ کو یک قلم پاگل قرار نہیں دیا جا سکتا مگر ایک
مایوس ، تنہا ، خوف زدہ ، ناقدریٔ زمانہ کا شکار اور اپنے پیاروں سے دور غیروں کی دہلیز پر پڑے
ہوئے آدمی کا جو ذہنی ردعمل ہو سکتا ہے وہی یگانہ کا بھی تھا ان کے دل کا حال تو خدا
ہی بہتر جانتا ہوگا مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ زمانہ کے ستائے ہوئے تھے اور ایک عام آدمی سے الگ

سوچ رکھتے تھے۔ شاعر تھے اور فن پر جان دینے والے تھے۔ آرٹ اور مذہب کا ہمیشہ بیر رہا ہے۔ یگانہ نے مذہب کا بک رخا مطالعہ کیا تھا۔یگانہ کے مضمون " آرٹ اور مذہب " میں اس موضوع سے متعلق ان کی سوچ کا پتہ چلتا ہے۔

(47) " آرٹ اور مذہب " (مطبوعہ " نیرنگ خیال " لاھور، فروری 1952ء)(15)

مضمون کا موضوع ایسا ہے کہ جس سے یہ توقع پیدا ہوتی ہے کہ اس میں مذہب اور آرٹ کا تقابلی مطالعہ کیا ہو گا اور اس حوالے سے علمی مباحث چھیڑے گئے ہوں گے مگر مضمون کا نہ تو مواد علمی ہے نہ اسلوب ۔ مذہب اور آرٹ کا تقابل خالصتاً ذاتی نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے۔ پورے مضمون میں ذھن کی ایک ہی رو چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

" آرٹ اور مذہب " میں بے شمار ایسے جملے ہیں جو یگانہ پہلے ہی آیات وجدانی جدید کے محاضرات میں شامل کر چکے تھے۔ مثلاً مضمون کا یہ جملہ " ہر عہد ہر زمانے میں روزمرہ زندگی کے تلخ تجربات ثابت کرتے رہے ہیں کہ مذہب کتنے فساد کی جڑ ہے۔ "(آیات وجدانی ، صفحہ 61) دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر مضمون کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یگانہ مذہب کے بجائے خبط مذہب میں مبتلا جنونیوں کو نشانہ بناتے ہیں ۔

(48) " حق گو " (مطبوعہ " شعلہ و شبنم " دھلی ، ستمبر 1951ء)

یگانہ کے مذکورہ مضمون پر تفصیلی بحث باب دوم (حیات یگانہ) میں کی گئی ہے۔ مضمون اس وقت شائع ہوا جب یگانہ اپنے اھل خانہ سے ملنے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ مضمون کی ایک ایک سطر سے مضمون نگار کے دماغی عدم توازن کا اندازہ ہوتا ہے۔اس مضمون کی اشاعت کے بعد یگانہ کے خلاف ھندوستان کی عام پبلک میں زبردست ھیجان پیدا ھوا اخبارات و رسائل میں اس پر ادارئیے لکھے گئے۔ " انگارہ " کلکتہ(20 ستمبر 1951ء) کے اداریے میں مضمون کو مکرر شائع کر کے یگانہ کو جلی حروف میں نابکار، بدتمیز، بے لگام، بدبخت، انسان نما شیطان

لکھا گیا۔ مضمون کی اشاعت نے رائے عامۃ کو ان کے خلاف بھڑکانے میں موثر کردار ادا کیا جس کی وجہ سے 31 مارچ 1953ء کے واقعہ کو وقتی یا فوری ہیجان کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کے پیچھے یگانہ کی گذشتہ کئی سالوں کی " دریدہ دھنی " کارفرما تھی۔

(9) علمی مضامین

یگانہ نے علمی و فکری موضوعات پر زیادہ مضامین نہیں لکھے کیونکہ ایسے موضوعات پر لکھنے کے لئے جس یکسوئی اور اطمینان قلب کی ضرورت ہوتی ہے وہ یگانہ کو میسر نہیں تھا اس لئے ان کے علمی مضامین میں زیادہ گہرائی نہیں ہے۔

(49) "حواس خمسہ کی نشوونما" (مطبوعہ " زمانہ " کانپور، مئی 1922ء)

مضمون کے مواد کو خود یگانہ کی زندگی اور فن پر منطبق کر کے نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔چند اقتباس دیکھئیے " یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ہر شخص کا اپنے ہر تجربے سے صحیح نتیجہ پر پہونچ جانا لازم نہیں ہے۔" (صفحہ 255) " ہر شخص کی دماغی حالت ہمہ وقت یکساں نہیں رہتی اسی وجہ سے اخذ نتائج میں اختلاف ہو جاتا ہے۔" (صفحہ 256)

" اصل حقیقت سے ہم منزلوں دور رہتے ہیں اور زیادہ غور کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ حیرت اور پراگندگی کے کچھ نہیں حاصل ہوتا۔" (صفحہ 257) " نمو کے زمانے میں حواس خمسہ کی روز افزوں نشوونما ہوتی رہتی ہے اور انحطاط کے زمانے میں جمیع حواس خمسہ آمادہ زوال رہتے ہیں " (صفحہ 257)

(50) " ہندو فلاسفی" (مطبوعہ " صحیفہ " اٹاوہ، جنوری 1925ء)

یگانہ کا یہ مضمون دراصل مشرقی فلاسفہ کی حمایت میں ہے۔انہوں نے مشرق اور مغرب کے درمیان مذہب، فکر، تہذیب و تمدن، ادب، تاریخ اور کلچر کے اختلاف اور تضاد کو نمایاں کیا ہے۔ مضمون سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یگانہ اسلامی تصوف کے بجائے ہندو تصوف میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ اپنشدوں کو روحانیت کے ماخذات سمجھتے ہیں جن میں روح

انسانی اور ہستیٔ مطلق میں بیگانگی اور مغائرت کی نفی کی گئی ہے۔ نمونہ تحریر دیکھیے

" اپنشدوں کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ از منۂ قدیمہ میں ہندوستانیوں کا علو خیال کس درجہ تک پہونچ چکا تھا اور صفائے باطنی کے اعتبار سے ہندوستانی کس مرتبے پر فائز ہو چکے تھے۔" (صفحہ 10)

(51) "فلسفۂ جذبات" (مطبوعہ " صحیفہ " اٹاوہ، جنوری 1925ء)

مضمون نگار کے طور پر " غازی بلخی " کا نام دیا گیا ہے مگر در حقیقت مضمون یگانہ ہی کا ہے صحیفہ کی تمام نثری تخلیقات یگانہ کے قلم سے نکلی ہیں۔ " شہرت کاذبہ " کے دیباچہ نگار کے خود پر بھی یگانہ نے " غازی بلخی " کا نام استعمال کیا تھا دونوں تحریریں ایک ہی وقت کی ہیں۔ مضمون میں جذبات انسانی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ یگانہ نے مضمون میں دماغی اور روحانی تکالیف کے زمرے میں جس صورت حال کا تذکرہ کیا ہے وہ ان کی ذاتی معلوم ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں " جن جذبات کا تعلق ذہن اور تخیل سے ہے اون کا اثر دیکھنے والوں پر بہت ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی معزز آدمی اتفاقات زمانہ سے تباہ ہو کر مصیبتوں میں مبتلا اور ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے اوس کے بال بچے در بدر ہو جاتے ہیں دوست احباب چھوٹ جاتے ہیں بے چارہ دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے دشمن اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ اپنی حالت زار سے اوس کو روحانی ایذائیں پہونچتی رہتی ہیں تو دیکھنے والوں کو اوس کے ساتھ ہمدردی کا جوش پیدا ہوتا ہے۔اوس کی دماغی اور روحانی تکلیفوں کے تصور سے دیکھنے والوں کا دل کانپ جاتا ہے۔" (صفحہ 24 - 25)

(10) انشائی مضامین

یگانہ کے بیشتر مضامین ایسے ہیں جنہیں آسانی کے ساتھ رسالہ " تہذیب الاخلاق " کے سلسلے کے مضامین کہا جا سکتا ہے۔ان مضامین میں انسانی کیفیات کے علاوہ معاشرتی و سماجی مسائل پر قلم اٹھایا گیا ہے یگانہ ذہنی طور پر سرسید کی فکر سے متاثر تھے اپنے بعض مضامین میں وہ

سرسید کی چھوڑی ہوئی مضمون نگاری کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ذیل میں یگانہ کے ایسے مضامین کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو انشائی مضامین کی تعریف پر پورے اترتے ہیں۔ان مضامین میں یگانہ نے اپنے مطالعے اور فطری صلاحیتوں کا متوازن اظہار کیا ہے ان کے یہ مضامین اسی وجہ سے اہمیت رکھتے ہیں۔

(52) "فلسفہ ہمدردی" (مطبوعہ "نظارہ" میرٹھ، دسمبر 1915ء)

مضمون میں یگانہ نے ہمدردی کو ایک مستقل جذبہ قرار دیا ہے انہوں نے مضمون میں جابجا تمثیلوں سے کام لیا ہے جو انشائی مضامین کا خاصا رہا ہے۔ یگانہ لکھتے ہیں " بنائے ہمدردی محض ادراک و احساس کی تیزی پر قائم ہے اکثر مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی نٹ دو بانس گاڑ کر اور اس میں ایک رسی باندھ کر اور اُس پر کوئی تھالی رکھ کر اپنے گھٹنوں کے بل تھالی پر کھڑا ہوتا ہے اور اپنے جسم کو قابو میں رکھ کر خود کو سنبھالتا ہے یعنی کشش ارضی کا اثر ہونے نہیں دیتا تو بعض تماشائی بھی خود کو اسی نٹ کی طرح سنبھالتے ہیں سمٹ سمٹ کر اپنے بدن کو چراتے ہیں گویا وہی حالت ان پر بھی طاری ہوتی ہے آخر یہ کیا بات ہے وہی تیزئ احساس، دوسرے کی حالت کا اثر لینا۔ " (صفحہ 26)

(53) "مسرت ہمدردی" (مطبوعہ "نظارہ" میرٹھ، جون 1916ء)

ہمدردی کی ماہیت کے علاوہ جانبین پر ہمدردی کا پر مسرت رد عمل مضمون کا اصل موضوع ہے۔ مضمون سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ لکھنو میں بے توجہی ، تنہائی اور مغائرت کا احساس یگانہ کو ہمدردی کے موضوع پر لکھنے کے لئے اکسا رہا تھا ، لکھتے ہیں " جب کوئی شاعر کسی صحبت میں اپنا کچھ کلام پڑھتا ہے اور سامعین کو اپنی طرف متوجہ نہیں دیکھتا تو ایک قسم کا اثر مخالفت محسوس کرتا ہے اگر سامعین اس کے جذبات کے شریک حال ہوتے تو اسے کچھ مسرت ہوتی اس کے جذبات کا اثر نہ لینا گویا عدم ہمدردی یا مخالفت ہے لہذا ہمدردی کی جامع و مانع تعریف یہ نکلی کہ کسی کے جذبات سے متاثر ہونا کسی کے جذبات کا شریک حال ہونا

همدردی ہے خواہ وہ جذبات کسی قسم کے ہوں۔" (صفحہ 168)

(54) "مسئلہ انتقام" (مطبوعہ "نظارہ" میرٹھ، جنوری 1916ء)

یگانہ انتقام لینے کو انسانی جبلّت کا لازمہ سمجھتے ہیں۔مضمون میں معاف کر دینے کو انہوں نے برخلاف اپنی فطرت کے ایک فضیلت قرار دیا ہے تاہم یگانہ بعض حالات میں انتقام لینا اشد ضروری خیال کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں " انتقام یا قصاص کو (جن کا مفہوم ایک ہے) وحشیانہ انصاف کہہ کر ٹال دینا اور جرائم سے چشم پوشی کرنا ہرگز ہرگز سوسائٹی کے حق میں مفید نہیں ہو سکتا۔" (صفحہ 11)

(55) "رسم و رواج کا اثر"(مطبوعہ "نظارہ "میرٹھ ، جولائی 1916ء)

مضمون میں رسوم و رواج میں جکڑے ہوئے ہندوستانی سماج کی خرابیوں کو موضوع بنایا ہے چند اقتباس مندرجہ ذیل ہیں۔

" رسوم و رواج معاشرت انسانی کے لئے بمنزلہ حاکم جابر کے ہیں جس کے آگے نہ فطرت کا زور چل سکتا ہے نہ کسی قسم کی نصیحت یا ترغیب و تحریص کام دے سکتی ہے۔" (صفحہ 216) "ہندوستان میں تھوڑے دنوں سے ستی کی رسم موقوف ہوئی ہے۔عقل انسانی کبھی اس امر کو جائز نہیں رکھتی کہ ایک کم سن لڑکی اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ زندہ جل جائے اور خود اپنا خاتمہ کر دے ۔ انسان اپنی جان کا خود مالک نہیں یہ خدا کی امانت ہے اس میں کسی قسم کا تصرّف (شرعاً یا قانوناً) جائز نہیں۔ اس بنا پر خودکشی حرام ہے۔" (صفحہ 216) " ہندوستان میں عقد بیوگان نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے اور رنڈاپے کی صبح و شام نہ معلوم کیوں کر بسر ہوتی ہے اس تجرد کا اثر عورتوں کے قوا اور اخلاق پر جو کچھ ہے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔" (صفحہ 216)

رسوم و رواج کی خرابیوں کی نشان دہی کرنے کے بعد یگانہ سماج میں تبدیلی پیدا

کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔

(56) "دامن گلچیں" (مطبوعہ "نظارہ" میرٹھ، جنوری 1917ء)

یگانہ "دامن گلچیں" کے عنوان سے متفرق مضامین پر مبنی ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے جس میں فلسفہ، حکمت، اخلاق اور ادب کے مضامین شامل ہوں۔ ان کے خیال میں "اردو کے لٹریچر کو ہر قسم کے مضامین کی ضرورت ہے۔" (صفحہ 13)

"دامن گلچیں" بھی دراصل متفرق موضوعات پر مختصر مضامین (شذرات) کا مجموعہ ہے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے وہ یہ ہیں "کتب بینی"، "غصہ کو روکو"، "حسد" ۔ نمونۃً تحریر دیکھیے "انتقام لینا ایک وحشیانہ فعل ہے۔انتقام لینے کا ارادہ ہو تو انسان کو چاہئیے کہ جلدی نہ کرے اور وقت کا منتظر رہے اسی اثنا میں کیا عجب ہے کہ اس کے جذبات میں سکون پیدا ہو جائے اور غصہ کے افسوس ناک انجام کا سامنا نہ ہو۔" (بحوالہ "غصہ کو روکو" صفحہ 14)

(57) "سیاست باطنی" (مطبوعہ "مخزن" لاہور ، اکتوبر 1918ء)

مضمون میں اہل قلم کا تعلق سیاست باطنی سے جوڑا گیا ہے اور شاعر کی اجتماعی ذمہ داریوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یگانہ کے خیال میں "اہل قلم میں خاص طور پر شاعر ملک و ملّت کی صلاح و فساد کا ذمہ دار ہے۔ شاعری کی علت غائی یہی نہیں کہ جذبات میں جوش وخروش پیدا کرے بلکہ اس کا مقصد صحیح یہ ہے کہ جذبات انسانی کو غیر محسوس طریقہ پر جانب افراط و تفریط سے ہٹا کر نقطۂ اعتدال پر لے آئے اور بنیاد اعتدال کو اس قدر مستحکم بنائے کہ تزلزل کا اندیشہ نہ رہے۔" (صفحہ 28)

(58) "کاہلی داخل فطرت ہے" (مطبوعہ "نیاز" لدھیانہ، فروری 1922ء)

مضمون اس سوال سے شروع ہوتا ہے "کیا انسان فطرتاً مسلسل کام کرنے کی قابلیت رکھتا ہے" (صفحہ 25) یگانہ اس سوال کا جواب نفی میں دے کر مختلف پہلوؤں سے اپنی بات کی وضاحت

کرتے ہوئےلکھتے ہیں " یہ صحیح ہے کہ انسان غلبۂ شوق میں جو کام کر رہا ہے وہ بوجہ احسن انجام پاتا ہے مگر غلبۂ شوق مسلسل قائم نہیں رہتا۔جب تک دھن بندھی ہوئی ہے کام کر رہا ہے جی اکتا گیا تو پھر کام نہیں بے گار ہو جاتی ہے۔عرف عام میں جسے محبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایک فطری جذبہ ہے مگر کچھ منزلیں طے کرنے کے بعد یہ کام بھی بے گار کی حد میں آ جاتا ہے۔" (صفحہ 25)

(59) "اب کیا ہے" (مطبوعہ " باغ و بہار " ملتان ، جولائی 1935ء)

مضمون میں یگانہ نے اپنی ایک رباعی کے حوالے سے نہ صرف شاعر اور شاعری کی پہچان بتائی ہے بلکہ اپنے نظریۂ زندگی کی وضاحت بھی کی ہے۔ شاعر کی پہچان بتاتے ہوئے لکھتے ہیں " تلخیوں کے ہجوم میں خوشی کا پہلو ڈھونڈ نکالنا ایک بڑا مشکل فن ہے اور اس فن کا زبردست ماہر شاعر سے بڑھ کر اور کون ہو گا۔" (صفحہ 7)

(11) لسانی موضوعات

یگانہ کے ایسے مضامین زیادہ وقیع ہیں جن میں انہوں نے سنجیدہ علمی و ادبی مسائل پر بحث کی ہے۔لسانی موضوعات پر ان کے تمام مضامین اسی ذیل میں آتے ہیں ان مضامین میں برہان کی تاثر نے لہجے کی درشتگی کو ملائمت میں بدل دیا ہے۔کہیں کہیں ان کے قلم کو جھرجھری ضرور آتی ہے مگر مجموعی طور پر ان مضامین کا انداز ویسا جارحانہ نہیں ہے جیسا بعد میں ان کی تحریروں کا خاصا بن گیا تھا۔

(60) " الفاظ مہنّد بہ عطف و اضافت" (مطبوعہ " نظارہ " میرٹھ، اپریل مئی 1916ء)

یگانہ کا یہ بھرپور مضمون آتش کے درج ذیل شعر پر بحث سے شروع ہوتا ہے

کسی کی محرم آب رواں کی یاد آئی حباب کے جو برابر کوئی حباب آیا

یگانہ لکھتے ہیں " بعض حضرات کے نزدیک لفظ " محرم " کی اضافت " آب رواں " پر غلط ہے اور

غلطی کا شبہ اس بنا پر ہے کہ لفظ " محرم " کو ہندی سمجھتے ہیں حالاں کہ ایسا نہیں ہے " محرم " کے معنی ہیں رازدار یا بات چھپانے والا مگر ہندوستان میں " محرم " کو کنایتاً انگیا کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ انگیا کے لئے ستر پوشی لازم ہے دراصل یہ ایک استعارہ تھا مگر رفتہ رفتہ اس لفظ نے یہ معنی مستقل اختیار کر لئے لیکن اس بنا پر یہ لفظ ہندی الاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ کنایہ مجاز کی صورت میں کوئی لفظ اپنی ماہیت سے بیگانہ نہیں ہو سکتا۔ لفظ " محرم " بہ اعتبار صورت بھی عربی ہے اور بہ اعتبار معنی بھی اپنے معنی و صفی سے تعلق ضرور رکھتی ہے کوئی قواعی مناسبت نہیں پائی جاتی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اس کو ہندی کیوں کر ٹھہراتے ہیں کیا کوئی لفظ معنی وصفی کے عوض معنی مجازی میں مستعمل ہو تو اس کی ماہیت بدل جاتی ہے اور ایسی بدل جاتی ہے کہ قابل عطف و اضافت بھی نہیں رہتی۔ "(صفحہ 133) یگانہ دوسری دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں " اگر یہ لفظ "محرم" عربی الاصل نہ بھی ہوتی ہندی ہی ہوتی تو بھی عطف و اضافت غلط نہ ہوتی کیونکہ جب انگیا کے لئے عربی فارسی میں کوئی لفظ مترادف موجود یا مشہور یا مستعمل نہیں ہے تو ایسی حالت میں بے تکلف عطف و اضافت دیتے ہیں ہاں اگر کوئی لفظ مترادف موجود ہوتی تو اعتراض ہو سکتا تھا۔ " (صفحہ 133)

یگانہ کے استدلال کے بارے میں ڈاکٹر نیر مسعود اپنے مضمون " یگانہ کی چند غیرمعروف تحریریں " میں لکھتے ہیں "اس شعر پر سخت گیر اہل زبان کا اعتراض یہ ہے کہ اس میں لفظ " محرم " جن معنوں میں استعمال ہوا ہے ان معنوں میں عربی اور فارسی میں استعمال نہیں ہوتا لہذا اب یہ ہندوستانی لفظ ہو گیا اور اس مہند صورت میں اس کے ساتھ عربی و فارسی لفظوں کی طرح اضافت یا عطف کا استعمال جائز نہیں۔ یگانہ نے اس استدلال کی مخالفت میں بڑی حد تک فیصلہ کن بحث کرتے ہوئے اس قسم کے مہند لفظوں کے ساتھ عطف و اضافت کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے۔ " (16)

بعد ازاں یگانہ اس امر کی جانب توجہ کرتے ہیں کہ " اساتذۂ عجم نے جب عربی ترکی، ہندی الفاظ کو بجنسہٖ یا کچھ تصرف کر کے اپنی زبان میں داخل کر لیا اور ان پر اپنا

قاعدہ جاری کر دیا تو کیا وجہ ہے کہ زبان اردو باوجود اس بے مائیگی کے غیر زبان کے الفاظ پر تصرّف نہ کرے۔" (صفحہ 134)

یگانہ نے مضمون میں ایسے لفظوں کی ایک طویل فہرست بھی دی ہے جو دراصل فارسی زبان کے لفظ ہیں مگر جن کے فارسی ہونے کا گمان تک نہیں ہوتا کیونکہ یہ الفاظ اور اس قسم کے ہزاروں الفاظ اردو کے روزمرہ میں اس طرح داخل ہو گئے ہیں گویا اردو ہی کے ہیں۔ مضمون کے آخر میں یگانہ بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں " جن الفاظ کو بہ اعتبار معنی و صورت عربی یا فارسی الفاظ سے کچھ بھی مشابہت یا مناسبت یا کوئی تعلق ہو وہ صحت کہے جائیں گے اور ان میں عطف و اضافت مخل فصاحت یا غلط نہ ہو گی ہاں محض ہندی الفاظ جیسے ہاتھ، پانو، آنکھ، ناک وغیرہ قابل عطف و اضافت نہیں ہیں۔ بہ اعتبار معنی و بہ اعتبار قالب جن الفاظ کو عربی یا فارسی سے تعلق و مناسبت ہے ان میں عطف و اضافت ہرگز غلط یا غیر مستحسن نہیں ہو سکتی۔ اس کلیے پر زبان اردو کی اصلاح کا دارو مدار ہے باقی ہر شخص اپنے فعل کا مختار ہے۔" (صفحہ 141)

یگانہ کے اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر ایڈیٹر " نظارہ " نے اپنے نوٹ میں اسے نہایت محققانہ قرار دیا اور لکھا " در حقیقت ایسے مضامین ادب اردو کی ترقی کا باعث ہیں۔" (صفحہ 141) واقعہ یہ ہے کہ یگانہ کا یہ مضمون اپنے مباحث کی وجہ سے نہایت قیمتی اور ترقی پسندانہ مضمون ہے اگرچہ ایڈیٹر " نظارہ " نے اس موضوع پر لکھنے کی دعوت دی مگر اس بحث کو کسی نے آگے نہیں بڑھایا گویا یگانہ کے استدلال کو تسلیم کر لیا گیا۔

(61) " گلستان سعدی اور نکات عروضی " (مطبوعہ " کہکشاں " لاہور، مارچ 1920ء)

(یہی مضمون "چراغ سخن" طبع دوم میں بھی شامل ہے۔راقم نے "چراغ سخن" سے استفادہ کیا ہے۔)

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے مضمون میں " گلستان سعدی " کے اشعار میں مخفی نکات

عروضی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یگانہ کے خیال میں " گلستان ایسی سہل کتاب میں بھی کچھ اشعار ایسے ہیں جن کے اوزان و تقطیع کی نسبت سوال کیا جائے تو شاید فی صدی نہیں فی ہزار پانچ اصحاب ایسے نکل سکیں جو عروض کی کتابیں دیکھنے کے بعد اوزان کا تعین اور تقطیع کر سکیں " (صفحہ 120) مضمون میں " گلستان " کے ایسے بیت منتخب کر کے بحث کی گئی ہے جن میں زحافات کا استعمال پیچیدہ مگر پُرفن تھا۔ یگانہ نے یقین اور اعتماد کے ساتھ سعدی کے اشعار کی بحروں سے بحث کی ہے اور اپنی عروض دانی کا ثبوت دیا ہے۔

(62) " فلسفہ وضع السنہ " (مطبوعہ " مخزن " لاہور، جون 1920ء)

مضمون کے آغاز میں وضع السنہ کی عام فہم تعریف بیان کرتے ہوئے یگانہ لکھتے ہیں " کسی مخصوص شے کو کسی مخصوص لفظ سے پکارنا یعنی کسی مخصوص مسمّی کو کسی مخصوص اسم سے موسوم کرنا غالباً وضع السنہ کا پہلا بنیادی پتھر ہو گا۔ " (صفحہ 50)

مضمون سے یگانہ کے شوق جستجو اور ذوق تحقیق پر روشنی پڑتی ہے۔ اسمائے جنس، اسمائے صفت اور حروف جار کے وضع ہونے کے بارے میں یگانہ نے اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔ اسم جنس اور اسم خاص کا فرق یگانہ انگلستان کے معروف فلاسفر پروفیسر ایڈمس اسمتھ کی ایک نقل تحریر کر کے واضح کرتے ہیں " ایک دھقانی تھا جس کے مکان کے سامنے دریا بہتا تھا مگر وہ دھقانی اس دریا کا نام نہیں جانتا تھا۔ فقط دریا کے نام سے پکارتا تھا غالباً اس نے کوئی اور دریا نہیں دیکھا تھا اس وجہ سے لفظ دریا اس کے نزدیک اسم جنس نہ تھا بلکہ اسم خاص کے حکم میں تھا۔ " (صفحہ 50) حروف جار کے بارے میں لکھتے ہیں " وہ الفاظ جو کسی خاص شے کا علاقہ یا نسبت دوسری شے کے نسبت کرتے ہیں جیسے اوپر، نیچے، اندر، باہر وغیرہ وہ حروف جارہ کہلائے۔ " (صفحہ 53) مضمون کے آخر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے یگانہ لکھتے ہیں " پہلے پہل اسمائے جنس ان کے بعد اسمائے صفت ان کے بعد حروف جارہ وضع ہوئے ہوں گے۔ " (صفحہ 53)

(63) "متروکات کا خبط" (مطبوعہ " عالمگیر" لاہور ، اکتوبر 1933ء)

مضمون میں یگانہ نے لفظوں کو بلاجواز متروک قرار دینے پر احتجاج کیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے متروکات پر بحث کر کے بتایا ہے کہ کہاں تک ترک کرنا لازم ہے اور کہاں تک لازم نہیں ہے۔ یگانہ اس امر کے قائل نظر آتے ہیں کہ اگر جمہور نے لفظوں کو متروک نہ کیا ہو اور وہ برابر مستعمل ہوں تو ایسے لفظوں کو شعر و ادب کا حصہ بنا رہنا چاہئیے۔

(64) " نغمہ گانا " (مطبوعہ " شاعر " آگرہ، مئی 1947ء ۔ طبع مکرر " نقوش" لاہور (ادبی معرکے نمبر (1)) ستمبر 1981ء)

یگانہ نے " نغمہ گانا " کو صحیح قرار دیا ہے جب کہ مولانا صفی اور بے خود دہلوی کا فیصلہ تھا کہ " نغمہ گانا " کوئی محاورہ نہیں کوئی زبان نہیں لہذا غلط ہے یگانہ کا موقف یہ ہے کہ " نغمہ کے ایک معنی تو وہ ہیں جیسے فارسی میں سرود اور اردو میں گانا کہتے ہیں یعنی گانے والے کا عمل موسیقی ۔ اس کے علاوہ علم موسیقی کی اصطلاح میں نغمہ اسے بھی کہتے ہیں جسے اردو زبان میں سُر کہتے ہیں۔ ہر گانے میں کچھ نہ کچھ سر لگتے ہیں مگر سر گایا نہیں جاتا ۔ نغمہ یا گانا گایا جاتا ہے ۔ اردو فارسی ادب میں لفظ نغمہ عام طور پر گانے یا راگ یعنی علم موسیقی کے معنی میں مستعمل ہے۔ اس بنا پر نغمہ گانا صحیح اور بالکل صحیح ہے۔" (شاعر صفحہ 45۔ نقوش صفحہ 476) بحث کے آخر میں یگانہ نے اپنا درج ذیل شعر حوالے کے طور پر تحریر کیا ہے۔

یہ نغمہ درد کون گا سکتا ہے　　　　یہ سوز و گداز کون پا سکتا ہے

(12) سوانحی تحریریں

(65) " یگانہ کی خود نوشت " (مطبوعہ "علی گڑھ میگزین " علی گڑھ 59-1960ء ، 60-1961ء ۔ طبع مکرر " افکار " کراچی ، اکتوبر 1977ء، افکار کراچی نومبر 1977ء)

"خود نوشت" (مرتبہ سید احمد زیدی) اگرچہ یگانہ کے بارے میں براہ راست معلومات

بہم پہنچاتی ہے مگر اس میں سوانحی حصہ بہت مختصر ہے اس سے یگانہ کے بچپن کے شب و روز کا پتہ نہیں چلتا تاہم لکھنو میں ان کی معرکہ آرائی کے ابتدائی ایام کی تفصیل اس میں موجود ہے۔

سید احمد زیدی نے " خود نوشت " کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔ " یہ " خود نوشت " بادامی کاغذ فل اسکیپ سائز پر لکھی ہوئی ہے کل صفحات 74 ہیں، سن کتابت 1914ء سرورق پر جلی ہندسوں میں درج ہے " خود نوشت " سے مرزا کے بچپن سے لے کر لکھنو پہنچنے تک کے حالات کا علم ہوتا ہے۔ " (علی گڑھ میگزین، صفحہ 100) راہی معصوم رضا کا یہ کہنا درست نہیں کہ " یگانہ نے خود نوشت یاس کو 27 جنوری 1917ء میں لکھنا شروع کیا۔ " (17)

" شہرت کاذبہ " سے پتہ چلتا ہے کہ "نشتر یاس" کی اشاعت ، شفق لکھنوی کے مشاعرے میں یگانہ کی ہجو پڑھی جانا اسی مشاعرے میں عزیز کا غزل پڑھنا، عزیز کی غزل پر یگانہ کے اعتراضات کا سیارہ میں شائع ہونا، پہلی عالمی جنگ کا شروع ہونا، سب 1914ء کے واقعات ہیں اسی سال یگانہ اور شعرائے لکھنو کی معرکہ آرائی اپنے عروج پر پہنچی اور روزنامہ " سیارہ " لکھنو میدان کار زار ثابت ہوا۔ یگانہ نے صفی و عزیز کی شاعری پر جو اعتراضات وارد کئے اور اپنے اوپر کئے گئے اعتراضات کے جو جواب روزنامہ "سیارہ" میں شائع کئے وہ سب " خود نوشت " میں درج ہیں گویا جن دنوں " سیارہ " میں عزیز کی غزل پر یگانہ کی نکتہ چینی شائع ہوئی یگانہ نے خود نوشت بھی انہی دنوں تحریر کی شہرت کاذبہ کے مطابق یہ 1914ء کا سال تھا اس لئے خود نوشت کا سال تصنیف 1914ء درست ہے۔

"خود نوشت" کے مندرجات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یگانہ نے " شہرت کاذبہ " کے مواد کی ترتیب میں "خود نوشت" سے بھی مدد لی تھی۔ "خود نوشت" سے یگانہ کے نام و نسب، سنہ ولادت و تعلیم، لکھنو میں آمد ، مشاعروں کی فضا اور معیار پارٹی کے ساتھ ان کی چشمک کی تفصیلات کا علم ہوتا ہے۔ مضمون کا بیشتر حصہ ایسا ہے جس میں یگانہ نے اپنے اشعار پر کئے گئے اعتراضات کے جواب دئیے ہیں۔

یگانہ کے سوانحی مواد کی کم یابی کی صورت میں " خود نوشت " ایک خاص وقت میں یگانہ کے ذہنی رویوں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

(66) " یگانہ چنگیزی " (مطبوعہ " نگار " جنوری فروری 1941ء ، مکرر اشاعت " نگار " پاکستان دسمبر 1986ء)
(یہی مضمون " نقوش " لاہور آپ بیتی نمبر (جون 1964ء) میں بھی شائع ہوا۔)

مختصر سوانحی مضمون میں یگانہ نے اپنے سلسلۂ نسب کو چنگیز خاں سے ملایا ہے۔مضمون میں یگانہ نے لکھنو میں اپنی شادی ہونے (1913ء) تک کے حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ یگانہ نے 1905ء کو لکھنو میں اپنی آمد کا سال لکھا ہے۔(نگار، 1941ء، صفحہ 197) جب کہ خود نوشت میں انہوں نے 1906ء درج کیا تھا راقم السطور نے دونوں تحریروں کا تجزیہ کر کے " حیات یگانہ " کے باب میں اپنی رائے ظاہر کر دی ہے۔

(67) " کلیات صائب کی جلد کے اوراق پر غیر مطبوعہ سوانحی اشارے "

" کلیات صائب " یگانہ کے سفر و حضر کا ساتھی تھا اس کی جلد کے اوراق پر بعض نہایت قیمتی سوانحی اشارے تحریر ہیں۔ایک ورق پر یگانہ نے اپنی تاریخ پیدائش یوں درج کی ہے " ولادت میرزا واجد حسین یگانہ 17 اکتوبر 1884ء، 27 ذی الحجۃ 1301ھ " ایک صفحے پر درج ہے " ملک کے ارباب ادب کو چاھئیے تھا کہ وہ میرزا یگانہ کی ادبی تنقیدوں کو ایسی نظر سے دیکھتے اور یہ سوچتے کہ میرزا یگانہ غالب یا اقبال پر تنقید کر کے خود کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرنا چاھتے تھے یا محض ادب کی اصلاح و ترقی مقصود تھی۔ " ایک اور صفحے پر یہ عبارت تحریر ہے " ھمیں اپنے سیرت پر بھروسا ہے ہم ہیں تو مسلمان مگر ھمارا اسلام وہ نہیں ہے جو مسلمانوں کا ہے۔اسلام سے زیادہ ھمیں اپنی سیرت عزیز ہے۔ " اسی صفحے پر حکیم سید تقی حسین صاحب کے تجویز کئے ہوئے یگانہ کے تنفس، دمہ و کھانسی کے علاج کے لئے چار الگ الگ نسخے بھی درج ہیں ایک نسخے پر جون 1952ء لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اسی صفحے پر وہ تحریر بھی درج ہے

جس میں ہوائی جہاز کے ذریعے کراچی سے دھلی کے سفر اور چاندنی چوک میں گھومنے کا ذکر ھے۔ یہ تحریر باب دوم میں نقل کی جا چکی ھے۔ ایک صفحے پر رقم ھے " یگانہ کی زندگی ایک کامیاب زندگی ھے کیوں؟ اس لئے کہ کبھی زندگی بھر پچھتاوا نہیں ھوا جو کچھ کیا دیانت کے ساتھ کیا اور کبھی اپنے مقام سے جنبش نہیں کی اپنے مرکز پر قائم رھے۔" ایک دوسرے ورق پر یگانہ نے اپنی مہر ثبت کی ھے اور جلی حروف میں " میرزا واجدحسین یگانہ لکھنوی عثمان آباد دکن 8 جون 1928ء " تحریر کیا ھے۔ غالباً "کلیات صائب "کی تاریخ خرید لکھی ھے۔ اسی ورق پر درمیان میں اپنے دستخط کئے ھیں جس کے نیچے 15 $\frac{1}{42}$ یادگیر دکن اور $4\frac{1}{2}$ A.M. درج ھے۔ ان اوراق پر یگانہ نے جابجا اپنے اشعار، رباعیاں، اپنے احباب کے پتے اور اخبارات کے مضامین سے اقتباس تحریر کئے ھیں۔ سال وفات جناب رسالت مآب صلعم، سال شہادت حضرت علی کے علاوہ صائب کے کلیات سے اپنے پسندیدہ اشعار لکھنے کے علاوہ سودا، غزالی اور مشہدی کے اشعار درج کئے ھیں اپنی کچھ غیر مطبوعہ رباعیاں بھی رقم کی ھیں۔

(13) تــرجــمــہ

(68) "طوفان زندگی" (مطبوعہ " نیرنگ خیال " لاھور، اپریل 1941ء)

" طوفان زندگی " ایک حقیقی شاعر سیوج (SAVAGE) کی زندگی کے ھچکولوں کی کہانی ھے جسے ڈاکٹر جانسن نے تحریر کیا تھا۔ یگانہ کا مضمون اسی سوانح عمری کا خلاصہ ھے۔ جس کا ترجمہ بھی یگانہ نے کیا ھے۔ یگانہ کا اسے ترجمہ کرنا ظاھر کرتا ھے کہ انہیں سیوج کی زندگی میں اپنے حالات کا کڑوا اور کسیلا پن دکھائی دیا تھا۔ یگانہ کا یہ ترجمہ ان کی اس میدان میں صلاحیت کا پتہ دیتا ھے۔ ان کے ترجمے کی زبان اصلیت سے قریب ھے۔ مثال کے طور پر چند اقتباس دیکھیے " جن لوگوں کو دماغی عظمت حاصل ھے انہیں اپنی دماغی عظمت کا بہتر ثمر ملنا چاھئیے یعنی مسرت" (صفحہ 17) " میدان تمدن و ادب کے ھیرو بڑے بڑے کار نمایاں کرتے رھے ھیں مگر تاریخ کے دفتر اھل کمال کی نامرادانہ زندگی اور ان کی قبل از وقت موت کے

تـذکروں سے بھرے پڑے ھیں۔" (صفحه 17)

(14) خـطـوط یـگانـه

یـگانه کے خطوط ان کی فـعال اور توانا شخصیت کا عـکـس ھیں۔عـمـر بھر کی تنگ دستی اور تنہائی کے نتیجے میں ان کے اندر شکست خوردگی اور ھزیمت کے احساس کو پیدا ھونا چاھئیے تھا مگر ایسا نہیں ھوا انھوں نے ایک حد تک اپنی تنہائیوں کو روحانی جذب و کیف سے سجانے کا اھتمام کیا تھا۔ رباعی کے باب میں راقم السطور نے ان کی چند رباعیـوں اور خطوط کا حواله دیا تھا جن میں انتـظار کا مفہوم نکلتا ھے۔ان کی بعض رباعیاں پڑھ کر یوں لگتا ھے جیسے وہ بھی سوز ہجر سے جل رھے ھیں۔ اسی کیفیت نے یـگانه کے فن میں جذبۂ دل کی تاثیر پیدا کی ھے۔ یوں ان کی متـلاطم زندگی میں سکون رھا اور وہ غمـوں کا ماتم کرنے سے بچ گئے۔ یـگانه کے فن میں صورت غم اور نشاط سخن اس طرح یکجا ھو گئے ھیں که اس سے زندگی کی گہری معنویت کا احساس ابھرتا ھے۔نشاط سخن غم کی وہ بہجت آمیـز دُھن ھے جسے یـگانه نے فن کے ساز پر چھیڑا تھا اور جس سے ان کے یہاں سعادت نظیر کے لفظوں میں " نشاط انگیز غنائیت " (18) نے جنم لیا تھا۔

یـگانه کو جاننے کے لئے ان کے فن کے ساتھ ان کی ایسی تحریروں میں بھی جھانکنا چاھئیے جن کو انھوں نے مخاطبے کا ذریـعه بنایا تھا۔ خطوط بھی شعر کی طرح مکالمے کا ذریـعه ھـوتـے ھیں دونوں میں کسی نه کسی طور ذات نمایاں ھوتی ھے۔ یـگانه کا زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر جامـد اور سکونی نہیں تھا۔ خطوط میں ان کی وہ شخصیت نظر آتی ھے جو ھر طرح کے حالات کا مقابله کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی یہی نہیں یـگانه کی گھریلو زندگی کا برتاؤ (BE-HAVIOUR) اور حسن عمل کا انداز ان کے خطوط میں نمایاں ھوا ھے۔ یـگانه کے اپنے بیوی بچوں کے نام چند خطوط کے اقتباس درج ذیل ھیں۔(تمام خطوط غیر مطبوعه ھیں) 24 اپـریـل 1950ء (بلند اقبال کے نام) " زندگی ایسی بر حقیقت چیز نہیں ھے که تلخ کر لی جائے دوسروں

کی بے مروتی کی بدولت" (لکھنو)-29 مئی 1950ء (بلند اقبال کے نام) "27 مئی کو عاصرہ بیگم سلمہا اپنے میاں کے ساتھ موسیٰ نگر (کانپور) روانہ ہو گئیں خدا کا شکر ہے کہ لڑکیاں اپنے اپنے ٹھکانے سے ہو گئیں خدا سب کو خوش رکھے اب لکھنو ہے اور ہم دو میاں بیوی"(لکھنو)۔

12 اگست 1952ء (حیدر بیگ کے نام) " اب جب کہ میں تنہا رہ گیا ہوں ریڈیو بھی آ گیا تھوڑی دیر دل بہلا لیتا ہوں مگر دھیان تو ہر وقت تمہاری اماں کی طرف ہے وہ آ جائیں تو اس قید تنہائی کی مصیبت دفع ہو۔" (لکھنو)

22 اگست 1952ء (بیگم کے نام) " میرے ہاں عید وید تو ہوتی نہیں ہاں اس سال خدا نے دو عیدیں دکھائیں ایک تو میرا یہاں واپس آ جانا دوسری عید ببا کا نوکری پر بحال ہو جانا اللہ اکبر دس بچے دو میاں بیوی ایک ماں اور بہن اتنے دم کی روٹی چلانا سات مہینے تک! خیر خدا نے بیڑا پار لگا دیا۔" (لکھنو)-12 دسمبر 1952ء (آغا جان کے نام) " مجھے امید ہے نہ تمہاری بحو نہ تم اور حیدر بیگ دونوں بھائی اس بات کو پسند کرو گے کہ آخری وقت میں ہم دونوں اس طرح جدا ہو جائیں میرے زیادہ دنوں تک زندہ رہنے کا اب کوئی قرینہ نہیں ہے۔سانس کا کھیل بگڑ چکا ہے۔سینہ میں طاقت باقی نہیں رہی۔" (بمبئی)-10 جون 1953ء (حیدر بیگ کے نام) " تمہاری اماں کی صحت الحمدللہ درست ہے بہت دعائیں دیتی ہیں۔آغا جان سے ناراض ہیں خیر میں نے سمجھا بجھا دیا تم نے بھی خط میں اون کا نام آغا جان لکھ دیا اضطراری حالت میں - خیر - مگر نہیں اونہیں جس طرح بھیا کہتے ہو وہی لکھا کرو تمہارا خط دکھے ہوئے دل کے لئے مومیائی کا کام کرتا ہے بڑی طاقت پہونچتی ہے۔" (لکھنو)

31 اکتوبر 1953ء (حیدر بیگ کے نام) " مریم صاحب کا خط کئی مہینے سے نہیں آیا۔ معلوم نہیں وہ کیسی ہیں۔وہیں بھوانی پیٹھ پروفیسر سید ابن علی کے نام سے خط لکھو تو ضرور پہونچ جائے گا۔" (لکھنو)

یگانہ کے آخری ایام کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے نجی غموں، محرومیوں ، تنہائی

اور بیماری کا ذکر اور موت سے ہم کنار ہونے کی مسلسل خواہش ان کے ذہن پر مستولی ہے۔یہ آرزوئے مرگ ان کی غزلوں میں بھی ملتی ہے لیکن وہاں وہ ایک شعری تجربے کی صورت ہے جس میں فلسفیانہ جہت موجود ہے مگر خطوط میں ان کا ذاتی احساس نمایاں ہے۔ آغا جان کے نام لکھے گئے ایک خط سے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے موت کی پرچھائیں ان کے تعاقب میں ہے اور وہ زندگی کی آخری حد پھلانگنے ہی والے ہیں۔ یگانہ لکھتے ہیں (13 اکتوبر 1955ء) " میں اپنا حال کیا لکھوں کیوں کر سمجھاؤں کوئی میرے پاس نہیں خدا زکیہ بیگم اور بھائی نثار حسین کو خوش رکھے مجھے سنبھالے ہوئے ہیں بقدر امکان۔ مگر بیمار کے پاس جو زندگی کے دن گن رہا ہو کوئی تیماردار نہیں تو رات کیوں کر؟ " (لکھنو)[19]

یگانہ کا سلسلۂ مراسلت اپنے احباب سے آخری وقت تک برقرار رہا ان کی عمر کے آخری حصے میں ان کے خطوط کے چھپنے کی نوبت بھی آ گئی تھی۔ جب من موہن تلخ نے اپنے نام لکھے گئے یگانہ کے خطوط ماہنامہ " ساقی " کراچی میں شائع کرا دئیے تھے۔ اس سے پہلے ساقی دھلی (فروری 1932ء) ساقی دھلی (مئی 1934ء) " عالمگیر " لاہور (اپریل 1933ء) " ھمایوں " لاھور(جون 1951ء) میں یگانہ کی زندگی ہی میں ان کے مراسلے شائع ہو چکے تھے۔ یگانہ کی وفات کے بعد " الحمرا " لاھور (اگست 1956ء) " نقوش" لاھور کے مکاتیب نمبر، حصہ دوم (نومبر 1957ء) " کارواں " کراچی (جولائی 1959ء) " آج کل " دھلی (جنوری 1962ء) اورینٹل کالج میگزین لاھور (فروری 1964ء) "نقوش" لاھور خطوط نمبر، حصہ اوّل(اپریل مئی 1968ء) تخلیقی ادب(2) کراچی (1980ء، پچانوے خطوط)[20] اور " مشاھیر کے خطوط بنام مسعود حسن رضوی ادیب" (1985ء ، گیارہ خطوط) میں یگانہ کے خطوط طبع ہوئے ان خطوط کے علاوہ یگانہ کے تین طویل خطوط بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ایک مکتوب " غالب شکن " کے عنوان سے دوسرا " شعرائے حال میں یگانہ کا درجہ " (مطبوعہ " نیرنگ خیال " نومبر 1942ء) اور تیسرا " غالب ایک گونگا شاعر"(مطبوعہ " نقوش " لاھور، غالب نمبر،فروری 1969ء) کے عنوان سے طبع ہوئے ۔ تینوں طویل خطوط باب ھفتم (یگانہ کے ادبی معرکے) میں زیر بحث

آ چکے ہیں۔

یگانہ نے اپنے احباب میں مسعود حسن رضوی ادیب ، مالک رام اور دوارکاداس شعلہ کے نام پابندی سے خطوط تحریر کئے ہیں۔ دل شاہجہاں پوری ، ضیاء احمد بدایونی اور مولوی الطاف حسین سے بھی ان کی خط وکتابت رہی۔ ضیا احمد بدایونی کو یگانہ نے 12 دسمبر 1924ء کو جو خط اٹاوہ سے تحریر کیا وہ ان کی پریشانیٔ روزگار کا حوالہ ہے۔نول کشور پریس لکھنو کی ملازمت سے برخاست کئے جانے کے بعد لکھنو میں ان کے تنگیٔ ایام کی روداد اس خط میں ملتی ہے خط کے آخر میں لکھتے ہیں " واللّٰہ ناعاقبت اندیش لکھنویوں نے اپنا نامۂ اعمال کس قدر سیاہ کر لیا ہے۔ بیرون جات کے جو لوگ ان لکھنویوں کے زیر اثر اور ان کے دام فریب میں مبتلا ہیں وہ میری طرف سے کیسی کیسی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ کاش میری سوانح عمری کا صحیح مرقع اہل وطن کے سامنے پیش ہوتا اگر میری سوانح عمری صحیح طور پر نہ لکھی گئی تو اردو کی ادبی تاریخ پر میں نہیں کہہ سکتا کتنا بڑا ظلم ہو گا۔ " (20)

یگانہ کی ہمیشہ ایک تمنا یہ بھی رہی کہ انہیں کوئی اچھا نقاد مل جائے جو ان کے فن پر جڑھے ہوئے تعصبات کے غلاف نوچ ڈالے۔ مسعود حسن رضوی ادیب کے نام ایک خط میں انہوں نے بڑی حسرت سے لکھا تھا (21 دسمبر 1936ء) " میں کہہ نہیں سکتا کہ مجھے کوئی (FITZ-GERALD) ملے گا تو کب ملے گا۔ " (21) مالک رام کے نام ان کے خطوط سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی یادداشتیں قلم بند کرنا چاہتے تھے۔(22) مگر زندگی کے آخری سالوں میں یگانہ ذہنی طور پر اتنے پریشان اور جسمانی طور پر اتنے بیمار رہے کہ انہیں اپنی سوانح عمری مرتب کرنے کا ہوش ہی نہ رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اب حالات کا مقابلہ کرنے کی تاب ان میں باقی نہیں رہ گئی تھی۔جب تک ان کا اپنے آپ پر اختیار رہا وہ زور دکھاتے رہے مگر اب وہ کس بل باقی نہیں رہا تھا اور وہ اپنی شکست کی آواز معلوم ہونے لگے تھے۔ من موہن تلخ نے اپنے نام یگانہ کے خطوط " ساقی " کراچی میں شائع کرائے تو انہوں نے خطوط کی تیسری قسط کے ساتھ یہ نوٹ بھی لکھا

" میں نے بارہا میرزا کو اکسایا کہ وہ کوئی مضمون لکھ دیں کسی ادبی بحث میں الجھیں۔یہاں کی مقامی ادبی بحثوں کا حوالہ دیا لیکن سب بے سود۔ میں میرزا کے مزاج سے آشنا ہوں اور اپنی حدوں میں رہ کر انہیں کچھ نہ کچھ کہنے پر مجبور کرتا رہا کبھی رباعیات، کبھی کوئی غزل اور ان خطوط میں میری رائیگاں کوشش بڑی واضح طور پر جھلکتی ہے۔"(23) تلخ کے نام ایک خط میں یگانہ خلاف معمول مصلحت اندیشی کی تعریف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ (24 جون 1954ء) " میں نے اس فقرے کا لطف اٹھایا " ورنہ میرا ہاتھ اس کے منہ پر جا پڑتا یہ میری زندگی کا پہلا اور آخری موقع تھا کہ میں مصلحت اندیش نکلا " شاباش یہی چاہئیے تھا PRUDENCE IS BETTER PART OF VALOUR " (شاہ گنج لکھنو)(24)

یگانہ کے خطوط کا ایک کثیر حصہ ایسا ہے جن میں علمی و ادبی بحثیں چھڑ گئی ہیں ان خطوط میں یگانہ نے اپنے احباب کی تخلیقات، نظم و نثر پر اپنی رائے ظاہر کی ہے ان میں کچھ خطوط تو ایسے ہیں جو یگانہ کی زندگی میں شائع ہو گئے تھے کچھ ان کی وفات کے بعد شائع ہوئے اور کچھ ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔

قاضی امین الرحمان صدیقی نے 1921ء میں یگانہ کو ایک قطعۂ تاریخ بغرض اصلاح بھیجا تھا ذیل میں قاضی امین الرحمان صدیقی کا قطعہ تاریخ اور یگانہ کے خط سے اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

حادثۂ غمگین ملیبار

جون 1931ء

چو بیدم بماندند از حبس دم — بیک لحظہ هفتاد اسیران ظلم

بلوح سر مدفن ایں گروہ — ببابد نبشتن " شهیدان ظلم " (25)

1340ھ

یگانہ لکھتے ہیں " اگرچہ فن تاریخ گوئی میں مجھے ذرا بھی دخل نہیں ہے میں اس سے کوسوں بھاگتا ہوں مگر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ آپ نے مادہ تاریخ بہت خوب صورت نکالا ہے " شہیدان

ظلم " اگرچہ بجائے خود جامع لفظ ہے مگر آپ نے پہلے دو مصرعوں میں واقعات کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔میرے خیال میں قطعہ نہایت خوب ہے اسے شائع کر دیجئے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی آپ نے سرخی سے سن عیسوی نکالا ہے یہ بھی برا نہیں ممکن ہے کہ بعض لوگ " حادثۂ غمگیں " کی ترکیب پر شبہ ظاہر کریں مگر یہ شبہ قابل توجہ نہ ہو گا۔ " (26)

" عالمگیر " لاہور میں (اپریل 1933ء) ملاحظات کے مستقل کالم میں ایڈیٹر عالمگیر کے نام یگانہ کا ایک خط شائع ہوا تھا جس سے فنون لطیفہ کی ایک اور شاخ مصوری سے یگانہ کی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے یگانہ لکھتے ہیں " عالمگیر کا عید قربان نمبر رنگا رنگ دلآویزیوں کے ساتھ پہنچا۔ " حیات تازہ " کے نام سے ماسٹر اللہ بخش صاحب کا جو شاہکار شائع ہوا ہے اس نے خدا جانے کتنے اہل دل کو ہلا ڈالا ہو گا۔میری طرف سے مصور کے ہاتھ چوم لیجئے۔ "
(لاتور دکن)

یگانہ نے مسعود حسن رضوی ادیب کی تصنیف " ہماری شاعری " کے بارے میں جو خطوط ادیب کو لکھے وہ ہماری شاعری پر تبصرے کی حیثیت رکھتے ہیں درج ذیل خطوط سے پہلے خط کا اقتباس ادیب نے " ہماری شاعری " کے تیسرے ایڈیشن (1935ء) اور پہلے اور دوسرے خط کے اقتباس چوتھے ایڈیشن (1944ء) کے آخر میں مشاہیر کے تبصروں اور آرا کے ساتھ شائع کئے۔ خطوط سے اقتباس درج کئے جاتے ہیں۔

(یکم فروری 1935ء) " اردو اور فارسی شاعروں کو صحیح طور پر سمجھنے اور صحیح روشنی میں دیکھنے کے لئے ایک خاص معیار قائم کرنا پڑے گا اور یہ معیار " ہماری شاعری " میں قائم کر دیا گیا ہے۔ "

(20 فروری 1935ء) " آپ کی اس تصنیف نے شعر فہمی کی بہت سی راہیں کھول دی ہیں جن کی بدولت ایک صحیح المذاق بہت کچھ ترقی کر سکتا ہے۔ "

یگانہ نے ایک خط سبلو دکن سے دل شاہ جہاں پوری کو تحریر کیا تھا۔یگانہ کا یہ

خط اپنے مواد اور مبحث کے اعتبار سے اھمیت کا حامل ھے۔ اس خط کو فضا جالندھری نے یگانہ کی وفات کے بعد " الحمرا " لاھور(اگست 1956ء) میں شائع کرایا۔ خط میں یگانہ نے دل شاہ جہاں پوری کی غزل (مطبوعہ " رھنمائے تعلیم " لاھور، مئی 1938ء) کے درج ذیل شعر پر بڑا بامعنی اعتراض کیا تھا، شعر ھے

فضا میکش، صبا میکش، نگہ ساقی کی خود میکش رھیں گی تشنۂ بادہ مری انگڑائیاں کب تک

یگانہ لکھتے ھیں " (17 مئی 1938ء) " میں نے جگر کے مندرجہ ذیل شعر پر ایک مرتبہ اپنا خیال ظاھر کیا تھا وھی آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ھوں اس سے آپ کھیں یہ نتیجہ نہ نکال لیں کہ جگر مرادآبادی کے لئے جن الفاظ سے میں نے کام لیا ھے وھی آپکے لئے کھوں گا

شباب میکش، جمال میکش، خیال میکش، نگاہ میکش خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی انھیں خود اپنی خبر نھیں ھے

خوش گوئی اور خوش گلوئی اور بات ھے صاحب فن ھونا اور بات ھے۔ الفاظ کی قطار اتنی لمبی اور معنویت کے اعتبار سے عامیانہ ۔ کس برتے پر ایسے لوگ ارباب ادب میں شمار کئے جا سکتے ھیں جو یہ نھیں جانتے کہ مست کس محل پر آتا ھے اور میکش، مے نوش، مے خوار کس محل پر۔ مترادف الفاظ کے مختلف محل صرف ھوتے ھیں اس شعر میں جگر نے چاروں جگہ مست کے بجائے میکش لکھ دیا ھے ... میرے پیارے دل برا نہ ماننا میں نے اپنی رائے ظاھر کر دی ھے آپ کو بھی اپنی رائے پر قائم رھنے کا حق حاصل ھے۔ " (سیلو دکن، صفحہ 56) یگانہ نے شعر پر اعتراض خلوص و محبت کی راہ سے کیا تھا اس کا اثر بھی دونا ھوا یگانہ کے خط کے ساتھ دل شاہ جہاں پوری کا یہ نوٹ بھی شائع ھوا " جناب جگر بھی میرے مخلص دوست ھیں اور جناب یگانہ بھی قدیمی دل نواز و مکرم میں نے موصوف کی تنقید پر بے تکلف مصرع اولیٰ کی ترمیم کر دی شعر

صبا بے خود، فضا سرشار، ساقی غرق مدھوشی رھیں گی تشنۂ بادہ مری انگڑائیاں کب تک

۔ (1) شاہ جہاں پوری " (صفحہ 56)

یگانہ کے مذکورہ بالا خط سے پتہ چلتا ھے کہ وہ اپنے دوستوں کے کلام پر بلاتکلف اپنی رائے دیا

کرتے تھے۔ معروف شاعر راغب مرادآبادی نے راقم کو اپنی ایک نظم " زمین کربلا " کی نقل ارسال کی ہے۔یہ نظم راغب نے 1940ء میں کہی تھی اور یگانہ کی رائے معلوم کرنے کے لئے یگانہ کو بھیجی تھی ۔ یگانہ نے ضروری اصلاح کے بعد یہ نظم اپنے خط کے ساتھ راغب کو واپس بھیج دی تھی ۔ راغب مرادآبادی نے اس نظم کو " بطور تبرک و سند افتخار "(27) اپنے پاس محفوظ کر رکھا ہے۔

" ھمایوں " لاھور (جون 1951ء) میں میر کے ایک شعر کی تصحیح کے سلسلے میں دل محمد فضا جالندھری کے نام مشاھیر ادب کے خطوط شائع ھوئے تھے۔یگانہ کا خط بھی ان میں شامل تھا۔یگانہ لکھتے ھیں " میر تقی میر علیہ الرحمتہ کے جس شعر کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ھے میرے خیال میں وہ حسب ذیل طریقہ سے پڑھا جائے گا

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو جا پڑا یکسر وہ استخواں شکستوں سے چور تھا

یگانہ "

تمام مشاھیر نے " جا پڑا " اور " استخواں شکستوں سے چور تھا " کو فصیح تسلیم کیا تھا۔

یگانہ کی ایک مطبوعہ غزل کی بحر پر نفیس مینائی بنگلوری نے اعتراض کیا تو یگانہ نے انہیں خط میں لکھا (19 ستمبر 1942ء) " بحر متقارب و متدارک کے بعض زحافات کے خلط باھمی کو میں نے جائز سمجھ لیا ھے۔ایک وہ ھوتے ھیں جو جان بوجھ کر بعض زحافات کے خلط باھمی کو جائز قرار دے لیتے ھیں اور ایک وہ ھوتے ھیں جو بے سمجھے بوجھے ایک وزن سے دوسرے وزن میں بھٹک جاتے ھیں ان دونوں میں فرق ھے۔ " (یادگیر دکن) (28)

جن خطوط کا تذکرہ سطور بالا میں ھوا ان میں یگانہ کی فعال اور مستعد شخصیت کی جھلکیاں دکھائی دیتی ھیں ان خطوط میں وہ بحثوں میں الجھے ھوئے شعر و سخن کی راہ سے احباب کے حوصلے بڑھاتے ھوئے اور انہیں داد دیتے ھوئے ایک عملی آدمی نظر آتے ھیں وہ دوستوں کی تخلیقات میں معائب کی نشان دھی محبت اور خلوص سے کرتے تھے ان کے دلائل عموماً مضبوط ھوتے تھے۔

ذاتی دوستوں کے نام یگانہ کے خطوط میں ان کی شخصیت کی تمام پرتیں موجود ہیں۔ خاص طور پر دوارکاداس شعلہ کے ساتھ یگانہ کا تعلق مثالی چیز بن گیا ہے۔ شعلہ کے نام یگانہ کے خطوط میں 1928ء کے بعد سے یگانہ کے انتقال کے چند ماہ قبل تک کے شب و روز کی تفصیل موجود ہے۔ بہر صورت یگانہ کے خطوط اہل خانہ کے نام ہوں یا اہل فن کے نام، مشاہیر کے نام ہوں یا احباب کے نام، تمام خطوط میں ان کی غیر معمولی شخصیت کی تہیں کھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ یگانہ کے مزاج کی ساخت میں بوئے خودی نے جو کردار ادا کیا اس کی تفصیل بھی ان خطوط میں موجود ہے اور ذاتی الجھنوں اور پریشانیوں کا تذکرہ بھی عام ہے ان کے معرکوں کی صدائے باز گشت بھی سنائی دیتی ہے اور ان کے لمحہ حال کی بے بسی (جسے ظاہر ہونے سے روکنے کی انہوں نے حتی الوسع کوشش کی) اور مستقبل کے اندیشوں کا دھندلا سا عکس بھی دکھائی دیتا ہے۔ ان خطوط میں یگانہ کا نفس کہیں غالب ہے اور کہیں مغلوب ، کہیں وہ انانیت، خود پسندی اور احساس برتری کا مجسمہ ہیں کہیں جاں سپاری تواضع اور انکساری کی شبیہہ۔ کہیں مسلسل تگ و دو اور دوڑ دھوپ کر رہے ہیں تو کہیں قناعت ، دل جمعی اور بے نفسی کا مرقع دکھائی دیتے ہیں۔

یگانہ کے خطوط کی ایک نمایاں خصوصیت احوال واقعی کا بے تکلف اظہار ہے۔خطوط کا اسلوب انتہائی سادہ ہونے کے باوجود دل نشیں ہے۔ غالب کی طرح بستر مرگ پر بھی انہوں نے خطوط نویسی کا سلسلہ جاری رکھا۔ان کے خطوط میں " دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ " کا انداز دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کچھ یونہی نہیں کہا تھا کہ

ع غالب ہیں یگانہ، یگانہ غالب

باقر حسنین رضوی کے نام لکھے گئے یگانہ کے خط کا اقتباس ملاحظہ کیجئے ۔

(5 ستمبر 1955ء) " اللہ اللہ میرے پیارے باقر حسنین رضوی میرے سامنے آئے ہیں اتنے دنوں بعد تو اپنا اتا پتا بتا کر اپنے تئیں پہچنوا رہے ہیں۔ زیبا کے بھائی ، دانش محل کی ادبی صحبت، مولانا رشید ترابی کے ہاں ملاقاتیں، المنتظر کی ایڈیٹری وغیرہ کیا ہیں۔ اب اتنا امجا ہے ۔۱۴

ھوں قطب مینار سے بھی اونچا کہ شاید اونھیں پہچان نہ سکوں۔ " (پیلا مکان شاہ گنج لکھنؤ) (29)

ان کی یہ تحریریں خود اعتمادی، بغاوت، بے خوفی، جرأت مندی، بے باکی اور تیور جیسے جوھروں سے مزین ھیں، ان سے پتہ چلتا ھے کہ یگانہ نے شعلۂ حیات کی سرکشی اور بے تابی کو کبھی سرد نہیں ھونے دیا۔

حــواشــی

1- بحوالہ مضمون " میرزا یــگانہ کی شاعری "،مطبوعہ تخلیقی ادب(2)، صفحہ 365

2- بحوالہ مضمون " چند بڑے ادیب "،مطبوعہ " نقــوش" (لاہور نمبر)، صفحہ 1080

3- بحوالہ مضمون " یــگانہ کے مــعرکے "،مطبوعہ " شاعر " بمبئی ، ستمبر 1985ء، صفحہ 79

4- بلند اقبال بیگم سے راقم کی ملاقات،مورخہ 10 نومبر 1984ء

5- بحوالہ ڈاکٹر نیر مسعود کا مضمون " میرزا یــگانہ(بہ حوالہ ادیب) "،مطبوعہ دو ماہی " اکادمی " لکھنو، جنوری فروری 1985ء، صفحہ 22

6- بحوالہ ڈاکٹر نیر مسعود کا مضمون " یــگانہ کی چند غیر مــعروف تحریریں "،مطبوعہ دوماہی " اکادمی " لکھنو، جنوری فروری 1986ء، صفحہ 59

7- اسی مضمون سے ایک طویل اقتباس عبد الماجد دریاآبادی کے سہ روزہ " صدق " لکھنــو (9 جون 1945ء، صفحہ 2) میں شائع ہوا۔

8- بحوالہ بلند اقبال بیگم کا مضمون " بھائی ابا "،مطبوعہ تخلیقی ادب (2)،صفحہ 398

9- بحوالہ خطوط مشاہیر بہ نام مسعود حسن رضوی ادیب، صفحہ 449

10- یــگانہ نے عرفی کے دیوان کے جس مطبوعہ نسخے کی تصحیح کی ہے اس کے مطبع کا نام نہیں دیا۔

11- بحوالہ دو ماہی " اکادمی " لکھنو، جنوری فروری 1986ء، صفحہ 78

12- بحوالہ خطوط بے خود ، صفحہ 48، مرتبہ سید زائر حسین کاظمی ، مطبوعہ سرفراز پریــس لکھنو، 1977ء

13- لکھنو کے مشہور تاجر کتب جنہیں یــگانہ نے تنگ دستی کے عالم میں " ماثر الکرام " فروخت کی تھی۔ نیر مسعود کے مضمون " میرزا یــگانہ(بہ حوالہ ادیب) " کے مطابق یہ کتاب آج کل مسعود حسن رضوی ادیب (مرحوم) کے کتب خانے میں ہے۔

14- یــگانہ کے کچھ مــذہبی مضامین " سفینہ " لاہور اور " ہمہ دان " لاہور(35-1936ء) میں شائع ہوئے مگر یہ رسائل دستیاب نہ ہو سکے۔ راہی مــعصوم رضا نے اپنی تصنیــف " یاس یگانہ چنگیزی " کے آخر میں بنیادی مصادر کی فہرست میں ان مضامین کا ذکر کیا ہے مگر انہیں بھی یہ رسائل فراہم نہ ہو سکے۔

15- اصل مسودہ بلند اقبال کے پاس محفوظ ہے مسودے کے آخر میں یگانہ کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مضمون انہوں نے سیلو (دکن) میں 5 دسمبر 1940ء کو تحریر کیا تھا۔

16- بحوالہ دو ماہی " اکادمی " لکھنو، جنوری فروری 1986ء ، صفحہ 70

17- بحوالہ یاس یگانہ چنگیزی ، صفحہ 15

18- بحوالہ مضمون " یاس یگانہ کی رجائیت "،مطبوعہ " سب رس" کراچی ، فروری مارچ 1979ء، صفحہ 22

19- بحوالہ " نقوش" لاہور(خطوط نمبر(1))،مطبوعہ اپریل مئی 1968ء، صفحہ 256

20- بحوالہ " نقوش" لاہور (مکاتیب نمبر حصہ دوم)،مطبوعہ نومبر 1957ء، صفحہ 701

21- بحوالہ خطوط مشاہیر بہ نام سید مسعود حسن رضوی ادیب، صفحہ 449

22- تفصیل کے لئے دیکھیے " نقوش" لاہور (مکاتیب نمبر، حصہ دوم)،مطبوعہ نومبر 1957ء

23- بحوالہ " ساقی " کراچی ، مطبوعہ اگست 1955ء، صفحہ 39

24- ایضاً ، صفحہ 40

25- بحوالہ " نوادر ادب "،مطبوعہ اورنٹئل کالج میگزین لاہور، فروری 1964ء، صفحہ 49

26- ایضاً، صفحہ 51

27- راغب نے یہ الفاظ راقم کے نام اپنے ایک خط محررہ 24 نومبر 1984ء میں تحریر کئے۔

28- بحوالہ " چند گراں مایہ خطوط (بنام حضرت نفیس) "،مطبوعہ " آج کل " دہلی ، جنوری 1962ء، صفحہ 38

29- غیر مطبوعہ خط۔اصل خط باقر حسنین رضوی نے راقم کو عنایت کیا۔

باب نہم

یگانہ کی مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کا اجمالی جائزہ

یگانہ کی مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کا اجمالی جائزہ حسب ذیل ہے۔

(1) نشتر یاس (حصہ اوّل)[1]

" نشتر یاس" یگانہ کا پہلا شعری مجموعہ کلام ہے جو 1914ء میں لکھنو سے شائع ہوا۔
صفحات کی تعداد چالیس ہے۔ اس کی تقطیع کا سائز $\frac{24 \times 36}{16}$ ہے۔ اور اس کی قیمت آٹھ آنے
ہے اسے مطبع نورالمطالع لکھنو نے طبع کیا۔ نشتر یاس کی لوح پر یگانہ کا یہ شعر درج ہے

اثر پیدا کیا چاہو سخن میں طرز دلکش سے
تو انداز بیاں سیکھو انیس و میر و آتش سے

صفحہ اوّل پر یگانہ نے اپنے آپ کو " خاکپائے آتش" لکھا ہے۔ " ماہیت شاعری " کے عنوان سے مجموعے
کا پیش لفظ لکھتے ہوئے انہوں نے آتش کو واضح طور پر اپنا روحانی مرشد تسلیم کیا ہے(صفحہ ی)

" نشتر یاس" کے ابتدائی صفحات پر جن اساتذۂ لکھنو کی آراءٔ شائع کی گئی ہیں ان
میں انجم لکھنوی (شاگرد اسیر) محمد جعفر اوج(خلف دبیر) سید محمد کاظم جاوید(خلف امید)
پیارے صاحب رشید (نبیرۂ میر انیس) عارف(نبیرۂ میر نفیس) اور فصاحت لکھنوی شامل ہیں۔
فصاحت کی تقریظ منظوم ہے۔ان اساتذۂ لکھنو کی آرا کی قدر مشترک یہی ہے کہ مرزا یاس آتش
کے رنگ کو خوب نبھاتے ہیں۔ تقریظ نگاروں کے بارے میں یگانہ نے درج ذیل نوٹ لکھا ہے۔

" لکھنو کے اساتذہ سچ پوچھیے تو یہی ہیں جن کی رائیں درج کی جاتی ہیں "(اساتذہ
لکھنو کی رائیں بحساب حروف تہجی) تقریظوں کے بعد حامدعلی‌خاں(بیرسٹر ایٹ لا) نے " مرزا

واجد حسین یاس" کے عنوان سے تعارف لکھا ہے جس میں یگانہ کے نام و نسب اور خاندانی کوائف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یگانہ کے کلام پر سرسری انداز میں بحث بھی کی گئی ہے آخر میں یگانہ کے لحن کی بطور خاص تعریف کی ہے۔ اس کے علاوہ یگانہ نے " ماہیت شاعری " کے عنوان سے دیوان کا پیش لفظ لکھا جس کے آخر میں ایک نوٹ بھی شامل ہے یہ نوٹ یگانہ کے ذہنی رویوں کی نشان دہی کرتا ہے نوٹ سے اقتباس دیکھیے " کوئی وجہ نہیں کہ یاس کو . . . لکھنو اہل زبان نہ مانے جب خاندانی شعراء اور اہل زبان نے مان لیا تو معاصرین حال اور آئندہ نسلوں پر فرض ہے کہ یاس کی زبان اور اجتہادی تصرّفات سے سند لیں۔ " (صفحہ ج)

یگانہ نے " ماہیت شاعری" کے عنوان سے شاعری کے اصولوں اور اس کے لوازم پر بحث کی ہے خیالات کم و بیش وہی ہیں جو مغربی شعراء اور نقادوں کے حوالے سے حالی نے "مقدمۂ شعر و شاعری " میں بیان کئے تھے اس کا احساس خود یگانہ کو بھی تھا حاشیے میں لکھتے ہیں " مولانا حالی نے اس بحث کو بہت شرح و بسط سے لکھا ہے مگر میں اپنے موضوع شاعری کے متعلق مفید مطلب اقتباس کر کے معیارِ تغزل پر اپنے خیالات ظاہر کرتا ہوں۔ " (صفحہ د) حالی ہی کی طرح یگانہ بھی ملٹن کے اس نظریے کے حامی ہیں کہ شعر سادہ ہو جوش سے بھرا ہوا ہو اور اصلیت پر مبنی ہو۔

"ماہیت شاعری" کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جس میں یگانہ نے معیارِ تغزل پر بحث کی ہے اور غزل کے بارے میں بعض خیالات کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں " مذاقِ سلیم کا مقتضا یہ ہے کہ اس میں عشق و عاشقی کے مضامین ہوں مگر شانِ تغزل یہ ہے کہ اسرارِ حقیقت پردۂ مجاز میں بیان کئے جائیں ورنہ غزل باقی نہ رہے گی۔ " (صفحہ م،ن) یگانہ طرز بیان کو خاص اہمیت دیتے ہیں وہ کہتے ہیں " ایک ہی بات کہ محض سیدھی سادی ترکیبوں سے ادا کر دی گئی اور مطلب سمجھ میں آ گیا مگر اسی بات کو کسی پاکیزہ محاورے، کسی خاص بانکپن، کسی نرالے انداز سے یوں بیان کر دیا اور کوئی ایسی آڑی کن لگا دی کہ دل بے چین ہو گئے اسی کسن

غـالـب شـکـن

مـکـتـوب یـگانہ

بہ نام سید مسعود حسن رضوی ادیب ایم اے پروفیسر لکھنو یونیورسٹی

از

امام الغـزل میرزا یـگانـہ چنگـیـزی لکھنـوی

سب رجسٹرار حیـدر آباد دکـن

1934ء

500 جلد

کتاب پر مطبع کا نام اور قیمت درج نہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ " غالب شکـن " کو یـگانـہ نے خود ہی شائع کیا اور کتاب برائے فروخت نہیں تھی ۔ " غالب شکن " 32 صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتـدائی بیس صفحات پر مکـتوب درج ہے اور آخری 12 صفحات پر 24 رباعیاں شائع کی گئی ہیں۔ان میں چار رباعیـوں کے علاوہ جن میں ذاتی تفاخر کا بیان کیا گیا ہے بـقـیہ تمام رباعیاں غالب کی ہجو میں ہیں۔ کتاب کے پہلے صفحے پر یـگانہ نے حاشیے میں یہ نوٹ دیا ہے " اصل خط دستیاب نہ ہو سکا مکرر مسودہ کیا گیا جس سے جا بہ جا اختـلاف ہونا ضروری ہے۔ (کتاب پر تفصیلی بحث باب ہفتم میں کی گئی ہے۔)

" غالب شکـن " کا دوسرا ایڈیشن 1935ء میں " غالب شـکـن دو آتشـہ " کے نام آرمی پریس دیال باغ آگـرہ نے شائع کیا۔ یـگانہ نے سرورق پر اپنے نام " میرزا یـگانہ چنگیـزی لکھنوی " کے ساتھ " علیہ السلام " کا اضافہ کیا۔" غالب شکن دو آتشہ" کی تـقطیع کا سائز $\frac{18 \times 14}{8}$ ہے یـہ ایک ہزار کی تـعداد میں شائع ہوئی ابتـدا میں اس کی قیمت 5ر رکھی گئی مگر بعد مـیں مختلف اشتہارات میں 2 روپے کر دی گئی۔(12) اس سے پہلے یـگانہ" آیات وجدانی" طبع دوم کا انتساب چنگیـز خاں کے نام کر چکے تھے۔ " غالب شکن دو آتشہ " کا انتساب بھی چنگیـز خاں کے نام ہے۔ کتاب میں یـگانہ کی تصویر بھی شائع ہوئی ہے جس کے نیچے لکھا ہے

" میرزا یـگانہ چنگیـزی لکھنوی صاحب" آیات وجدانی " THE ARCH ARTIST POET

OF INDIA " غالب شکن دو آتشہ " میں یگانہ نے پہلے صفحے پر حاشیہ میں لکھا ہے "نظرثانی میں جابجا اضافہ کیا گیا ہے اور چوریوں کے ثبوت میں ایک جدید باب بڑھا دیا گیا ہے۔ "

" غالب شکن دو آتشہ " 80 صفحات پر مبنی ہے۔اس میں خط 20 صفحے سے بڑھ کر 34 صفحے کا ہو گیا اور آخر کے بارہ صفحات میں مزید آٹھ رباعیاں شامل کی گئی ہیں۔ اس طرح رباعیوں کی تعداد 32 ہو گئی ہے۔ یگانہ نے نظرثانی کرتے ہوئے " غالب پرستوں " کو " غلبچیوں " سے بدل دیا ہے۔کتاب کے آخر میں جو 32 رباعیاں شائع کی گئی ہیں ان کا عنوان"میٹھی میٹھی چٹکیاں " رکھا گیا ہے۔ لیکن اس سلسلے کی بعض رباعیاں بہت چبھتی ہوئی ہیں (کتاب پر تفصیلی بحث باب ہفتم میں کی جا چکی ہے۔)

(9) " گنجینہ "

" گنجینہ " یگانہ کا آخری مجموعۂ کلام ہے۔جسے 1948ء میں قومی دارالاشاعت (واقع ایم سی اے بلڈنگ دی مال) لاہور نے شائع کیا اس کی قیمت تین روپیہ چار آنہ ہے۔کتاب کی تقطیع کا سائز $\frac{22\times34}{16}$ ہے اور اس کے صفحات کی تعداد 176 ہے۔یگانہ نے "گنجینہ" کے سرورق پر اپنا نام " میرزا یگانہ چنگیزی " درج کیا ہے کتاب کے پہلے سات صفحات (صفحہ 2 تا 8) پر غزلیات کی فہرست دی گئی ہے۔

" گنجینہ " غزلیات اور رباعیات کا مجموعہ ہے۔دونوں مثلث بھی اس میں شامل ہیں۔ کتاب میں مجموعی طور پر 121غزلیں شامل ہیں جن میں اردو غزلیات کی تعداد 111 اور فارسی کی 8 ہے۔ رباعیات کی تعداد 163 ہے تمام رباعیات اردو کی ہیں۔ رباعیات کے عنوانات حذف کر دئیے ہیں۔ " گنجینہ"میں اب تک شائع ہونے والے یگانہ کے تمام شعری مجموعوں کا کڑا انتخاب شامل ہے اس میں تین غزلیں ایسی ہیں جو کسی اور مجموعے میں شامل نہیں ان غزلوں کے مطلعے درج ذیل ہیں

دنیا کا چلن ترک کیا بھی نہیں جاتا　　اس جادۂ باطل سے پھر ابھی نہیں جاتا (صفحہ 20)

مستانہ رقص کیجئے گرداب حال میں　　بیڑا ہے پار ڈوب کر اپنے خیال میں (صفحہ 52)

ارے واہ صلح ہوئی توکیا وہی آگ دل میں بھری رہی　　وہی خور ہی وہی بو رہی وہی فطرتِ بشری رہی

(صفحہ 87)

یگانہ نے جو غزلیں " گنجینہ " میں شامل کی ہیں ان کے بھی کئی اشعار حذف کر دئیے ہیں۔ بعض غزلوں کے مطلعِ اوّل خارج کر کے مطلعِ ثانی کو مطلع قرار دیا ہے اسی طرح بعض غزلوں کے مطلعوں کو مطلعِ ثانی قرار دے کر نئے مطلعوں کا اضافہ کر دیا ہے۔جن نئے مطلعوں کا اضافہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

موسمِ گل میں جو خاموش رہا کرتے ہیں　　وہ بھی اک معنیٔ بے لفظ ادا کرتے ہیں (گنجینہ، صفحہ 50)

لپٹتی ہے بہت یادِ وطن جب دامنِ دل سے　　پلٹ کر اک سلامِ شوق کر لیتا ہوں منزل سے (صفحہ 70)

آخری الذکر مطلع "آیات وجدانی" جدید میں ایک دوسری غزل کے مطلعِ اوّل کے طور پر درج ہے۔ جس کا مطلع ثانی ہے

برابر بیٹھنے والے بھی کتنے دور تھے دل سے　　مرا ماتھا جبھی ٹھنکا فریبِ رنگِ محفل سے

اسی مطلع کے ساتھ " گنجینہ " میں صفحہ 60 پر غزل درج ہے۔

" آیات وجدانی " طبع دوم کے صفحہ 162 پر جو غزل درج ہے اس کا مطلع ہے۔

غضب کی دھوم شبستانِ روزگار میں ہے　　کشش بلا کی تماشائے ناگوار میں ہے

" گنجینہ " میں صفحہ 71-72 پر یہ غزل درج بالا مطلع کے بغیر شائع ہوئی ہے۔

" گنجینہ " میں شامل 163 رباعیات میں سے 128 "ترانہ" سے اور 11 " آیات وجدانی " طبع دوم سے منتخب کی گئی ہیں۔جب کہ 24 رباعیاں پہلی مرتبہ شائع ہوئی ہیں۔ راقم السطور کے پاس "گنجینہ" (مطبوعہ) کے اس دستخطی نسخے کا عکس موجود ہے جو یگانہ نے اپنے محب جناب باقر حسنین رضوی کو عنایت کیا تھا ۔ اس نسخے کے آخری صفحے پر یگانہ نے اپنے دستخط کئے ہیں جس کے نیچے تاریخ 18 دسمبر 1955ء درج ہے۔ اس مطبوعہ نسخے کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں کتابت کی غلطیوں کی تصحیح خود یگانہ نے اپنے قلم سے کی ہے" گنجینہ " میں کتابت کی غلطیوں کو یگانہ نے ایک الگ کاغذ پر درج کیا تھا راقم کو یہ کاغذ جناب باقر حسنین رضوی نے عنایت کیا۔

یگانہ نے " گنجینہ " (مطبوعہ) کے بعض مصرعوں میں جزوی تبدیلی کی تھی ، تفصیل درج ذیل ہے۔

" گنجینہ " میں صفحہ 13 پر غزل نمبر6 کے دوسرے شعر میں " وعدۂ تذبذب " کی " تذ " پر دائرہ لگا کر یگانہ نے " مذ " لکھا ہے اس طرح اب یہ شعر اس طرح پڑھا جائے گا

رنگ لاتی ہے آخر ایک جنبش لب کیا دیکھیے دکھاتا ہے وعدۂ مذبذب کیا

صفحہ 23 پر غزل نمبر22 کے چوتھے شعر کے پہلے مصرعے میں " اُن " پر دائرہ لگا کر " اِن " لکھا ہے اور دوسرے مصرعے میں " ہے " پر خط تنسیخ پھیر دیا ہے۔ شعر اس طرح پڑھا جائے گا

خدا بچائے کہ نازک ہے اِن میں ایک سے ایک تنک مزاجوں سے ٹھہرا معاملہ دل کا

صفحہ 25 پر غزل نمبر 25 کے آٹھویں شعر کے پہلے مصرعے میں شادیٔ مرگ کے " ٔ " پر خط تنسیخ پھیر دیا ہے۔ اسی غزل کے نویں شعر کے پہلے مصرعے۔اب اپنی روح ہے اور سیر باغ عالم ہے۔میں " سیر باغ عالم " پر دائرہ لگا کر " سیر عالم بالا " لکھا ہے۔ "آیات وجدانی" طبع دوم (صفحہ 16) میں مصرعہ اس طرح ہے اب اپنی روح ہے اور سیر عالم بالا

صفحہ 29 پر غزل نمبر 32 کے نویں شعر کے دوسرے مصرعے --- کار من بہ دریائے دست و پا زدن تنہا --- میں " دریائے " کے " ئے " پر دائرہ لگا کر " در " کا اضافہ کیا ہے۔

صفحہ 30 پر غزل نمبر 33 کے مطلعے کے دوسرے مصرعے -- جائے دل ایک شعلۂ بے اختیارم دادہ اند۔ میں " ایک " کے " ا " کو حذف کر دیا ہے۔

صفحہ 37 پر غزل نمبر 44 کے چھٹے شعر کے دوسرے مصرعے -- دھن سے آہ نکلی مبتلائے بے خبر ہو کر -- میں لفظ " مبتلائے " پر دائرہ کھینچ کر اس کی جگہ " مبتدائے " تحریر کیا ہے۔

صفحہ 39 پر غزل نمبر 46 کے پانچویں شعر کے پہلے مصرعے -- چاندنی کی سیر کرئیے ہم سے آنکھیں مانگ کر -- میں لفظ " کرئیے " پر دائرہ کھینچ کر " کرتے " لکھا ہے۔

صفحہ 47 پر غزل نمبر 57 کے چھٹے شعر کے پہلے مصرعے -- اصل کے آگے فریب نقل مل سکتا نہیں۔ میں لفظ " مل " پر دائرہ کھینچ کر اس کی جگہ " چل " لکھ دیا ہے۔

صفحہ 48 پر غزل نمبر 59 کے مطلعے کے پہلے مصرعے -- گلے میں باھیں ڈالے چین سے سونا جوانی میں -- میں لفظ " باھیں " کا املا " بانہیں " لکھا ھے۔

صفحہ 52 پر غزل نمبر 67 کے پانچویں شعر کے دوسرے مصرعے -- بڑھا تو دل ھے وہ دریا کہ آر پار نہیں -- میں لفظ " آر پار " کی جگہ " وار پار " تحریر کیا ھے۔

صفحہ 54 پر غزل نمبر 70 کے پانچویں شعر کے پہلے مصرعے -- حجام ھو چاھے تلواریا اک بال تو ڈیڑھا کر دیکھے -- میں لفظ " تلواریا " کی جگہ " تلوریا " لکھا ھے۔ اسی غزل کے نویں شعر

جتنے کھنچتے جاؤگے اتنا ھی لپٹتا جاؤں گا　　　　انکار کی لذت،آھاھاھا انکار نہیں تو کچھ بھی نہیں

پہلے مصرعے میں " لپٹتا " کو " لپٹا " کر دیا ھے اور دوسرے مصرعے کے لفظ " آھاھاھا " میں ایک " ھا " پر خط تنسیخ پھیر دیا ھے۔

صفحہ 55 پر غزل نمبر 71 کے مطلعے کے دوسرے مصرعے -- دنیائے گرد و باد کی نشو و نما نہ ھو-- میں لفظ " گرد و باد " پر دائرہ کھینچ کر " گردباد " لکھ دیا ھے اور قوسین میں لفظ " بگولا " بھی تحریر کیا ھے۔

صفحہ 63 پر غزل نمبر 80 کے دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے -- کہیں کلائی بہ دست رھوں نہ گھہ بیٹھے -- کے حوالے سے یگانہ حاشیے میں لکھتے ھیں " گھہ بیٹھے " ٹھیٹھ ھندی کا محاورہ ھے یعنی ایسی گرفت کہ چھڑائے نہ چھوٹے۔ ھندی شاعر کہتا ھے " شیام رے موری بہیاں گہونا "

صفحہ 70 پر غزل نمبر 88 کے نویں شعر کے دوسرے مصرعے -- کفن لے تو سمجھنا دھنی تھے قسمت کے -- میں لفظ " لے " کی جگہ " ملے " کر دیا ھے۔ اسی غزل کے دسویں شعر کے دوسرے مصرعے -- ھوں فضول بھروسے پہ حسن خدمت کے -- میں " ھوں " کی جگہ " ھوس " لکھا ھے۔ مذکورہ غزل کے گیارھویں شعر کے پہلے مصرعے -- اسی نے ناک کیا تھا اسی نے پاک کیا -- میں لفظ " ناک " پر دائرہ کھینچ کر " خاک " لکھ دیا ھے۔

صفحہ 74 پر غزل نمبر 96 کے آخری شعر کے پہلے مصرعے -- جان دے کر ایک حکم آخری مانو تو کیا۔ میں لفظ " مانو " پر دائرہ کھینچ کر اس کی جگہ " مانا " لکھا ھے۔

صفحہ 78 پر غزل نمبر 102 کے آٹھویں شعر کے دوسرے مصرعے -- کون سے گھاٹ پر دھارا لئے جاتا ہے مجھے -- میں لفظ " پہ " پر دائرہ کھینچ کر اس کی جگہ " یہ " لکھ دیا ہے۔

صفحہ 80 پر غزل نمبر 105 کے دسویں شعر کے پہلے مصرعے -- ہاں کٹ گئی شاید مری دیوانے کی بیڑی -- مین لفظ " مری " پر دائرہ کھینچ کر اس کی جگہ " تری " لکھ دیا ہے۔

صفحہ 117 پر رباعی نمبر 45 کے دوسرے مصرعے -- کیا کیا گل پیرھن لٹے ھیں سستے -- میں لفظ " پیرھن " پر خط تنسیخ پھیر کر اس کی جگہ " بے خار " لکھ دیا ہے۔

صفحہ 118 پر رباعی نمبر 46 کے دوسرے مصرعے -- ہاں چاند کو گُھن میں نہیں دیکھا شاید -- میں لفظ " گُھن " کی جگہ " گَھن " لکھا ھے اور قوسین میں " بادل " بھی تحریر کیا ہے۔

صفحہ 145 پر رباعی نمبر 100 کے پہلے مصرعے -- اللہ ری تصور کی یہ رنگیں نظری -- میں لفظ "یہ" پر دائرہ کھینچ کر اسے حذف کر دیا ہے۔

صفحہ 147 پر رباعی نمبر 105 کے دوسرے مکمل مصرعے -- گنجینۂ راز اندھی نگری میں نہ کھول۔ پر خط تنسیخ پھیر کر درج ذیل مصرعے کا اضافہ کیا

ع گنجینۂ معنی سر بازار نہ کھول

مذکورہ رباعی "ترانہ" میں صفحہ 148 اور "آیات وجدانی جدید" میں صفحہ آخر پر درج ھے دونوں جگہ رباعی کا منسوخ مصرع ھی شائع ھوا ہے۔

صفحہ 153 پر رباعی نمبر 116 کے آخری مصرعے -- آفاق کی سعد ناپنے والے باز آ -- میں لفظ " سعد " کی جگہ " حد " لکھ دیا ہے۔

صفحہ 155 پر رباعی نمبر 121 کے تیسرے مصرعے -- کل تک تو اسی کل سے آزردہ تھے -- میں " سے آزردہ تھے " پر دائرہ کھینچ کر اس کی جگہ " کو برا کہتے تھے " درج کیا ہے۔

صفحہ 156 پر رباعی نمبر 123 کے دوسرے مصرعے -- ہاں تشنہ غفلت ہو تو ایذا کم ہو -- میں لفظ " تشنہ " کی جگہ " نشہ " لکھ دیا ہے۔

صفحہ 162 پر رباعی نمبر 135 کے آخر مصرعے -- دنیا کی طرف دیکھ دنیا تو ھٹی -- میں لفظ

" طرف " کے بعد " نہ " کا اضافہ کیا ھے۔

صفحہ 166 پر رباعی نمبر 142 کے تیسرے مصرعے -- سکھ میں جو سودا ھے تو دکھ کے دم سے -- میں لفظ " سودا " پر دائرہ کھینچ کر اس کی جگہ " سواد " لکھ دیا ھے قوسین میں لفظ " مزہ " بھی تحریر کیا ھے۔

صفحہ 173 پر رباعی نمبر 156 اس طرح درج ھے۔ " ترانہ " میں صفحہ 49 پر یہ رباعی اسی طرح شائع ھوئی ھے۔

ڈرتے ڈرتے گناہ کر لیتا ھوں — دزدیدہ سہی نگاہ کر لیتا ھوں

کیا کیجئے دادِ حسن دیتے ھی بنی — دکھتے ھوئے دل سے آہ کر لیتا ھوں

یگانہ نے آخری دو مصرعوں پر خط تنسیخ پھیر کر ان کی جگہ یہ دو مصرعے تحریر کئے ھیں

وہ حسن کشش کہ وار دیتے ھی بنی — دل تھام کے آہ آہ کر لیتا ھوں

یگانہ کے یہ دونوں مصرعے پہلی بار منظرِ عام پر آئے ھیں۔

" گنجینہ " میں یگانہ کے کلام کے انتخاب کو جگہ دی گئی تھی۔ یگانہ کی وفات کے بعد ان کے کلام کے دو مزید انتخاب شائع ھوئے۔ ایک " انجمن ترقی اردو (ھند) " علی گڑھ نے بہ عنوان " انتخاب کلام مرزا یاس یگانہ چنگیزی " شائع کیا اس کا سالِ اشاعت 1960ء ھے۔ صفحات کی تعداد 63 ھے اور اس کی قیمت 75 پیسے ھے۔ کتاب کی تقطیع کا سائز $\frac{20\times30}{16}$ ھے۔ کتاب کے پہلے ورق پر " تعارف " کے عنوان سے آل احمد سرور نے انتخابی سلسلے کی ضرورت پر روشنی ڈالی ھے۔ اس انتخاب میں یگانہ کی 54 غزلوں اور 42 رباعیوں کو شامل کیا گیا ھے۔

دوسرا انتخاب " فیروز سنز لمیٹڈ پاکستان " نے " یگانہ چنگیزی حالاتِ زندگی اور انتخاب کلام " کے عنوان سے 1971ء میں تین ہزار کی تعداد میں شائع کیا۔ اس کے مؤلف نظیر صدیقی ھیں تقطیع کا سائز $\frac{16\times22}{16}$ ھے، صفحات کی تعداد 70 ھے اور اس کی قیمت ایک روپیہ ھے۔

حـــواشـــی

1- "نشتر یاس" پر "حصہ اوّل" درج کیا گیا تھا مگر اس کے بعد اس نام سے کوئی دوسرا حصہ شائع نہیں ہوا۔

2- بحوالہ۔یاس یـگانہ جنگیـزی، صفحہ 38

3- میرزا یـگانہ کے بڑے سالے محکمہ ریلوے میں اسٹیشن ماسٹر تھے("چراغِ سخن" کا جو عکس راقم کے پاس ہے اس کے سرورق پر یہ وضاحت یگانہ کے بھانجے پروفیسر شیخ انصار حسین نے راقم سے ایک ملاقات (مورخہ 8 نومبر 1984ء) میں اپنے قلم سے تحریر کی۔

4- یـگانہ نے رسالہ "خیال" (جون 1916ء) میں شائع ہونے والے اپنے مضمون "میاں ثاقب کی حمایت" میں مولانا قـدر بلگرامی اور اوج لکھنوی کی تصانیف کے حوالے بطور سند دئیے۔
"مقیاس الاشعار" یـگانہ کی ذاتی ملک تھی جس کے فروخت کا اشتہار "چراغ سخن" طبع دوم میں صفحہ 137 پر شائع ہوا تھا۔

5- بحوالہ مضمون "یـگانہ کے معرکے"،مطبوعہ شاعر بمبئی، ستمبر 1985ء، صفحہ 70

6- بحوالہ۔خطوط مشاہیر بہ نام مسعود حسن رضوی ادیب، صفحہ 449

7- بحوالہ۔وہ صورتیں الٰہی، صفحہ 155-156

8- اصل نسخہ اردو ڈکشنری بورڈ کراچی کی لائبریری میں موجود ہے۔

9- این ایم نمبر 1963.217/2

10- اصل تصویر نیشنل میوزیم کراچی میں محفوظ ہے۔ این ایم نمبر 1963.211

11- مطبوعہ شاعر بمبئی، ستمبر 1985ء، صفحہ 75

12- "باغ و بہار" ملتان (مارچ 1935ء، مئی 1935ء) کے شماروں کی پشت پر تصنیفات یـگانہ کا جو اشتہار دیا گیا ہے اس میں "غالب شکن دو آتشہ" کی قیمت دو روپے درج کی گئی ہے۔

باب دهم

یگانہ کے غیر مدوّن کلام اور متفرق تخلیقات پر ایک نظر

یگانہ کے چار شعری مجموعوں (نشتر یاس، آیات وجدانی (طبع اوّل ، دوم، سوم) ، ترانہ اور گنجینہ) میں ان کا بہت سا مشترک کلام شامل ہے۔ راقم السطور نے یگانہ کی چھ ایسی بیاضوں سے استفادہ کیا ہے جن میں یگانہ کا کم و بیش تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔ ان چھ بیاضوں میں سے چار بیاضوں کی نقول راقم کو نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی کے مخزونۂ مخطوطات سے حاصل ہوئیں۔ دو بیاضیں بلند اقبال نے عنایت کیں۔ ان تمام بیاضوں میں غزلوں، رباعیوں اور دوسری اصناف کے ایسے بے شمار اشعار ملے ہیں جنہیں یگانہ نے کسی شعری مجموعے میں شامل نہیں کیا۔ ان اشعار کو موجودہ باب میں تمام ضروری حوالوں کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔ جن غزلوں کے زائد اشعار بیاضوں میں درج ہیں ان غزلوں کے مطلعے، بیاضوں کے نمبر اور حوالے بھی دئیے جا رہے ہیں۔ یگانہ کا کچھ کلام ایسا بھی ملا ہے جو مختلف رسائل میں شائع ہوا تھا مگر یگانہ نے اسے مطبوعہ مجموعوں میں شامل نہیں کیا۔ ایسے کلام کو بھی اس باب میں جگہ دی گئی ہے۔

" گنجینہ " یگانہ کا آخری مجموعہ کلام ہے اس کی اشاعت کے بعد یگانہ کا بہت سا کلام مختلف رسائل میں شائع ہوا کچھ غزلیں اور رباعیاں ایسی ہیں جو ایک سے زائد رسائل میں شائع ہوئیں۔ ان تمام غزلوں اور رباعیوں کا بیاض میں موجود کلام سے موازنہ کر کے بعض اختلافات کی تصحیح کی گئی ہے اور بعض اشعار جو شائع نہ ہو سکے ان کا اضافہ کیا گیا ہے۔ چند اشعار یگانہ کے احباب سے ملے ہیں۔ انہیں بھی اس باب میں شامل کیا جا رہا ہے۔ آخر میں یگانہ

کے وہ اشعار دئیے جا رہے ہیں جن پر انہوں نے خود خط تنسیخ پھیر دیا تھا۔ بیاضوں کے نام 1، 2، 3، 4، 5 اور 6 درج ذیل ترتیب کے مطابق رکھے گئے ہیں۔

بیاض نمبر این ایم 1957.649 (سائز "5x" 3) کا نام بیاض (1) رکھا گیا ہے۔
(غزلیں اور رباعیاں شامل ہیں، صفحات 79)

بیاض نمبر این ایم 1957.902 (سائز "3x" $5\frac{1}{2}$) کا نام بیاض (2) رکھا گیا ہے۔
(غزلیں، رباعیاں اور قطعۂ تاریخ شامل ہے، صفحات 105)

بیاض نمبر این ایم 1957.903 (سائز "4 "3x) کا نام بیاض (3) رکھا گیا ہے۔
(غزلیں اور رباعیاں شامل ہیں، صفحات 70)

بیاض نمبر این ایم 1963.219 (سائز "$6\frac{1}{2}$ "8x) کا نام بیاض (4) رکھا گیا ہے۔
("ترانہ" کا قلمی نسخہ ہے۔)

بیاض مملوکہ بلند اقبال عنابی جلد (سائز "$3\frac{1}{2}$ "4x) کا نام بیاض (5) رکھا گیا ہے۔
(رباعیاں اور غزلیں شامل ہیں، صفحات 81)

بیاض مملوکہ بلند اقبال (سائز "3 "5x) کا نام بیاض (6) رکھا گیا ہے۔
(غزلیں، رباعیاں اور نثری تحریریں شامل ہیں، صفحات 85)

ذیل میں غزلوں کے وہ اشعار دئیے جاتے ہیں جو بیاضوں یا مختلف رسائل میں تو ہیں مگر یگانہ کے مطبوعہ شعری مجموعوں میں موجود نہیں۔ یہ اشعار جن مطبوعہ غزلوں کے ہیں ان کے مطلعے بھی درج کئے جا رہے ہیں

مطلع : مجھے دل کی خطا پر یاس شرمانا نہیں آتا پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا

بیاض (3) میں صفحہ 38 پر ذیل کا شعر زائد ہے :

مقدر کے کرشمے ہیں خطا کیسی سزا کیسی مجھے اپنے کئے پر یاس پچھتانا نہیں آتا

مطلع : سجدۂ صبح و شام کیا کرتا غائبانہ سلام کیا کرتا

بیاض (1) میں صفحہ 2 پر ذیل کا شعر زائد ہے :

کاٹ دی رات ایک کروٹ سے نیند تیری حرام کیا کرتا

مطلع : چلتا نہیں فریب کسی عذرخواہ کا دل ہے بغل میں یا کوئی دفتر گناہ کا

بیاض (3) میں صفحہ 11 پر ذیل کا شعر زائد ہے۔

تختِ رواں سے ہمتِ مردانہ کم نہیں منزل کی دھن میں خوف کسے سنگ راہ کا

مطلع : سلسلہ چھڑ گیا جب یاس کے افسانے کا شمع گل ہو گئی دل بجھ گیا پروانے کا

بیاض (3) میں صفحہ 27 پر ذیل کے چار اشعار زائد ہیں :

دل بے حوصلہ تکتا ہے خریدار کی راہ کوئی گاہک نہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے کا

کوئی محرم نہیں اس دل کے نہاں خانے کا داغ پنہاں نہیں یہ گنج ہے ویرانے کا

صبح پیری نے کیا دل کے کنول کو ٹھنڈا آئینہ خانے پہ عالم ہے سیہ خانے کا

کیا اسی پردے میں ہو جائے گا دیدار خدا شوق بے حد ہے ان آنکھوں کو صنم خانے کا

مطلع : کون جانے وعدۂ فردا وفا ہو جائے گا آج سے کل تک خدا معلوم کیا ہو جائے گا

بیاض (3) میں صفحہ 21 پر ذیل کا مطلع ثانی زائد ہے

چوٹ کھاتے کھاتے دل سنگ آزما ہو جائے گا درد بڑھتے بڑھتے آپ اپنی دوا ہو جائے گا

مطلع : برا کیا ہے لگی میں اپنی حد سے دور ہو جانا لپٹ کر شمع سے آخر سراپا نور ہو جانا (1)

بیاض (2) میں صفحہ 104 پر ذیل کا شعر زائد ہے

خدائی بھر میں ہلچل ہے یہ کیا قانون قدرت ہے ارے بندہ تو کیا اللہ کا مجبور ہو جانا

بیاض (3) میں صفحہ 51 پر اسی غزل کے ذیل کے تین اشعار زائد ہیں

غضب ہے جرم شور انگیز پر مجبور ہو جانا پتے کی بات کہہ کر بے دھڑک منصور ہو جانا

طلسم پیش و پس میں گھر کے رہ جانا قیامت ہے غنیمت ہے لگی میں اپنی حد سے دور ہو جانا

کمال عشق کن آنکھوں سے دیکھا جمال اپنا خود اپنا دل جلا کر آپ شمع طور ہو جانا (2)

مطلع : تماشا ہے مری تصویر کا بے کار ہو جانا قلم کے زخم کھا کر پیکر خونبار ہو جانا

بیاض (3) میں صفحہ 33 پر ذیل کا شعر زائد ھے

تلاطم نے اچھالا تھا بھنور نے گھیر کے مارا — خیال خام تھا بحر فنا سے پار ھو جانا

مطلع : قفس کو جانتے تھے یاس آشیاں اپنا — مکاں اپنا زمیں اپنی آسماں اپنا (3)

رسالہ " نظارہ" میرٹھ (مطبوعہ نومبر دسمبر 1916ء، صفحہ 357) میں ذیل کا مطلع زائد ھے۔

اجل کے واسطے خالی نہیں مکاں اپنا — ھے ایک دشمن جاں آج میہماں اپنا

مطلع : قیامت ھے شب وعدہ کا اتنا مختصر ھونا — فلک کا شام سے دست و گریباں سحر ھونا

بیاض (3) میں صفحہ 26 پر ذیل کے تین اشعار زائد ھیں

کمال عشق ھے دونوں جہاں سے بے خبر ھونا — حواس ظاھری و باطنی کا منتشر ھونا

بتوں کے دل کو شاید خانۂ کعبہ سمجھتے ھو — بہت مشکل ھے اس گھر میں غریبوں کا گزر ھونا

بلائے جاں ھے مستوں کے لئے اندیشۂ فردا — مآل کار کی تصویر کا پیش نظر ھونا

مطلع : دل دکھانے کا مزہ او دشمن جاں دیکھنا — دل میں درد اٹھتا ھے کیونکر دیکھنا ھاں دیکھنا (4)

ذیل میں دئیے گئے چار اشعار بیاض (3) میں صفحہ 67 پر زائد ھیں، آخری تین اشعار " ھمایوں " لاھور (اپریل 1926ء، صفحہ 226) میں شائع ھوئے۔

سر سلامت پھر بہار سنگ طفلاں دیکھنا — دل سلامت لذت صد درد و درماں دیکھنا

جنگ حسن وعشق کا کیا دلشکن نظارہ ھے — شعلہ و پروانہ کو دست و گریباں دیکھنا

آنکھ بھر کے جاگتے میں کوئی دیکھے کیا مجال — خواب میں ممکن ھو شاید روئے جاناں دیکھنا

جلوۂ موھوم کیا اک ذرد کا پیمانہ تھا — ھو گیا آپے سے باھر ظرف انساں دیکھنا

مطلع : دل کی ھوس وھی ھے مگر دل نہیں رھا — محمل نشیں تو رہ گیا محمل نہیں رھا (5)

بیاض (3) صفحہ 28 اور " شباب اردو " لاھور (اپریل 1923ء) میں ذیل کا شعر زائد ھے

بے ھودہ سر پٹکنے کا حاصل نہیں کوئی — نقش قدم تک اب سر منزل نہیں رھا

مطلع : کس دل بے قرار کو تونے یہ ولولہ دیا — دینا نہ دینا ایک ھے ظرف سے جب سوا دیا

بیاض (1) صفحہ 2 - 3 اور بیاض (2) صفحہ 101 پر ذیل کا شعر زائد ہے۔

ہائے وہ ماجرائے شب ہائے وہ صبح اولیں — جھک کے سلام کیوں کیا آئینہ کیوں دکھا دیا

بیاض (2) میں ذیل کے مزید دو اشعار زائد ہیں۔

دیکھئے مشت خاک کو وقت نے کیا بنا دیا — نشۂ حسن لے اڑا شوق نے پر لگا دیا

جامہ ایسا تولواں پھینک دیا اتار کر — آپ نے کھٹملوں کا کیا اچھا خوں بہادیا

مطلع : محبت نے ایمان کھویا تو کیا — پشیمانیوں میں ڈبویا تو کیا

بیاض (1) میں صفحہ 2 پر ذیل کا شعر زائد ہے

تقرب سے شیطان کو فائدہ — تری پائھنتی کوئی سویا تو کیا

مطلع : پالا امید و بیم سے ناگاہ پڑ گیا — دل کا بنا بنایا گھروندا بگڑ گیا

بیاض (2) میں صفحہ 103 پر ذیل کے چار اشعار زائد ہیں

دام خرد سے چھوٹ کے پہونچا مراد کو — دیوانہ بن کے قیس ، بنایا بگڑ گیا

شیطان کا مقابلہ کیا عشق پاک سے — لڑنے کو لڑ پڑا مگر آخر پچھڑ گیا

کیا خوب الٹے پاؤں جوانی پھر آ گئی — واللہ اپنا شعر تو لڑکوں سے لڑ گیا

سنگیں دلوں سے پوچھئے انجام کار عشق — سل گھستے گھستے گھس گئی پٹا رگڑ گیا

مطلع : کعبۂ مقصود خلوت خانۂ دل ہوگیا — جلوۂ موہوم آخر خضر منزل ہو گیا

بیاض (3) میں صفحہ 20 پر ذیل کا شعر زائد ہے۔

صورت آباد جہاں خواب پریشاں تھا کوئی — دیکھتے ہی دیکھتے سب نقش باطل ہو گیا

مطلع : لذت زندگی مبارک باد — کل کی کیا فکر؟ ہر چہ باد اباد

بیاض (2) میں صفحہ 23 پر مطلع اس طرح درج ہے۔

لذت زندگی مبارک باد — میہماں شاد میزباں آباد

بیاض (2) میں مندرجہ ذیل دو اشعار بھی زائد ھیں۔

کون کہتا ھے روح کو آزاد   چاھے تو کھینچ لائے آدم زاد

کوئی جلتا ھے رشک سے تو جلے   ار جیسا چراغ ویسی مراد

مطلع : وہ جوانی کی موج وہ منجدھار   خیر نیت بخیر بیڑا پار (6)

بیاض (1) میں صفحہ 21-22 پر ذیل کے دو اشعار زائد ھیں

اک لیلیٰ کے اتنے دیوانے   سچ تو ھے ایک انار سو بیمار

آ گئی چھینک رک گیا پیشاب   پھر بھی انساں ھے فاعل مختار

بیاض (2) میں صفحہ 102 پر ذیل کے مزید تین اشعار زائد ھیں۔

کس مزے میں ھیں بھوسی والے   عیش کرتے ھیں روز مرہ ادھار

نہ تجھی میں رھا نہ مجھ میں کچھ   میرے آگے اب اتنا منھ نہ پسار

کیوں نہ مہنگے جلیں گے سستوں سے   کس کے دم سے ھے گرمئ بازار

مطلع : تو کہاں اور کہاں وہ جلوۂ پاک   دل بیباک تیری آنکھ میں خاک

بیاض (1) میں صفحہ 23 اور بیاض (2) میں صفحہ 11 پر ذیل کا شعر زائد ھے۔

جاگتی جوت کی تھی سب لیلا   آنکھ مندتے ھی تھا اندھیرا پاک

مطلع : گوشہ گیری ھے اک انوکھا سانگ   مانگنا ھے کھلے خزانے مانگ

بیاض (1) میں صفحہ 24 اور بیاض (2) میں صفحہ 10 اور صفحہ 84 پر (دو مرتبہ لکھی گئی) ذیل کا شعر زائد ھے۔

ھاتھ پھیلا کے گڑگڑایا کیا   مانگنا ھے دعا تو دل سے مانگ

مطلع : کیا چل سکے گی باد مخالف مزار میں   جلتا ھے دل جلوں کا چراغ اس دیار میں

بیاض (3) میں صفحہ 9 پر حسب ذیل دو اشعار زائد ھیں۔

صیاد آہ کیا کریں فصل بہار میں   دل اختیار میں نہ اجل اختیار میں

دل تنگ ھے کشاکش امید و بیم سے — دن گن رہا ھوں حسرت روز شمار میں

مطلع ۔ دست شل کو دخل ناممکن خط تقدیر میں — جائے نقطہ بھی نہیں باقی کسی تحریر میں

بیاض (1) میں صفحہ 27 اور بیاض (2) میں صفحہ 37 پر ذیل کے دو اشعار زائد ھیں

دیکھئیے انجام کیا ھو ھستی موھوم کا — پڑ گیا ھے اختلاف اس خواب کی تعبیر

ھاتھ اٹھاتے ھی چمک جاتی تھی بجلی د ورنگ — ھائے اب وہ جس کہاں اس دست بے شمشیر میں

مطلع ۔ زحمت سجدہ ھے فضول بتکدۂ مجاز میں — ھو گی نماز کیا قبول کعبۂ خانہ ساز میں

بیاض (3) میں صفحہ 22 پر ذیل کا شعر زائد ھے اس کے دوسرے مصرعے کے ابتدائی الفاظ پر روشنائی پھیر دی گئی ھے

قبلہ من جناب یاس آپ ھیں کس قطار میں — .... یا شیعۂ بے نماز میں

مطلع ۔ موسم گل میں جو خاموش رہا کرتے ھیں — وہ بھی اک معنئ بے لفظ ادا کرتے ھیں

بیاض (3) میں صفحہ 35 پر ذیل کا شعر زائد ھے۔

دامن مطلب نایاب کی اللہ رے ھوس — دست شل حوصلۂ بے سر و پا کرتے ھیں

مطلع ۔ نتیجہ کچھ بھی ھو لیکن ھم اپنا کام کرتے ھیں — سویرے ھی سے دور اندیش فکر شام کرتے ھیں

بیاض (3) میں صفحہ 28 پر ذیل کا شعر زائد ھے۔

عجب کیا حسن کی سرکار کو رسوا کریں ھم بھی — مسلماں جیسے اب اسلام کو بدنام کرتے ھیں

مطلع ۔ دل لگانے کی جگہ عالم ایجاد نہیں — خواب آنکھوں نے بہت دیکھے مگر یاد نہیں

بیاض (2) میں صفحہ 19 و صفحہ 50-51 (دو مرتبہ لکھی گئی) پر ذیل کا شعر زائد ھے۔

آج اسیروں میں وہ ھنگامۂ فریاد نہیں — شاید اب کوئی گلستاں کا سبق یاد نہیں

(7)
مطلع ۔ جادے کو کاروان عدم کی خبر نہیں — ایسے گئے کہ نقش قدم کا اثر نہیں

بیاض (3) میں صفحہ 21 پر ذیل کے تین اشعار زائد ھیں

کاش اپنی روح خانۂ تن سے نکل چکے　　زندان آب و گل کوئی راحت کا گھر نہیں

صیاد کیا سنائیں تجھے ماجرائے دل　　نالوں میں اب وہ درد نہیں وہ اثر نہیں

ٹوٹیں وہ ھاتھ جن کی نہ ھو التجا قبول　　کٹ جائے وہ زبان کہ جس میں اثر نہیں

مطلع : نہ انتقام کی عادت نہ دل دکھانے کی　　بدی بھی کر نہیں آتی مجھے کجا نیکی

بیاض (3) میں صفحہ 30 پر ذیل کا شعر زائد ھے

سر برھمن ابھی ٹھوکروں سے ھو پامال　　بتوں کے دل میں اگر ڈال دے خدا نیکی

" آیات وجدانی " طبع اوّل میں متفرقات کی ذیل میں صفحہ 301 پر تین اشعار دئیے گئے ھیں ، پہلا شعر ھے :

حسن نیت پہ مری شاھد عصمت ھے گواہ　　خود حجاب آ گیا جب یار کی صورت دیکھی

بیاض (3) میں صفحہ 30 پر ذیل کا شعر زائد ھے :

کیا عجب خاک کے پتلے میں کرامت دیکھی　　غم غلط ھو گیا جب چاند سی صورت دیکھی

مطلع : کیوں کسی سے وفا کرے کوئی　　دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی

بیاض (1) میں صفحہ 47 اور بیاض (2) میں صفحہ 8 و صفحہ 83 (دو مرتبہ لکھی گئی) پر ذیل کا شعر زائد ھے

نہ دوا چاھئیے مجھے نہ دعا　　کاش اپنی دوا کرے کوئی

مطلع : نظارے پہ کیا گزری آشوب تماشا سے　　ھوش آتے ھی دیوانے کھوئے گئے دنیا سے (8)

بیاض (1) میں صفحہ 46 اور بیاض (2) میں صفحہ 80 کے علاوہ " نیرنگ خیال " لاھور (سالنامہ 1928ء، صفحہ 61) میں ذیل کا شعر زائد ھے

کیوں نکہت بے پروا جامے سے نہ ھو باھر　　کس دن کو وفا کرتی پیراھن رسوا سے

مطلع : ھوش اڑتے ھیں دو رنگیٔ لیل و نہار سے　　فصل خزاں ھے دست و گریباں بہار سے

بیاض (3) میں صفحہ 21 پر ذیل کے دو اشعار زائد ھیں

لاشہ کسی غریب کا پھکوا دیا تو کیا   لپٹی گی روح سایۂ دیوار یار سے

دل نے جہاد نفس کیا بھی تو کیا ھوا   آخر شہید ھو کے پھرا کار زار سے

مطلع : لپٹتی ھے بہت یاد وطن جب دامن دل سے   پلٹ کر اک سلام شوق کر لیتا ھوں منزل سے (9)

رسالہ " نظارہ " (اپریل مئی 1916ء ، صفحہ 157-158) میں ذیل کا شعر زائد ھے

شہیدان وفا سوتے ھیں جلتی دھوپ سے غافل   غضب کی نیند آتی ھے ہوائے تیغ قاتل سے

مطلع : اداسی چھا گئی چہرے پہ شمع محفل کے   نسیم صبح سے شعلے بھڑک اٹھے دل کے

بیاض (3) میں صفحہ 31 پر ذیل کا شعر زائد ھے

تمیز عشق و ھوس وحشیوں سے نا ممکن   کھڑے ھیں بیچ دوراھے پہ حق و باطل کے

مطلع : خدا کے سامنے دامن پسارنے والے   وہ ھاتھ تھک گئے کیا مال مارنے والے

بیاض (1) میں صفحہ 51 پر ذیل کا شعر زائد ھے

مری طرف سے بھی اک ھاتھ اے تیرے صدقے   دھگڑ کا تاؤ خصم پر اتارنے والے

مطلع : دیکھا دیکھی جو کوئی آپ کا دیوانہ بنے   نقد کیا جان بھی دے بیٹھے تو سودا نہ بنے

ذیل کے دو شعر بیاض (3) میں صفحہ 17 پر زائد ھیں ، دوسرا شعر بیاض (2) میں صفحہ 70 پر بھی درج ھے۔

باز آ ریشہ دوانی جفا سے ظالم   بڑھتے بڑھتے کہیں ایسا نہ ھو افسانہ بنے

محو فطرت ھو کوئی دل تو کہیں کا نہ رھے   عین حکمت ھے اگر آپ سے بیگانہ بنے

مطلع : حاصل فکر نارسا کیا ھے   تو خدا بن گیا ہرا کیا ھے

بیاض (1) میں صفحہ 51 پر یہ شعر زائد ھے

ڈوب کر پار اتر گیا اسلام   آپ کیا جانیں کربلا کیا ھے

مطلع : غضب کی دھوم شبستان روزگار میں ہے   کشش بلا کی تماشائے ناگوار میں ہے

بیاض (3) میں صفحہ 21 پر ذیل کے تین اشعار زائد ہیں

وہی امام ہے اس شاہراہ فطرت کا   جو دل کے ساتھ ہے اور دل کے اختیار میں ہے

طلسم خاک کو دیوار آہنیں نہ سمجھ   سواد منزل اسی پردۂ غبار میں ہے

اسی کو کہتے ہیں شاید طلسم بیم و رجا   یہ کیفیت جو نگاہ گناہگار میں ہے

مطلع : کس کے دم کی روشنی زندان آب و گل میں ہے   کونسا تنہا نشیں وحدت سرائے دل میں ہے

بیاض (1) صفحہ 47 اور بیاض (2) میں صفحہ 81 پر ذیل کا شعر زائد ہے

مژدہ باد اہل نظر غالب پرستی ہو چکی   جلوۂ حسن یگانہ آج ہر محفل میں ہے

مطلع : نہ جانے کیا ہو یہ دیوانہ جس جگہ بیٹھے   خودی کے نشہ میں کچھ ان کہی نہ کہہ بیٹھے

بیاض (2) میں صفحہ 4 پر ذیل کے دو اشعار زائد ہیں

اتر کے تخت سے پہونچے ہیں عرش پہ گویا   نجف میں جھومتے ہیں کتنے کج کلہ بیٹھے

وہیں پہ عرش اتر آئے کیا تماشہ ہے   کسی کے دھیان میں متوالے جس جگہ بیٹھے

مطلع : زمانے پر نہ سہی دل پہ اختیار رہے   دکھا وہ زور کے دنیا میں یادگار رہے

بیاض (3) میں صفحہ 41 پر ذیل کا شعر زائد ہے

دعائے خیر کا وہ کیا امیدوار رہے   جو اپنی آگ میں جل کر گنہگار رہے

مطلع : ازل سے سخت جاں آمادۂ صد امتحاں آئے   عذاب چند روزہ یا عذاب جاوداں آئے

بیاض (3) میں صفحہ 23 پر ذیل کے دو اشعار زائد ہیں

قفس پر بادل آئے آشیانے پر گری بجلی   چمن میں آگ ہر سے خانۂ دل تک دھواں آئے

دعائیں ہوں تو ایسی ہوں سفارش ہو تو ایسی ہو + فلک آمیں کہے دل سے صدائے الاماں آئے

مطلع : ہمہ تن شمع بنے یا ہمہ تن دل ہو جائے   جل کے ٹھنڈا کہیں پروانۂ محفل ہو جائے

بیاض (3) میں صفحہ 19 پر ذیل کا شعر زائد ہے

خون ناحق پہ پسینا بھی نہ آیا ظالم — توبہ خشک عجب کیا ہے جو باطل ہوجائے

مطلع : بخت بیدار اگر سلسلہ جنباں ہوجائے — شام سے بڑھ کر سحر دست و گریباں ہوجائے

بیاض (3) میں صفحہ 32 پر ذیل کے دو اشعار زائد ہیں

ارتقا سے جو فرشتہ کوئی شیطاں ہوجائے — کیا یہ ممکن ہے کہ بڑھ کر کبھی انساں ہوجائے

وحشیو اپنی اسیری کو مبارک سمجھو — تو سہی باب سعادت در زنداں ہو جائے

دوسرے شعر کا مصرع اول پہلے اس طرح تھا: " بے گناہوں کو مبارک ہو اسیری کا مزہ " اس مصرع کو بیاض میں قلم زد کر دیا گیا ہے۔

مطلع : دردسر تھا سجدۂ شام و سحر میرے لئے — درد دل ٹھہرا دوائے درد سر میرے لئے

ذیل کا مطلع بیاض (3) میں صفحہ 44 پر زائد ہے

رنگ و بولائی نوید دردسر میرے لئے — کر چکے پیشین گوئی بال و پر میرے لئے (10)

ذیل میں یگانہ کی ان غزلوں کی تفصیل دی جا رہی ہے جو رسائل میں تو شائع ہوئیں مگر کسی مطبوعہ مجموعے میں شامل نہیں۔ پہلی غزل "آیات وجدانی جدید" اور " گنجینہ " کی اشاعت سے پہلے " نیرنگ خیال " لاہور میں شائع ہوئی باقی تمام غزلیں " گنجینہ " کی اشاعت کے بعد شائع ہوئیں اس اعتبار سے یہ تمام غزلیں یگانہ کے آخری دور کی ہیں۔ درج ذیل غزل " نیرنگ خیال " لاہور، سالنامہ 1934ء (صفحہ 185) میں شائع ہوئی ، یہی غزل "تخلیق ادب" (2) میں (صفحہ 441) شائع ہوئی۔ غزل بیاض (2) میں صفحہ 6 پر لکھی گئی ہے۔

خدا کہاں ہے کسے درمیان دے کوئی — بتوں کے نام پہ شاید امان دے کوئی

کدھر سے آتی ہے مستانہ بوئے پیراہن — کہاں ہے کون ہے کس کا نشان دے کوئی

نگاہ حسن کا حسن طلب ہے جان امید — امید ایسی تو پھر کیوں نہ جان دے کوئی

ادھر وہ سوز و گداز اور ادھر یہ شور دراز — بجائے بانسری کوئی اذان دے کوئی

اریٰ وہ ناچ نچاؤں کہ روح وجد کرے　　شکستہ ساز پہ میری جو دھیان دے کوئی

خودی کا نشہ نہ چڑھ جائے مت پلٹ جائے　　خدا نکردہ یگانہ کو تان دے کوئی

" نیرنگ خیال " اور " تخلیقی ادب (2) " میں ذیل کا شعر زائد ہے۔

مزا ستانے کا جب ہے کہ دل ٹھکانے ہو　　حواس گم ہوں تو کیا امتحان دے کوئی

یگانہ کی درج ذیل غزل " تبرکات یگانہ " کے عنوان سے " ماہ نو " کراچی ، اگست 1950ء (خاص نمبر) میں شائع ہوئی۔

نہ جانے کونسی شے اپنے دل میں ہے نہاں اب تک + ادھر کیوں پڑتی رہتی ہے نگاہ امتحاں اب تک

ہمیں جب دوستوں کی دوستی سے ہاتھ اٹھا بیٹھے+ خدارا کیوں یہ پائے مصلحت ہے درمیاں اب تک

یگانہ دیکھیے کب تک اترتی ہے چڑھی تیوری+ غضب یہ ہے کہ منہ تکتا ہے درد بے زباں اب تک

ایک اور غزل کا مطلع ہے :

خلش تو کوئی دل دوست میں نہ رہ جائے　　بجا ہے شوق سے جو منہ میں آئے کہہ جائے

یہ غزل " ہمایوں " جنوری 1951ء (صفحہ 32) ، " شعور " کراچی شمارہ 6، 1959ء (صفحہ 81-82) " ماہ نو " کراچی ، جنوری 1967ء اور " تخلیقی ادب (2) "(صفحہ 439) پر شائع ہوئی ہے۔ غزل کے دس اشعار ہیں۔ رسائل میں غزل کا ساتواں شعر حسب ذیل ہے۔

وطن کو چھوڑ کے پہنچا غریب جنت میں　　یہاں سے اور کہاں جائے کس جگہ جائے

بیاض (6) میں یہ شعر اس طرح درج ہے

وطن کو چھوڑ کے پہونچا غریب پاکستان　　یہاں سے اور کہاں جائے کس جگہ جائے

یگانہ کی ایک غزل کا مطلع ہے :

حسن سے بے خبر گزرنا کیا　　سجدۂ حق ادا نہ کرنا کیا

یہ غزل " ماہ نو " کراچی مارچ 1951ء میں شائع ہوئی بعد میں یہی غزل " تخلیقی ادب (2) " میں بھی شائع ہوئی ۔ غزل کے چودہ اشعار ہیں ۔

ایک اور غزل کا مطلع ہے :

فریب آرزو کب تک امید سخت جاں کب تک   مجھے خود بھی تعجب ہے رہے گا دل جواں کب تک

یہ غزل سب سے پہلے رسالہ " آج کل " دھلی ، ستمبر 1952ء (صفحہ 30) میں شائع ہوئی ۔ بعد میں یہی غزل "تخلیقی ادب (2) "(صفحہ 445) میں چھپی ۔ غزل میں نو اشعار ہیں ۔

ایک غزل کا مطلع ہے

بندھی ہے ٹکٹکی آپس میں گفتگو نہ سہی   زبان حال سہی ، حرف آرزو نہ سہی

یہ غزل " آج کل " دھلی ، دسمبر 1953ء (صفحہ 29) میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی بعد میں " ماہ نو " کراچی نومبر 1955ء میں شائع ہوئی اور تیسری مرتبہ یہ غزل تخلیقی ادب (2) میں چھپی -- " ماہ نو " میں غزل کے آٹھ ، " آج کل " میں دس اور " تخلیقی ادب (2) " میں گیارہ اشعار شائع ہوئے ۔ " آج کل " میں ذیل کے دو اشعار زائد ہیں

خدا کے سامنے پاکیزگی جتانا کیا   نگاہ پاک ہو ، دل صاف ہو ، وضو نہ سہی

یگانہ آم وہی ہیں وہی ہیں خربوزے   یہ لکھنو ہے وہی گو وہ لکھنو نہ سہی

بیاض (5) صفحہ 78 اور " تخلیقی ادب (2) " میں یہ دونوں شعر اور ذیل کا شعر زائد ہیں :

کسے خبر ہے یہ صورت ہے کس مرض کی دوا   نظر میں جچتی نہیں ایسی رنگ و بو نہ سہی

ایک اور غزل کا مطلع ہے :

حسن کافر کی پرستش عین ایماں کیوں نہ ہو   دل جو رکھتا ہے مسلماں کیوں ہو انساں کیوں نہ ہو

یہ غزل پہلے " ماہ نو " کراچی (جون 1956ء) میں شائع ہوئی ۔ اشعار کی تعداد بارہ تھی ۔ جولائی 1956ء میں یہی غزل " ھمایوں " لاھور (صفحہ 294) میں شائع ہوئی اور بعد میں " تخلیقی ادب (2) " میں چھپی ۔ یگانہ کی یہ غزل " مسودات شعلہ " اور بیاض (5) میں صفحہ 80-81 پر درج ہے ۔ غزل کے مطلع سمیت درج ذیل تین اشعار مکتوب یگانہ بنام شعلہ محررہ 10 اپریل 1949ء (این ایم نمبر 1963،215/42) میں بھی تحریر کئے گئے ہیں ۔

اور ترساتا ہے مفلس کو ترستا دیکھ کر — حسن ارزاں ضد کے مارے اور ارزاں کیوں نہ ہو

خانۂ دل میں بھری ہیں جانے کیا کیا دولتیں — قفل خاموشی مرے گھر کا نگہباں کیوں نہ ہو

کون نظروں میں سما سکتا یگانہ کے سوا — حق شناسی کفر کیوں ہو، عین ایماں کیوں نہ ہو

بیاض (5) اور " تخلیقی ادب (2) " میں ذیل کا شعر زائد ہے

اپنی صورت اپنی سیرت اور یہ ظالم آئینہ — اپنی آنکھوں میں سبک حسن پشیماں کیوں نہ ہو

اس طرح غزل کے مجموعی اشعار کی تعداد تیرہ ہو جاتی ہے۔ " ماہ نو " اور " تخلیقی ادب (2) " میں غزل کے دو اشعار اس طرح ہیں

خود کھنچا جاتا ہے دھارا اپنی منزل کی طرف — جذب صادق ہو تو پھر دشوار آساں کیوں نہ ہو

کون نظروں میں سما سکتا یگانہ کے سوا — حق شناسی کفر کیوں ہو، عین ایماں کیوں نہ ہو

بیاض (5) میں ان دونوں اشعار کے مصرعہ ثانی کسی قدر ترمیم کے ساتھ اس طرح لکھے گئے ہیں

ع ساتھ دے فطرت تو مشکل اپنی آساں کیوں نہ ہو

ع ماسوائے چشم پوشی عین ایماں کیوں نہ ہو

درج ذیل شعر بیاض (5) میں نہیں :

جھوٹ کو سچ کر دکھاؤں کل نہیں پرسوں سہی — دوست سے انکار مشکل وعدہ آساں کیوں نہ ہو

یگانہ کی ایک غزل کا مطلع اس طرح ہے

جلوۂ حسن کا ہرچند اثر پڑتا ہے — پاس جاتا ہوں تو کچھ اور نظر پڑتا ہے

یہ غزل پہلی مرتبہ " شعور " کراچی ،شمارہ 6، 1959ء (صفحہ 81-82) میں شائع ہوئی اس کے بعد یہی غزل " فنون " لاہور، اپریل 1968ء (صفحہ 209) میں چھپی۔ " شعور " میں غزل کے دس اشعار اور فنون میں پانچ اشعار شائع ہوئے۔ " شعور " میں شائع ہونے والی غزل کے اشعار بعد میں " تخلیقی ادب (2) " میں چھپے۔

" تخلیقی ادب (2) " میں صفحہ 436 پر غیرمطبوعہ غزلیات کے عنوانات سے یگانہ کی پہلی

غزل کا مطلع ھے

ہتوں سے خدا جانے کیسے بنے   چلوں یاں سے اب اٹھ چلو سب جنے

" تخلیقِ ادب (2) " میں اس غزل کے تیرہ اشعار شائع ھوئے، یہی غزل بیاض (5) میں صفحہ 73 تا 75 درج ھے۔ اس بیاض میں ذیل کا مطلع اور دو شعر زائد ھیں

مشیت سے بگڑی تو کیوں کر بنے   خدا سے جو روٹھے وہ کس سے منے

خبردار دلّی سے آگے نہ جا   ادھر کے جناور بڑے مر کھنے

مبارک ھو جنت کا وعدہ تجھے   بس اس کے سوا کیا ھے تیرے کنے

" تخلیقِ ادب (2) " میں صفحہ 436-437 پر ایک اور غزل شائع ھوئی ھے جس کا مطلع ھے

اس سے تو غفلت اچھی یہ کیا مصیبت آئی   چونکے تو ایسے چونکے جیسے قیامت آئی

اس غزل کے نو اشعار شائع ھوئے ھیں یہی غزل بیاض (5) میں صفحہ 69-70 پر درج ھے۔

" تخلیقِ ادب (2) " میں دوسرا شعر اس طرح ھیں

مدنی کی روشنی میں دیکھی جب اپنی صورت   صورت کی روشنی میں ظالم کی سیرت آئی

بیاض (5) میں مصرعۂ ثانی اس طرح ھے

ع   صورت کا منہ چڑھاتی ظالم کی سیرت آئی

" تخلیقِ ادب (2) " میں تیسرا شعر اس طرح ھے

کیا ایسی منھ کی کھائی توبہ بھی بھول بیٹھے   اوروں پہ ھنستے ھنستے اپنی بھی شامت آئی

بیاض (5) میں مصرعہ اولیٰ میں " کیا ایسی " کی جگہ " کچھ ایسی " درج ھے۔

ذیل میں یگانہ کی غزلوں کے ایسے اشعار کی تفصیل دی جا رھی ھے جو پہلے کسی مطبوعہ مجموعے میں شامل نہیں ھوئے مگر یہ اشعار اپنے طور پر ایک الگ غزل کا مزاج رکھتے ھیں۔

بیاض (3) میں صفحہ 53 پر ذیل کے پانچ اشعار کسی مطبوعہ مجموعے کی غزل میں شامل نہیں۔

جو دل کو توڑ کے فرمائے فکر دل جوئی   وہ کیا شکستہ دلوں کا مزاج داں ھوتا

غم اپنے حق میں ہے گویا غـذائے روحـانی	یہ درد دل جو نہ ہوتا تو میں کہاں ہوتا
خود اپنے دل کو دکھاتا ہوں اے معاذ اللہ	بغل میں کاش کے اک درد جـاوداں ہوتا
ثبوت زندگیٔ عشق کچھ تو دیـنا تھـا	نشان دل نہ سہی درد بے نشاں ہـوتـا
کہاں کی بوئے حقیقت کہاں کا رنگ مجـاز	جو اب سے دور یہ پردہ نہ درمـیاں ہوتـا

بیاض (1) میں صفحہ 51 پر ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے :

حاصل فـکر نارسـا کـیا ہے	تـو خدا بن گیا بـرا کـیا ہـے

یہ غزل " آیات وجدانی جدید " میں صفحہ 374-375 پر اور " گنجینہ " میں صفحہ 68-69 پر شائع ہوئی۔ اسی زمین میں بیاض (1) میں صفحہ 48 پر"مزاحیہ" کے عنوان سے ذیل کے اشعار الگ سے لکھے گئے ہیں۔

کیا کوئی بات دور کی سوجھی	منھ کے پاس آ کے گھورتا کـیا ہـے
رنگ و بو ایسی اشتہـا انـگیز	چکھ نہ ڈالوں تو پھر مـزا کیا ہے
پہلے ہی چمے گال کاٹ لـیـا	ابتـدا یہ تو انتہـا کـیـا ہـے
کس زباں سے ہو آپ کی تـعریف	آپ کے سامنے گـدھا کـیـا ہـے

تین غزلیں " گنجینہ " کے قلمی نسخے میں زائد ہیں(11) یہ قلمی نسخہ یـگانہ نے 1951ء میں مرتب کیا اور جناب مالک رام (دہلی) کے پاس محفوظ ہے۔(12) یہ تینوں غزلیں جناب مشفق خواجہ نے " تخلیقی ادب(2) " میں شائع کی ہیں، ذیل میں " گنجینہ " کے قلمی نسخے میں شامل ان تیـن غزلوں کے مطلعے اور اشعار کی تعداد درج کی جاتی ہے

مطلع : نـگاہ بے زباں نے کیا اثر ڈالا برہمن پر مٹا ہے پیکر بے دست و پا کے رنگ و روغن پر

" تخلیقی ادب (2) " میں صفحہ 443-445 پر اس غزل کے نو اشعار شائع ہوئے، اسی زمین میں یگانہ کی ایک مشہور غزل ہے جس کا مطلع ہے

وطن کی ہے ہوا سر میں وطن کی خاک دامن پر	گریباں چاک کر لیتا ہوں یاد دست دشمـن پـر

(" گنجینہ " صفحہ 41)

اس غزل کا چھٹا شعر ہے ،

شکست نشہ و کیف ندامت واہ کیا کہنا — بجائے مے ٹپکتا ہے زلال اشک دامن پر

" گنجینہ " کے قلمی نسخے کی غزل کے دوسرے شعر میں مندرجہ بالا شعر کا مصرع ثانی استعمال ہوا ہے

رہا تاحشر احسان ندامت میری گردن پر — بجائے مے ٹپکتا ہے زلال اشک دامن پر

دوسری غزل کا مطلع ہے

کیا بن پڑے جو شوق طلب کی مدد نہ ہو — کھٹکا ہے دل کو نیت رہبر ہی بد نہ ہو

" تخلیقی ادب (2) " میں صفحہ 445-446 پر اس غزل کے تیرہ اشعار شائع ہوئے۔

تیسری غزل کا مطلع ہے

یہ دل ہے یا کسوٹی پتھر کہ چوٹ ہی نہ لگے — کھری کھری کہو منہ پر تو کیوں بری نہ لگے

" تخلیقی ادب (2) " میں صفحہ 446-447 پر اس غزل کے آٹھ اشعار شائع ہوئے۔

" تخلیقی ادب (2) " میں "غیرمطبوعہ غزلیات" کے ذیل میں انیس غزلیں درج کی گئی ہیں ان میں سے پانچ غزلیں ایسی ہیں جو پہلے سے مطبوعہ ہیں۔ بیاضوں میں موجود ان کے زائد اشعار کو الگ سے مکمل غزل کی حیثیت میں شائع کیا گیا ہے۔ ان پانچ غزلوں کے ابتدائی اشعار اور مطبوعہ غزلوں کے مطلعے درج ذیل ہیں

کوئی محرم نہیں اس دل کے نہاں خانے کا — داغ پنہاں نہیں یہ گنج ہے ویرانے کا
(" تخلیقی ادب (2) " صفحہ 441 - بیاض (3) ، صفحہ 27)

سلسلہ چھڑ گیا جب یاس کے افسانے کا — شمع گل ہوگئی دل بجھ گیا پروانے کا
(" گنجینہ " صفحہ 19)

غضب ہے جرم شور انگیز پر مجبور ہو جانا — پتے کی بات کہہ کر بے دھڑک منصور ہو جانا
(" تخلیقی ادب (2) " صفحہ 441 - بیاض (3) ، صفحہ 51)

برا کیا ہے لگی میں اپنی حد سے دور ہو جانا — لپٹ کر شمع سے آخر سراپا نور ہو جانا
(" گنجینہ " صفحہ 12)

سر سلامت پھر بہار سنگ طفلاں دیکھنا　　　دل سلامت لذت صد درد و درماں دیکھنا

(" تخلیقی ادب (2) " صفحہ 442 - بیاض (3) ، صفحہ 67)

دل دکھانے کا مزہ او دشمن جاں دیکھنا　　　دل میں درد اٹھتا ہے کیونکر دیکھنا ہاں دیکھنا

(" آیات وجدانی " طبع اوّل ، صفحہ 120)

کیا خوب اللہ پاؤں جوانی پھر آ گئی　　　دیکھو نہ میرا شعر جوانوں سے لڑ گیا

(" تخلیقی ادب (2) " صفحہ 442)

بیاض (2) صفحہ 17 اور صفحہ 103 (دو مرتبہ لکھا گیا) پر یہی شعر اس طرح لکھا گیا ہے

کیا خوب اللہ پاؤں جوانی پھر آ گئی　　　واللہ اپنا شعر تو لڑکوں سے لڑ گیا

مطبوعہ غزل کا مطلع

پالا امید و بیم سے ناگاہ پڑ گیا　　　دل کا بنا بنایا گھروندا بگڑ گیا

(" گنجینہ " صفحہ 15)

ایک لیلیٰ کے اتنے دیوانے　　　سچ تو ہے اک انار سو بیمار

(" تخلیقی ادب (2) " صفحہ 443 - بیاض (1) صفحہ 21-22 - بیاض (2) صفحہ 101)

وہ جوانی کی موج وہ منجدھار　　　خیر نیت بخیر بیڑا پار

(" گنجینہ " صفحہ 34-35)

اس طرح مجموعی طور پر غیر مطبوعہ غزلوں کی تعداد تیرہ بنتی ہے، جن میں سے چھ غزلیں ایسی ہیں جو پہلے بھی رسائل میں شائع ہو چکی ہیں۔

رباعیات

رسالہ " نظارہ " میرٹھ ، جنوری فروری 1916ء میں یگانہ کی چھ رباعیاں شائع ہوئی تھیں یہ رباعیاں ان کے کسی مطبوعہ مجموعے میں شامل نہیں، رباعیاں درج ذیل ہیں

نافہموں کو کیوں راہ بتائے کوئی　　　دیوانوں کو کیوں ہوش میں لائے کوئی

زاہد کی ہدایت کو عصا کافی ہے　　　اندھوں کو چراغ کیوں دکھائے کوئی

دنیا کے فریب سے جو بچنا چاہو — خود اپنی حفاظت کرو غفلت نہ کرو
شیطاں کی شرارتوں کا شکوہ ہے عبث — دشمن کی نظر سے اپنے دل کو دیکھو

ایام جوانی کو کیوں یاد کرو — دل کو یاس اس غم سے آزاد کرو
پیری کا علاج خود فراموشی ہے — مے پی کے خدا کو اپنے یاد کرو

شاید کوئی اعجاز تھی حسرت کی نظر — دشمن بھی کھڑے روتے رہے بالیں پر
اپنی تو زباں تک نہ کھلی یاس مگر — اس معنیٔ بے لفظ میں کیسا تھا اثر

دریائے محبت کے بھنور میں پڑ کر — دیکھیں تو ابھرتے ہیں شناور کیوں کر
ساحل کی ہوا تک نہ رہے گی سر میں — جب ڈوبنے والوں کو ہوئی تہ کی خبر

اور اک وجود حق میں عاجز ہے بشر — چکر میں ہے عقل جیسے دریا میں بھنور
اس بحر میں ہاتھ پاؤں مارے کیا کیا — ساحل کا پتہ ملا نہ کچھ تہ کی خبر (13)

درج ذیل رباعیاں " ترانہ " کے قلمی نسخے، (بیاض (4)) میں تو ہیں مگر " ترانہ " کے مطبوعہ نسخے میں نہیں۔

(1) عنوان " کیا کہیے " (قلم زد عنوان " راہ کھوٹی کیوں ہوئی " ، صفحہ 75)

روکے گا کوئی کیا دل آگاہ کی راہ — دیوانے کی یا چور کی یا شاہ کسی راہ
منزل ہے وہی سب کی مگر کیا کہیے — کھوٹی ہوئی کیوں بندۂ درگاہ کسی راہ

(2) عنوان " ایسے میں سویرا ہے " (صفحہ 82)

تازہ مژدہ کوئی سنانا ہے تو آ — اجڑا گھر کوئی بسانا ہے تو آ
پھر بند نہ ہو جائے کہیں دل کا کواڑ — ایسے میں سویرا ہے آنا ہے تو آ

(3) عنوان " رنگ میں بھنگ " (صفحہ 110)

محفل تری بے رنگ نہ ہو جائے کہیں — اس رنگ میں پھر بھنگ نہ ہو جائے کہیں

(4) عنوان "بسم اللہ دل لگائیے" (صفحہ 112)

جی چاہے تو دل لگائیے بسم اللہ　　آشوب کوئی اٹھائیے بسم اللہ
دل کی دنیا میں ہو کا عالم کیوں　　سوتے فتنے جگائیے بسم اللہ

(5) عنوان "ہنسنے والا تو کون" (صفحہ 143)

آوازے کسی یہ کسنے والا تو کون　　آج پیتے ہیں مے ترسنے والا تو کون
المست مچاتے ہیں اودھم شام و سحر　　ہم زندہ دلوں پہ ہنسنے والا تو کون

(6) عنوان "دونوں پہلو آباد" (صفحہ 151)

ہے بنیادِ عالمِ کون و فساد　　دل ہی نہ رہا تو زندگی برباد
تھے دشمن و دوست سب اسی کے دم سے　　دونوں پہلوسے زندگی تھے آباد

(7) عنوان "پالا ہے مرے ہاتھ" (مکمل رباعی قلم زد کر دی ہے، صفحہ 177)

سوتا ہوں ترے ساتھ ارے واہ رے میں　　روتا ہے رتن ناتھ ارے واہ رے میں
دیکھا جو مجھے مہری کے رستے بھاگا　　پالا ہے مرے ہاتھ ارے واہ رے میں

(8) عنوان "چار جز کے دیوان کی خیر" (صفحہ 199)

اب کون منانا ہے قرآں کی خیر　　ہاں چاہیے چار جز کے دیوان کی خیر
غالب پہ جو ایمان نہ لائے کافر　　پھر جان کی خیر نہ ایمان کی خیر

یگانہ کے ایک مضمون "دامن گلچیں" مطبوعہ "نظارہ" میرٹھ، جنوری 1917ء (صفحہ 13 تا 15) میں درج ذیل چار رباعیاں ان کے کسی مطبوعے میں شامل نہیں۔

حاسد جلتے ہیں آتش حسرت میں　　عاشق جلتے ہیں آتش فرقت میں
حاسد جائیں گے سیدھے دوزخ کی طرف　　عاشق جائیں گے بے دھڑک جنّت میں

حاسد کو مصیبتوں سے چارا ہی نہیں　　غیروں کی خوشی کبھی گوارا ہی نہیں
مٹ جائے کوئی تو دل کو خوش کر لینا　　جینے کا کوئی اور سہارا ہی نہیں

رسالہ "نظارہ" میرٹھ بابت ماہ نومبر 1915ء (صفحہ ۱۳) میں رباعی کا پہلا مصرع اس طرح شائع ہوا تھا ع حاسد کو غم و رنج سے چارا ہی نہیں

حاسد مکار و پر دغا ہوتے ہیں — ظالم بے درد بے وفا ہوتے ہیں
خود مٹتے ہیں غیروں کے مٹانے کے لئے — آپ اپنی آگ میں فنا ہوتے ہیں

حاسد جتنے ہیں اجل مرتے ہیں — مر مر کے زندگی کے دن بھرتے ہیں
مردوں کے مقابلے میں کیونکر آئیں — کچھ کر نہیں سکتے تو حسد کرتے ہیں

" تخلیق ادب (2) " میں یگانہ کی 131 ایسی رباعیاں شائع ہو چکی ہیں جو کسی مطبوعہ مجموعے میں شامل نہیں تاہم ان میں سے بیشتر مختلف رسائل میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان رباعیوں کے علاوہ بھی کچھ رباعیاں بیاضوں میں ایسی ملتی ہیں جو کسی وجہ سے شائع نہ ہو سکیں، ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

مطلب یہ ہے انہیں میں ہم بھی ہوتے — یعنی کوئی قادری نظامی ہوتے
کیا چیز ہیں ہم قوم کے دل سے پوچھو — سب چاہتے ہیں یگانہ سنّی ہوتے
(بیاض (5) صفحہ 30)

جب اٹھ گیا پردہ تو نظر کیوں نہ اٹھے — مڑ جائے نظر تو شور و شر کیوں نہ اٹھے
انساں انساں ہے فرشتہ تو نہیں — شیطان چڑھا سر پہ تو سر کیوں نہ اٹھے
(بیاض (5) صفحہ 33)

کیا خوب ہیں یہ ناز و نیاز آپس کے — دل میں لیتے ہو چٹکیاں ہنس ہنس کے
ہنستے ہنستے ہی بات بڑھ جاتی ہے — ایسا نہ ہو میں گدگدا دوں کس کے
(بیاض (5) صفحہ 34)

ان عقل کے اندھوں میں ہے یہ غُل کیسا — میں جُز ہوں وہ کُل ہے یہ تعقل کیسا
کُل ہی کُل ہے کہاں جُز کیسا کُل — جُز کُل سے الگ ہو تو پھر کُل کیسا
(بیاض (5) صفحہ 36)

کس منہ سے کہے کوئی کہ تو ایسا ہے — ویسا تو نہیں ایک بھی تو جیسا ہے
ہاں ہے تو سہی مگر نہ جانے کیا ہے — ایسا نہیں ویسا نہیں پھر کیسا ہے
(بیاض (5) صفحہ 37)

یہ گردش انقلاب یہ فتنہ گری — کیا ساری خدائی ہے خبیثوں سے بھری
آندھی طوفان زلزلے جاگ اٹھے — شیطان نے سنائی واہ کیا خوشخبری
(بیاض (5) صفحہ 45)

زیبا نہیں یہ تنگ مزاجوں کے چلن — گلچیں سے لاگ باغباں سے ان بن
کیا حوصلہ کیا ظرف ہے ماشاءاللہ — ایک ٹھیس میں دھری دھری ماتھے پہ شکن
(بیاض (5) صفحہ 46)

کیا نفس میں زور ہے ابھی تک باقی — کیا کوئی لگو ہے ابھی تک باقی
کیوں کان کھڑے ہوتے ہیں آہٹ پاکر — دل میں کوئی چور ہے ابھی تک باقی
(بیاض (5) صفحہ 51)

قدریں ہی الٹ گئیں تو غیرت کیسی — پھر کیوں نہ گدھوں سے ہو حماقت ایسی
سر تو نیچے ہے اور ٹانگیں اوپر — ہت تیری تو ادب کی ایسی تیسی
(بیاض (5) صفحہ 52)

پہونچا ہے کہاں اڑ کے خودی کا پتلا — تقدیر کی بھی کچھ نہ چلی وہ مارا
کیا لاڈلا بیٹا ہے خدا کا بندے خاں — پوچھے ہے خدا تیری رضا کیا ہے
(بیاض (5) صفحہ 59)

کہتے ہیں کہ شیطاں کبھی سوتا ہی نہیں — انسان سے غافل کبھی ہوتا ہی نہیں
ملّا بھی مگر کم نہیں ہشیاری میں — موقعہ کوئی ہاتھ آئے تو کھوتا ہی نہیں
(بیاض (5) صفحہ 60)

پارینہ روایات سے اب کیا حاصل — غوغائے جہاد ہے کہ زعم باطل
کیوں حال سے بیزار ہو کیا چاہتے ہو — ماضی سے بہتر ہے سلسلۂ مستقبل
(بیاض (5) صفحہ 60)

سرکار کی وہ قدر و قیمت نہ رہی — ایمان پلٹ گیا ارادت نہ رہی
سچ بول کے ناصح نے چھڑایا تم سے — وہ پاک محبت وہ عقیدت نہ رہی
(بیاض (5) صفحہ 63)

سچا پردہ تو آنکھ کا پردہ — آنکھوں میں حیا نہیں تو پردہ کیسا
کھوٹا جسے پایا اسے پھٹکار دیا — ایسوں کو نباھنا میرا کام نہیں
(بیاض (5) صفحہ 65)

اللہ اللہ حضور کی سوجھتی ھے — نخاس سے رامپور کی سوجھتی ھے
ٹیلے پہ چڑھ کے طور کی سوجھتی ھے — دیوانے کو کتنی دور کی سوجھتی ھے
(بیاض (5) صفحہ 68)

چنڈال نہیں ھے دیو بھگتا ھے کلوٹ — جو جیسا ھو، ایسا اسے لگتا ھے کلوٹ
آپ اس سے خفا رھیں تو رھیں ٹھینگے سے — بھنگن تو خوش ھے ایسا ھگتا ھے کلوٹ
(بیاض (2) صفحہ 32)

ھاں جانتا ھوں وہ کالا صاحب نمروڈ — وہ نورجہاں گیٹ بد ایونسی روڈ
لینڈی اب کیوں نہ آسماں پہ چڑھے — کھانے کو ملے مچے ھگنے کو کموڈ
(بیاض (2) صفحہ 46)

وارد ھوئے لکھنو میں جب شاہ دکن — دستار میں طرہ کوئی دیکھا نہ رتن
کیا سادہ زندگی ھے ماشاء اللہ — عثمان تو نام ھے اور علی کا ھے چلن
(بیاض (1) صفحہ 60 - بیاض (2) صفحہ 44)

وہ مست شباب یاد آتا کیوں ھے — امکان ھوس کو آزماتا کیوں ھے
میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس آجا — پرچھائیں سی پردے پہ دکھاتا کیوں ھے (14)
(بیاض (5) صفحہ 43)

یہ تیزی طبع ایسی کج رفتاری — دس بیس پہ جانتے ھو خود کو بھاری
کیا زور ھے کیا زعم ھے ماشاء اللہ — آپ اپنے پاؤں پر کلھاڑی ماری (15)
(بیاض (5) صفحہ 66)

کیا چیز ھے دنیا جسے کھوتے نہ بنی — سرمایۂ لذت کو ڈبوتے نہ بنی
سالے ھی سہی سسرے ھی سہی — دنیا سے دنی سے ھاتھ دھوتے نہ بنی (16)
(بیاض (4) صفحہ 65)

کھایا ہو گا نہ باپ دادا نے کبھی — سیروں ہی جائے دھی ہو کہ کڑھی

مل جائے جو رامپور والے کا الــش — ایک لقمے میں چھٹ جائے پھپھوندی منہ کی(17)

(مسودہ بخط یگانہ بنام شعلہ، محررہ 29 ستمبر 1954ء)

کیا پردۂ مذہب کھولتا ہے ناداں — گونگے کی بولی بولتا ہے ناداں

فردا کی خبر ہے نہ پس فردا کی — اندھوں کی طرح ٹٹولتا ہے ناداں(18)

(بیاض (3) صفحہ 57 - "نیرنگ خیال" لاہور، جون 1928ء، صفحہ 29)

استاد فقط راہ بتا دیتا ہے — یا پاؤں میں پہیے بھی لگا دیتا ہے

شاگرد تو شاگرد ہیں بندہ تو نہیں — بندے کو جو دیتا ہے خدا دیتا ہے

(بیاض (6) صفحہ 21)

آنے کی قدم بہ قدم آتے آتے — ظالم تجھے کیا دیر قیامت ڈھاتے

نیرنگ جمال پر چڑھا رنگ جلال — دنیا ہی بدل گئی پلک جھپکاتے

(بیاض (6) صفحہ 21)

ایسا نہ سمجھیو کوئی خیلا ہوں میں — دھن کا پکا ہوں گو اکیلا ہوں میں

دم کیوں نہ بھروں میں علی کا ہر دم — معلوم ہے کس گرو کا چیلا ہوں میں

(بیاض (6) صفحہ 29)

کچھ درد محبت کی کسک ہے تو سہی — ہلکی سی نبض میں دھمک ہے تو سہی

چڑھ جائے کوئی لہر تو پھر کیا چارہ — کچھ دن کے لئے شک ہے تو سہی

(بیاض (6) صفحہ 8)

کون ایسا ہے دنیا کی جسے چاہ نہ ہو — سب سے ہو الگ کسی کے ہمراہ نہ ہو

دیکھا تو یگانہ کے ہیں انداز کچھ اور — درویش کے بھیس میں شہنشاہ نہ ہو

(بیاض (6) صفحہ 5)

سکھیوں میں سہیلیوں میں ہنس لینے دو — پھولوں میں دو گھڑی تو بس لینے دو

بادل ہے گھرا ہوا برس لینے دو — ہاں دل کو ذرا اور ترس لینے دو

(بیاض (6) صفحہ 3)

شیطاں کے دخل بے محل نے مارا — سچ جانیے نیت کے خلل نے مارا

ایمان کا کچھ بس نہ چلا منطق سے — ملّاؤں کے علم بے عمل نے مارا

(بیاض (6) صفحہ 28)

ڈرتے ڈرتے گناہ کر لیتا ہوں — دزدیدہ سہی نگاہ کر لیتا ہوں

وہ حسن کشش کے داد دیتے ہی بنی — دل تھام کے آہ آہ کر لیتا ہوں (19)

ذیل کی رباعی راقم کو آغا جان ابن یگانہ نے سنائی

کچھ کام کرو کہ چارۂ غم ہے یہی — زخم دل ناکام کا مرہم ہے یہی

اللّٰہ سے لو لگائے بیٹھے کیا ہو — شیطاں سے نمٹ لو کہ مقدم ہے یہی

درج ذیل رباعیاں رسائل میں شائع ہوئیں، مگر مطبوعہ مجموعوں میں شامل نہیں۔

عید اپنی منا لیتے محرم ہی سہی — مل جاتے کہیں آپ جہنم ہی سہی

صد جنّت بیخودی ہے کروٹ کروٹ — گہوارۂ عیش جان جوکھم ہی سہی

(" نیرنگ خیال " لاہور، دسمبر 1927ء)

آخر شکوۂ شوق نے گرما ہی دیا — مجبور نے مختار کو شرما ہی دیا

کچھ بس نہ چلا اپنے گنہگاروں پر — سرکار نے حکم عشق فرما ہی دیا

(" زمانہ " کانپور، جوبلی نمبر، فروری 1928ء)

بیداریٔ موہوم کا پردہ نہ ہٹا — کہنے کے لئے وقت بہت خوب کٹا

کیا جانیے کل سے آج تک کیا گزری — پانی کتنا بہا ہے پل کتنا گھٹا

(" سب رس " حیدرآباد، اگست 1938ء)

ذیل کا شعر راقم کو جناب راغب مرادآبادی نے عنایت کیا۔ یہ شعر یگانہ کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔

بننے کو گرامی بنے اقبال بنے — جب جانیں کوئی ظفرعلی‌خاں بن جائے

(12-1-52)

ذیل کے اشعار راقم کو اسماعیل احمد مینائی تسنیم نے ارسال کئے۔

اپنے ھندوستان میں گورے بھی ھیں کالے بھی ھیں + میرزا والے بھی ھیں دو میرزا والے بھی ھیں

کجومر بنا ڈالوں جاھے کجالو — جچا کا جچا ھوں میں خالو کا خالو

کیا جانیے مرزا نے پہلے رشتہ جوڑا — پھر گومتی والوں ھی کا کدو پھوڑا

دلّی والوں کو کیا اچھوتا جھوڑا — غالب کا بت بتاؤ کس نے توڑا

آئی ھوئی ٹل گئی مصیبت باری — پھرجی اٹھے میرزا یگانہ پیاری

کوسا پیٹا کریں غلبجی ساری — دم لینے نہ پائیں گے قلم کے ماری (20)

یگانہ کا منسوخ کلام

بیاض (2) صفحہ 84 پر غزل کے درج ذیل دو اشعار قلم زد کئے گئے ھیں۔

عجب نہیں جو کبھی چپ کی داد مل جائے — کسے خبر کوئی کس بھیس میں کدھر گزرے

نہ لینے دوں تمہیں کروٹ نہ میں ھی لوں کروٹ — جو میرے ساتھ کوئی شام یا سحر گزرے

بیاض (3) میں صفحہ 25 پر غزل کے درج ذیل اشعار پر خط تنسیخ پھیرا گیا ھے۔

ذرّے ھی پارس تھے اپنی خاک پر تاثیر کے — آشنا تھا کون پہلے نام سے اکسیر کے

ڈوب کر لائے نہ دریائے فطرت کی خبر — فکر سے جوھر کھلے آئینۂ تدبیر کے

بیاض (3) میں صفحہ 30 پر غزل کا درج ذیل شعر منسوخ کیا گیا ھے۔

سر تو اٹھتا نہیں اب ناز اٹھانا کیسا — ناتوانوں کی مگر آپ نے ھمت دیکھی

بیاض (3) میں صفحہ 43 پر غزل کے حسب ذیل دو اشعار قلم زد کئے گئے۔

یہ رنگ و بو ایک ھی جھونکے کی ھے مہماں — قائم نہ ھوا پر کوئی بنیاد رھے گی

منزل کی طلب ھے تو پس و پیش کہاں تک — خالی کبھی راہ عدم آباد رھے گی

یگانہ کے غیر مطبوعہ کلام میں ھر دور کا کلام شامل ھے۔ یہی وجہ ھے کہ راقم نے گذشتہ ابواب میں یگانہ کے فن کا تجزیہ کرتے ھوئے جابجا ان کے غیر مطبوعہ کلام سے بھی مثالیں دی ھیں۔ الگ سے اس کلام کا تجزیہ کر کے یگانہ کا مقام متعین نہیں کیا جا سکتا۔ تاھم " گنجینہ "

کے بعد مختلف رسائل میں شائع ہونے والی غزلیں ان کے آخری دور کی تخلیقی فکر کی غماز ہیں۔ اس زمانے میں بھی جب وہ غیر شاعرانہ کاموں میں مصروف تھے اور ان کے ذاتی مصائب میں اضافہ ہو گیا تھا ان کی غزل میں شاعرانہ فکر موجود ہے۔ ان غزلوں میں زبان و بیان کی وہی کاوش ملتی ہے جو یگانہ بننے کے بعد ان کا وصف خاص بن گئی تھی۔ ہندی شاعری کی کسک اور فارسی شاعری کے نمک سے یگانہ کی شاعری کا مزاج بنا ہے۔

" تخلیقی ادب (2) " میں یگانہ کی غیر مطبوعہ 131 رباعیاں اور مذکورہ باب میں ان کی جو رباعیاں دی گئی ہیں ان میں یگانہ کا ذاتی رد عمل بہت نمایاں ہے۔ چنانچہ ان رباعیوں سے استثنا کرتے ہوئے جنھیں یگانہ نے اشاعت کے لئے مختلف رسائل کو بھیجا باقی تمام رباعیاں ایسی ہیں جنھیں یگانہ کا رد کردہ کلام سمجھنا چاہئیے۔

پس نوشت : مقالہ جلد ہو چکا تھا کہ ڈاکٹر نیر مسعود (لکھنو) کا خط ملا (محررہ ۱۲ جولائی ۱۹۹۰ء) جس میں انہوں نے رسالہ "نظارہ" میرٹھ (جلد ا شمارہ ا۔ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۲۱) میں شائع ہونے والی یگانہ کی آٹھ رباعیاں تحریر فرمائی تھیں یہ رباعیاں یگانہ کے کسی مطبوعہ مجموعۂ کلام میں شامل نہیں۔ رباعیاں درج ذیل ہیں۔

مرنا جینا تو داخل فطرت ہے ۔۔۔ دونوں کا وجود قابل عبرت ہے
مرنا برحق ہے جس پہ لازم ہے شکر ۔۔۔ باطل ہے زلیست زیست پر لعنت ہے

رکھتے ہیں جو سودائے محبت سر میں ۔۔۔ کتنے نہیں خوف مرگ سے جگر میں
واعظ کو لحد کا ڈر ہے جیسے بچے ۔۔۔ جاتے ہوئے ڈرتے ہیں اندھیرے گھر میں

افسانۂ دیو و جن سے ڈر جاتے ہیں ۔۔۔ بچپن ہی سے کان جن کے بھر جاتے ہیں
وہ نام اجل سے یاس پھر کیوں نہ ڈریں ۔۔۔ موت آنے سے پیشتر ہی مر جاتے ہیں

تھراتے ہیں پاؤں ہاتھ میں ساغر ہے ۔۔۔ پروا نہیں کچھ موت جواب سر پر ہے
آئے بھی اگر اجل تو کیا خوف ہے یاس ۔۔۔ ڈر ہے تو فقط اپنے کیے کا ڈر ہے

دیگر چار رباعیاں یگانہ کے مضمون "دامن گلچیں" (مطبوعہ "نظارہ" میرٹھ جون ۱۹۱۷ء) میں شامل ہیں جنہیں مقالے کے صفحہ ۲۸۴۔۲۸۵ پر درج کیا جا چکا ہے۔

حـــواشــــی

1 - " آیات وجدانی " طبع دوم میں غزل کا آخری شعر اس طرح ہے۔

کمال عشق کی آنکھوں سے دیکھے گا جمال اپنا + لپٹ کر شمع سے آخر سراپا نور ہو جاتا

یہ شعر " آیات وجدانی جدید " اور " گنجینہ " میں نہیں -

2 - یگانہ نے آخری شعر کا پہلا مصرعہ اور غزل کے مطلعے کا دوسرا مصرعہ ملا کر " آیات وجدانی " طبع دوم (صفحہ 65) میں غزل کے آخری شعر کے طور پر دیا تھا۔ اس ایڈیشن میں غزل کا مطلع نہیں دیا گیا۔ تینوں اشعار " مخزن " اپریل 1927ء میں شائع ہوچکے ہیں۔ ان کے علاوہ " مخزن " میں شائع ہونے والے تین شعر یہ تھے

دل نامحرم فردا خدا کی مار ہو تجھ پر ابھی سے نشۂ حسن عمل میں چور ہو جانا

بسی ہے نکہت آوارہ کی نازک دماغوں میں مبارک ہستیٔ برباد پر مغرور ہو جانا

دکھائی جلوۂ باطن نے کیا کیا برق رفتاری پلک جھپکاتے ہی حد نظر سے دور ہو جانا

یہ تینوں اشعار " آیات وجدانی " طبع دوم، صفحہ 64-65، " آیات وجدانی جدید " صفحہ 75-76 اور " گنجینہ " صفحہ 12-13 میں شامل ہیں مگر وہاں آخری شعر کا پہلا مصرع اس طرح ہے

ع دکھائی جلوۂ موہوم نے کیا برق رفتاری

3 - یہی غزل رسالہ " نظارہ " میرٹھ، شمارہ نومبر دسمبر 1916ء میں صفحہ 357 پر شائع ہوئی تھی -

4 - یہی غزل " ہمایوں " لاہور، اپریل 1926ء، صفحہ 226 پر بھی شائع ہوئی -

5 - یہی غزل " شباب اردو " لاہور، اپریل 1923ء ، صفحہ 20 پر بھی شائع ہوئی -

6 - یہی غزل " نیرنگ خیال " لاہور، جولائی 1942ء، صفحہ 8 پر بھی شائع ہوئی -

7 - " آیات وجدانی " طبع اوّل، صفحہ 210 پر سہو کتابت سے " جادو " لکھا ہے۔

8 - یہی غزل " نیرنگ خیال " لاہور، سالنامہ 1928ء، صفحہ 61 پر شائع ہوئی -

9 - یہی غزل رسالہ " نظارہ " شمارہ اپریل مئی 1916ء ، صفحہ 157-158 پر شائع ہوئی -

10 - بیاض (3) میں صفحہ 43 پر یہ مطلع قلم زد کر دیا گیا تھا لیکن اسی بیاض میں صفحہ 44 پر یہی مطلع دوبارہ لکھا گیا ہے اور وہاں قلم زد نہیں کیا گیا۔

11- جناب مشفق خواجہ نے ایسی غزلوں کی تعداد چار بتائی ہے اور چوتھی غزل بھی "غیر مطبوعہ" غزلیات کے ذیل میں شائع کی ہے۔ یہ غزل فارسی میں ہے جس کا مطلع ہے

دل خود را کہ پشیماں نتوانم دیدن　　　　بہ کسے دست و گریباں نتوانم دیدن

یہ غزل "آیات وجدانی" طبع دوم، صفحہ 245-246 پر شائع ہو چکی ہے۔

12- "گنجینہ" کے قلمی نسخے کا عکس راقم نے جناب مشفق خواجہ کے ہاں ملاحظہ کیا۔

13- رسالہ "نظارہ" میرٹھ، نومبر 1915ء میں یگانہ کی آٹھ رباعیاں شائع ہوئی تھیں۔ راقم کو یہ شمارہ دستیاب نہ ہو سکا۔

14- بیاض (1) صفحہ 64، بیاض (2) صفحہ 1، رسالہ "سب رس" حیدرآباد دکن، اگست 1938ء، صفحہ 21 اور "تخلیق ادب (2)" صفحہ 460 پر یہ رباعی اس طرح ہے

پرچھائیں سی پردے پہ دکھاتا کیوں ہے　　　　امکان ہوس کو آزماتا کیوں ہے

میں یہ نہیں کہتا کہ پلٹ آئے شباب　　　　بھولا ہوا خواب یاد آتا کیوں ہے

15- بعد میں رباعی کے پہلے مصرعے میں یوں ترمیم کر دی گئی

ع　　یہ تیزئ طبع اف یہ کج رفتاری

مسودات بخط یگانہ بنام شعلہ محررہ 29 ستمبر 1954ء، این ایم نمبر 1963،215/44

16- یہ رباعی قلم زد کی گئی ہے۔

17- مسودہ بخط یگانہ بنام شعلہ محررہ 29 ستمبر 1954ء میں یہ رباعی اس طرح ہے

بھکو نے کہا، کہاں میسر ہے دہی　　　　سیروں پی جائے دہی ہو کہ کڑھی

مل جائے جو رام پور والے کا الش　　　　اک لقمے میں چھٹ جائے پھپھوندی منہ کی

دوسرے مصرعے کے آگے قوسین میں یہ الفاظ لکھے ہیں "وہ کہنا دہی ہو گا" رباعی کے آخر میں لفظ 'GOOD' لکھا ہے۔ خط کے آخر میں رباعی تحریر کی گئی ہے۔ رباعی کے شروع میں تحریر ہے" ایک راوی کے بیان کا خلاصہ" ۔"کلیات صائب" کی جلد کے اوراق پر یہ رباعی اس طرح درج ہے ۔ راوی . . . سے جو سنا اوسے آرٹسٹ نے یوں بیان کیا ہے

راوی نے کہا کہاں میسر یہ دہی　　　　سیروں پی جائے دہی ہو کہ کڑھی

مل جائے جو رامپور کا پس خوردہ　　　　دو لقمہ میں چھٹ جائے پھپھوندی منہ کی

پہلا مصرعہ اس طرح لکھ کر قلم زد کیا گیا ہے

ع　　کھایا ہو گا نہ باپ دادا نے کبھی

دوسرے مصرعے میں "رام پور والے کا الش" قلم زد کر کے "رام پور کا پس خوردہ" لکھا ہے۔

18- بیاض (4) صفحہ 6 اور " ترانہ " صفحہ 10 پر یہ رباعی اس طرح ہے

اندھوں کی طرح ٹٹولنا کیا معنی   گونگے کی بولی بولنا کیا معنی
فردا معلوم و راز فردا معلوم   پھر پردۂ غیب کھولنا کیا معنی

19- " گنجینہ " میں صفحہ 173 پر رباعی نمبر 156 اس طرح ہے

ڈرتے ڈرتے گناہ کر لیتا ہوں   دزدیدہ سہی نگاہ کر لیتا ہوں
کیا کیجئے دادِ حسن دیتے ہی بنی   دکھے ہوئے دل سے آہ کر لیتا ہوں

یگانہ نے اپنے قلم سے اس رباعی کے آخری دو مصرعے قلم زد کر کے دو مصرعوں کا اضافہ کیا ہے۔ " گنجینہ " کا یہ مطبوعہ نسخہ جناب باقر حسنین رضوی کی ملکیت ہے۔

20- ان سب اشعار کو یگانہ نے " غلبجیوں کا دماغی جلاب " کا عنوان دیا تھا۔

باب یازدہم

یگانہ کا پیرایۂ زبان و بیان

شاعری ایک وحدت ـــ تغزل ، اردو شاعری میں اظہار کا مقبول ترین پیرایہ ـــ یگانہ کا لہجہ ـــ غیر عشقیہ واردات کے اظہار کا پیرایہ ـــ متروک اور مبتذل لفظوں کا استعمال ـــ ناسخ کے اصلاح زبان کے ضابطے اور یگانہ کا انحراف ـــ اردو شاعری کا رخ ٹھیٹھ اردو محاورے اور زبان کی طرف ـــ طاقت اور توانائی سے بھرپور لہجہ ـــ محاوروں کا مخصوص استعمال ، ہنر اور عیب کی صورت ـــ محاورہ ، خیال اور معنی کی ترسیل کا ذریعہ ـــ ٹھیٹھ اردو کا استعمال ـــ زبان کا وسیع تر تصور ـــ نظم معرّا اور نظم آزاد کی نئی لسّانی تشکیلات کے مقابل غزل میں ٹھیٹھ اردو کے الفاظ کا استعمال ـــ یگانہ کی شعری زبان کی ثانوی خصوصیات ـ ضرب الامثال ، کہاوتوں اور روزمرہ کا استعمال ـــ رمزیت ـــ استعارے اور علامت کا استعمال ـــ تمثیلی پیرایۂ بیان ـــ کیفیت میں ڈوبی ہوئی زبان ـــ حواشی ـ

شاعری بظاہر وحدت نظر آتی ہے لیکن در حقیقت بہت سے عناصر سے مل کر وجود میں آتی ہے۔ شاعری کے لئے جذبہ اور تخیل کی فراوانی از بس ضروری ہے اس کا تیسرا لازمی عنصر حسن بیان ہے دراصل شاعری حسن بیان کی طرف طبعی میلان رکھتی ہے تاہم حسن بیان، جذبہ اور تخیل کے ساتھ مربوط ہو تو وہ وحدت جنم لیتی ہے جسے شاعری کہا جاتا ہے۔

الفاظ شاعری کا بنیادی جوہر ہیں اور اپنا ایک مخصوص مزاج اور لہجہ رکھتے ہیں ان کی یہی خصوصیت جب کسی شاعر کے یہاں مانوس تکرار کے ساتھ ابھرتی ہے تو شاعر کا مخصوص لب و لہجہ بھی ابھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ لفظوں کا مزاج اور لہجہ ہی انہیں شیریں یا تلخ مانوس یا اجنبی، خوش گوار یا ناخوش گوار بناتا ہے۔ الفاظ سے ہی شعر میں غنائیت پیدا ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ بہت سے اشعار معنی و مفہوم کے اعتبار سے اتنی اہمیت نہیں رکھتے لیکن ان کا صوتی آہنگ بڑا دل نشیں ہوتا ہے۔

فارسی، اردو شاعری میں اظہار کا مقبول ترین پیرایہ تغزل ہے۔ جذبات، احساسات اور واردات کو لطیف ترین پیرائے میں بیان کو تغزل کا نام دیا گیا ہے۔ تغزل دراصل کیفیت میں ڈوبی ہوئی اس زبان کو کہتے ہیں جس میں سوز اور ساز دونوں موجود ہوں۔ تغزل یوں تو صنف غزل سے مخصوص ہے مگر حسن اتفاق سے فارسی اردو شاعری کی تمام اصناف میں تغزل کا رچاؤ موجود ہے۔

غزل کا مرکزی اور محبوب تصور " حسن و عشق" رہا ہے۔ شام وحشت، شب ہجراں اور صبح وصال کے فسانے حسن کو جتنے یاد تھے اس نے اتنے سنائے ضرور ۔ تاہم غزل محض محبوب کی زلفوں کے پیچاک میں الجھ کر نہیں رہ گئی بلکہ اس میں ستم ہائے روزگار اور جہان تازہ کے قصے بھی چھیڑے گئے۔غزل میں عشقیہ موضوعات کے علاوہ بتدریج مابعدالطبعیاتی ، تہذیبی ، سیاسی اور سماجی مسائل و افکار شامل ہوتے گئے۔ یوں غزل کی زمین کشادہ ہوتی چلی گئی اور اس میں معنی کی ایک دنیا آباد ہو گئی ۔ برصغیر کے فارسی گو شعراء طالب عاملی ، ظہوری، نظیری، عرفی ، ناصر علی سرہندی اور بیدل وغیرہ معنی آفرینی (QUEST OF MEANING) پر یقین رکھتے تھے۔ اردو میں بھی شعراء کا ایک ایسا طبقہ موجود ہے جس کے یہاں لفظ و معنی کا رشتہ بہت گہرا ہے اس طبقے کی نمائندگی میر و غالب کے بعد اقبال کرتے ہیں۔اردو کے متاخرین شعراء میں اس سلسلے کے آخری غزل گو شاعر یگانہ ہیں۔

یگانہ کی غزل کی زبان ان کے شعری اظہار کی زبان ہے اگرچہ انہوں نے ایک کثیر تعداد میں رباعیاں بھی کہیں مگر اس کے باوجود رباعی ان کے تخلیقی اظہار میں ثانوی حیثیت (BY-PRODUCT) رکھتی ہے پھر یہ کہ رباعی میں بھی ان کی غزل کا آہنگ موجود ہے۔ یگانہ نے اردو شاعری کے بلند آہنگ لہجے کی روایت کو قبول کیا تھا۔

تمام اردو شاعری کو بالعموم اور اردو غزل کو بالخصوص لہجے سے الگ نہیں کیا جا سکتا لہجہ دراصل منفرد انداز گفتگو یا وہ کیفیت اظہار ہے جو مختلف جذبات اور احساسات کے اظہار سے عبارت ہے لہجے کی ایک سطح عمومی ہوتی ہے جس میں شاعر محبت، رفاقت، ہمدردی اور شفقت کے جذبے کا اظہار کرتا ہے اور دوسری سطح انفرادی ہوتی ہے یعنی اسلوب میں شخصیت کی گونج سنائی دیتی ہے۔یگانہ کے یہاں لہجے کی یہی انفرادی سطح ہے۔ اور اگر لان جائنس کی اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ " اسلوب کی رفعت ایک بڑی شخصیت کی گونج ہے۔" (1) تو یگانہ کے اسلوب کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کے اسلوب کا ترفع ان کی پہچان ہے۔ ڈاکٹر

عبادت بریلوی کے لفظوں میں " یگانہ نے اپنے مفکر انداز کے سہارے ایک ایسی بلند آهنگی اور شدت پیدا کی کہ اس کی حدیں رفعت اور ترفع سے جا ملیں۔ " (2)

یگانہ کی پوری کی پوری شخصیت حرف و صوت کی شکل میں ان کے شعر میں ڈھل گئی تھی گویا ان کا لہجہ اس چوکھٹے کی طرح ھے جس میں ان کی تصویر سجی ہوئی ھے۔یگانہ کا یہ لہجہ انجم اعظمی کے خیال میں " اردو کا قوی ترین لہجہ ھے اس میں شعور اور انسانی کردار کی بے پناہ قوت ھے۔اس کی شخصیت ایک ایسی شخصیت بن کر ھمارے سامنے آتی ھے جو زندگی کے جبر سے ٹکرا کر پاش پاش ھو جاتی ھے لیکن شکست تسلیم نہیں کرتی اس سے اردو شاعری میں ایک عظیم المیہ وجود میں آتا ھے یہی المیہ پیکار کی صورت اس کے لہجے میں سمٹ آیا ھے۔ " (3)

بہت کم شاعروں کا ھر شعر مخصوص لہجہ کا پابند ھوتا ھے اردو شاعری کی روایت میں ایسے چند ھی نام ذھن میں آتے ھیں۔ میر کی طرح یگانہ بھی اپنا ایک منفرد آهنگ رکھتے ھیں۔ کلام موزوں میں آهنگ کو بڑی اھمیت حاصل ھے۔آهنگ عروضی وزن سے پیدا ھوتا ھے عروضی آهنگ کو اپنے آهنگ سے ملا کر کوئی اور کیفیت بنا دی جاتی ھے۔ یہ کیفیت اس طرح پیدا ھوتی ھے کہ عروضی وزن میں رہتے ھوئےالفاظ کے استعمال سے کوئی اور آهنگ تخلیق کر لیا جائے۔ باکمال شاعر وھی ھے جو عروضی آهنگ کو اپنے آهنگ سے ملا کر کوئی نئی کیفیت بنا دیتا ھے میر کا مترنم آهنگ اور یگانہ کا بلند آهنگ اسی نئی کیفیت کا نام ھے۔ یگانہ ۔ سودا ، آتش اور غالب کی طرح ان لوگوں میں سے ھیں جو صرف اپنی آواز کے طنطنے، ہرش اور کس بل کی وجہ سے زندہ رہ سکتے ھیں۔

یگانہ کی زبان اردو شاعری کی روایت میں اس لئے بھی اھم ھے کہ وہ غزل جیسے داخلی احساسات کی نمائندہ صنف سخن میں غیر عشقیہ واردات کا ذریعۂ اظہار بنی ھے۔ اسی طرح یگانہ نے اپنے مخصوص بلند آهنگ لہجہ کے ساتھ ساتھ نئے فکری اور جمالیاتی شعور کو بھی اردو غزل میں سمو دیا ھے۔ ان کے یہاں شعری اظہار شعری معنویت کے تابع ھے۔ یہ شعری معنویت

شاعرانہ اظہار کے سبھاؤ سے زندگی کی ہر واردات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ یگانہ کی غزل نے نئے فنی اور فکری مطالب کی ترجمانی کر کے اپنی ہمہ گیری اور ارتقا پسندی کا ثبوت دیا ہے گویا یگانہ کی غزل میں الفاظ کی اہمیت محض صوتی نہیں بلکہ فکری بھی ہے ان کے اشعار میں مصرعوں کی بندش کا نظام بڑا چست ہے انہیں اپنے بیشتر معاصرین سے بھی یہی شکایت تھی کہ انہیں دوسرا مصرع کہنا نہیں آتا۔ جب کہ سید عابد علی عابد کے لفظوں میں " یگانہ کے الفاظ کی کاٹ اور مصرع کہنے کا پینترا ایک عجیب رنگ رکھتا ہے۔"(4)

یگانہ متروک لفظوں کا بھی احترام کرتے ہیں اور مفہوم کی ترسیل کے لئے بعض اوقات متروک لفظوں کا استعمال کر کے حقیقی مسرت حاصل کرتے ہیں۔(5) یگانہ نے غزل کی زبان میں بعض ایسے نئے الفاظ کا اضافہ کیا جنہیں شاعری کے لئے ناموزوں اور ناگوار سمجھا جاتا تھا یگانہ نے ان کو گوارا ہی نہیں بنایا بلکہ انہیں استعمال کر کے بیان کا حسن اور رچاؤ پیدا کیا۔ یگانہ نے ایسے مہند لفظوں میں جو اپنے مستعمل معنوں میں عربی اور فارسی میں استعمال نہ ہوتے ہوں عربی فارسی لفظوں کی طرح اضافت یا عطف کو جائز قرار دیا اور اس معاملے پر اپنے مضمون " الفاظ مہند بہ عطف و اضافت " (مطبوعہ نظارہ میرٹھ، اپریل مئی 1916ء) میں فیصلہ کن بحث کی ۔ [دیکھیے باب ہشتم] یگانہ کا یہ مضمون ایک متنازعہ فیہ مگر فکر انگیز مضمون ہے۔اس سے ناسخ کے اصلاح زبان کے اس نظریے پر براہ راست زد پڑتی ہے جس کی پیروی لکھنو میں فرض سمجھ کر کی جاتی تھی اور جس کے نتیجے میں فارسی زدہ تراکیب اردو شاعری کا لازمہ بن گئی تھیں۔

ناسخ کے اصلاح زبان کے ضابطے طرز فارسی کی حمایت کرتے تھے جس کے نتیجے میں فارسی الفاظ و تراکیب کا استعمال بہت بڑھ گیا تھا۔ناسخ نے اردو کی صرف و نحو کے اصول مرتب کئے، روزمرہ اور محاورات کی چھان پھٹک کی اور ان کے قاعدے مقرر کئے۔ تذکیر و تانیث کے ضابطے بنائے افعال و مصادر میں تبدیلیاں کیں اور عروض و قافیہ کی پابندیوں پر زور دے کر ارکان کی ہم آہنگ ترتیب پر زور دیا ۔ ناسخ کے یہ سب اصول اور ضابطے فیصل تھے اور ان سے انحراف کی اجازت

نہیں تھی چنانچہ ایک عرصہ تک ناسخ کی زبان کسوٹی بنی رہی یہاں تک کہ غالب نے بھی اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں ناسخ کے اصولوں کی سختی سے پیروی کی دوسرے معنوں میں ناسخ نے بھاشا ، ہندی اور پراکرتی ہندی الاصل الفاظ کے استعمال پر پابندی عاید کی جس سے اردو شعر و ادب سے ہندی رس ختم ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ یگانہ اس امر پر یقین رکھتے تھے کہ ہر وہ لفظ جو اردو زبان کا حصہ بن گیا ہے خواہ وہ عربی ہو یا فارسی ، ہندی ہو یا پنجابی ، مستعمل ہو یا متروک اگر اس میں چاشنی ہے تو وہ لفظ اردو کا لفظ ہے اور اسے شعری لسانیات کی تشکیل میں استعمال کیا جانا چاہئیے۔ گویا ناسخ نے جو محاورہ شعری وضع کیا تھا یگانہ نے اسے قبول نہیں کیا اور خود انہوں نے فارسی کے ثقیل الفاظ کا سہارا لینے کے بجائے اردو کے مستعمل الفاظ و تراکیب اور محاوروں کو استعمال کیا۔ یگانہ کی انفرادیت یہ ہے کہ فارسی زبان و ادب کا گہرا شعور رکھنے کے باوجود بیشتر شعرائے اردو کی طرح ان کا لسانی خمیر فارسی کلاسیکی اسلوب سے نہیں اٹھا بلکہ انہوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ فارسی بندشوں میں محصور اردو شاعری کا رخ ٹھیٹھ اردو محاورے اور زبان کی طرف موڑ دیا۔ زبان کی اسی خصوصیت کی وجہ سے ان کا شعری لب و لہجہ نہ صرف اپنے دور کے اردو غزل گو شعراء سے الگ ہے بلکہ اردو کے کلاسیکی شعراء کے لہجے سے بھی علیحدہ نظر آتا ہے۔

یگانہ کے معاصرین کی غزل روایت سے مربوط ہے اور غزل کے معین فریم ورک میں رہتی ہے یگانہ نے غزل کے روایتی اسلوب سے الگ ہو کر اسے صریحاً افکار و خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا انہوں نے اردو شاعری کی PERMANENT WORKING VOCABULARY سے کام لے کر بعض جدتیں پیدا کیں۔ اس نئے تجربے میں یگانہ سے چھوٹی موٹی لغزشیں بھی ہوئیں مثلاً ان کے دو اشعار دیکھیے

پالا امید و بیم سے ناگاہ پڑ گیا	دل کا بنا بنایا گھروندا بگڑ گیا
منہ زوریوں کا حوصلہ سرکار حسن سے	آخر پڑی وہ مار کہ چرسہ ادھڑ گیا

ان اشعار میں گھر بگڑنا کے بجائے " گھروندا بگڑنا " یا چمڑی ادھڑنا یا کھال ادھڑنا کے بجائے

" چر سے ادھڑنا " غیر مانوس شعری زبان ہے تاہم یگانہ کے تجربے کی اہمیت کے پیش نظر یہ معمولی فروگذاشتیں نظر انداز کی جا سکتی ہیں۔

یگانہ کے بلند آہنگ لہجے کو طاقت اور توانائی کا لہجہ کہنا چاہئیے ایسا لہجہ جو انسانی بے بسی کے احساس کو زائل کرتا ہے اور اس کی جگہ اثبات اور حوصلہ پیدا کرتا ہے اسی لہجے کو یگانہ نے خودشناسی کی سپر بنایا تھا اور اسی لہجے سے وہ روایتی نظام اخلاق پر ضرب کاری لگاتے ہیں۔ یگانہ کے بلند آہنگ توانا لہجے کے بعد ان کی شعری زبان کی اہم ترین خصوصیات دو ہیں۔ (1) محاوروں کا مخصوص استعمال (2) ٹھیٹھ اردو کا استعمال ——— یہ دونوں خصوصیات نسبتاً تفصیلی مطالعے کی متقاضی ہیں۔

کسی بھی زبان کے محاوروں کا تہذیبی اور سماجی زندگی سے اٹوٹ رشتہ ہوتا ہے اس کی واضح مثال اردو زبان کے محاورے ہیں جو برصغیر کے مسلم کلچر کے خد و خال اجاگر کرتے ہیں۔ شاعری چونکہ " سلیقۂ کلام "کی علامت سمجھی جاتی ہے اس لئے شاعری میں محاوروں کے برمحل اور برجستہ اظہار کے لئے شاعر کا تہذیب شناس ہونا بہت ضروری ہے گویا محاورے کا برمحل استعمال تہذیبی عمل کو تسلسل مہیا کرتا ہے۔

یگانہ نے اپنے کلام میں جابجا محاوروں کا برجستہ اور معنی خیز استعمال کیا ہے۔ یہ ان کا ہنر بھی ہے اور عیب بھی۔ ہنر اس لئے کہ وہ شعر میں محاورے کو غیر محسوس طریقے سے استعمال کرتے ہیں یگانہ کے بعض مخالفین نے بھی ان کی اس خوبی کو تسلیم کیا ہے مثال کے طور پر نخشب جارچوی نے اپنے مضمون " میرزا یگانہ چنگیزی " میں جہاں یگانہ کے اشعار میں تکرار الفاظ اور تکرار تراکیب کو بخل شاعر قرار دیا ہے وہاں محاورے کے استعمال کے بارے میں لکھا ہے کہ

" مرزا یگانہ کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے جو اس دور کے اور کسی دوسرے شاعر میں نہیں پائی جاتی وہ محاورات اس انداز سے لکھ جاتے ہیں کہ یہ محسوس تک نہیں ہوتا کہ شعر محاورہ کے لئے کہا گیا ہے شعر سے شعریت نہیں جاتی اور عبارت میں جھول پیدا نہیں ہوتا یوں تو ذوق مرحوم

نے بھی محاورات نظم کئے ھیں بلکہ یوں کہا جائے کہ وہ فقط محاورات کے ھی شاعر تھے اور بس ۔ یہاں اس کے برعکس محاورہ شعر کی قیمت بڑھاتا ھے۔" (6) یگانہ کے یہاں محاورے کا استعمال عیب اس لئے ھے کہ وقت کے ساتھ محاورے سے مزین زبان کا رواج ختم ھوتا جا رھا ھے پھر یہی نہیں شعری زبان میں محاوروں کی بھرمار اسے بے لطف بنا دیتی ھے اور ایسا یگانہ کے یہاں بھی ھوا ھے مثال کے طور پر یگانہ کے یہ اشعار

کیوں نقش قدم دیکھ کے کھاتے ھو پچھاڑیں — کیا قافلے سے کوئی بچھڑ کر نہیں ملتا

کس سادگی سے میں نے بڑھایا تھا دست شوق — ھتھے سے بدمزاج یگانہ اکھڑ گیا

تاھم مجموعی طور پر یگانہ کے یہاں محاوروں کا استعمال انتہائی باموقع ھے وہ محاورے کے استعمال سے زبان میں " کن " لگانے کا ھنر جانتے تھے۔

یگانہ کا کم و بیش تین چوتھائی کلام محاوروں کے استعمال پر مبنی ھے بعض اشعار میں ایک سے زائد محاورے بھی پائے جاتے ھیں چند اشعار دیکھیے

نہا لیتے گنگا بکھیڑا تھا پاک — گناھوں کو زم زم سے دھویا تو کیا

لہو لگا کے شہیدوں میں ھو گئے داخل — ھوس تو نکلی مگر حوصلہ کہاں نکلا

زمانہ پھر گیا چلنے لگی ھوا الٹی — چمن کو آگ لگا کر جو باغباں نکلا

دکھایا گور سکندر نے پڑھ کے آئینہ — جو سر اٹھا کے کوئی زیر آسماں نکلا

سید قدرت نقوی نے اپنے مضمون " یگانہ کی زبان "میں یگانہ کے کلام میں محاوروں کو ساخت اور معنویت کے لحاظ سے چند بڑے عنوانات میں تقسیم کیا ھے وہ عنوانات یہ ھیں (الف) عام محاورات (ب) واقعاتی یا تجرباتی محاورات (ج) اختراعی محاورات (د) ترمیمی محاورات (ہ) ترجمہ ۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے مضمون " یگانہ کی زبان " مطبوعہ تخلیقی ادب (2))

یگانہ کے کلام میں اگرچہ فارسی آمیز تراکیب بھی پائی جاتی ھیں مگر ان کا تخلیقی جوھر ایسے اشعار میں زیادہ نمایاں ھوا ھے جن میں اردو زبان کے روزمرہ اور محاورے کا حسن موجود

ھے اس حوالے سے اردو کے شعراء ذوق اور داغ خصوصی شہرت کے حامل ھیں مگر واقعہ یہ ھے کہ ان دونوں کے یہاں محاورے کا استعمال محض لطف زبان کے لئے ھے جب کہ یگانہ کے یہاں محاورہ زبان کا چٹخارہ پیدا کرنے کے بجائے وصف لفظی و معنوی میں اضافہ کرتا ھے۔ یگانہ نے محاورے کی سختی کو اس طرح نرمایا ھے کہ محاورہ بندی نشتریت کا عمل بن گئی ھے۔ یگانہ کا یہ انداز مکمل تہذیبی آگہی اور اپنی شعری روایت سے باخبر ھونے کی وجہ سے پیدا ھوا ھے۔ یگانہ کے درج ذیل اشعار دیکھیے

کوئی طوفان آیا یا ھمارے کان بجتے ھیں ذرا اے بندگان ناخدا ھشیار ھو جانا

اسیرو شوق آزادی مجھے بھی گدگداتا ھے مگر چادر سے باھر پاؤں پھیلانا نہیں آتا

یگانہ کے محاورات زندگی کے جبر اور شخصیت کے ارادے سے عمل تک کی منزل کا بیان کرتے ھیں اسی لئے ان کی بلند آھنگ اور نسبتاً غیر متغزلانہ زبان کا چرچا ھے۔ایم ڈی تاثیر کے الفاظ میں " یاس کی شاعری محض حیات و جذبات کی ترجمانی پر اکتفا نہیں کرتی اس میں تنقید حیات کا عنصر بھی پایا جاتا ھے قدرت زبان کی وجہ سے یاس گہرے خیالات، صاف بامحاورہ عبارت میں بیان کرتا ھے اور اس کا کلام محاورہ برائے محاورہ اور بے معنی رعایت لفظی سے عموماً پاک ھے۔ " (7)

یگانہ کی محاورہ بند شاعری کی ایک خصوصیت یہ بھی ھے کہ محاورہ خیال کے تسلسل میں رکاوٹ بننے کے بجائے اسے آگے بڑھنے میں مدد دیتا ھے یہی وجہ ھے کہ یگانہ کی بیشتر غزلوں میں مسلسل خیال موجود ھے اور باوجودیکہ ان کے بعض اشعار میں ایک سے زائد محاورے استعمال ھوئے ھیں خیال اور معنی کی ترسیل میں کمی واقع نہیں ھوتی۔ غزل اور رباعی کے علاوہ مثلث میں بھی محاوروں کا استعمال یگانہ کی مہارت کا ثبوت ھے، مثلث کا ایک بند دیکھیے

ناخدائے کم ھمت ھاتھ پاؤں مار آیا تہ کی کیا خبر لاتا حوصلہ بھی ھار آیا

پار اتارنا کیسا پار سر اتار آیا

یگانہ کا کلام فکری توانائی، زبان کی لطافت اور تاثیر کے اعتبار سے ھی منفرد نہیں لفظی مناسبتوں، روزمرہ کے استعمال اور محاوروں کی صحت کے سبب اپنا ایک الگ مقام رکھتا ھے۔

محاوروں میں تصرف کرتے ہوئے یا نئے محاورے ایجاد کرتے ہوئے ان سے کچھ لغزشیں ضرور ہوئی ہیں مگر اس کے باوجود نئے نئے محاوروں کو زبان کا جز بنانے کا تجربہ یگانہ نے بڑی خوش سلیقگی سے کیا ہے۔ الفاظ کی نشست و برخاست ، روزمرہ محاوروں کے استعمال کے ساتھ معنی آفرینی کا حسن اور جدت بیان کے ساتھ جوش ادا کا پہلو یگانہ کی ایک ہی غزل کے اشعار میں دیکھیے

ادب نے دل کے تقاضے اٹھائے ہیں کیا کیا　　ہوس نے شوق کے پہلو دبائے ہیں کیا کیا

اسی فریب نے مارا کہ کل ہے کتنی دور　　اس آج کل میں عبث دن گنوائے ہیں کیا کیا

بلند ہو تو کھلے تجھ پہ زور پستی کا　　بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا کیا

خدا ہی جانے یگانہ میں کون ہوں کیا ہوں　　خود اپنی ذات پہ شک دل میں آئے ہیں کیا کیا

یگانہ کے شعر

کون دیتا ہے داد ناکامی　　خون فرہاد برسر فرہاد

پر مجتبیٰ حسین کی رائے بڑی صائب ہے یگانہ کی محاورہ دانی کی بحث کا اختتام اسی رائے پر کیا جاتا ہے " یہ شعر جو " کوہ بے ستون " کو تراش کر نکالا گیا ہے المیہ کی جس بلندی کو چھو لیتا ہے وہاں آنسوؤں اور آہوں کا گزر نہیں یہ انسانی زندگی کی صدیوں کی المناکیوں کو سمیٹے ہوئے ہے یہ محاورات کے استعمال یا خالی خولی زبان دانی کا مظاہرہ نہیں ہے یہ غم کی بات ہے جو سستے مظاہرے کی طالب نہیں ہوتی۔ " (8)

یگانہ کی شعری زبان کی دوسری اہم ترین خصوصیت ٹھیٹھ اردو کا استعمال ہے انہوں نے بڑے وثوق اور اعتماد کے ساتھ ٹھیٹھ اردو کے الفاظ کو شاعری کی زبان کا حصہ بنایا۔ یگانہ ایسے کھڑی بولی ، برج بھاشا اور اودھی کا بھید بھاؤ اور مزاج سمجھنے والے بہت کم اردو شعراء ہیں ٹھیٹھ ہندی الفاظ ، روزمرہ ٹکسالی بولی اور محاوروں کو انہوں نے کثرت سے اردو میں داخل کیا۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا یہ خیال درست ہے کہ " زبان کا مسئلہ در اصل صرف زبان کا مسئلہ نہیں یہ ایک تہذیبی نظر، ایک انداز زندگی ، گنگا جمنی کیفیت اور دو بڑے فرقوں کے

مابین ذہنی و جذباتی اشتراک کا مسئلہ بھی ہے۔" (9) اس اعتبار سے دیکھیں تو یگانہ کی زبان میں بھی کسی خاص علاقے یا کسی خاص زبان کے اثرات کو رد کر کے زبان کا وسیع تر تصور پیدا کرنے کی کوشش ملتی ہے یگانہ کے شعری اسلوب میں عربی، فارسی مزاج یا لکھنو اور دہلی کے انداز کے علاوہ ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں کی تمام آوازوں کی گونج سنائی دیتی ہیں انہی آوازوں کے ملاپ سے یگانہ کے یہاں ٹھیٹھ اردو کے لہجے نے جنم لیا ہے، اس لہجے کی گونج کی چند مثالیں دیکھیے

پکارتا رہا کس کس کو ڈوبنے والا خدا تھے اتنے مگر کوئی آڑے آ نہ گیا

پہلے اپنی تو ذات پہچانے راز قدرت بکھاننے والا

راہ چلتے لپٹ پڑیں نہ کہیں بے دھڑک دل میں ٹھاننے والا

خاک میں مل کے پاک ہو جاتا چھانتا کیا ہے چھاننے والا

آپ سے باہر چلے ہو ڈھونڈنے آہ پہلا ہی قدم چھوٹا پڑا

آج ہی حق سے ادا ہو جائیے دھیان بھٹکا ولولہ ٹھنڈا پڑا

یا ان کی وہ مکمل غزل جس کے قافیہ میں "ڑ" حرف روی کے طور پر ہے۔ غزل کا مطلع ہے

پالا امید و بیم سے ناگاہ پڑ گیا دل کا بنا بنایا گھروندا بگڑ گیا

ایک اور غزل کے چند اشعار دیکھیے

پوچھنا کیا زمانہ سازوں کا نت نیا بھیس نت نرالا سانگ

پھرتے ہیں بھیس میں حسینوں کے کیسے کیسے ڈکیت تھانگ کے تھانگ

خواہ پیالہ ہو یا نوالہ ہو بن پڑے تو جھپٹ لے بھیک نہ مانگ

روزمرہ کے ساتھ "ڈھ" کا جیسا استعمال یگانہ نے کیا ہے اردو غزل میں اس کی مثال شاذ ہی ملے گی، دیکھیے

یگانہ ڈھن گئی بے ڈھب تو سوچتے کیا ہو شریک کار نہیں تو نہیں جریدہ سہی

دیر و حرم بھی ڈھہہ گئے جب دل نہیں رہا — سب دیکھتے ہی دیکھتے ویرانہ ہو گیا

ہوئے کیوں بار خاطر خود بخود گلہائے پژمردہ — ڈھیے پڑتے ہیں آپی آپ کیوں گلچیں کے دامن

زمیں پہ نور کے پتلوں نے کیوں ڈھیی دی ہے — کفن ملے تو سمجھنا دھنسی تھے قسمت کے

ذرا سی بات پہ لگتی ہے چوٹ کیا کہیے — دل حزیں کہیں اک ٹھیس میں نہ ڈھ جائے

اردو میں ہزاروں الفاظ ایسے ہیں جو روزمرہ میں تو شامل ہیں مگر وہ غزل کی زبان سے خارج سمجھے جاتے ہیں یگانہ نے ایسی ہی ان گنت لفظوں کو غزل اور رباعی میں بلا تکلف استعمال کیا اردو شاعری کی روایت میں یہ کوشش درحقیقت ایک جدت کی حیثیت رکھتی ہے امر واقعہ یہ ہے کہ غزل اور رباعی جیسی لطیف اصناف سخن میں یہ پابندی بہت مشکل کام ہے۔ یگانہ کی ایک رباعی ہے۔

پھر کوئی نئی لگن لگی ہے شاید — ہاں ہاں تہ پیرہن لگی ہے شاید

دل پریم کے ساگر میں بے تاب ہے کیوں — تازہ کوئی ڈگن لگی ہے شاید

اس ایک رباعی میں کثیر تعداد میں ایسے لفظ استعمال ہوئے ہیں جو اس سے پہلے اردو شعر و ادب کے لئے نامانوس تھے۔ روزمرہ زبان کے وہ الفاظ جنہیں استعمال کرنا تو درکنار انہیں عامیانہ سوقیانہ ، غیر شاعرانہ، کرخت اور کھردرے قرار دیا جاتا تھا یگانہ نے ان کا نہ صرف بے دریغ استعمال کیا بلکہ زیادہ تر یہ استعمال اتنا دلکش ہے کہ اس سے کلام کے آہنگ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یگانہ کے مخالفین نے اس محنت طلب کام کی داد اس پر طرح طرح کے اعتراضات کر کے دی مگر یگانہ نے یہ ثابت کیا کہ مذاق سلیم اور سخن شناسی کا قرینہ میسر ہو تو حسن خیال کو ٹھیٹھ زبان کے الفاظ کے ذریعے سے بھی حسن کلام میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ مجتبیٰ حسین کے الفاظ میں " ٹھیٹھ زبان میں اتنی قوت اور جامعیت کے ساتھ شاید ہی کسی اور نے ایسے شعر کہے ہوں یہ ٹھیٹھ زبان ان کے یہاں " پینترے " کے طور پر استعمال نہیں ہوئی یگانہ کی سفاکیٔ طبع انہیں اس زبان تک بھی لے گئی سپاٹ (BALD) لہجے کی شاعری کے ذریعے وہ قاری کو سمتی جذباتیت سے دور رکھ کر حقیقت سے قریب تر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ٹھیٹھ زبان ان کے مزاج

سے ہم آہنگ تھی اس زبان میں شعری امکانات کو ڈھونڈ نکالنا اور پیدا کرنا اور اس کے خاکی لفظوں میں زندگی کے گرد آلود چہرے کو دیکھ لینا کسی معمولی شاعر کے بس کی بات نہیں۔" (11)

جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی ہے/یگانہ نے ٹھیٹھ اردو کے زیادہ سے زیادہ الفاظ کو برتنے کی کوشش کی یگانہ کے بعد فراق نے اس زبان کو زیادہ واقف کاری کے ساتھ اردو غزل اور رباعی کا حصہ بنایا یگانہ نے جب اس لہجے کو برتا تو اس میں ثقالت اور غرابت کا پیدا ہو جانا فطری تھا۔ ایک تو یہ لہجہ نامانوس تھا دوسرے غزل کی لطافت، غنائیت اور ایمائیت سے لگا نہیں کھاتا تھا اور تیسرے خود یگانہ کی نکتہ چیں، زور آزما اور جنگ جو شخصیت کے دو ٹوک اظہار کی وجہ سے اس میں کہیں کہیں ثقالت اور عامیانہ پن پیدا ہوا۔ مجتبیٰ حسین کے لفظوں میں "یگانہ نے جہاں اس لہجے کو ضرورت سے زیادہ تانا ہے ان کے کلام میں ابتذال پیدا ہو گیا لیکن بالعموم اس ٹھیٹھ لہجے میں یگانہ نے بڑے فیصلہ کن اشعار کہے ہیں یہ لہجہ ان کے تجربات کا نچوڑ ہے۔" (12)

یگانہ جس دور میں غزل کہہ رہے تھے اس وقت نظم معریٰ اور نظم آزاد کا بڑا شہرہ تھا جب کہ یگانہ غزل کے زبردست حامی تھے غزل کے دفاع میں انہوں نے نظم معریٰ اور نظم آزاد پر سخت نکتہ چینی کی تھی اس تناظر میں دیکھیں تو اردو غزل میں ٹھیٹھ اردو کے الفاظ متعارف کرانے سے یگانہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نظم معریٰ اور نظم آزاد کی نئی لسانی تشکیلات کا مقابلہ غزل کی زبان میں ٹھیٹھ اردو کے الفاظ شامل کر کے کرنا چاہتے تھے۔ یگانہ کی معاصر غزل اردو نظم کی مسابقت میں ناکام ہو چکی تھی غزل کو ایک ایسی زبان کی ضرورت تھی جو جدید حسیت کا اظہار جدید پیرائے میں کر سکے۔ یگانہ کے یہاں ٹھیٹھ اردو کا استعمال/تیسری دہائی کے آغاز سے ہوا "ترانہ" کی رباعیوں سے یہ سلسلہ شروع ہو کر آخری دور کی غیر مطبوعہ غزلوں پر منتج ہوا۔ ترانہ کی پہلی رباعی ہے

ساجن کو سکھی منالو پھر سو لینا سوتی قسمت جگالو پھر سو لینا
سوتا سنسار، سننے والا بیدار اپنی بیتی سنالو پھر سو لینا

اس رباعی میں ایک آدھ لفظ کے علاوہ سارے الفاظ کھڑی بولی کے ہیں جس کے آگے چل کر روپ ہو

گئے تھے ایک ھندی دوسرا اردو ۔ دونوں میں کسی قدر لفظی الٹ پھیر ھے ورنہ زبان کی اصل کے اعتبار سے دونوں ایک ھیں، چند مزید رباعیاں دیکھیے (رباعی کے حوالے سے تفصیلی بحث باب ششم میں ملاحظہ کی جا سکتی ھے۔)

سنسار میں چار دانگ اندھیاری ھے　　کیا جانیے خواب ھے کہ بیداری ھے
آنکھیں ھیں مگر حسن سے خالی　　اندھیر ھے یا سمے کی بلہاری ھے

کیا بھانپتا ھے بھانپنے والے باز آ　　حیران ھے کیوں ڈھانپنے والے باز آ
کھنچتی جائے گی اور بھی دور سے دور　　آفاق کی حد ناپنے والے باز آ

غیر مطبوعہ غزلوں کے اشعار درج ذیل ھیں۔

بتوں سے خدا جانے کیسے بنے　　چلو یہاں سے اب اٹھ چلو سب جنے
حقیقت کی تہہ کو پہنچنا محال　　وہ پتلی چھنے چاھے گاڑھی چھنے
خاک اڑتی ھے پیٹ میں ساقی　　ارے خالی پیالہ بھرنا کیا
بدل کے بھیس زمانے کی تھاہ لینا ھے　　نگاہ شک میں کوئی بات اجنبی نہ لگے
گناہ کار ھوں پھر بھی وہ دل دیا تونے　　تری جناب میں پہنچوں تو تھرتھری نہ لگے

یہی زمانہ نئی نظم کے فروغ اور عروج کا ھے یگانہ نے اس اثنا میں اپنے نثری مضامین میں نئی نظم کی زبان اور ھیت پر اعتراضات کئے اور شاعری میں قافیہ کے استعمال کی پر زور حمایت کی اس کے ساتھ ھی انھوں نے ٹھیٹھ زبان میں لکھی گئیں اپنی غزلوں اور رباعیوں کو پنجاب کے معروف جرائد میں شائع کیا۔ یاد رھے کہ پنجاب (لاھور) جدید اردو نظم کا مرکز تھا۔ "آیات وجدانی" جدید (1946ء) میں ٹھیٹھ زبان میں کہی گئیں تمام غزلیں شامل ھیں۔ یگانہ نے "آیات وجدانی" جدید کی اشاعت کو زندگی کا ایک بڑا کام قرار دیا تھا۔ ان حالات میں یہ اور بھی ضروری ھو جاتا ھے کہ یگانہ کی " سپرٹ " کی صحیح طور پر داد دی جائے خاص طور پر اس صورت میں کہ غزل گو شعراء کی نئی نسل پر فراق گورکھپوری کے توسط سے یگانہ کی زبان کے اثرات با آسانی دیکھے

جا سکتے ھیں (ملاحظہ کیجئے باب دو از دھم)

اس بحث کے بعد یگانہ کی زبان کی کچھ ثانوی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ھے ان میں سے بیشتر خصوصیات یگانہ کے مخصوص سادہ اور عام فہم مگر منفرد لہجے کی دین ھیں۔ یگانہ کے کلام میں ضرب الامثال یا کہاوتوں کے علاوہ روزمرہ میں استعمال ھونے والے گفتگو کے ٹکڑے، تراکیب اور مقولے بھی خاصی تعداد میں موجود ھیں اگرچہ ان کا استعمال عام طور پر شاعری کی زبان اور خاص طور پر غزل کی زبان میں معیوب سمجھا جاتا رھا ھے مگر یگانہ نے ان کا استعمال بھی چابک دستی سے کیا ھے۔ سید قدرت نقوی نے اپنے مضمون "یگانہ کی زبان" (مطبوعہ تخلیقی ادب (2)) میں ایسے بہت سے اشعار بطور مثال دئیے چند اشعار دیکھیے

(کہاوتیں) کھٹکا لگا نہ ھو تو مزہ کیا گناہ کا — لذت ھی اور ھوتی ھے چوری کے مال میں

چت بھی اپنے ھے پٹ بھی اپنے ھے — میں کہاں ھار ماننے والا

(روزمرہ) شامت آ گئی آخر کہہ گیا خدا لگتی — راستی کا پھل پاتا بندۂ مقرّب کیا

(روزمرہ تراکیب) پیٹ کے ھلکے لاکھ بڑ ماریں — کوئی کھلتا ھے جاننے والا

(مقولہ) کہاں کا روزِ جزا کل کے مرتے آج مریں — امید و بیم کو ٹھوکر پہ مارنے والے

یگانہ کھلے اور بلند بانگ لہجے کے شاعر ھیں مگر لطف کی بات یہ ھے کہ ان کی بلند آھنگی نے رمزیت کو فنا نہیں کیا یگانہ بہت سی ان کہی باتیں سمجھ میں آنے والے پیرائے (SUJJES-TIVENESS) میں ادا کرتے ھیں وہ ان دیکھی حقیقتوں کی بافت کرنا چاھتے ھیں اور جاننا چاھتے ھیں کہ کائنات کی حقیقت کیا ھے اس کو کیسے پایا جا سکتا ھے اور کیا یہ بھی ممکن ھے کہ حقیقت کا مشاھدہ اپنی آنکھوں سے کیا جا سکے۔ یگانہ کا متشککانہ رویّہ ان کے شعر میں رمزیت پیدا کرتا ھے ان کی تقریباً ھر غزل میں رمزیاتی اشعار ملتے ھیں

شش جہت میں ھے ترے جلوۂ بے فیض کی دھوم — کان مجرم ھیں مگر آنکھ گنہگار نہیں

کس کی آواز کان میں آئی — دور کی بات دھیان میں آئی

دکھائی جلوۂ موہوم نے کیا برق رفتاری پلک جھپکاتے ہی حد نظر سے دور ہو جانا

امیدوار رہائی قفس بدوش چلے جہاں اشارۂ توفیق غائبانہ ملا

کیا زندگی کے بعد بھی ہے کوئی زندگی پھر جان آ چلی چمن پائمال میں

سوچتا ہوں جب تو میں ہی میں ہوں اور کوئی نہیں + ہو نہ ہو کچھ بھید اس اندیشۂ باطل میں ہے

یگانہ کے یہاں استعارے کا استعمال اگرچہ کم ہے مگر معنی خیز ہے۔ استعارہ در حقیقت ایک فنی تدبیر ہی نہیں ذہنی طریقہ کار بھی ہے۔ شاعر اس کے ذریعے تخیل کی حقیقت کا انکشاف کرتا ہے اور اس حقیقت کی تہہ در تہہ پیچیدگی اور اس کی وسعت کو اجاگر کرتا ہے استعارے میں ایک طرح کی بے ساختگی پائی جاتی ہے یگانہ کی ایک ہی غزل کے چند اشعار میں استعارے کے استعمال کے مختلف انداز دیکھئیے۔

قفس میں ہوئے مستانہ بھی آئی دردسر ہو کر نوید ناگہاں پہنچی ہے مرگ منتظر ہو کر

نگاہ شوق سے کیا کیا گلوں کے دل دھڑکتے ہیں مبادا رنگ ہو اڑ جائے پامال نظر ہو کر

کہاں پر نارسائی کی ہے پروانوں کی قسمت نے پڑے ہیں منزل فانوس پر بے بال و پر ہو کر

پرائے درد کی کوئی نگہبانی کرے کب تک حقیقت کھل نہ جائے اضطراب رازداں ہو کر

یگانہ نے اردو شاعری کی بعض پامال علامتوں کو نئے سیاق و سباق میں برتا۔ انہوں نے قفس و آشیاں کی علامت کو خاص طور پر نئے تناظر میں استعمال کیا۔ دیکھئیے

افسردہ خاطروں کی خزاں کیا بہار کیا کنج قفس میں مر رہے یا آشیانے میں

خدا کسی کو بھی یہ خواب بد نہ دکھلائے قفس کے سامنے جلتا ہے آشیاں اپنا

یکساں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں

یگانہ کے یہاں علامتوں کا پھیلا ہوا یا پیچیدہ نظام نہیں ہے ان کا علامتی اظہار مانوس معلوم ہوتا ہے۔

ہوائے کوچۂ قاتل سے بس نہیں چلتا کشاں کشاں لئے جاتا ہے ولولہ دل کا

نقشِ باطل ھو چلا خواب پریشان بہار | دیدہ حیراں میں کھچ کر آ گئی جان بہار
دلیل راہ دل شب چراغ تھا اپنا | بلند و پست میں گزری ھے جستجو کرتے
یہ کس نے گرم رفتار فنا کی راہ کھوئی کی | بڑھا کر پردۂ فانوس میں شمع شبستاں کو

یگانہ کے انداز بیان کی ایک اور خوبی تمثیلی پیرایہ بیان ھے ان کا لہجہ ڈرامائیت سے بھرپور لہجہ ھے۔ آواز، حرکت اور رفتار کے تلازمات کو نمایاں کرنے کے علاوہ یگانہ ان کو جسم و جاں عطا کرنے کے فن میں مہارت رکھتے ھیں اس کے لئے انھوں نے جابجا برجستہ محاوروں کا استعمال کر کے آواز، حرکت اور رفتار کو جسمیت دی ھے۔ غیر مرئی تصورات کو متشکل کرنے کے عمل میں متخیلہ سب سے اھم کردار ادا کرتی ھے اور یگانہ کی متخیلہ گہرے مطالب کو دل پذیر انداز میں نقش کرنے کے ھنر سے آراستہ ھے ان کی متخیلہ تمثال کو متحرک صورت میں دیکھنے کی عادی ھے دیکھیے

رفتار زندگی میں سکون آئے کیا مجال | طوفان ٹھہر بھی جائے تو دریا بہا کرے
پیالہ خالی اٹھا کے لگا لیا منہ سے | کہ یاس کچھ تو نکل جائے حوصلہ دل کا
چراغ زیست بجھا دل سے اک دھواں نکلا | لگا کے آگ مجھے گھر سے میہماں نکلا
بڑھتے بڑھتے اپنی حد سے بڑھ چلا دست ھوس | گھٹتے گھٹتے ایک دن دست دعا ھو جائے گا
آبلہ پا نکل گئے کانٹوں کو روندتے ھوئے | سوجھا پھر آنکھ سے نہ کچھ منزل یار دیکھ کر

یگانہ کے لہجے میں جو تندی اور استواری ھے اس میں ان کی جدت پسند طبیعت کے ساتھ ان کے طنّاز ذھن کا بھی دخل ھے۔ حسن و عشق کے مضامین ھوں یا تنگئ حیات کا ذکر، خدا سے خطاب ھو یا بندے سے، پروانے کی نارسائی کا گلہ ھو یا فانوس کے آڑے آ جانے کی بات، پیاسے اور دریا کا تذکرہ ھو یا حیات و کائنات کے مسائل پر تبصرہ ھر جگہ یگانہ کے طنزیہ لہجے کی چھاپ دکھائی دیتی ھے۔ یہ طنزیہ لہجہ کبھی لفظوں سے ظاھر ھوتا ھے اور کبھی شعر کے بنیادی خیال سے۔ یگانہ کی شاعری کا بہترین حصہ وہ ھے جس میں ان کا طنز اپنی تمام پہلوداری کے ساتھ موجود ھے تاھم ان کے طنزیہ لہجے نے غم وغصے کی صورت بھی اختیار کی ھے۔ ان کے ایسے اشعار زھر میں بجھی ھوئی تلوار کی مانند ھیں۔

یگانہ کا لہجہ جامع متغزلانہ لہجہ تو ہرگز نہیں مگر وہ غزل اور تغزل کی حدود سے پوری طرح آشنا تھے انہی حدود میں رہ کر انہوں نے اپنے لئے آزادیاں حاصل کیں اس لئے یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ وہ غیر متغزلانہ لہجے کے غزل گو ہیں۔ ملک اسماعیل حسن خان کے الفاظ میں " یگانہ نے اردو غزل کو جو رجائی انداز، کڑک دار لہجہ، حوصلہ افزا خیالات رکھنے والا ذہن، تھک کر نہ ہارنے والا عزم اور جو توانائی اور کس بل دیا ہے وہ اردو غزل میں ان کا خاص CONTRIBUTION ہے۔" (13)

" حدیث دل " کا بیان یگانہ کا موضوع نہیں نہ ہی معاملہ بندی کی طرف کبھی ان کا رجحان رہا۔ یگانہ کے عشقیہ اشعار میں ان کے مخصوص لب و لہجے کی نمود کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ یہ اشعار اردو کے ہزاروں فرسودہ اور رسمی اشعار کی صف میں شامل ہونے سے بچ گئے ہیں۔ ان اشعار میں روتی ہوئی آنکھ کی دھندلی دھندلی دنیا نہیں ہے یہ " دل گداختہ " کے سوز و گداز سے بھرپور غنائیے بھی نہیں ہیں نہ ان میں لطف ہے نہ والہانہ پن، نہ سپردگی ہے نہ گھلاوٹ، پھر بھی ان میں ایک طرح کا نیا پن ہے۔ مجموعی طور پر یگانہ کے یہاں شعریت، موسیقیت اور تاثیر کی کمی نہیں اگرچہ یہ شعریت اور موسیقیت بھی اردو غزل کی مروجہ روایات اور مخصوص فضا سے الگ اور انہی کے دور کے دوسرے ممتاز غزل گو شعراء کے کلام کے معیار سے مختلف ہے لیکن اس اجنبیت کے پردے میں غزل کی ایک بالکل نئی مترنم آواز سنائی دیتی ہے۔

ایسے دو دل بھی کم ملے ہوں گے — نہ کشاکش ہوئی نہ جیت نہ ہار

جان ایماں ہے ابھی وہ آنکھ شرمائی ہوئی — کیفیت میں ڈوب کر کیا جانے کیا ہو جائے گی

واہ ری وارفتگی جاتی رہی سب بھوک پیاس — چشم بلبل سے گلوں کو غرق شبنم دیکھ کر

چپ لگی مجھ کو گناہ عشق ثابت ہو گیا — رنگ چہرے کا اڑا راز دل مضطر کھلا

اللہ ری بیتابیٔ دل وصل کی شب کو — کچھ کشمکش شوق بھی کچھ صبح کا ڈر بھی

کیفیت میں ڈوبی ہوئی اس تخلیقی زبان میں جذباتی قوتوں کی کارفرمائی موجود ہے تاہم یہ یگانہ کا مستقل انداز نہیں۔ یگانہ کا اسلوب اردو کی کلاسیکی شاعری کی روایت میں غیر جذباتی اسلوب کا شاید واحد ترجمان ہے۔ ان کی زبان نے عصری صداقت اور فنکارانہ طاپ سے جنم لیا ہے۔ یہ بظاہر مختلف اور نامانوس زبان ہے مگر جدید تر شاعری کا لہجہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

حواشی

1- بحوالہ اسلوب از عابد علی عابد صفحہ 63، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، دسمبر 1971ء

2- بحوالہ غزل اور مطالعہ غزل، صفحہ 594

3- بحوالہ ادب اور حقیقت، صفحہ 124، مطبوعہ کراچی اشاعت گھر، 1979ء

4- بحوالہ اصول انتقاد ادبیات، صفحہ 436

5- دیکھیے یگانہ کا مضمون " متروکات کا خبط " مطبوعہ عالمگیر، لاہور اکتوبر 1933ء

6- مطبوعہ " آج کل " دہلی، جولائی 1943ء، صفحہ 37

7- بحوالہ مقالات تاثیر، صفحہ 431

8- بحوالہ نیم رخ، صفحہ 50

9- بحوالہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی تقریر " انجمن ترقی اردو" کی کل ہند اردو کانفرنس پٹنہ کے کھلے اجلاس میں۔ مطبوعہ " ہماری زبان " دہلی، انجمن ترقی اردو ہند (دہلی) 8-15 مارچ 1979ء

10- ایضاً

11- بحوالہ نیم رخ، صفحہ 47

12- ایضاً، صفحہ 48

13- بحوالہ اردو کے کلاسیکی شعراء پر تنقیدی مضامین (حسرت سے فراق تک) جلد سوم، مرتبہ ایم حبیب خاں، صفحہ 98، مطبوعہ انڈین بک ہاؤس علی گڑھ، اکتوبر 1963ء -- یہی مضمون بعد میں اضافوں کے ساتھ "یگانہ کا مرتبہ بحیثیت غزل گو" کے عنوان سے نقوش لاہور (ستمبر 1965ء) میں شائع ہوا۔

باب دو از دهم

یگانہ کی ادبی و شاعرانہ قدر و قیمت کا تعین

یگانہ کی جستجو -- بھرپور ڈراماتی انداز کے ساتھ غزل کے احیاء کی کوشش -- معرکہ آرائی کے سبب مفید تبدیلیاں -- جدید نقادوں کی آرا -- یگانہ کی فیصلہ کن بحثیں -- یگانہ کی شاعری کا نظر انداز کیا جانا -- مغلیہ تہذیب کے آخری نقاد -- نیا ترانۂ شوق -- یگانہ رد کئے جانے سے قبولیت تک -- جدید اردو شعراء پر یگانہ کے اثرات -- اردو غزل کا تیسرا نام؟ -- یگانہ کی شاعری، بیسویں صدی کے فرد کی ذہنی کیفیات اور منفی رد عمل کی ترجمان -- یگانہ اور معاصرین -- جدید غزل کا ذہنی افق اور یگانہ کی غزل -- یگانہ اور جدید ترین نسل -- یگانہ کی غزل کا مستقبل -- حواشی --

یگانہ کی شاعری ایک نئی شعری زبان اور تازہ لہجے کے امکان کی جستجو کا نام ہے۔ یہ زبان ناقابل بیان یا ناممکن البیان کو منطق دینے کے بجائے ان معاشرتی اور تہذیبی رویوں کا بیان کرتی ہے جنہیں عام طور پر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے ۔ یوں یگانہ اپنے اسالیب اور اپنے بعض موضوعات کی وجہ سے اپنی ایک الگ شناخت رکھتے ہیں۔ یگانہ کی جستجو ایک ایسے معاشرے میں ہے جہاں غالب کو فن کا اوتار مان کر نہ صرف یہ کہ اس کی پوجا کی جا رہی تھی بلکہ اس کے اسالیب اور موضوعات کی نقالی بھی فرض سمجھ لی گئی تھی ۔ یگانہ اس پامال ماحول میں یقین اور اعتماد کے ساتھ اپنی بات اپنے لہجے میں اپنی لفظیات کے سہارے کہنے کی ایک مثال ہیں ۔

یگانہ کے زمانے میں خطرے کی یہ گھنٹی بار بار سنائی دیتی تھی کہ اردو غزل نزع کے عالم میں ہے مگر یگانہ کی غزل ان کی تمام تر ذہنی اور جسمانی تنہائی کے باوجود اس امر کی کی پائندہ مثال ہے کہ اردو غزل نہ صرف یہ کہ زندہ رہے گی بلکہ اس کا مستقبل بھی تابناک ہے۔ یگانہ نے اردو غزل کی موت کے اعلان کو چیلنج سمجھ کر قبول کیا ہے۔ ان کا بھرپور ڈرامائی لہجہ غزل کی ڈوبتی ہوئی نبضوں کو بحال کر کے اسے حیات نو کا پیغام دیتا ہے۔ ڈاکٹر حنیف کیفی کے الفاظ میں " یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہو گا کہ تمام " مرد " شاعروں میں یگانہ کی آواز سب سے زیادہ مردانہ تھی ۔ "(1) اور اگر یگانہ کی شاعری کے لہجے کو ان کے عہد کی دو تین نمایاں آوازوں سے ملا کر دیکھا جائے تو ملک حسن اختر کا یہ خیال درست معلوم

ہوتا ہے کہ " حسرت اور جگر کی نرم آوازوں میں یگانہ کی مردانہ سخت آواز نمایاں ہے۔"(2)
یگانہ کے اس مردانہ، دبنگ اور ڈرامائی لہجے میں حیرت، استفہام اور استہزا کا جو رویّہ ملتا
ہے وہ بجائے خود زندہ شاعری کی دلیل ہے۔

یگانہ سے اختلاف رکھنے کے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ
وہ اپنے سب سے بڑے دشمن آپ تھے یا یہ کہ ان کی " غالب شکنی " محض جذبۂ رقابت کی پیداوار
تھی۔ یہ بھی کہ ان کے تمام معرکوں میں ذاتی نمود و نمائش کا جذبہ کارفرما تھا اور یہ کہ اپنے
معاصرین کے ساتھ ان کا رویّہ دل دکھانے والا اور اپنی حد سے گزر جانے والا تھا۔ یگانہ کی
فرد جرم کتنی ہی طویل ہو جائے اس کا تعلق یگانہ کی معرکہ آرائیوں سے ہے یہاں تک کہ
انہوں نے شعرائے لکھنو یا جگر، فانی، اصغر، اقبال اور غالب کی ہجو میں جو رباعیاں یا اشعار
کہے وہ سب ان کی وار کرنے اور وار سہنے کی عادت کا پتہ دیتے ہیں۔ ان کے تمام جوابی مضامین
بھی اس امر کا ثبوت ہیں تاہم ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کے فن کا جائزہ ان کی "جنگ
جوئی " کو نظر انداز کر کے لیا جائے مسعود حسن رضوی ادیب کے نام انہوں نے اپنی اسی خواہش
کا اظہار کیا تھا۔

(21 دسمبر 1936ء) " میں تو اپنے اصول " اپنے کیرکٹر (خصوصاً جنگجوئی) کے سبب اپنے
سرمایۂ ادب کو ضائع کر چکا۔ میں ضائع کرنے پر مجبور تھا کیا آپ بھی آیات وجدانی اور ترانہ
کو ضائع کرنا گوارا کریں گے یا اس آرٹ سے (اگر یہ واقعی آرٹ ہے) ملک کو روشناس کرائیں گے۔ "
(لاہور دکن)(3)

یگانہ نے اپنی نثری تصانیف اور نثری مضامین میں سیاسی، سماجی، معاشی و تہذیبی
اور علمی و ادبی سطح پر بعض منفی رویّوں کے خلاف اپنے حساب میں جائز تشویش کے ساتھ بحث
کی تھی مگر چونکہ ان کا لہجہ جارحانہ تھا اور بہت حد تک اعتدال سے ہٹا ہوا تھا اس لئے
ان کی اپنی تصانیف اور مضامین ان کے فن کی مناسب تفہیم میں حائل ہو گئے انہیں خود سر،
مغرور، نک چڑھا، بد مزاج اور خود پسند سمجھ کر بے اعتنائی اور بے رخی کا ایسا رویّہ اپنایا

گیا جس نے خود انہیں گڑ بڑا دیا مگر ان کی غزل اور رباعی (ماسوائے ھجویہ اشعار اور رباعیوں کے) میں ان معرکوں کی گونج بہت کم سنائی دیتی ھے۔ شاعری کے معاملے میں وہ خالص فنی تقاضوں کو بروئے کار لانے میں یقین رکھتے تھے۔ رسالہ " معارف" کے مدیر نے یگانہ کے رباعیات کے مجموعے " ترانہ" پر تبصرہ کرتے ھوئے ان کے فن اور معرکوں کے حوالے سے ایک جملے میں بڑے پتے کی بات کی ھے

> " یہ بات بلاخوف تردید کی جا سکتی ھے کہ مرزا یگانہ اپنے وقت کے ایک کامل شاعر ھیں ان کے خیالات بلند ، زبان صاف ستھری ، ترکیبیں چست اور کلام حشو وزوائد سے پاک ھے اور یہ بھی سچ ھے کہ لکھنو کے طرز شاعری میں ان کے ھنگاموں کے باعث مفید انقلاب پیدا ھوا ھے۔ " (4)

یگانہ سے اختلاف کیا جا سکتا ھے مگر ان کی فنی لگن کی عظمت سے انکار کرنا بددیانتی کے مترادف ھے یگانہ کے بارے میں بعض لوگ اب تک اس غلط فہمی میں مبتلا ھیں کہ وہ صرف ھجویہ یا ایسی طنزیہ شاعری کرتے تھے جس میں مخالفین کی ذات پر حملے زیادہ ھوتے تھے، واقعہ یہ ھے کہ جب لکھنو میں ان کی مخالفت کا آغاز ھوا اور ان کے فکر و فن میں عیب جوئی شروع کر دی گئی تو انہوں نے بھی رد عمل کے طور پر کبھی طنزیہ اور کبھی ھجویہ انداز اختیار کیا۔ یہ امر خوش آئند ھے کہ یگانہ کو نظر انداز کرنے کی رسم میں تبدیلی پیدا ھو چلی ھے اور اب اس بات کو تسلیم کیا جانے لگا ھے کہ نئی شاعری پر یگانہ کے اثرات بہت گہرے ھیں۔ رام لعل نے اپنے مضمون " احساس کی یاترا "(اردو افسانے پر ایک سمپوزیم پر رپورتاژ) میں چند معروف نقادوں کی گفتگو ریکارڈ کی ھے۔ یہ سمپوزیم لکھنو میں منعقد ھوا تھا۔ گفتگو کی روداد کچھ اس طرح ھے " نارنگ، فضیل، فاروقی ، بلراج کومل اور ھاشمی انتہائی شدومد کے ساتھ یگانہ کی شاعری پر بحث کر رھے ھیں۔

فاروقی کا خیال ھے یگانہ کا لہجہ اسے اچھا تنقید نگار بنا سکتا تھا ... نارنگ کو اصرار ھے کہ یگانہ اپنی آزادہ روی اور بانکپن کی وجہ سے بھلایا نہیں جا سکے گا۔ غالب کے بعد یگانہ

ھی جدید ذھن کے سب سے زیادہ قریب ھے۔ ۔ ۔ ۔ محمود ھاشمی (میرے اندازے کے مطابق) آج دن بھر کا ایک سو بارھواں پان منہ میں ٹھونس کر کہہ رھا ھے " جدید شاعری پر یگانہ کے لہجے کا اثر بہت زیادہ ھے۔" (5)

اس گفتگو سے تین باتیں واضح ھوتی ھیں (1) یگانہ کا لہجہ تنقید کے لئے سازگار تھا۔ (2) یگانہ جدید ذھن کے قریب ترین ھے ۔ (3) جدید شاعری نے یگانہ کے لہجے کا بہت اثر قبول کیا ھے۔

جہاں تک یگانہ کی تنقیدی صلاحیت کا تعلق ھے بلاشبہ ان کے رمزیاتی لب و لہجے میں بڑی پختگی اور توانائی ھے ان کی بات میں اعتماد کا وزن ھوتا ھے۔ بقول ادریس صدیقی " ان کی (یگانہ) علمیت اور تخلیقی صلاحیت بے پناہ تھی ۔" (6) لیکن بیک وقت کئی محاذوں پر مصروف پیکار ھونے کی وجہ سے ان کی تحریروں کے حسن کو وقتی ھنگاموں کی دیمک چاٹ گئی ۔ یگانہ روایت پرستی اور تقلید پسندی کے سخت مخالف اور بت شکنی کے شدید حامی تھے۔ روایت سے جب بھی انحراف کیا گیا ھے خواہ اس کی نوعیت کیسی ھی رھی۔ اسے آسانی سے قبول نہیں کیا جاتا روایت کے پنجے دل و دماغ میں اتنی گہرائی تک گڑے ھوئے ھوتے ھیں کہ انھیں نکالنے میں کرب کا احساس ھوتا ھی ھے۔یہی کرب روایت شکن کے خلاف غم و غصے میں تبدیل ھو جاتا ھے۔ یگانہ نے بھی روایت شکنی کی کوشش کی تھی مگر ان کا لہجہ اپنے خلاف ھونے والے رد عمل کی وجہ سے آتش نوائی کا روپ اختیار کر گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نہ صرف ادبی محفلوں میں بلکہ بعض جبری بے اعتدالیوں کے سبب سے سماجی اور مذھبی حلقوں میں بھی گردن زدنی قرار دئیے گئے۔ یگانہ کے شب و روز تلخ تر ھوتے گئے نہایت ھمت شکن حالات بھی وہ آپ اپنی شمشیر اور آپ اپنی سپر بنے رھے اور اپنی نوا کو بھی انھوں نے اسی نسبت سے تلخ تر بنا لیا۔ ان کا ایک شعر ھے

دل ایک ھی فتنہ ھے لیکن بیدار نہیں تو کچھ بھی نہیں
ھاتھ میں کس بل لاکھ سہی تلوار نہیں تو کچھ بھی نہیں

شمیم حنفی یگانہ کے اس پہلو پر لکھتے ہیں " یگانہ کی داستان حیات کے کئی صفحات ان کی شخصیت کے اس رخ سے پردہ اٹھاتے ہیں جو اپنے تمام تر تناسب اور بے ریائی کے باوجود زمانے سے ہم آہنگ نہ ہو سکا اور جس نے بالآخر ایک سماجی مسئلے کی حیثیت اختیار کر لی۔ ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ یگانہ سے زیادہ ان کے ماحول کا پیدا کردہ تھا یگانہ کی شخصیت کی طرح اس معاملے کی جہتیں بھی بہت واضح ہیں بقول شخصے ، انفرادی سطح پر سوچ بچار کی عادت رکھنے والا ہر شخص بعض ایسے " خطرناک " رویوں کا محافظ ہوتا ہے جو اس میں اور اس کے ماحول میں ٹکراؤ کی مستقل صورتیں پیدا کر سکتے ہیں۔ " (7)

یگانہ کے سوچنے اور اظہار کرنے کا اسلوب جتنا ان کی انفرادیت کے بل پر قائم ہوا ہے اتنا ہی یہ اپنے حریفوں کی زبان سے مستعار ہے اس لئے بھی وہ اپنے لہجے کے تنقیدی محاسن کو زیادہ نکھار نہیں سکے تاہم ان کے بعض مضامین جو علمی نوعیت کے ہیں ان سے یگانہ کے مطالعے اور بعض امور پر فیصلہ کن رویہ اختیار کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ یگانہ کے بعض مضامین بحث طلب تھے مگر ان کے استدلال کو تسلیم کر لیا گیا بعد میں ادبی حریفوں کے رویے نے یگانہ کو حرف آخر کہنے کے خبط میں مبتلا کر دیا۔ دوارکاداس شعلہ کے نام ایک خط کا اقتباس دیکھئیے

(23 اکتوبر 1945ء) " آج کل " میں " ادب خبیث " کے عنوان سے میرا مضمون نکلا ہے اس میں بلینگ ورس کی بحث ختم کر دی گئی ہے اب اس پر کوئی معقول بحث نہیں ہو سکتی ڈھٹائی کی اور بات ہے۔ " (حیدر آباد دکن) (8)

یگانہ نے " میرزا غالب شکن " بن کر غالب کے بارے میں جو رویہ آگے چل کر اختیار کیا وہ بھی غیر تنقیدی ہو کر رہ گیا۔ اس سے غالب کا تو کیا بگڑنا تھا یگانہ اپنا ہی نقصان کر بیٹھے۔ " غالب شکنی کی تشدد آمیز آندھی میں اپنے پرائے سب ہی ان سے بیزار ہو گئے لیکن افسوس کسی نے بھی ان کو تعصب کی عینک کے بغیر دیکھنا گوارہ نہ کیا۔ " (9) یگانہ کی شاعری کو ان کی غیر متعلقہ باتوں کی خاطر نظر انداز کر دیا گیا۔ ادبی اعتبار سے یہ بے رخی اردو

شاعری میں ایک بالکل نئی مگر توانا آواز کا گلا گھونٹنے کے مترادف تھی۔ ایم ڈی تاثیر نے اس تمام صورت حال کا درست تجزیہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں " غالب کو شاعر نہ ماننے سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ یاس اچھا نقاد نہیں اور یہ نتیجہ یاس کی شاعری سے غیر متعلق ہے۔ اچھے شاعر عموماً اچھے نقاد نہیں ہوتے یہ اجتماع بہت شاذ ہے یاس نقاد نہ سہی لیکن اس کی شاعری سے بے اعتنائی کیوں کی جائے۔ " (10)

یگانہ نے اپنی تنقیدی زبان کو اپنے ذاتی موقف کے اظہار کا ذریعہ بنایا اور اس سے شمشیر و سپر دونوں کا کام لیا یہ یگانہ کی مجبوری تھی۔ غالب پرستی کے دور میں اپنی پہچان کو گم ہوتا ہوا دیکھ کر انہوں نے خود ہی باگ اٹھا کر اپنے بل پر کس لی تھی۔ جس سے ان کا لب و لہجہ تنقیدی کم اور ذات کی تشہیر (PROJECTION) کا ذریعہ زیادہ بن گیا۔ تاہم یگانہ کے انشائی ، علمی ، تاریخی اور لسانی مضامین پڑھ کر نہ صرف خوشگوار حیرت ہوتی بلکہ اس خیال کی تائید بھی ہوتی ہے کہ اگر یگانہ کے حالات انہیں اس بری طرح اپنے شکنجے میں نہ جکڑتے اور انہیں یکسوئی سے علمی و ادبی مسائل پر ٹھہر ٹھہر کر غور کرنے کا موقعہ ملتا تو عملی اور نظری تنقید پر ان کی بعض قیمتی تحریریں وجود میں آ سکتی تھیں۔ یگانہ کی تحریروں کو دیکھتے ہوئے کے کے کھلر انہیں مغلیہ تہذیب کا آخری نقاد قرار دیتے ہیں۔ (11) تاہم یگانہ کی بشتر تحریریں ہنگامی حالت کی پیداوار ہیں اس لئے ان میں گہرائی اور سنجیدگی نایید ہے یہ درست ہے کہ وہ اپنے زور بیان کے بل پر بعض نہایت تیکھے اور نوکیلے جملے لکھنے میں کامیاب ہو جاتے تھے مثال کے طور پر " ایک صاحب ہیں علیگ (یہ بھی برا مرض ہے) " (12) مگر ان جملوں سے لطف لینے والے موجود نہیں تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یگانہ جدید ذہن سے کس قدر قریب ہیں اور ان کے لہجے کا جدید شاعری پر کتنا اثر ہے۔ کسی بھی شعری روایت پر اثر انداز ہونے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں (1) لسانی تشکیلات (2) فکر کا پہلو (3) لہجہ کی انفرادیت —— پہلی

صورت میں شاعر نئی شعری لسانیات مرتب کرتا ھے۔ لفظوں کو نئی منفرد اور معنی خیز ترکیبوں کے سانچے میں ڈھالتا ھے۔ اظہار کے مروجہ پیرایوں کو کام میں لاتا ھے مگر توضیع و تشکیل کا عمل وھاں بھی جاری رھتا ھے۔

دوسری صورت میں شاعر جہان معنی کے نئے امکانات دریافت کرتا ھے اس کے نظر میں فقط ماضی و حال ھی نہیں ھوتا بلکہ وہ رواں منظر سے پیش منظر کی طرف بڑھتا ھے۔ زمانہ حال کے شعور کی پیچیدگیوں کا اندازہ کر کے مستقبل کی تعمیر کرتا ھے اور نئے موضوعات کی جستجو کرتا ھے۔

تیسری صورت میں شاعر اپنے لہجے کو اس طرح تشکیل دیتا ھے کہ وہ اپنے لہجے کے تیور سے پہچانا جاتا ھے اور پھر اس لہجے کی نمود مستقبل قریب یا بعید میں ھوتی ھے تو اس کی فکر اور لسانی اجتہادات سے استفادہ کرنے کا قرینہ پیدا ھوتا ھے اردو شاعری میں سودا، میر، آتش، غالب اور یگانہ اس کی نمایاں مثالیں ھیں۔ تاھم یگانہ کا معاملہ قدرے مختلف ھے۔ ان کے پیش رو اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے لوگ تھے۔ گویہ سب کے سب سیاسی، سماجی اور تہذیبی انحطاط کے زمانے سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے زمانے کے دکھوں کو اپنی جان پر جھیل کر سماج اور تہذیب کی دیوار کو سہارا دینے کی کوشش کی تھی۔ غالب کے زمانے میں اس زوال کا عمل مکمل ھوا تھا۔ انہوں نے دیوار خستگی کو گرتے ھوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اسی ملبے سے ایک نئی تہذیب کی عمارت کی تعمیر کا نظارہ کیا تھا۔ نیا زمانہ اپنے ساتھ نگاھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنیاں لے کر آیا تھا۔ غالب نے ان روشنیوں سے منہ نہیں موڑا تھا۔ یوں ان کے یہاں علامتی سطح پر اظہار کی کئی جہتیں پیدا ھوئیں۔ یگانہ قدرے پیچیدہ دور کے فرد ھیں۔ انہیں تہذیب کی ھی نہیں شعر و ادب کی بھی انحطاط پذیر روایت ملی تھی۔ یگانہ کے زمانے کو ھم دو عالمی جنگوں کا درمیانی زمانہ بھی کہہ سکتے ھیں۔ 1914ء میں پہلی عالمی جنگ کا آغاز ھوا اور اس کا انجام 1919ء میں ھوا یعنی پورے پانچ سال تک دنیا جنگ کا ایندھن بنی رھی۔ اسی طرح دوسری عالمی جنگ 1939ء میں شروع

ہو کر 1945ء میں اختتام پذیر ہوئی ۔ چھ سال کی اس جنگ نے آدھی دنیا کا حسن غارت کر دیا اور باقی آدھی دنیا اقتصادی طور پر پامال ہو گئی ۔ یہ زمانہ عالمی سطح پر کساد بازاری، غارت گری، بھوک، ننگ اور قحط کا زمانہ تھا ۔ محکوم ہندوستان پر اس کے اثرات اس لئے زیادہ محسوس کئے گئے کہ جبری بھرتی کی شکل میں یا لگان اور ٹیکسوں کی صورت میں حاکموں نے کوشش کی کہ جاتے جاتے ایک عام ہندوستانی کے جسم سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا جائے۔ اس طرح محرومی، نا آسودگی اور نارسائی کا احساس پیدا ہوا۔ فرد کی ذات ڈر، خوف اور بے یقینی کا شکار ہوئی ۔ جس کا نتیجہ بے چینی ، اضطراب اور فرار کی صورت میں ظاہر ہوا۔ زندگی کی مہملیت اور معدومیت کا احساس بڑھا تو پناہ گاہیں تلاش کی گئیں۔ کسی نے اپنی ذات میں پناہ تلاش کی۔ کوئی غرق مئے ناب ہو گیا کسی نے کائنات کی گتھیوں کو سلجھانا شروع کیا اور اس کے اسرار کی جستجو میں مگن ہو گیا ۔ کوئی فرار حاصل کر کے بالا خانے کی سیڑھیاں چڑھ گیا اور غازہ کی تہہ میں لپٹے ہوئے حسن کی دمک میں اپنے آپ کو فراموش کر بیٹھا کسی نے بالا خانے کی تہذیب رسم عاشقی کے مقابل گھر کی چار دیواری میں جنم لینے والی محبت کے پیچ در پیچ سلسلوں کی کہانی کو چھیڑا اور کسی کا کچھ بس نہ چلا تو اس کے شب و روز آرزوئے مرگ میں کٹنے لگے ان حالات میں ایک نئی آواز ایک نیا لہجہ اور ایک نیا ترانہ شوق سنائی دیا۔

جس کی تلوار کا ہو لوہا تیز ۔۔۔ حجت ناتمام کیا کرتا

عجب کیا ہے ہم ایسے گرم رفتاروں کی ٹھوکر سے + زمانے کے بلند و پست کا ہموار ہو جانا

خود اپنی آگ میں جلتا تو کیمیا ہوتا ۔۔۔ مزاج دل نہ تھا پروانہ شمع محفل کا

دل اور حشر ہوشیار دونوں میں امتیاز رکھ ۔۔۔ بندۂ ناامید اور بندۂ بے نیاز میں

دل ہے پہلو میں کہ امید کی چنگاری ۔۔۔ اب تک اتنی ہے حرارت کہ جلے جاتے ہیں

خاک کا پتلا ہے رفتار نمو سے مجبور ۔۔۔ ہمہ تن سنگ بنے یا ہمہ تن دل ہو جائے

رفتار زندگی میں سکوں آئے کیا مجال ۔۔۔ طوفان ٹھہر بھی جائے تو دریا بہا کرے

(رباعی) کوئی تجھ کو پکارتا جاتا ھے	کوئی ھمت ھی ھارتا جاتا ھے
کوئی تہ کو سدھارتا جاتا ھے	دریا ھے کہ موجیں مارتا جاتا ھے
(رباعی) کعبہ کی طرف دور سے سجدہ کر لوں	یا دیر کا آخری نظارہ کر لوں
کچھ دیر کی مہمان ھے جاتی دنیا	ایک اور گنہ کر لوں کہ توبہ کر لوں

یہ نئی آواز اس شاعر کی ھے جس نے شاعری کو ھنر سمجھا اور ھنر کو عیب کی صورتوں سے پاک کرنے کی کوشش کی اور جس نے شاعری میں بناوٹ کے اصولوں کو برتنے کے بجائے زندگی کی سچائیوں کو موضوع بنایا ان اشعار میں رجائیت، امید اور حوصلے کا ایسا پہلو ملتا ھے جو ڈر کی چادر میں لپٹے ھوئے فرد کو یقین کا چہرہ دکھاتا ھے۔ یہ لہجہ یاس اور قنوطیت پر کاری ضرب لگاتا ھے اور زندگی کو اس کی تلخ لیکن رنگا رنگ حقیقتوں کی روشنی میں شاعری کا محور بناتا ھے۔ اس طرز ادا میں بانک پن اور کج کلہی کا مظاھرہ بخوبی ھوتا ھے۔ فضل حق قریشی (مدیر " آج کل " دھلی) نے " آیات وجدانی جدید "(طبع سوم) پر تبصرہ کرتے ھوئے بجا طور پر لکھا تھا کہ " وہ (یگانہ) ھر لمحے زندگی کے حقائق بیان کرتے اور نفسیاتی اعتبار سے اس کے ھر پہلو کا تجزیہ پیش کرتے نظر آتے ھیں۔ " (13)

شاعری کے زمزمے کی وہ آواز یگانہ ھی کی تھی جس نے پہلے پہل لکھنو کی بے رچ اور بے جہت شاعری کا حساب چکتا کیا اور بعد میں تمام روائتی غزل کی گرد جھاڑی۔ شمیم حنفی کا کہنا ھے " یگانہ ایک نئے تیور کے ساتھ سامنے آتے ھیں اپنے معاصرین کی عام روش، ان کی آرائش، تصنع، نسوانیت، کلبیت، نازک خیالی اور رقت طلبی کی جگہ اونچے مردانہ سروں میں بات کرتے ھوئے یگانہ کی بوطیقا نفاست و نرمی کے بجائے کھرد رے پن، درشتگی اور سخت کوشی کے واسطے سے غزل کی عام روایت کے بالمقابل ایک نئی روایت کا حرف آغاز بنتی ھے اس نقطے پر وہ اپنے معاصرین میں سب سے الگ دکھائی دیتے ھیں۔ زمانے کی طرح اپنے تخلیقی تجربے کی حشرگاہ میں بھی ایک دم اکیلے، معتوب روزگار اپنے آپ سے مطمئن اپنے انجام سے بے پروا۔ " (14)

دو ماہی "اکادمی" لکھنو کے مدیر محمد رضا انصاری یگانہ کے لئے مخصوص ایک شمارے کے اداریے میں لکھتے ہیں " یگانہ نے ڈھرے کی شاعری کو مسترد اور اس کلام کو جو سوتے ہوئے ذہنوں کی اپج معلوم ہوتا تھا باطل قرار دیا۔ انہوں نے خاص کر غزل کو ایسا لہجہ دیا جس سے لوگ کم آشنا تھے ... اردو غزل کے باب میں یگانہ کے اجتہاد نے کچھ صالح اقدار کو جنم دیا اور جدید غزل کے آغاز و ارتقا کے عمل کو تیز تر کر دیا ان کوششوں سے تنگنائے غزل، یقیناً وسیع تر ہوا اور نئے اسالیب اور نئی تراکیب کی کھوج شروع ہوئی اور بات کہنے کے لئے اظہار کے نئے نئے پیرائے تلاش کئے گئے۔ " (15)

یگانہ کے سلسلے میں ہماری تنقید، خواہ مثبت رہی ہو (مثبت تنقید کا آغاز ان کی وفات کے بعد ہوتا ہے) یا منفی حسب روایت ایک اندوہناک ذہنی تساہل کا شکار رہی ہے۔اس کے علاوہ بھی ایک طریقۂ کار یگانہ کی زندگی میں اختیار کیا گیا تھا یعنی انہیں نظر انداز کرنے کا۔ اردو شاعری کے تذکروں اور جائزوں میں یگانہ کا ذکر ایک غیر تحریری دستور کی پابندی کے طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا تھا اور ایسا کرنے میں بعض ثقہ اور معقول نقاد بھی شامل تھے انہوں نے ایسا یگانہ کے غیر ثقہ انداز تغزل کی وجہ سے کیا ہو یا غالب اور اقبال کی طرف داری میں وجہ کچھ بھی رہی ہو یگانہ اپنی زندگی میں کسی سخن فہم کی تلاش میں رہے۔ مجنوں گورکھپوری نے کسی حد تک اس زیادتی کی تلافی کی مگر اس کے بعد پھر ایک گہری چپ طاری ہو گئی اب یگانہ کی وفات کے کم و بیش تیس سال بعد ان کی طرف نقاد متوجہ ہوئے ہیں۔جناب مشفق خواجہ نے " تخلیقی ادب (2) " کا ایک گوشہ یگانہ کے لئے مخصوص کیا اور ان کی شخصیت اور فن پر مضامین شائع کرنے کے علاوہ ان کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام اور خطوط شائع کئے۔ مشفق خواجہ نے " تخلیقی ادب (2) " کے " اظہاریہ " میں لکھا " میرزا یگانہ بلاشبہ موجودہ صدی کے اہم شعراً میں سے ہیں لیکن ان کی ادبی اور غیر ادبی رزم آرائیوں کی وجہ سے عام طور پر ان کے شاعرانہ کمالات کو نظر انداز کیا جاتا ہے ان کی شاعری کے بارے میں تفصیلی جائزوں کا کیا ذکر، مختصر تنقیدی مضامین بھی دو چار سے زیادہ نہیں لکھے گئے۔ " (16)

" اردو ادب " سہ ماہی ، دہلی کی ایک اشاعت میں (خاص نمبر 1982ء) " گوشۂ یگانہ " کے عنوان سے ایک حصہ مخصوص کیا گیا۔ رسالے کے مدیر جناب خلیق انجم نے حرف آغاز میں لکھا " یگانہ کا شمار اردو ادب کے اہم شاعروں میں ہوتا ہے انہیں اپنی زندگی میں وہ مقام حاصل نہیں ہو سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ اس کی بڑی وجوہ غالباً ان کی بدمزاجی حد سے بڑھی ہوئی انا اور علاقائی عصبیت تھی قاری اور ان کے فن کے درمیان خود ان کی شخصیت بہت بڑی رکاوٹ بنی ہوئی تھی ان کی وفات سے کچھ عرصے بعد ان کے معاصرین اور ان کے جھگڑے باقی نہیں رہے تو نئی نسل کے نقادوں نے ان کے فن کا غیر جانبداری سے جائزہ لینا شروع کر دیا ۔ یگانہ کا بحیثیت شاعر اپنی زندگی میں جو مرتبہ تھا اب وہ مرتبہ اس سے کہیں بڑا ہے۔"(17)

بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی اس اعتبار سے یگانہ شناسی کے لئے اہم ہے کہ اس دہائی میں یگانہ کی طرف خصوصی توجہ ہوئی ہندوستان اور پاکستان کے مدیران رسائل نے یگانہ کے لئے خصوصی شمارے وقف کئے۔اس دہائی میں یگانہ کو پیدا ہوئے ایک صدی کا عرصہ مکمل ہوا۔ 3 فروری 1985ء کو اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو نے یگانہ سیمینار کا انعقاد کیا ۔ اس سیمینار کی خصوصیت یہ ہے کہ یگانہ کی وفات کے انتیس برس بعد یہ سیمینار اس شہر میں منعقد ہوا جہاں ان کی وفات سے تین برس قبل اہل شہر نے ان پر سنگ زنی کی تھی اسی شہر میں دفن ہونے کے بعد یگانہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ مقالہ نگاروں نے انہیں جدید نسل اور اس کے ذہنی رویوں کا پیشرو قرار دیا۔

سیمینار کے پہلے اجلاس کے صدر رام لعل نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ " یگانہ کی شخصیت کے متنازعہ ہونے کا ان کی شاعرانہ عظمت پر قطعی کوئی اثر نہیں۔" (18) یہ جملہ اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ یگانہ کے فکر و فن کو سمجھنے کا غیر جانبدارانہ رویہ پیدا ہو چکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یگانہ کی غزل اردو غزل کی مجموعی انحطاطی روایت کے رد عمل کے طور پر پیدا ہوئی تھی ۔ یگانہ جن مشاعروں میں شریک ہوتے تھے وہاں غزل کے روایتی چونچلوں کو اہمیت دی

تو قافیے اور ردیف کی پابندی کے بغیر ایک طرح سے نثری پیرائے میں نظم کہنے کا رواج ہوا۔ گویا جان مجنوں کے لئے فرقت لیلیٰ و صحبت لیلیٰ دو گونہ عذاب کی حیثیت اختیار کر گئے۔ ان حالات میں غزل کی ساکھ بحال کرنے کی خاطر یگانہ نے اپنی غزل میں بلند آہنگی کے ساتھ ایک طرح کی نثریت کا تجربہ کر کے اور تغزل کے معنی میں تبدیلی کر کے غزل کو رواں دواں زندگی کے تجربوں کا اہل بنایا ان کی اس کاوش کو تحسین کی نظر سے دیکھا گیا اور اس کے نتیجے میں اردو غزل کہنے والوں کی ایک نسل وجود میں آ گئی۔ جس میں یگانہ کے علاوہ فراق، اختر انصاری دہلوی، سلیم احمد، جمیل مظہری، سجاد باقر رضوی، ظفر اقبال اور عبید اللّٰہ علیم جیسے شعراء شامل ہیں جن کے یہاں بالواسطہ یا بلا واسطہ یگانہ کے لہجے کا اثر ملتا ہے۔ غزل کا اینٹی غزل رویہ جو جدید دور کا مزاج بھی ہے اور ضرورت بھی اس کے ڈانڈے یگانہ کی غزل سے ملے ہوئے ہیں۔

یگانہ کے بعد غزل میں ٹھیٹھ اردو پن کو جس نے اور زیادہ چمکایا وہ فراق ہیں۔ یگانہ نے اردو میں دخیل ہندوی لفظوں کا استعمال کر کے شعری زبان کو پھیلاؤ دیا تھا۔ فارسی الفاظ اور فارسی تراکیب کی مدد سے شعر کہنا نسبتاً آسان ہے لیکن ٹھیٹھ اردو میں فارسی کی اضافت کے بغیر جذبات سے مملو پہلودار اشعار کہنا خاصا مشکل کام ہے۔ یگانہ نے ڈھرے کی شاعری کی مخالفت کرتے ہوئے ٹھیٹھ اردو کو فروغ دیا۔ فراق کے ٹھیٹھ اردو لہجہ کو میر کا فیضان قرار دیا جاتا ہے حالانکہ فراق سے ذرا پہلے یگانہ نے غزل کی پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں ٹھیٹھ اردو الفاظ کو فروغ دیا تھا۔ فراق کا یگانہ سے اثر قبول کرنا فطری تھا ایک تو یگانہ فراق کے بزرگ معاصر ہیں دوسرے فراق نے یگانہ کے کلام کا مطالعہ دلچسپی سے کیا ہے اور ان کے انداز بیاں کو پسند کیا ہے اور تیسرے یہ کہ فراق کے یہاں جہاں ٹھیٹھ اردو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہاں ان کے لہجے کا زور یگانہ کی یاد دلاتا ہے۔ (19) راہی معصوم رضا کا خیال ہے " ٹھیٹھ اردو لہجے کی " روپ " کی رباعیوں اور فراق کی غزلوں کی نرم چاپ یگانہ کی رباعیوں میں سنائی دیتی ہے ۔۔۔ یہی وہ آواز ہے جو فراق کے پوربی لہجہ میں رچ بس کر

ایک نئی آواز معلوم ہوتی ہے کہنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ فراق کے پاس اپنی گرہ کا کچھ نہیں ہے لیکن اس لحن مستعار نے فراق کی شاعری کو سنوارنے میں بڑا کام کیا ہے۔" (20)
محمد حسن عسکری نے فراق کی شاعری میں جس خشکی کی طرف اشارہ کر کے اسے بڑی شاعری کے لئے ضروری قرار دیا ہے (21) اردو شاعری میں اس انداز کی معروضیت کو یگانہ نے فروغ دیا ہے۔

فراق کی طرح اختر انصاری دہلوی کا شعری تجربہ یگانہ کے شعری تجربوں سے حیرت انگیز طور پر مماثل ہے فراق کے یہاں یگانہ کے لہجے اور آہنگ کی گونج ہے تو اختر انصاری کے یہاں اس لہجے کی آواز بازگشت کے علاوہ ہزیمتوں، محرومیوں، ناکامیوں اور زمانے سے بیزاری کے باوجود زندگی کا وہی بھرپور شعور ملتا ہے جو یگانہ کے یہاں ہے۔ یگانہ ہی کی طرح اختر انصاری کی غزلوں کے علاوہ رباعیوں میں بھی زندگی کا دوزخ موجود ہے اختر انصاری کے ایک نقاد پروفیسر وحید اختر کہتے ہیں

> " زندگی کی طرف ان کا رویّہ اور پورے زمانے سے الجھنے اور موت سے نبرد آزما ہونے کا جو جذبہ یگانہ کے یہاں ہے اگر صحیح معنوں میں اس رویّے، حوصلے اور جذبے کی توسیع بعد کی شاعری میں کسی کے یہاں ملتی ہے تو وہ صرف اختر انصاری ہیں ایک حد تک جمیل مظہری اور فراق پر بھی یگانہ کا اثر ہے لیکن لاشعوری طور پر ہی سہی اختر انصاری نے غزل کے اسی کلاسیکی لہجے کو نئے انداز بیان اور عصری مسائل کے ساتھ ہم آہنگ کیا ہے جس کو یگانہ نے دریافت کیا اور اپنے خون سے سینچا تھا یگانہ اور اختر انصاری کے یہاں کئی روّیے مشترک ہیں۔ انانیت کا طنطنہ، زمانے اور زندگی سے مبارز طلبی، زندگی کی ہزیمتوں، ارباب فن کی ناقدرشناسی، تلخیوں، آلام و مصائب پر تمسخر کرنے کا انداز، ایک طرح کی کلبیت (CYNICISM) جس میں رواقی (STOIC) شان بے نیازی بھی ہے۔" (22)

یگانہ، فراق اور اختر انصاری کے جز وقتی معاصر اور ان کا ماضی قریب ہیں اکثر شعراء کو اپنے

ماضی قریب کے اثرات کا باقاعدہ اندازہ نہیں ہوتا۔ فراق اور اختر انصاری کے یہاں بھی یگانہ کے اثرات بالکل غیر شعوری ہیں۔

سلیم احمد ان شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے یگانہ اور فراق سے بیک وقت اثر قبول کیا ہے۔ نظیر صدیقی لکھتے ہیں " سلیم احمد کی ابتدائی شاعری فراق کی تقلید سے عبارت تھی پھر وہ یگانہ کے اس رنگ کو اپنانے لگے جسے خود یگانہ کی کمزوری سمجھنا چاہئیے۔ " (23)
سلیم احمد نے اپنی ابتدائی دو غزلیں جن میں سے ایک کا مطلع تھا

مانے تو کس کی دیوانہ مانے　　　جتنی زبانیں اتنے فسانے (24)

اور دوسری غزل کا ایک شعر یوں ہے

دکھ درد سارے تھے باب گویا　　　تجھ سے ملے یا گنگا نہائے

اصلاح کی غرض سے یگانہ کو بھیجی تھیں یہ دونوں غزلیں یگانہ کی زمینوں میں ہیں۔ یگانہ نے ان غزلوں کی تصحیح کے علاوہ سلیم احمد کو ایک خط بھی تحریر کیا تھا جس کا ذکر تیسرے باب میں آ چکا ہے۔ سلیم احمد نے یگانہ پر ایک طویل نظم بھی لکھی تھی نظم کا ایک بند ملاحظہ کیجئے

زمانے کا دل توڑنا ان سے سیکھا　　　مرے شعر نے بولنا ان سے سیکھا
غزل میں نے بھیجی تھی اور خط لکھا تھا　　　انہوں نے جواب اس کا فوراً دیا تھا
بڑھایا بہت ہی مرا حوصلہ تھا　　　میں کیا تھا مگر مجھ کو کیا کیا لکھا تھا
سبق میرا یگانہ، مجھے یاد ہیں یہ　　　بڑا فخر یہ ہے کہ استاد ہیں یہ (25)

سلیم احمد نے یگانہ کے انتقال پر اپنے ایک تعزیتی نوٹ میں یگانہ کی شاعرانہ اہمیت اور قدر و قیمت کے بارے میں حسب ذیل تاثرات قلم بند کئے " اردو شاعری کی محدود و مختصر دنیا میں بیسویں صدی کے بعض بنیادی مسائل کی تفہیم اور ان کا حسیاتی ادراک یگانہ کے مطالعے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ " (26)

سلیم احمد کا یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ انہیں یگانہ کی زمین میں غزلیں کہنے اور ان

سے اصلاح لینے کی ضرورت کیوں محسوس ھوئی۔ چوتھائی صدی گزرنے کے بعد انھوں نے اپنی اس رائے پر نظرثانی کی اور یہ سوال اٹھایا "کیا ھم فانی، اصغر، جگر، جوش، فیض، میراجی اور راشد کے باوجود یہ کہہ سکتے ھیں کہ بیسویں صدی کے جن مسائل کو یگانہ نے چھوا انھیں کسی اور شاعر نے ھاتھ نہیں لگایا۔" (27) اس سوال کا جواب بھی سلیم احمد نے خود ھی دیا ھے

"یہ سوال یگانہ سے پہلے اقبال اور یگانہ کے بعد فراق کی موجودگی میں اور زیادہ اھمیت حاصل کر لیتا ھے ... میں نے یگانہ کی شاعری کو از سر نو دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یگانہ کے ھاں معاصر زندگی کی جو مخصوص روح کارفرما ھے وہ ھمیں نہ اقبال میں ملتی ھے نہ فراق میں۔ فیض، راشد اور میراجی بیسویں صدی سے زیادہ متاثر ھونے کے باوجود بھی اس کے مرکزی مسائل کو اس طرح نہیں دیکھتے جس طرح یگانہ نے انھیں دیکھا ھے۔" (28)

یگانہ کے بعد پیدا ھونے والی شاعری کی نسل میں سجاد باقر رضوی اسی "تیشۂ لفظ" (29) کے نمائندہ ھیں جس کی بھرپور ضرب یگانہ نے لگائی تھی۔ سجاد باقر رضوی نے یگانہ کو ذرا فاصلے سے دیکھا، سمجھا اور محسوس کیا ھے وہ خود کہتے ھیں "غالب کا رعب تو میرے اوپر ھمیشہ سے تھا یگانہ کی جو بات مجھے اچھی لگی وہ کلاسیکی اصول نہیں تھا چونکہ یگانہ غزل کی کلاسیکی ھیت میں ایک باغی کی شکل نظر آتے ۔گا یگانہ سے محبت میری اسی رومانی طبیعت کی ضرورت تھی ... آ کر میرے کام آیا۔" (30) سجاد باقر رضوی کے درج ذیل اشعار میں یگانہ کے آھنگ کی گونج ملاحظہ کیجئے

خواھش یہ مجھے ٹوٹ کے گرنا نہیں آتا	پیاسا ھوں مگر ساحل دریا پہ کھڑا ھوں
یہ زندگی پہاڑ سی کب تک لیے پھریں	تیشے کبھی تو سنگ گراں پر اٹھا کریں
یا پیاس اپنی ابر کرم سے بجھائیے	یا خود پہاڑ کاٹ کے دریا نکالیے

ناصر کاظمی نے "تیشۂ لفظ" کے دیباچے میں لکھا ھے "غالب کا سایہ ایک ایسے جن کا سایہ ھے کہ اگر شاعر ذھین آدمی نہ ھو تو یہ اسے حواس باختہ کر دیتا ھے یا عقل محض بنا کر ٹھکانے لگا دیتا ھے لہذا باقر صاحب اس سائے سے بچ کر غالب شکن یگانہ کے پینتروں کو اپناتے ھیں اور

اپنی انا کی پیاس بجھاتے ھیں۔" (31)

جدید غزل میں لفظ کے حوالے سے جو " اینٹی غزل " رجحان ابھرا ھے اس کی نمائندگی ظفر اقبال نے کی ھے۔ ظفر اقبال کی بعض غزلوں میں لفظ کی بندش یگانہ کی یاد دلاتی ھیں۔

عبیداللہ علیم بالکل نئی نسل کے معروف شاعر ھیں اپنے ایک انٹرویو میں اعتراف کرتے ھیں " میر، غالب، یگانہ، فراق میرے پسندیدہ شعراء ھیں اور باقی تمام کا بھی احسان مند ھوں کہ انھوں نے کسی نہ کسی رشتے سے مجھے کچھ نہ کچھ ضرور دیا ھے۔" (32) راقم الحروف سے ایک ملاقات میں عبیداللہ علیم نے کہا " کہ یگانہ اپنے لہجے اور شاعری کے کلاسیکی آھنگ میں تقاضۂ وقت کے مطابق تبدیلی پیدا کرنے کی وجہ سے جدید ذھن کے قریب تر ھے اور نئی نسل کو اپنی بزرگ نسل کے شعراء میں سب سے زیادہ قابل قبول ھے۔ یگانہ کا ناراض آدمی کا سا روّیہ دراصل آج کے آدمی کا روّیہ ھے۔ اس کے لفظوں میں ذھن جدید کا باغیانہ مزاج شامل ھے اور وہ پوری ایک نسل کو متاثر کر رھا ھے۔" (33)

یگانہ کی غزلیں اگرچہ فنی اعتبار سے بہت کسی ھوئی ھیں مگر ان کا آزادانہ اظہار اپنے اندر کشش رکھتا ھے ان کا بانکپن اپنی طرف متوجہ کرتا ھے ان کے لہجے کا اطمینان، منافقت اور ظاھرداری سے نفرت، انسانی تقدیر کی عظمت اور الم ناکی کا احساس، انسان کی بوالعجبی کا ادراک اور سب سے بڑھ کر خود ان کی کھری اور مصلحت ناشناس شخصیت، ان کی خود اعتمادی، حوصلہ مندی، فعالیت، مردانگی، بلند آھنگی ایسی چیزیں ھیں جنھوں نے ان کی قوت فکر اور طاقت اظہار کے ساتھ مل کر رکیک جذباتیت، ادنٰی درجے کی رومانیت اور خنک روحانیت کے تیز بہاؤ کے سامنے ایک مضبوط پشتہ تعمیر کر دیا ھے۔ جدید شاعری کو یگانہ کی یہ بہت بڑی عطا ھے اور اسی وجہ سے وہ جدید ذھن کے قریب تر محسوس ھوتے ھیں وہ اور میر و غالب کے بعد اردو غزل کا حال اور مستقبل بن رھے ھیں۔

آج کی شاعری کا لہجہ عجز میں ڈوبا ھوا تھرتھراتا ھوا لہجہ نہیں ھے بلکہ یہ یقین

کی قوت سے سرشار ھوں اور حقیقت پسند لہجہ ھے یہ وھی آواز ھے جو کل تک صدا بصحرا سمجھی جاتی تھی آج یہ آھستہ آھستہ سنائی دے رھی ھے اور اب تو نئی نسل نے ترقی پسندوں کے بھی بہت سے مفروضوں کو رد کر دیا ھے اس رد عمل کو جس نے پہلی مرتبہ مضامین لکھ کر ابھارا وہ یگانہ ھی تھے۔ باقر مہدی نے تو یہاں تک لکھا دیا ھے کہ " اردو غزل میں میر اور غالب کے بعد تیسرا نام جو سب سے زیادہ احترام اور اھمیت کا مالک ھے وہ یگانہ کا ھے۔"(34) باقر مہدی کے اس دعوے کی تائید کرنا تو شاید ابھی قبل از وقت ھو گا۔

بہر صورت باقر مہدی کے اس خیال سے اتفاق کیا جا سکتا ھے کہ " اگر ان کی شخصیت کی کج روی انھیں اپنے میں محدود کرنے کے بجائے کسی ادبی تحریک سے وابستہ کر دیتی تو وہ بہت ھی بڑے شاعر مان لئے جاتے۔" (35)پھر بھی اتنا ضرور ھے کہ تغزل کے معنی تبدیل کرنے والوں میں یقیناً غالب اور اقبال کے بعد تیسرا نام جو سب سے زیادہ احترام اور اھمیت کا مالک ھے وہ یگانہ کا ھے۔

یگانہ کی شاعری بیسویں صدی کے فرد کی پیچیدہ نفسیات کی حامل ھے اور اس کا موازنہ بھی شاعری کے قدیمی رویوں کے بجائے جدید رویوں سے ھونا چاھئیے۔ بقول سلیم احمد " یگانہ کی شاعری میں ھم ایک ایسے فرد سے دوچار ھوتے ھیں جس کا رشتہ روایتی اقدار سے ٹوٹ چکا ھے اور اس نے اپنی جو انفرادی اقدار قائم کی ھیں ان کا اس زمانے سے ایسا شدید تصادم ھے کہ ھم آھنگی کی صورت نہیں نکلتی ۔ یہ شاعری ھمیں دکھاتی ھے کہ اس معاشرہ میں جہاں فرد اور معاشرے کا رشتہ ٹوٹ چکا ھو فرد کی ذات اور اس کے پیمانہ اقدار پر کیا گزرتی ھے ... یگانہ کی غزل کا مرد بیسویں صدی کی اتنی سچی نفسیات رکھتا ھے کہ ھم سب کے وجود کی تاریک تہوں میں اس کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا ھم اسے بالعموم اپنے ایک "جذباتی وجود " کی مدد سے اپنے شعور میں آنے سے روکتے ھیں اور اپنے شعور کی سطح پر اس " منفیت " کو بروئے کار نہیں آنے دیتے جو یگانہ کے یہاں اتنی شدت سے ظاھر ھوئی ھے۔"(36)

یگانہ کی شخصیت اپنے زمانے سے متصادم ھونے کے بعد جس طرح تنہائی کا شکار ھوئی تھی اور

خود اپنی ذات میں ایک بے آباد جزیرہ بن گئی تھی اس صورت میں منفی اثرات قبول کرنا لازمی تھا۔ جدید زمانے کا فرد تہذیبی سانچوں کے ٹوٹ جانے اور معاشرتی زندگی کا شیراز بکھر جانے کے بعد جس اجنبیت (ALLINATION) پژمردگی، تنہائی اور بیگانگی کے عذاب میں مبتلا ہے اس کی ذہنی کیفیت اور اس کے منفی رد عمل کا اظہار یگانہ کی غزل میں ہوا ہے اور اس کے بعد سے متواتر ہو رہا ہے۔ جدید تر غزل کا یہ پہلو بڑا نمایاں ہے۔

شمس الرحمان فاروقی کا خیال ہے کہ ہندوستان میں نئی غزل کی تاریخ یگانہ، فراق اور شاد عارفی سے شروع ہوتی ہے۔(37) یگانہ کے بارے میں وہ رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں " یگانہ کی شوریدگی ... یقیناً نئے شاعروں کے مزاج سے قریب تر ہے۔ یگانہ میں جھنجھلاہٹ، تنگ نظری، اکڑ فوں، غصہ، خشک مزاجی تو نظر آتی ہے لیکن نابالغ عشقیہ جذبات کی میٹھی گولیوں سے ان کا کلام یکسر عاری ہے۔ یگانہ غزل کے تقریباً پہلے شاعر ہیں جن کا مزاج عشقیہ نہیں ہے۔ عشقیہ مرکز کی اس غیر موجودگی نے اگرچہ ان کے کلام سے خوشگواری چھین لی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ خود ترحمی اور ڈھلے ڈھلے نیم گرم آنسوؤں کے فقدان، ہجر و وصال کے زنانہ چونچلوں اور محبوب کو اپنے برابر کا اپنی طرح کے انسان کے علاوہ سب کچھ سمجھنے کے رجحان سے ان کے کلام کی پاکی انہیں یقیناً ہمارے عہد کے لئے حسرت، اصغر، عزیز، صفی بلکہ فانی اور جگر سے بھی زیادہ قابل مطالعہ بناتی ہے ... اس لہجے کے اشعار ان سے پہلے شاید کسی نے نہیں لکھے یہی ان کا بڑا کارنامہ ہے جس کی وجہ سے میں انہیں نئی غزل کا نقطۂ آغاز سمجھتا ہوں۔" (38)

یگانہ کی غزل کو اس کے عہد کے تناظر میں دیکھے بغیر اسے جدید غزل کا نقطۂ آغاز کہنا شاید ہلکی بات ہو۔ فاروقی نے یگانہ کو حسرت، اصغر، عزیز، صفی، فانی اور جگر پر ترجیح دی ہے یہ سب اپنے زمانے میں یگانہ سے زیادہ معروف اور زیادہ بڑے سمجھے جاتے تھے۔ ان سب کے واسطے سے اردو کے شقہ نقادوں نے مضامین نو کے انبار لگا دئیے تھے اس ہجوم میں یگانہ کا ذکر برائے نام ہی کہیں نظر آتا تھا۔ پھر ایک زمانے میں ترقی پسند نظریہ ادب پر اس درجہ حاوی ہوا کہ بڑے اچھے اچھے غزل گوؤں کا چراغ گل ہوتا ہوا نظر آیا۔ مگر یگانہ نے اپنے چراغ

کو اپنے ہاتھوں کی پناہ میں ہوائے تند و تیز کے جھونکوں سے بچائے رکھا اور اس کی لو کو بجھنے نہیں دیا اور یوں وہ اردو غزل کے جدید رنگ کی شروعات کرنے والے قرار پائے۔(39)

یگانہ نے اپنے معاصرین کی طرح مشاعروں کے لئے غزلیں کہیں مگر ان کی غزل کی کائنات مشاعرے کے پنڈال تک محدود نہیں تھی یگانہ کی غزل اپنے سننے اور پڑھنے والوں سے ذہنی رابطہ قائم کرتی تھی ۔ یہ خصوصیت ان کے ہم عصر غزل گو شعراء میں نہیں تھی اس معاملے میں فراق کا معاملہ جداگانہ ہے مگر وہ بھی ذہنی طور پر یگانہ سے متاثر کہے جا سکتے ہیں۔ عزیز و صفی غالب کے اسیر تھے مجموعی طور پر ان کی شاعری نالہ و شیون کی شاعری ہے ۔ اصغر تصوف میں ڈوبے ہوئے تھے، فانی مرنے کی آرزو میں جیتے تھے، حسرت تہذیب رسم عاشقی کو زندہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے تھے۔ اور جگر اپنے زمانے کی سطحی جذباتیت کو تھپکی دیتے رہے۔ عندلیب شادانی نے اپنی تصنیف " دور حاضر اور اردو غزل گوئی " میں حسرت ، اصغر، جگر اور فانی کی غزل کے روایتی موضوعات گنوا کر ان پر بڑی طویل فرد جرم عاید کی ہے۔(40) جس کے اعتبار سے حسرت، اصغر، جگر اور فانی کی غزل مخصوص رجحانات کی غزل ہے۔ برخلاف اس کے یگانہ کی شاعری حیات اور کشمکش حیات کی طرف فطری میلان رکھتی ہے۔ یگانہ کی زندگی بڑی تنہائی میں گزری مگر نہ تو ان کے یہاں فانی کی یاسیت اور قنوطیت کا شائبہ ہے اور نہ وہ اصغر کی طرح کسی روحانی واردات کے سہارے زندگی کرنا چاہتے ہیں۔

1940ء تک یگانہ کی شاعری کو کوئی خاص مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جب کہ یہ زمانہ ان کے معاصرین خصوصاً فانی ، اصغر اور جگر کے عروج کا زمانہ ہے خصوصاً جگر کی رومانیت، موسیقیت اور غنائیت کی وجہ سے انہیں امام غزل سمجھا جا رہا تھا یگانہ کی عدم قبولیت کی کئی وجوہات تھیں جس زمانے میں انہوں نے شعر کہنا شروع کئے یہ وہ زمانہ تھا جب داغ و امیر کے مضامین کو الٹ پھیر کر برتا جا رہا تھا اور غزل بالکل روایتی بے جان اور ٹھس ہو گئی تھی ۔ لکھنو کے شعراء نے اسی روایتی غزل کے خلاف محاذ قائم کیا مگر اصلاح غزل کی کوشش میں انہوں نے غالب کو مثالی شاعر قرار دے کر ان کی تقلید شروع کر دی اور غالب کے مصرعوں پر غزلیں کہنے لگے۔

یگانہ نے اس اندھی تقلید کی مخالفت کی تو انہیں غالب دشمن قرار دے کر ان کے خلاف محاذ قائم کر لیا گیا۔ مشاعروں میں ان کی ھجویں پڑھی گئیں ان کی زبان پر اعتراضات کئے گئے، ان کے اشعار کی کھلی اڑائی گئی۔ نتیجتہً وہ بھی تن گئے۔ اس تنازعے میں ان کی پشت پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہ تھا لہذا ان کی ھوا اکھڑ گئی ۔ مشاعروں میں ان کا بائیکاٹ شروع ھو گیا اور ان کی شاعری سامعین سے محروم ھو گئی۔ بعد میں غالب دشمنی کی وجہ سے پورے ھندوستان میں ان کے خلاف نفرت کا رویّہ پیدا ھوا اس مرتبہ بھی عتاب ان کی شاعری پر نازل ھوا۔ بیسویں صدی کی تیسری دھائی میں ترقی پسند شاعری کا غلغلہ ھوا تو مجموعی طور پر اردو غزل پر زد پڑی یگانہ غزل کی قیمت پر نظم اور وہ بھی آزاد نظم کی دکان چمکتی ھوئی نہ دیکھ سکے لہذا اس مرتبہ وہ ترقی پسند شاعری کے علاوہ جدید اردو نظم پر معترض ھوئے۔ رد عمل کے طور پر پھر ان کی شاعری کو نظر انداز کیا گیا تاھم یگانہ کی مخالفانہ آواز کا انھیں ذاتی طور پر کوئی فائدہ ھوا ھو یا نہ ھوا ھو اتنا ضرور ھوا کہ اس سے بت پرستی اور تقلید پسندی کی حوصلہ شکنی ھوئی۔ غالب کے بارے میں یک رخی تنقید کا انداز ختم ھوا اور ترقی پسند نظم گو شعراء اور نقاد کوئی ایسی حتمی اور قطعی بات نہ کہہ سکے جو غزل گوئی کو اردو شاعری سے خارج کر دیتی۔

یگانہ کی سخت مخالفت اور ان کی شاعری کو نظر انداز کرنے کا سلسلہ 1940ء تک چلتا رھا۔ اس کے بعد جگر کی موسیقیت، رومانیت، جذباتیت اور غنائیت کا زور ٹوٹا اور اس کی جگہ سنجیدہ، تہہ دار اور صحت مند جدلیت کی حامل شاعری پسند کی جانے لگی تو یگانہ کو بھی قبول کر لیا گیا۔

1947ء میں یگانہ تریسٹھ سال کے تھے اور فراق کی عمر اکیاون سال تھی اسی اثنا میں ناصر کاظمی اور ابن انشاء نے رنگ میر کا احیا کیا ان کی غزل میں یگانہ کی طرح مروجہ الفاظ سے پرھیز کیا گیا تھا۔ البتہ یگانہ کی کرختگی اور مردانہ پن کی جگہ لطیف نسائیت سے بھرپور نرمی نے لے لی تھی یہ نرمی فراق سے مستعار تھی۔ میر کی طرف مراجعت کا رجحان بھی فراق

کے توسط سے ہوا۔ نئی غزل کو اب نئے الفاظ کی تلاش تھی تاکہ نئے تجربات اپنی چبھن کے ساتھ ادا ہو سکیں۔ چنانچہ یگانہ اور فراق کے لہجے کی ملاحت اور منطقی انداز بیان کو طرز میر سے ملا کر اظہار کی نئی صورت پیدا کی گئی۔ جس میں الفاظ کا بے تکلف اور غیر متغزلانہ استعمال کیا گیا اب غزل گو ہر صورت حال سے یکساں شدت سے متاثر نہیں ہوتا کہیں وہ احتجاج کا اظہار کرتا ہے کہیں غم و غصے کا کہیں تلخی کا اور کہیں جھنجھلاہٹ کا اس کے یہاں یگانگت اور ہم جلیسی کا روّیہ نہیں ہے۔ نئے شعراء نے غزل کی اس زبان کو جو انہیں یگانہ اور فراق سے ملی تھی پوری طرح کھنگالا اور اپنے شعری تجربوں کو اس زبان میں بیان کیا۔ اختر انصاری دھلوی، خلیل الرحمان اعظمی، جمیل مظہری، باقر مہدی، سلیم احمد، سجاد باقر رضوی، ظفر اقبال، اسلم انصاری، مرتضیٰ برلاس، عبیداللہ علیم اور افتخار عارف اسی طرز خاص کے نمائندہ شاعر ہیں۔ ان میں سے خلیل الرحمان اعظمی اور اسلم انصاری ایسے غزل گو شعراء ہیں جنھوں نے یگانہ کی زبان سے اثر قبول کرنے کے علاوہ فراق گورکھپوری کے توسط سے میر کی طرف مراجعت بھی کی ہے۔

یگانہ کا نام گذشتہ تیس سال سے اردو غزل کے باب میں اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ یگانہ زندگی کے گھائل تھے لیکن ہار مان کر پسپا ہونے والوں میں سے نہیں تھے۔ یگانہ نے شاعری سے تنقید حیات کا کام لیا۔ وہ دنیا کے مشاہدہ ناگوار کو بیگانہ وار ایک ہی رخ سے دیکھنے کے قائل نہیں تھے۔ عشق کو زندگی کا محض آلۂ کار جانتے تھے۔ اسے مقصد حیات نہیں سمجھتے تھے۔ یگانہ سماجی ادراک کے شاعر ہیں۔ ان کے یہاں بعض مسلمہ اقدار کی شکست و ریخت پائی جاتی ہے وہ اپنے تجربات کے اظہار میں بہت بیباک ہیں، طنز ان کے لہجے کی خاص پہچان ہے۔ یہ سب باتیں انہیں جدید ترین نسل کے نزدیک کر دیتی ہیں۔ یہ جدید ترین نسل بے چہرگی کی دھند میں ادراک صورت کرنا چاہتی ہے۔ فرد کی بڑھتی ہوئی تنہائی اس کا مسئلہ ہے، یہ نسل محبت، مذہب اور رفاقت جیسی اقدار سے عاری بلکہ ان کی باغی اور برگشتہ ہے۔ حقائق اور عقائد کی کشمکش میں گرفتار ہے اور اپنے بے حیثیت اور بے وقعت ہونے کسے

احساس کے ساتھ لا حاصلی کے دکھ میں مبتلا ہے۔یگانہ کی غزل میں انہی تصورات کا عکس ملتا ہے۔ان موضوعات اور مسائل پر ہماری جدید اردو شاعری میں اعلیٰ درجے کی شاعری کے امکانات ابھی تک ظاہر نہیں ہوئے۔ بقول مجنوں گورکھپوری

" یگانہ ان لوگوں میں ہیں جن کے کلام کی رہنمائی میں غزل کی اک بالکل نئی نسل پیدا ہو سکتی ہے جو اس قابل ہو کہ زندگی کے نئے میلانات اور نئے مطالب سے عہدہ برآ ہو سکے۔" (41)

یہ کہنا تو شاید بے جا ہو گا کہ آئندہ غزل میں معاملہ بندی نہ ہو گی لیکن یہ ضرور ہے کہ آئندہ غزل میں زندگی کے مشاہدات اور تجربات موضوع بنیں گے اور اس وقت جب غزل میں نرم اور پرکیف غنائیت کے بجائے تیزی اور تندی پیدا ہو گی۔ پاؤں توڑ کے بیٹھ جانے کو تقدیر نہیں سمجھا جائے گا اور مشینوں کے انجنوں کا شور آرام میں خلل پیدا نہیں کر سکے گا اس وقت یگانہ کی شاعری اپنے امکانات واضح تر کر دے گی۔ شاید اس وقت اردو شاعری کے نقاد کو بڑے شاعروں کی ترتیب میں تبدیلی کرنا پڑے اور شاید اس وقت یگانہ کی تحسین کرنے والوں کو پہچاننے کے لئے لالٹین کی ضرورت نہ پڑے۔

حــواشــی

1 - بحوالہ مضمون " یــگانہ ـ غالب شکن یا معتقد غالب " مطبوعہ " اوراق " لاہور، اپریل مئی 1987ء، صفحہ 167

2 - بحوالہ ـ " تاریخ ادب اردو " صفحہ 618، یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور 1979ء

3 - بحوالہ ـ خطوط مشاہیر بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب، صفحہ 449

4 - بحوالہ ـ " مـعارف " لکھنو، مطبوعہ اپریل 1934ء، صفحہ 314
یہی تبصرہ روزنامہ " امروز " لاہور (27 دسمبر 1984ء) میں مکرر شائع ہوا ـ

5 - بحوالہ ـ اردو افسانے کی نئی تخلیقی فضا، صفحہ 102، مطبوعہ سیمانت پرکاشن نئی دھلی - 2، 1985ء

6 - بحوالہ ـ اردو شاعری کا تنـقـیدی جائزہ ، صفحہ 440، مطبوعہ ادریس بک کمپنی کراچی

7 - بحوالہ مضمون " میرزا یـگانہ " دو ماہی " اکادمی " لکھنو، جنوری فروری 1985ء، صفحہ 15

8 - این ایم نمبر 1963،215/8

9 - محمد مبین، " میرزا یاس یـگانہ چنگیـزی " مطبوعہ " قومی زبان " کراچی، جولائی 1980ء صفحہ 33

10 - بحوالہ ـ مقالات تاثیـر، صفحہ 430

11 - بحوالہ ـ اردو کا آخری نقاد، صفحہ 227، مطبوعہ نئی دھلی 1982ء

12 - بحوالہ یـگانہ کا مضمون " متـروکات کا خبط " مطبوعہ " عالمگیـر " لاہور، اکتوبر 1933ء صفحہ 32

13 - بحوالہ تبصرہ " نـقـد و نـظر " مطبوعہ " آج کل " دھلی، یکم دسمبر 1946ء، صفحہ 59

14 - بحوالہ مضمون " میرزا یـگانہ " دو ماہی " اکادمی " لکھنو، جنوری فروری 1985ء، صفحہ 17

15 - بحوالہ دو ماہی " اکادمی " لکھنو، جنوری فروری 1985ء، صفحہ 3-4

16 - بحوالہ - " تخلیقی ادب (2) " صفحہ 6

17 - بحوالہ صفحہ 2

18- بحوالہ خبرنامہ اتر پردیش " اردو اکادمی لکھنو " صفحہ 14

19- تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے مجتبیٰ حسین کا مضمون " یگانہ چنگیزی " مطبوعہ " نیم رخ " صفحہ 33-34

20- بحوالہ - یاس یگانہ چنگیزی، صفحہ 232-233

21- بحوالہ - جھلکیاں، صفحہ 238، مکتبۃ الروایت، لاھور 1981ء

22- بحوالہ مضمون " اختر انصاری (رومانیت سے جدیدیت تک) مطبوعہ دو ماھی " الفاظ " علی گڑھ، جولائی اگست 1983ء، صفحہ 15

23- بحوالہ - جدید اردو غزل ایک مطالعہ، صفحہ 227، مطبوعہ گلوب پبلشرز ،لاھور 1984ء

24- سلطانہ مہر نے اپنی تصنیف " سخن ور " (تذکرہ شعرائے پاکستان) میں مطلع کا پہلا مصرعہ یوں درج کیا ھے ع کیا جھوٹ کیا سچ اللّٰہ جانے ، صفحہ 186

25- نظم راقم کو سلیم احمد کے برادر خورد شمیم احمد نے فراھم کی -

26- بحوالہ مضمون " میرزا یگانہ کی شاعری " مطبوعہ " تخلیقی ادب (2) " صفحہ 360

27- ایضاً

28- ایضاً

29- سجاد باقر رضوی کا مجموعۂ غزلیات

30- بحوالہ سجاد باقر رضوی سے " مکالمہ " مطبوعہ روزنامہ جنگ (جریدۂ ادب و ثقافت) لاھور، 22 مارچ 1984ء

31- بحوالہ - تیشۂ لفظ، صفحہ ح، و، مطبوعہ کتابیات، لاھور، مارچ 1968ء

32- بحوالہ - " سخن ور " (تذکرہ شعرائے پاکستان) صفحہ 281، مطبوعہ ادارۂ تحریر کراچی 1979ء

33- عبیداللّٰہ علیم سے یہ ملاقات جناب نصیر ترابی کی رھائش گاہ واقع النور سوسائٹی انچولی پر 9 نومبر 1984ء کو ھوئی -

34- بحوالہ مضمون " غزل کا تیسرا نام " مطبوعہ " محور " دھلی، شمارہ 8-، 1964ء، صفحہ 102

35- بحوالہ مضمون " یگانہ آرٹ " مطبوعہ " آج کل " دھلی، مئی 1956ء، صفحہ 9

36- بحوالہ مضمون " جدید غزل " مطبوعہ " فنون " لاھور (جدید غزل نمبر)، جنوری 1969ء، صفحہ 40-41

37- بحوالہ مضمون " ھندوستان میں نئی غزل " مطبوعہ " فنون " لاھور (جدید غزل نمبر) صفحہ 134

38- ایضاً ، صفحہ 135

39- بحوالہ ۔ تہذیب و تخلیق ، صفحہ 153 ، سجاد باقر رضوی کے خیال میں " حسرت پر اردو غزل کے قدیم رنگ کا خاتمہ ہوتا ہے۔ "(صفحہ 153)

40- تفصیل کے لئے دیکھئیے ۔ " دور حاضر اور اردو غزل گوئی " مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت دوم 1962ء

41- بحوالہ " آیات وجدانی جدید " صفحہ 2

ضـمـیـمـہ جـات

ضمیمہ نمبر 1	مشاعروں میں پڑھی جانے والی یـگانہ کی غزلیں/ قطعہ/ مثـلث
ضمیمہ نمبر 2	یـگانہ کی بیاضیں (نمـونہ) (قلمی)
ضمیمہ نمبر 3	یـگانہ کا قطعۂ تاریـخ (قلمی)
ضمیمہ نمبر 4	یـگانہ کی اولاد کی تفصیل ولادت (قلمی)
ضمیمہ نمبر 5	روزنامہ " قومی آواز " لکھنو، صبح اڈیشن (اڈیٹر حیات اللّٰہ انـصاری) اشاعت یکم اپریل 1953ء، جلد 8 نمبر (89)
ضمیمہ نمبر 6	خطوط یـگانہ بہ نام یـگانہ بیـگم (غیر مطبوعہ)
ضمیمہ نمبر 7	خطوط یـگانہ بہ نام دوارکاداس شعلہ، مسعودحسن رضوی ادیب، بلنداقبال، آغا جان، شیخ انـصار حسین، باقر حسنین رضوی (غیر مطبوعہ)
ضمیمہ نمبر 8	جوش ملیح آبادی کا خط بہ نام یـگانہ (غیر مطبوعہ)
ضمیمہ نمبر 9	اپـنـا کـیـریـکـٹـر (قلمی)
ضمیمہ نمبر 10	دوارکاداس شعلہ اور راغب مـراد آبادی کے کلام پر اصلاحیں (قلمی)
ضمیمہ نمبر 11	کلیات صائب کی جلد کے اوراق پر یـگانہ کی تحریریں (قلمی)
ضمیمہ نمبر 12	" گنجینہ " میں کـتابت کی غلطیـوں کے کاغـذات (قلمی)

ضمیمہ نمبر 1

مشاعروں میں پڑھی جانے والی یگانہ کی غزلیں/ قطعہ/ مثلث ۔ (تفصیلات یگانہ کی بیاض مخزونہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی نمبر 1957.903 سے اخذ کی گئی ہیں کہیں کہیں " آیات وجدانی " طبع اول/ اور دیگر بیاضوں سے بھی مدد لی گئی ہے، جس کی نشان دھی حاشیے میں کی گئی ہے۔) ذیل میں مطلعے درج کئے جاتے ہیں۔

(1) آہ بیمار کارگر نہ ہوئی چرخ کانپا مگر سحر نہ ہوئی
(مشاعرہ منصور نگر لکھنو، 1914ء)

(2) کچھ عجب خاک کے پتلے میں کرامت دیکھی + غم غلط ہو گیا جب چاند سی صورت دیکھی
(مشاعرہ منصور نگر لکھنو، 1914ء)

(3) کھل گئے عیب و ہنر سب کاتب تقدیر کے + رنگ ہیں آمادۂ پرواز ہر تصویر کے
(مشاعرہ سندیلہ، 1915ء)

(4) قیامت ہے شب وعدہ کا اتنا مختصر ہونا + فلک کا شام سے دست وگریبان سحر ہونا
(مشاعرہ سندیلہ، 1915ء)

(5) کعبۂ مقصود خلوت خانۂ دل ہو گیا جلوۂ موہوم آخر خضر منزل ہو گیا
(مشاعرہ ھاپڑ، 1915ء)

(6) سلسلہ چھڑ گیا جب یاس کے افسانے کا + شمع گل ہو گئی دل بجھ گیا پروانے کا
(مشاعرہ منصور نگر لکھنو، 1915ء)

(7) جادہ کو کاروان عدم کی خبر نہیں + ایسے گئے کہ نقش قدم کا اثر نہیں
(مشاعرہ کاکوری، 1916ء)

(8) ہجوم یاس سے دل کا یہ حال ہوتا ہے + شہید جیسے کوئی پائمال ہوتا ہے
(مشاعرہ سندیلہ، 1916ء)

(9) ہوش اڑتے ہیں دو رنگی لیل ونہار سے + فصل خزاں ہے دست و گریباں بہار سے
(مشاعرہ حسن گنج لکھنو، 1916ء)

(10) نتیجہ کچھ بھی ہو لیکن ہم اپنا کام کرتے ہیں + سویرے ہی سے دوراندیش فکر شام کرتے ہیں
(مشاعرہ نمائش ہردوئی، 1916ء)

(11) دل کی ہوس وہی ہے مگر دل نہیں رہا + محمل نشیں تو رہ گیا محمل نہیں رہا
(مشاعرہ کاکوری، 1916ء)

(12) دستِ شل کو دخل ناممکن خطِ تقدیر میں + جائے نقطہ بھی نہیں باقی کسی تحریر میں
(مشاعرہ منصورنگر لکھنو، فروری 1917ء)

(13) دھواں سا جب نظر آیا سوادِ منزل کا + نگاہِ شوق سے آگے تھا کارواں دل کا
(مشاعرہ فرنگی محل لکھنو، 1917ء)

(14) دل اگر گردش تقدیر سے دریا نہ بنے + تشنہ کاموں کے لئے کاش کے پیمانہ بنے
(مشاعرہ کننگ کالج لکھنو، 1917ء)

(15) غضب کی دھوم شبستانِ روزگار میں ہے + کشش بلا کی تماشائے ناگوار میں ہے
(مشاعرہ اٹاوہ، 1917ء)

(16) سلامت رہیں دل میں گھر کرنے والے اس اجڑے مکاں میں بسر کرنے والے
(مشاعرہ منصورنگر لکھنو، 1918ء)

(17) خدا پرست بھی بندے ہیں حسنِ فطرت کے + سمجھ میں آئے نہ راز اس طلسمِ حیرت کے
(مشاعرہ منصورنگر لکھنو، 1918ء)

(18) دل آگاہ نے جب راہ پہ لانا چاہا عقل گمراہ نے دیوانہ بنانا چاہا
(مشاعرہ منصورنگر لکھنو، 1918ء)

(19) نہ انتقام کی عادت نہ دل دکھانے کی + بدی بھی کر نہیں آتی مجھے کجا نیکی
(مشاعرہ سندیلہ، 1918ء)

(20) اداسی چھا گئی چہرہ پہ شمعِ محفل کے + نسیمِ صبح سے شعلے بھڑک اٹھے دل کے
(مشاعرہ منصورنگر لکھنو، 1918ء)

(21) دنیا کا چلن ترک کیا بھی نہیں جاتا + اس جادۂ باطل سے پھرا بھی نہیں جاتا
(مشاعرہ منصورنگر لکھنؤ، 1918ء)

(22) ٹھوکریں کھلوائیں کیا کیا پائے بے زنجیر نے + گردشِ تقدیر نے جولانیٔ تدبیر نے
(مشاعرہ ھاپڑ، 1919ء)

(23) ہنوز زندگیٔ تلخ کا مزا نہ ملا کمالِ صبر ملا صبر آزما نہ ملا
(مشاعرہ باغ قاضی لکھنو، 1919ء)

(24) مزہ گناہ کا جب تھا کہ باوضو کرتے بتوں کو سجدہ بھی کرتے تو قبلہ رو کرتے
(مشاعرہ سیتاپور، 1919ء)

(25) نگاہِ شوق ہوتی یا نگاہِ واپسیں ہوتی + بہر صورت زبانِ گنگ معنی آفریں ہوتی
(مشاعرہ غازی آباد، 1919ء)

(26) سنگدل بھی یاد کرتے ہیں تہِ دل سے مجھے + فتح حق کی داد مل جاتی ہے باطل سے مجھے
(مشاعرہ میرٹھ، 1919ء)

(27) تماشا ہے مری تصویر کا بیکار ہو جانا + قلم کے زخم کھا کر پیکر خونبار ہو جانا
(مشاعرہ کننگ کالج لکھنو، مارچ 1920ء[1])

(28) کون ہوں کیا ہوں مجھے بھی دیکھ لیں اہل نظر (قطعہ فخریہ) مشاعرہ عظیم آباد،
کوچہ گردِ لکھنو خاکِ عظیم آباد ہوں اپریل 1920ء[2])

(29) ہنستے ہیں افسردہ دل نیرنگِ عالم دیکھ کر + اہلِ دل کو مبتلائے شادی و غم دیکھ کر
(مشاعرہ عظیم آباد، 12 اپریل 1920ء)

(30) نامِ خزاں پہ پاس لٹا دو بہار کو بازیچۂ دو رنگیٔ لیل و نہار کو
(مشاعرہ دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول گلشنؔ
الہ آباد، 1920ء[3])

(31) رسمِ دنیا نہ سہی فرض ادا کرتے ہیں ہاتھ اٹھے یا نہ اٹھے دل سے دعا کرتے ہیں
(مشاعرہ شاہ جہاں پور، 12 فروری 1931ء)

(32) بیٹھا ہوں پاؤں توڑ کے تدبیر دیکھنا + منزل قدم سے لپٹی ہے تقدیر دیکھنا
(مشاعرہ کانپور، 28 اگست 1931ء)

(33) موجِ ہوا سے خاک اگر آشنا نہ ہو + دنیائے گرد و باد کی نشوونما نہ ہو
(مشاعرہ بسواں، جولائی 1922ء)

(34) دل عجب جلوۂ موہوم دکھاتا ہے مجھے + شام سے یاس سویرا نظر آتا ہے مجھے
(مشاعرہ سیتاپور، جولائی 1922ء)

(35) تارِ نظر نے باندھ لیا ہے بہار کو + نیرنگیٔ تصور سے اعتبار کو
(مشاعرہ الہ آباد، نومبر 1922ء)

(36) خاک کا پتلا بگولا دشت کا ہو جائے گا + مٹ کے بھی اک پیکرِ نشوونما ہو جائے گا
(مشاعرہ دہلی، 31 دسمبر 1922ء [4])

(37) زحمتِ سجدہ ہے فضول بتکدۂ مجاز میں + ہو گی نماز کیا قبول کعبۂ خانہ ساز میں
(مشاعرہ اٹاوہ، 10 فروری 1923ء [5])

(38) ہمہ تن شمع بنے یا ہمہ تن دل ہو جائے + جل کے ٹھنڈا کہیں پروانۂ محفل ہو جائے
(مشاعرہ میرٹھ، مئی 1923ء)

(39) ازل سے سخت جاں آمادۂ صد امتحاں آئے + عذابِ چند روزہ یا عذابِ جاوداں آئے
(مشاعرہ بسواں، جولائی 1923ء)

(40) بندۂ فطرتِ مجبور ہوں مختار نہیں + ہاں ندامت میں ہے شک جرم سے انکار نہیں
(مشاعرہ الہ آباد، 14 اکتوبر 1923ء)

(41) حسنِ فطرت بولتا ہے پردۂ اسرار میں + معنیٔ بے لفظ پنہاں ہیں زبانِ خار میں
(مشاعرہ مین پوری، 29 نومبر 1923ء)

(42) دستِ دعا سے اٹھا پردہ جو درمیاں تھا + اٹھتی ہے آنکھ کیوں کر اب یہ بھی دیکھنا ہے
(مشاعرہ اٹاوہ، دسمبر 1923ء)

(43) قفس میں ہوئے مستانہ بھی آئی دردِ سر ہو کر + نویدِ ناگہاں پہونچی ہے مرگِ منتظر ہو کر
(مشاعرہ الہ آباد، 17 فروری 1924ء [6])

(44) ارتقا سے جو فرشتہ کوئی شیطاں ہو جائے + کیا یہ ممکن ہے کہ بڑھ کر کبھی انساں ہو جائے
(مشاعرہ مین پوری، 29 مارچ 1924ء)

(45) نقش باطل ہو چلا خواب پریشان بہار + دیدۂ حیراں میں کھنچ کر آ گئی جان بہار
(مشاعرہ گلاوٹھی، ضلع بلندشہر، 26 دسمبر 1924ء)

(46) امید و بیم میں کٹے تو کیا مزہ شباب کا ہوائے دھر دیتی ھے پیام انقلاب کا
الٹ نہ جائے ناگہاں ورق مری کتاب کا
(مشاعرہ اسلامیہ سکول اٹاوہ، 1 مارچ 1925ء)

(47) کہاں تلک دل غمناک پردہ دار رھے + زبان حال پہ جب کچھ نہ اختیار رھے
(مشاعرہ مین پوری، 19 مارچ 1925ء)

(48) جب تک خلش درد خداداد رھے گی + دنیا دل ناشاد کی آباد رھے گی
(مشاعرہ علی گڑھ، 10 اکتوبر 1925ء)

(49) زمیں کروٹ بدلتی ھے بلائے ناگہاں ھو کر + عجب کیا سر پہ آئے پاؤں کی خاک آسماں ھو کر
(مشاعرہ الہ آباد، 29 نومبر 1925ء[7])

(50) نظر آئے گا کیا ظلمت کدہ میں چشم حیراں کو + اندھیرے کا اجالا جانیے خواب پریشاں کو
(مشاعرہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، 27 دسمبر 1925ء[8])

(51) قصہ کتاب عمر کا کیا مختصر ھوا رخ داستان غم کا ادھر سے ادھر ھوا
(مشاعرہ دھلی، 1925ء)

(52) وائے نادانی کہ داری گوش بر دیوار ما + اھل دل را روئے ما آئینۂ اسرار ما
(مشاعرہ کپور تھلہ، 6 جون 1926ء[9])

(53) غضب ھے جرم شور انگیز پر مجبور ھو جانا + پتے کی بات کہہ کر بے دھڑک منصور ھو جانا
(مشاعرہ مین پوری، 25 دسمبر 1927ء)

(54) نظارہ پہ کیا گزری آشوب تماشا سے ھوش آتے ھی پروانے کھو گئے دنیا سے
(مشاعرہ لاھور، اراگست 1927ء)

(55) غنچہ غنچہ میں بہار صد گریباں دیکھکر + آپ میں کیوں کر رھے کوئی یہ ساماں دیکھ کر
(مشاعرہ عثمان آباد، 8 مارچ 1931ء)

(56) نظر آئے جب آثار جدائی رنگ محفل سے + نگاہ یاس بیگانہ ھوئی یاران یک دل سے
(مشاعرہ حامدعلی خاں برسٹر ایٹ لاء، لکھنو، سن ندارد[10])

(57) دیکھے جو حسنِ دوست کو شانِ جلال میں + آ جائے آفتاب قیامت زوال میں
(مشاعرہ جے پور، 21 اپریل 1935ء [11])

(58) کس دل بے قرار کو تونے یہ ولولہ دیا + دینا نہ دینا ایک ہے ظرف سے سوا دیا
(مشاعرہ بھوپال، 9 جنوری 1939ء [12])

نوٹ :- مالک رام نے اپنے مضمون " میرزا یگانہ چنگیزی " (مطبوعہ " وہ صورتیں الٰہی " طبع دوم 1983ء، صفحہ 139تا 141) اور سید عابد علی عابد نے اپنے مضمون " چند بڑے ادیب " (مطبوعہ نقوش، لاہور شمارہ نمبر92، صفحہ 1079-1080) میں لاہور میں 1926ء میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں پڑھی جانے والی یگانہ کی غزلوں اور ان کے پڑھنے کے انداز کے بارے میں لکھا ہے ـــ میکش اکبر آبادی نے اپنے مضمون " مرزا یگانہ چنگیزی کے ساتھ چند لمحے " (مطبوعہ نقوش ، لاہور، اکتوبر 1958ء، صفحہ 239) میں 1935ء میں جے پور میں منعقد ہونے والے آل انڈیا مشاعرے کی تفصیل رقم کی ہے۔ اسی مشاعرے کے بارے میں صبا اکبر آبادی نے بھی اپنے مضمون " مرزا یگانہ " (مطبوعہ تخلیقی ادب(4) 1985ء، صفحہ 249) میں لکھا ہے۔ علاوہ ازیں صبا اکبر آبادی نے علی گڑھ، آگرہ، مین پوری اور کراچی کے ان مشاعروں کی روداد بھی تحریر کی ہے جن میں یگانہ نے شرکت کی تھی۔

حــواشــی

1- کننیگ کالج لکھنو کا سالانہ مشاعرہ منعقدہ 7 مارچ 1920ء (بحوالہ آیات وجدانی، طبع اوّل صفحہ 126)

2- یہ مشاعرہ درگاہ شاہ ارزاں عظیم آباد میں منعقد ہوا تھا (بحوالہ آیات وجدانی، طبع اوّل صفحہ 214)

3- بحوالہ آیات وجدانی، طبع اوّل، صفحہ 323

4- آیات وجدانی طبع اوّل کے مطابق یگانہ نے یہ غزل پنڈت امرناتھ ساحر دھلوی کے مشاعرے میں پڑھی۔ آیات وجدانی میں مشاعرے کے انعقاد کی تاریخ 31 دسمبر 1922ء درج ھے۔ (بحوالہ صفحہ 122)

5- آیات وجدانی طبع اوّل کےمطابق یہ غزل اسلامیہ ھائی سکول اٹاوہ کے سالانہ مشاعرہ کے لئیے کہی گئی تھی مگر یگانہ جا نہ سکے (بحوالہ صفحہ 185)

6- یگانہ نے یہ غزل دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول گلشن کی کوٹھی پر منعقد ھونے والے مشاعرے میں سر تیج بہادر سپرو کی صدارت میں پڑھی (بحوالہ آیات وجدانی، طبع اوّل صفحہ 163)

7- یگانہ نے یہ غزل کالیتھ پاٹ شالا کالج، الہ آباد کے مشاعرے میں پڑھی (بحوالہ آیات وجدانی، طبع اوّل، صفحہ 174)

8- مشاعرہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جوبلی کے موقع پر منعقد ھوا تھا (بحوالہ آیات وجدانی طبع اوّل صفحہ 227)

9- یہ غزل ریاست کپور تھلہ کے ایک مشاعرہ میں جو 6 جون 1926ء کو شیخ عبدالقادر خان بہادر/وزیر تعلیم پنجاب کی صدارت میں ھوا تھا، پڑھی گئی تھی۔(بحوالہ آیات وجدانی، طبع اوّل صفحہ 105)

10- بحوالہ آیات وجدانی، طبع اوّل صفحہ 240

11- بیاض مملوکہ بلند اقبال۔

12- بیاض یگانہ، مخزونہ نیشنل میوزیم کراچی نمبر 1957.902 ۔

ضمیمہ نمبر 2 ۔ یگانہ کی بیاضیں (نمونہ) (قلمی)

(مطلع)

مجھے دل کی خطا پر یاس شرمانا نہیں آتا
پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا

برا ہو پائے سرکش کا کہ تھک جانا نہیں آتا
کبھی گمراہ ہو کر راہ پر آنا نہیں آتا

ازل سے تیرا بندہ ہوں ترا ہر حکم آنکھوں پر
مگر فرمانِ آزادی بجا لانا نہیں آتا

سراپا راز ہوں میں کیا بتاؤں کون ہوں کیا ہوں
سمجھتا ہوں مگر دنیا کو سمجھانا نہیں آتا

[illegible]
مجھے سر مار کر تیشے سے مر جانا نہیں آتا

دل بے حوصلہ ہے اک ذرا سی ٹھیس کا مہماں
وہ آنسو کیا پئے گا جس کو غم کھانا نہیں آتا

بھروسا ناخدا پر کس کو منہ دکھلائے
بہانہ کر کے تنہا پار اتر جانا نہیں آتا

[illegible]

مطلع

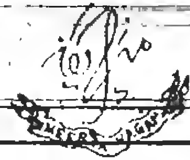
ہنوز زندگیِ تلخ کا مزہ نہ ملا ۔ کمال صبر ملا صبر آزما نہ ملا
مری بہار و خزاں جس کے اختیار میں تھی ۔ مزاج اس دل بے اختیار کا نہ ملا
جواب کیا وہی آواز بازگشت آئی ۔ [illegible] کا مزہ نہ ملا
امیدوار رہائی قفس بدوش چلے ۔ [illegible] نہ ملا
ہوئے کہ دوش بدوش [illegible] کاروان نفس ۔ [illegible] کوئی پیادہ پا نہ ملا
ہزار [illegible] منزل مقصود ۔ [illegible] نہ ملا
بس ایک نقطۂ فرضی کا نام کعبہ ہے ۔ [illegible] نہ ملا
امید و بیم نے مارا مجھے دوراہے پر ۔ کہاں کے دیر و حرم گھر کا راستا نہ ملا
خوشا نصیب جسے فیض عشق شور انگیز ۔ [illegible] سوا نہ ملا
[illegible] ۔ [illegible] نہ ملا
بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے ۔ وہ بدنصیب جسے بخت نارسا نہ ملا
نگاہ یاس [illegible] ۔ [illegible] بندہ خدا نہ ملا

خاک چھانی عمر بھر کوئی [illegible]
وائے ناکامی کہ [illegible] گیا!

لذتِ زندگی مبارک باد ۔ [illegible] آباد
[illegible]
[illegible]
بندۂ عشق آہ کیا جانے ۔ کیسے کہتے ہیں بندہ آزاد؟
[illegible]
[illegible] یاد؟
[illegible]
[illegible]
[illegible] یاد!

[illegible]

1



ابھیمہ

سمرانہ بیہم بیشی

(اٹھو سکھی بھر سو لینا)

ساجن کو سکھی منالو بھر سو لینا

سوئی قسمت جگالو بھر سو لینا + (اٹھو سکھی بھر سو لینا)

سوتا سنسار سنئے و الاجیار

اپنی بپتی سنالو بھر سو لینا + (اٹھو سکھی بھر سو لینا)

(اٹھو سکھی بھر سو لینا)

ضمیمہ نمبر 3 ۔ یگانہ کا قطعۂ تاریخ (قلمی)

[illegible]

نواب معین الدولہ بہادر رئیس پائگاہ حیدرآباد کا
عنایت نامہ مورخہ ۸ بہمن ۱۳۵۸ ف آج [illegible]
۱۱ بہمن ۱۳۵۸ کو مجھے ملا (صاحب موصوف کی وہ [illegible]
مجھے شرف نیاز حاصل ہے) کہ میرا اردو دیوان
[illegible]
بھی دیکھ لو باعث تسکین ۔ میں حسب ذیل قطعہ
لکھ کر بھیج دیا

قطعۂ تاریخ

آپ ہی جشن فیض ملک دکن ۔ دور ہو کیوں نہ [illegible] آوازہ
سر پر شعر ہے کہ یہی رہے بند تھا ۔ آج علم و ہنر کا شیرازہ
تم بھی تسکین ذوق کیوں نہ کرو ۔ وا ہے شعر و سخن کا دروازہ
[illegible] ۔ [illegible] سخن گل تازہ

۱۳۵۸ ۔ ۱ = ۱۳۵۷

یگانہ

ضمیمہ نمبر 4 ۔ یگانہ کی اولاد کی تفصیل ولادت (قلمی)

تفصیل ولادت

(۱) بلند اقبال حسن بانو ۔ ۲/۰ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ
مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۶ء وقت
آٹھ بجے دن یوم سہ شنبہ مقام جھوائی ٹولہ لکھنؤ

(۲) آغا جان ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ
مطابق ۱۹۲۰ء یوم دوشنبہ ۹ بجے شب
مقام باغ قاضی لکھنؤ

(۳) ام صغریٰ ۲۴ فروری ۱۹۲۴ء مطابق
۱۳۴۲ھ یوم جمعہ وقت صبح مقام سنگی ٹولہ
لکھنؤ ۔ وفات ۵ محرم ۱۳۴۸ھ سنگی ٹولہ لکھنؤ

(۴) مریم جہان ۱۳ محرم ۱۳۴۴ھ مطابق
۳ جولائی ۱۹۲۶ء یوم شنبہ دو بجے دن لاہور

(۵) حیدر بیگ شب یکشنبہ ۱۷ ذی الحجہ
۱۳۴۸ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۳۰ء عثمان آباد

(۶) طاہرہ بیگم یوم سہ شنبہ پانچ بجے صبح
۱۴ محرم ۱۳۵۰ھ مطابق ۲ جون ۱۹۳۱ء
مطابق ۲۷ ستمبر ۱۹۳۴ء وفات الٰہی مقام عثمان آباد

ضـمـیـمـہ نـمـبـر 5 ۔

روزنامہ " قومی آواز " لکھنو، صبح اڈیشن

(اڈیٹر حیات اللہ انصاری) اشاعت یکم اپریل 1953ء جلد 8 نمبر 89

یگانہ چنگیزی کو منھ کالا کر کے سڑکوں پر پھرایا گیا

مذہبی جذبات کو ٹھیس پہونچانے پر مسلمانوں کا غصہ

۵ گرفتاریاں، مکان پر پولیس کا پہرہ

لکھنؤ ــــــــ ۳۱ ــــــــ مارچ

مذہب کے خلاف اشعار کہنے کے نتیجہ میں اردو کے کہنہ مشق ۶۵ سالہ دہریہ شاعر مرزا یاس یگانہ چنگیزی کو آج صبح تارکول سے منھ کالا کر کے اور گلے میں پھٹے جوتوں کا ہار پہنا کر لکھنؤ کی سڑکوں پر پھرایا گیا۔ جلوس زیادہ تر لڑکوں پر مشتمل تھا جو نعرے لگا رہے تھے اور یگانہ کو گالیاں دے رہے تھے۔ جلوس کے آگے آگے ایک ڈھنڈورچی ڈھول پیٹ کر لوگوں کی توجہ ان کی طرف مبذول کرا رہا تھا۔

آج صبح ایک مجمع نے یگانہ کے مکان واقع منصور نگر پر دھاوا کیا اور ان کو پکڑ کر جلوس کے ساتھ چلنے پر مجبور کیا۔ مجمع اپنے ساتھ ایک گدھا لایا تھا جس پر ان کو بٹھلایا جانے والا تھا۔ لیکن گدھا جب ان کو لے کر آگے نہ بڑھا تو انھیں پیدل چلایا گیا۔ جلوس ان کو اسی ہیئت سے منصور نگر، کشمیری محلہ، چوک اور نخاس کی سڑکوں پر گھماتا پھرا۔ جلوس یہ نعرے لگا رہا تھا۔ "آپ یگانہ چنگیزی ہیں جنھوں نے رسول کے خلاف اشعار لکھے"۔ جلوس کے آگے ایک شخص ایک بڑا سا پلیکارڈ لئے چل رہا تھا جس پر لکھا ہوا تھا۔ "رسول کے خلاف لکھنے والے کا یہی حشر ہوتا ہے۔"

نخاس کے چوراہے پر پہونچ کر یگانہ کو ایک رکشا پر بٹھا دیا گیا جس کو مجمع کھینچ رہا تھا اور جلوس نادان محل روڈ ہوتا ہوا امین آباد کی طرف چلا۔ تھوڑی تھوڑی دور پر جلوس ٹھہر جاتا تھا اور یگانہ کو رکشا پر کھڑا کر کے پبلک کو اپنی صورت دکھانے پر مجبور کیا جاتا۔ لوگ اکثر ان کے چہرے پر تھوکتے بھی تھے۔

یگانہ کو جلوس کے پنجے سے پولیس نے کوئی ایک گھنٹہ کے بعد اس وقت نجات دلائی جب جلوس سوتی گنج سے گزر رہا تھا۔

مسٹر ایلی۔ این رائے پولیس کا ایک دستہ لئے مولوی گنج میں کھڑے تھے اور جلوس جب اس مقام پر پہونچا تو اس کو رکنے کا حکم دیا گیا۔ یگانہ اور پانچ دوسرے آدمیوں کو جو جلوس کے آگے آگے چل رہے تھے پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر وزیر گنج کے تھانے لے جایا گیا۔ ان پانچوں آدمیوں کے خلاف جن کے نام علی حیدر، گن، منے، خلیل احمد اور محمن ہیں۔ پولیس نے یگانہ کو بے جا طور پر قید کرنے اور ان کی بے عزتی کرنے کے لیے مجرمانہ طاقت استعمال کرنے کا مقدمہ قائم کیا ہے۔

یگانہ کے خلاف کانپور کے ایک اردو اخبار اور لکھنؤ کے ایک اردو اخبار نے تین روز سے ایک مہم شروع کر رکھی تھی۔ بات یہاں سے شروع ہوئی کہ ایک اخبار نے یگانہ کا ایک بیعنہ مراسلہ چھاپا جس میں کچھ قابل اعتراض اشعار شامل تھے۔

یگانہ نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ ان کا مضمون اور اشعار کچھ لوگ چرالے گئے تھے اور انھوں

(باقی صفحہ ۷ کالم ایک کے نیچے)

یگانہ صفحہ ایک کا بقیہ

نے ان کو چھپوا دیا۔ انھوں نے کہا کہ ان کا ارادہ ان چیزوں کو چھپوانے کا نہیں تھا اور ان میں ان کے ذاتی عقائد اور خیالات کی جھلک ہے۔

پانچوں آدمیوں نے پولیس کو بیان دیا کہ وہ یگانہ کے خلاف تشدد کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے لیکن ان کو سبق دینا چاہتے تھے۔

یگانہ نے پولیس کو بتایا کہ ان کو تین روز سے پریشان کیا جا رہا تھا۔ اخبارات میں مضمون کی اشاعت کے بعد پہلے دن کچھ لوگ ان سے ملنے آئے اور انھوں نے ان لوگوں کو یقین دلایا کہ ان کا ارادہ ان اشعار کو شائع کرانے کا نہیں تھا۔ پھر بھی مسلمانوں کا ایک طبقہ اس یقین دہانی سے مطمئن نہیں ہوا۔ کل ان کے گھر پر ڈھیلے آئے۔ آج صبح ایک مجمع ان کے گھر پر آیا اور دروازہ بھڑ بھڑانے لگا۔ انھوں نے پشت کے دروازے سے بھاگنا چاہا لیکن مجمع نے ان کو دوڑ کر پکڑ لیا۔

الحمد للہ حکام نے حکم دے دیا ہے کہ یگانہ کے مکان پر پولیس کا پہرہ لگا دیا جائے تاکہ ان کو مزید پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے۔

جوڈیشل مجسٹریٹ مسٹر ایس کے بھٹناگر نے بعد میں گرفتار ہونے والوں کو ڈھائی سو کا ذاتی مچلکہ اور ڈھائی ڈھائی سو کی دو دو ضمانتیں لے کر چھوڑ دیا۔

پولیس نے ان کی رہائی کی اس بنا پر مخالفت کی کہ ممکن ہے یہ لوگ یگانہ کو دھمکائیں اور اس طرح اس میں خلل ڈالیں لیکن عدالت نے پولیس کی یہ دلیل نہیں مانی۔

ضمیمہ نمبر 6 ۔ یگانہ کا خط بنام یگانہ بیگم

[illegible]

وہ حکیم صاحب بھلا اب کیا واپس آتے [illegible] لکھ بھیجا کہ میں نہیں آ سکتا - یہ واقعہ کوئی دو مہینے کا ہے جب یہ اتنے دن ارادہ
تو فانی صاحب سمجھ گئے اور لوگوں نے بھی عزیز صاحب کو سمجھایا کہ یہ تو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ آدمی اٹھائو چولھا ہیں یہ
تعالی کے ہیں [illegible] آپ نے خود منحوس اپنی سالی کو اونکے گلے منڈھ دیا - خیر جو ہونا تھا ہوا، بہتر یہی ہے کہ اس سے فارغ خطی
لکھوا لیجئے اور کسی شریف آدمی کے حوالے کیجئے جو اوس کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھا سکے - مختصر یہ کہ حکیم صاحب سے
فارغ خطی لکھوا لی گئی وہ تو اپنا پیچھا چھڑانا ہی چاہتے تھے - فارغ خطی ہو گئی تو فانی صاحب کی [illegible] دیکھی
کہ انہوں نے بہت سی تعریفیں کر کے میرا نام تجویز کر دیا اور یہ سمجھا دیا کہ یگانہ صاحب کی بیوی دکن میں
تو رہنا پسند نہیں کرتیں اور اون کی صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی ہے اس لئے یہ ایک معقول جگہ خالی ہے
مگر یگانہ کبھی راضی نہ ہونگے اس لئے کچھ اور حکمت عملی سے کام لینا چاہئے - سید محمد مہدی صاحب اور
سید عالمبردار صاحب کو یہ تمام واقعات سمجھا دئے گئے اور کہا گیا کہ ایک مختلف لڑکی کا بھلا
ہو جائے تو بڑا کار خیر ہو جائے - یگانہ صاحب آپ لوگوں کے اثر میں ہیں اونکو کسیطرح راضی کیجئے -
اور اس کے بعد یہ تدبیر سوچی کہ اون کی کچھ ترقی ہو جائے تاکہ دونوں گھر سنبھال سکیں - آپ کو تو
معلوم ہے سید محمد مہدی صاحب [illegible] کے نواب [illegible] مجھے [illegible] ذرا دیر ہی ورنہ عقد لگانے
لگ بھگ انتظار کرنا پڑتا - محمد مہدی صاحب نے کہا کہ خیر دیکھا جائیگا کچھ نہ کچھ کیا جائیگا فی الحال عقد تو
کرا دینا چاہئے - غرض یہ ہے کہ [illegible] یہ ہیں سوغات حیدرآباد کے
پہلے بھیجی [illegible] تھا کہ میں رہتا تھا وہ چھوڑ دیا ایک دوسرا مکان کرایہ پر لے لیا ہے - آج [illegible]
کہ مہاراجہ بہادر لاتور تشریف لائے تھے سید محمد مہدی صاحب اور عالمبردار صاحب بھی اون کے ساتھ تھے
میں پچھلے خط میں آپکو لکھ چکا ہوں کہ مہاراجہ بہادر نے خوش ہو کر مجھے [illegible]
فرمایا اور میرا ایک شعر بھی نوٹ کر لیا - تمام حکام جو اوس وقت موجود تھے اونکی نظریں مجھ پر
پڑ رہی تھیں اور جب وہاں سے واپس آئے تو یہ سنا کہ [illegible] کہہ رہے تھے کہ مہاراج
[illegible]

[illegible]

یگانہ کا خط بہ نام یگانہ بیگم

لاتور دکن

۱۶ فروری ۱۹۳۵ء

مکرم راز صاحب سلامت۔ کل جمعہ کو کوئی ڈیڑھ بجے الہ آباد سے لکھا خط ملا جسے پڑھ کر معلوم ہوا کہ واقعی میرا فریب آپ لوگوں پر چل گیا۔ میں نے
عالمِ دیوانگی میں جو [illegible] تھا اسے آپ نے سچ باور کر لیا۔ میں نے [illegible] تار دے دیا کہ کہیں
صدمہ نہ پہنچ جائے۔ تار میں لکھ دیا ہے کہ یہ محض دل لگی تھی [illegible]
اس ندامت نامہ ڈرامے کا جب الہ آباد پر اتنا درد ناک اثر ہوا ہے تو معلوم نہیں آپ کا کیا حال ہوگا۔ خیر اوس نے تو ابھی
دنیا دیکھی نہیں، ہوسپر اتنا اثر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ آپ [illegible] ہو کر بھی فریب میں
آ گئیں۔ آپ تو جھوٹ سچ فوراً تاڑ لیا کرتی تھیں یہ آپ کو کیا ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ اوس وقت سچ مچ
میرے قلم نے عجیب و غریب شوخیاں دکھائیں یعنی جھوٹ اور سچ کا وصل و [illegible] کر دیا ہے کہ جھوٹ
جھوٹ نہیں معلوم ہوتا۔ اس ڈرامے میں سچ اتنا ہی ہے کہ بیشک قلم معمولی طرح کوفن میں اپنا جوہر دکھا چکا ہوں لیکن
اس کو اب یہ ترقی دینا [illegible] کے عقد ہوئے [illegible] اور پھر چھوڑ کر چلے جانے اور اون کی بیوی بچے
زیور لے لینے تک بالکل صحیح ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہے وہ دروغ گوئی یا افسانہ نگاری کا کمال ہے۔
قانی صاحب کی تجویز اور سید محمد مہدی صاحب سے مشورہ اور عہدہ بزرگانہ کا منصوبہ اور عقدِ ثانی کا قصہ
سب جھوٹ مگر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بہتیرے لوگوں کو یقین آ جائے تو تعجب نہیں۔ مگر آپ کو
کیونکر یقین آ گیا۔ کیا فی الواقع میں اس قدر بےدرد ہو سکتا ہوں۔ زندگی بھر میں اپنے بڑی نعمت
آپ کی ذات اور بچے دو شخصوں میں پڑا سمجھتا ہوں۔ یہی دو دم ہیں جن میں رہنا گنہ سکتا ہوں
اب رہی یہ بیشک دل سے میری آپ کے قدر کرتے ہیں تو بھی مگر پڑی اماں نہیں ہیں۔ آغا جان نے
ابھی تک کوئی امید افزا عمل اختیار نہیں کیا۔ کل کا حال اللہ کو معلوم۔ رہی عید بیگم تو وہ ابھی کس قطار شمار میں ہے
میرا اس ندامت ڈرامے سے آپ لوگوں کو چند روز تک ذہنی تکلیف تو ضرور ہوئی مگر [illegible] یہ بھی نتیجے سے خالی نہیں ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ میں ابھی کچھ کمزوری باقی ہے۔ دنیا میں بہت بڑے انقلاب آیا کرتے ہیں۔ ان سے گھبرا کر
شکستہ دل ہو جانا بڑی غلطی ہے۔ جو کچھ بھی پیش آئے اسکا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہئے۔ ہم گذشتہ اپنا اصول زندگی
خوش نہ پائے۔ ہم لوگوں کی زندگی کا دھڑا اصول کیا ہے یا آئندہ ہماری اولاد کی زندگی کا اصول کیا ہوگا یا کیا ہونا چاہئے؟
اسکا جواب دو لفظوں میں یہ ہے۔ اپنا فرض اور اپنی آن بان۔ میرزا یگانہ اور یگانہ بیگم اور یگانہ فیملی کا اصول زندگی
ابد تک یہی ہے اور رہیگا۔ مجھے بلند اقبال سلمہا کا خط پڑھکر بڑی تسکین ہوئی۔ خط تو درد سے بھرا ہوا تھا مگر یہ معلوم
کر کے اطمینان ہوا کہ اوسکا دل انسانی غیرت و حمیت سے لبریز ہے۔ ایسی اولاد یا بچے لائق قابل فخر ہیں۔ اور
آئندہ قدرت نے چاہا تو اوسکی زندگی اور اسکے رفیق زندگی کے لئے باعث فخر و طمانیت ثابت ہوگی۔ وہ اپنی آخری سانس تک
اس بات کا ثبوت دیگی کہ کس باپ کی بیٹی ہے کس ماں کی گود کی پلی ہے۔

دنیا آپ سمجھے کیا فریب دیگی۔ فریب کھانے کا زمانہ گذر گیا۔ یوں تو قدم قدم پر اپنی سادہ دلی سے دوستوں یا
دوست نما دشمنوں کے ہاتھوں دھوکہ کھاتا ہی رہتا ہوں۔ مگر اب اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ ترقی پسندوں کا لالچ میں
آکر اپنا ایمان کھو دوں۔ آپکو یہ معلوم کرکے تعجب ہوگا کہ اس دفعہ جو میں حیدرآباد گیا تو فانی صاحب سے
بیس برس کی ملاقات ترک ہو گئی۔ میں نہایت سادہ دلی اور خلوص سے ملتا رہا مگر یہ کیا معلوم تھا
کہ یہ خلوص میری مخالفت پر مبنی ہے۔ خیر یہ قصہ پھر کبھی سناؤنگا۔

ہما کا خط کئی دن ہوئے آیا تھا۔ سخت تشویش ہے۔ وہی بھائی کی جان خطرے میں ہے کئی شب [illegible]
اللہ رحم کرے۔ ہم لوگوں کا درد دکھ اوس سے دیکھا نہیں جاتا وقت پر اوسکے کوئی ہوتے ہیں اور کچھ
جہاں تک ممکن ہوتا ہے ہم لوگوں کی خبر رکھتے ہیں۔ اس وقت وہ ایسی مصیبت ایسی ایذا
اوٹھا رہی ہیں کہ اپنی گذشتہ مصیبتیں یاد آگئیں۔ زیادہ ممکن تھا دس روپے بذریعہ تار میں نے
روانہ کردیئے ہیں۔ خدا کرے وہ بچے سلامت گھر آجائے کوئی ہوتا تو مولا مشکل کشا کی نذر دلوا دوں۔
میرے بہن بلند اقبال کے نام ایک پوسٹ کارڈ اور کل آپ کے نام ایک پوسٹ کارڈ اور آپکے نام تار روانہ کر دیا ہوں
[illegible]

[illegible]

ضمیمہ نمبر 7 – یگانہ کا خط بہ نام دوارکاداس شعلہ

عثمان آباد دکن

۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

عزیز من بعد سلام و دعا شوق واضح ہو کہ محبت نامہ مورخہ ۱۲ ستمبر موصول ہوا

آپ کا انداز تحریر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی کسی پر عاشق ہو [illegible]

کیا کرتے ہو۔ میں جیسا ہوں اللہ بہتر جانتا ہے مگر ہاں کچھ نہ کچھ مجھے بھی محسوس ہوتا ہے

کہ میں کیا ہوں۔ میرا یہ شعر میری حقیقت کا پتا دیتا ہے!

سراپا راز ہوں میں کیا بتاؤں کون ہوں کیا ہوں — سمجھتا ہوں مگر دنیا کو سمجھانا نہیں آتا

آپ نے میری رباعی کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں فلسفۂ زندگی غالب کا بھی معلوم ہوتا ہے۔ میں

سمجھتا ہوں کہ غالب فلسفۂ زندگی سے آشنا ضرور تھے مگر اسے کیا کیجیے کہ وہ بیان پر کافی

قدرت نہیں رکھتے تھے۔ جاننا اور بات ہے [illegible]

مگر شاعری کی زبان میں ادا کرنا بالکل جداگانہ بات ہے

خیر اب حال یہ ہے کہ [illegible] عثمان آباد آیا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد کے احباب

[illegible] حیدرآباد [illegible] خیالی [illegible]

وطن نے میں چلا آیا تو اب کوئی [illegible] نہیں لیا یہ بڑی مشکل ہے

گھر کا حال یہ ہے کہ میری محترم و جاں نثار بیوی اور میرے بچے میرے لئے تڑپ رہے ہیں اور میں ان کے لئے بے قرار ہوں

اونکی آواز میرے کانوں میں اور میرے پاؤں کی آہٹ اونکے کانوں میں گونج رہی ہے۔ آج
دس مہینے سے ہم اونکو اور وہ مجھے دیکھنے کو ترستے ہیں اللہ اکبر۔ دل کی دنیا کا یہ منظر بھی
کیا عالم دکھا رہا ہے۔ میرے خیال میں بہتر یہ ہے کہ عزیزم آغاجان سلمہ کو آپ بھی ایک خط
لکھیں۔ وہ دیکھکر بہت خوش ہونگے۔ افسوس ہے کہ آج پانچ برس سے میں ایسی آفتوں میں
مبتلا ہوں کہ دم لینے کی مہلت نہیں ملتی۔ آغاجان کی تعلیم ابتک کچھ بھی نہ ہو سکی جب
سانس لینا بھی دشوار ہو تو اور فرائض کہاں تک پورے ہو سکتے ہیں۔ الطاف حسین و علی بخش
اور میری اہلیہ محترمہ کو بھی اوسے البدی جانتا ہے۔ آپنے اپنی چھوٹی بہن کا ذکر
کیا ہے کہ وہ مجھے یاد کرتی ہے حق تعالے اوسے خوش رکھے پروان چڑھائے میری طرف سے
بہت بہت دعا اور پیار۔ مخلصی و محبی جناب انور علی صاحب کو میرا سلام شوق
کہیں۔ آپکے اشعار اصلاح کرکے بھیجتا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔

مجھکو بیتاب کر دیا تو نے — دل درد آشنا دیا تو نے
لیکے دل مجھکو نعمت غم دی — خوب نعم البدل دیا تو نے
کہہ کے چپ ہو گئے دوا نہ ملی — درد بے کس کی لی دوا تو نے
دل دیا ہے تو سوز و ساز بھی دے — نہ دیا یہ تو کیا دیا تو نے
عشق فانی ہے مبتلا کر کے — کیا کیا در خدا تو نے

عشق کی انتہا بھی ہے شعلہ!
کر دی آج ابتدا تو نے

یگانہ کا خط بہ نام سید مسعود حسن رضوی ادیب

Letter (Dec)

1st Feb 35

مائی ڈیر مسعود صاحب سلام شوق - عنایت نامہ مورخہ ۲۸ جنوری صادر ہوا - مجھے افسوس ہے کہ پنڈت کلیتکا موہانی کے "جوہر آئینہ" کی اطلاع آج آپکے خط سے ہوئی اور آج ہی رسالہ کا ایک پرچہ غیر متوقع طور پر موصول ہوا جس میں "جوہر آئینہ پر ایک اجمالی نظر" کے عنوان سے ایک چھوٹا مضمون نظر سے گزرا - مولوی کلیتکا قوت شاعرانہ سے تو ہمیشہ محروم رہے اور رہیں گے مگر یہ ضرور ہے کہ وہ فارسی رکھتے ہیں اور قوت تنقید بھی رکھتے ہیں مگر اس قوت کو بے ایمانی کے ساتھ صرف کرتے ہیں وہ نہایت ذلیل اور کمینہ قسم کے ہیں میں ان کے رگ پٹھے سے واقف ہوں - وہ مجھ سے تو حسد کرتے ہی ہیں مگر یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ آپ سے بھی حسد کرنے لگا آپ سے ان کے تعلقات پہلے ایسے نہ تھے نہ آپکی رفتار مزاج ایسی ہے کہ ان جیسی بیہودہ وہ ہزار سر مارے آپکی تصنیف "ہماری شاعری" پر جامع تنقید نہیں کر سکتا البتہ بے وقوفوں کو بہکانے کے لئے اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتا ہے - "ہماری شاعری" کے مطالعہ سے مطالب میں نہایت صحیح اور مفید انقلاب پیدا ہو سکتا ہے یورپ زدہ دماغوں کی اصلاح کے لئے یہ نہایت صحیح نسخہ ہے کوئی پانچ چھ برس ہوئے میں نے پڑھی تھی اور [illegible] اس کی نسبت یہی رائے قائم کی تھی - اردو اور فارسی شاعری کو صحیح طور پر سمجھنے صحیح روشنی میں دیکھنے کے لئے ایک خاص معیار قائم کرنا ضروری تھا اور یہ معیار "ہماری شاعری" میں قائم کر دیا گیا ہے - مشرقی شاعری کو مغربی معیار پر پرکھنے والے کبھی حقیقت حال سے واقف نہ ہو سکیں گے

چراغ سخن کی ایک کاپی موجود ہے جو بھیجے دیتا ہوں مگر آیات وجدانی طبع اول موجود نہیں رہی - شیخ مبارک علی تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور سے منگوا لیجئے - زیادہ نیاز

یگانہ کا خط بہ نام بلند اقبال

۲۵۰ سلطان بہادر روڈ۔
کاظمین ۔ لکھنؤ
۲۹ مئی ۱۹۵۰ء

اقبال میاں صاحب سلامت رہو

تمھارے خط سے تم لوگوں کی پریشان حالی کا اندازہ ہوا ۔ یہاں بھی تمھاری [illegible] بیمار رہتی ہیں اور تمھیں بھی
چین نہیں [illegible] کی جگہ نہیں۔ جب ایسے حالات ہیں تو جبر و صبر کر کے گزارا کیا جا رہا ہے۔
میں ۷ مئی کو بخار میں مبتلا ہوا دو روز بہت تیز تھا اور میں [illegible] سے نکال گیا تھا ۔ ۹ مئی کو
[illegible] رخصت ہوئی [illegible] اس وقت [illegible] ۔ ۱۰ مئی کو میرا بخار کم ہوا
تو تمھاری اماں کو بخار آ گیا ۔ اور [illegible] بہت تیز ہو گیا [illegible]
[illegible] تو میرا [illegible] بخار تھا [illegible] تمھاری اماں [illegible]
[illegible] ۔ [illegible]
[illegible]
جلدی سے [illegible] اور [illegible] اور [illegible] دونوں [illegible]
[illegible] ۔ [illegible]
تھوڑی دیر [illegible] آیا ۔ غرض یہ کہ اس وقت سے آدھی رات تک [illegible]
کہ [illegible] ۔ آدھی رات کے بعد میں اور [illegible] دونوں [illegible]
دالان میں [illegible] اور [illegible] ۔ صبح [illegible] ہو گئی ۔ مگر تین دن تک کوئی چیز
[illegible] وہ [illegible] اور [illegible] رہی
۱۳ مئی کو [illegible] دل کی حالت بہت نازک ہو گئی ۔ فوراً ڈاکٹر [illegible]
حال بیان کیا ۔ [illegible] دوا تجویز کی اور [illegible] دن سے [illegible] اور بخار بھی نہیں [illegible]
[illegible] ۔ دودھ [illegible] اور دوا [illegible]

تھوڑا سا شوربا پلا دینا کہ تھوڑی دیر بعد دوا پلا دی — پھر کوئی ڈیڑھ بجے دوسری خوراک پلا دی — تھوڑی دیر بعد

تمہاری اماں نے کہا کہ اس دوا کے پینے سے دماغ پر فوراً اثر [illegible] ہوتا اور دماغ [illegible] — میں نے [illegible]

پینے دیں اور [illegible] دوا خانہ سے [illegible] — [illegible]

تیسرے دن جا کر [illegible] شربت اور [illegible]

[illegible] اور [illegible] دن — اب [illegible] — مگر ہر وقت بڑی احتیاط

کی ضرورت ہے — دھوپ میں نکلنے نہیں دیتا — خدا کا شکر ہے بڑی آفت ٹل گئی۔

۲۷ مئی کو عابدہ بیگم سلمہا اپنے میاں کے ساتھ مری نگر (کانپور) روانہ ہو گئیں۔

خدا کا شکر ہے کہ لڑکیاں اپنے اپنے ٹھکانے سے ہو گئیں — خدا سب کو خوش رکھے — اب اکیلے

اور ہم دو میاں بیوی ہیں — اصل بات یہ ہے کہ [illegible] اللہ [illegible]

ان [illegible] میں تمہاری اماں کی [illegible] تمہارے [illegible]

وہ بالکل تنہا ہو گئیں — بچوں سے دل بہلتا رہتا تھا — اب تنہائی کے عالم میں [illegible] بھی

دل گھبرائے کوئی چارہ نہیں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خدا حافظ

[illegible signature]

Meerza Hyder Beg
Laboratory Assistant
Pakistan Military Academy
P.O. Kakul (N.W.F.P.)

یگانہ کا خط بنام آغا جان

میرزا آغا جان سلمہ اللہ تعالیٰ

سلطان بہادر روڈ - [illegible] - لکھنؤ (انڈیا)

۱۹ نومبر ۱۹۵۳ء

جان پدر سلامت رہو

آج دو مہینے ہوئے مجھے معلوم ہوا تمہارے بچوں کے خط سے کہ تم نوکری سے سبکدوش ہو کر لاہور میں مقیم ہو گئے ہو۔ خدا کا شکر ہے تم [illegible] ۔ مگر تم نے تو بہت قبل دنیا کو [illegible] سمجھ لیا اور تمہاری عقل [illegible] تم خود ایسے [illegible] کسی وقت کوئی [illegible] فعل نہ سرزد ہو گا۔

میری صحت اب [illegible] ۔ مجھے تو قوی امید تھی کہ دہلی کے مشاعرہ میں (۱۵، ۱۶ نومبر) کو پہنچنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ مگر [illegible] شام کو [illegible] فوراً لکھنؤ روانہ ہو گیا [illegible] شعراء نے جمع [illegible] تھا۔ [illegible] کہہ دیا کہ وہ تو اب [illegible] کے نزدیک [illegible] گویا ایک حادثہ تھا جو ہو گیا۔

تمہارے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ سچ تو یہ ہے کہ تم [illegible] تو آج اور [illegible] ۔ مگر [illegible] جو وقت گزر گیا [illegible] اب بھی [illegible] ۔ وہ [illegible] اور [illegible] تمہارے [illegible] کاروبار [illegible]

پیدا کر دینگے اور دو تین ہی سال کے بعد تم دیکھو گے کہ تم یہاں سے کہاں پہنچ گئے ہو
دہلی میں وہ کچھ زیادہ نہیں کر سکتے مگر لاہور میں اب بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں
تو اور کوشش [illegible] ہو جاؤ — میں اب تمہیں اور [illegible] سپرد کرتا ہوں — خدا حافظ

پانچ مہینے سے حیدر آباد [illegible] کا منتظر [illegible]
کہ کچھ معلوم ہو — کیا کروں —
ستمبر کے مہینے تک تو ادھر [illegible] تھا مگر
خط چونکہ مہینوں باہر رہا — کوئی خط نہیں ملا۔
جب مجھے اللہ کے فضل و کرم پر بھروسہ ہے

میں نے کیا کیا ہوں — اور [illegible] نے [illegible] سے پیار بھرا [illegible] — [illegible]
مگر وہ جب [illegible] روانہ ہوا تو [illegible] بدل کر [illegible] — اپنا نام [illegible]
میرزا حیدر [illegible] — [illegible]
جا نہ [illegible] — [illegible]
[illegible]
مگر جب [illegible] — [illegible] 22 [illegible] —

یگانہ کا خط بہ نام شیخ انصار حسین

۷/۹/۵۳

عزیزی انصار حسین سلامت رہو

تمھاری علمی و عملی مشغولیت اور ماں باپ بھائی بہنوں کا ساتھ [illegible]

جذبۂ محبت کہ حالات معلوم کر کے جی خوش ہو گیا۔ اور یہ خبر بھی

[illegible] باعث مسرت ہے کہ وقار حسین سلمہٗ [illegible]

[illegible] خدا تم سب کو کامیاب زندگی کرامت فرمائے

[illegible] سے میرا السلام کہو۔

میری صحت اب کچھ زیادہ توجہ کے قابل نہیں ہے۔ قدرت کا عمل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عزیزم - کیپٹن ملال - دعائیں -

خالو جان مرحوم میرزا یگانہ کے ایک خط کی فوٹو کاپی ارسال ہے -

یہ خط ۱۹۵۳ء کا ہے اور میرے اس خط کا جواب میں ہے جو کہ

میں نے یگانہ مرحوم کو لکھنؤ کے اذیت ناک واقعہ کے بعد اظہار ہمدردی

~~میں نے~~ انھیں لکھا تھا - خط کی آخری سطور یگانہ کے صبر اور شکر

کے اعلیٰ ترین معیار کا ثبوت پیش کرتی ہیں -

دعا گو

شیخ انصار حسین

۱۲/۱۱/۱۹۸۴ء

اے - ۶ جامعہ کراچی

کراچی - ۳۲ -

یگانہ کا خط بہ نام باقر حسنین رضوی

میرزا یگانہ چنگیزی - [illegible] شاہ گنج لکھنؤ

۵ ستمبر ۱۹۵۵ء

عزیزی و شفیقی سلام شوق

آپکا خط جو پہلا خط ہے آج کئی دن ہوئے ملا - جواب آج لکھتا ہوں [illegible]
[illegible] - دو سال سے [illegible] اور [illegible] - [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

قصہ اتنا [illegible] مختصر ہوا — رخ دلستان جدھر [illegible] ادھر ہوا
دنیا [illegible] الاماں — انسان آدمی نہ ہوا جانور ہوا
ماتم سرائے دہر میں کس کس کو روئیے — آرزوئے درد دل نہ ہوا درد سر ہوا!

اللہ اللہ میرے پیارے باقر حسنین رضوی میرے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] -

[illegible]

اور تم [illegible] دہلی [illegible] وقت اور نوجوان کوئی [illegible] اشارہ [illegible]

ایک دن میں میرے پاس آ بیٹھا اور کچھ شعر [illegible] عاشقانہ باتیں کرنے لگا - تھوڑی دیر [illegible] تھوڑا

چند دن میں اگر وہ [illegible] ہوتا [illegible] - پھر [illegible] جیسا - [illegible]

تماشا [illegible] گیا - میں [illegible] سادہ [illegible] شاعر [illegible] کا [illegible]

جواب [illegible] اور [illegible] اور [illegible] میری [illegible] - [illegible] نہیں ہوتا

[illegible] نہیں ہوتا - [illegible] نہیں [illegible] - [illegible] اور [illegible]

[illegible] نہیں [illegible] - [illegible] دنیا [illegible] قدم [illegible]

[illegible] اور پھر نہیں [illegible] - میں [illegible] اس [illegible]

[illegible] اور [illegible] اور [illegible] میں [illegible]

جواب نہیں دیا - معلوم نہیں [illegible] کو [illegible] اور [illegible] کیوں [illegible]

[illegible] ایک دفعہ [illegible] میں میرا [illegible] کا [illegible] تھا

[illegible] - [illegible] ہو [illegible]!

اور [illegible] اگر [illegible] دل [illegible] عشق کا ذکر [illegible] عین ایمان کیوں نہ ہو

[illegible] دل جو [illegible] انسان [illegible] نہ ہو؟

[illegible] -

ان آنکھوں میں [illegible] بیگانہ [illegible] ؟

[illegible] عین ایمان [illegible]

[illegible]

ضمیمہ نمبر 8 ۔ جوش ملیح آبادی کا خط بہ نام یگانہ (غیرمطبوعہ)

(6)

علامہ صاحب ۔

تسلیم [illegible] ۔

[illegible] عزیزی [illegible] مقصد جلال ملیح آبادی، میرا حقیقی بھانجا ہے، اسے خدمتِ گرامی میں

اس غرض سے روانہ کر رہا ہوں کہ آپ، ازراہِ شفقتِ بزرگانہ، اس کے

کلام پر نظر ڈال کر، اس کے فنی عیوب سے اسے خبردار فرما دیں، جو

اس سلسلے میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں گا ۔

چونکہ آپ، میرے نزدیک، ہندوستان کے [illegible] ہیں، امام فن کا مرتبہ رکھتے ہیں

اس لیے مجبور ہوں کہ آپ کو تکلیف دوں، امید کہ آپ اس تکلیف کو

ازراہِ کرم، معاف فرمائیے گا ۔

امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا ۔

آپ کا خادم

جوش

ضمیمہ نمبر 9 - اپنا کیریکٹر (قلمی)

اپنا کیرکٹر

عیب و ہنر سے کوئی بشر خالی نہیں ہے مجھ میں
کمزوریاں بھی ہیں مگر بعض ایسی
خصوصیات بھی ہیں جنھیں میں نعمت الٰہی
سمجھتا ہوں :-

(۱) غلامانہ ذہنیت Mental Slavery
میری طبیعت ہمیشہ نفرت کرتی رہی ہے
جب سے میں نے ہوش سنبھالا مجھے یاد نہیں کہ
کبھی غلامانہ ذہنیت کا مجھ پر غلبہ ہوا ہو
یا کسی کے آگے جھکنے کا میلان پایا گیا ہو
میرا یہ طبعی خاصہ اوس وقت بھی کافی
قوت کے ساتھ موجود تھا جب میں

بہت کم سن تھا اور ناموافق و ناساعد
حالات میں پرورش پا رہا تھا - خاندان
کی حیثیت مٹ چکی تھی موروثی جاگیر
تباہ ہو چکی تھی خاندانی اعزاز اور
ظاہری وجاہت پر پانی پھر چکا تھا
اوس وقت اور اوس سن میں مزاج کی
یہ حالت (کہ معاندہ شہر کی شان امارت
نگاہوں میں جچتی نہ تھی) بادی النظر
میں مضحکہ انگیز معلوم ہوتی تھی - اسکول کے
بعض طلبہ میری بد دماغی پر ہنستے تھے
کیونکہ میں اپنی سن اور غربت کے سبب
اس امر کا مستحق نہ تھا کہ بڑی بڑی

لوگوں کو بہ عقیدت سمجھوں یا اون کا
رعب مانوں -
زمانہ آگے بڑھتا گیا - دنیا ترقی کی منزلیں
طے کرتی گئی مگر اپنی زندگی آسودہ حالی
سے بیگانہ ہی رہی - کشمکش زندگی
بڑھتی ہی گئی مگر اس کشمکش اس امتحان
اس ابتلا میں وہ ذاتی جوہر تھا تو کیا ہوتا
اور چمکتا گیا - ممکن ہے میں دنیا کی نگاہ میں
فنا ہو گیا ہوں (حالانکہ اتنا بھی ثابت نہیں ہے)
مگر اپنی نگاہ میں فنا نہ ہوا - غلامانہ
ذہنیت نے کبھی مجھ پر غلبہ نہ پایا -

مگر اس امر میں بھی میری فطرت طلب عفو
سے متنفر رہی ہے - اپنی خطا و قصور پر
معافی مانگنے کا خیال (اگر فی الواقع
کوئی خطا میری تھا ہوں میں خطا
ثابت بھی ہو جائے) میرے نفس پر
نہایت گراں گزرتا ہے - معافی مانگنا
میرے نزدیک نہایت مذموم بات ہے
خطا اگر ہو گئی ہو تو اوسکی سزا بھگت لینا ہی
بہترین عمل ہے کیونکہ معافی مانگنے سے
روح ذلیل اور سزا بھگت لینے سے
[illegible]

سوچا کرتا تھا کہ آخر معافی مانگنے کا
خیال دل میں نفس پر گراں کیوں گزرتا ہے
مگر آخر کو یہ پتا چلا کہ یہ بھی
مغلوں کا ایک طبعی خاصہ ہے کہ کبھی
آگے سر نہ جھکائے ۔ پادری کارپینی نے
مغلوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے
ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مغل اگر
دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو جاتا ہے
تو کبھی امان نہیں مانگتا اور اگر
دشمن مغل کے قبضہ میں آجائے
تو مغل بھی اوسے زندہ نہیں چھوڑتا ۔

۸۱
غالبًا اسی طبعی خاصہ کے تحت
اپنی خطا پر معافی مانگنے کا خیال
نفس پر گراں گزرتا ہے —

ضمیمہ نمبر 10 - دوارکاداس شعلہ کے کلام پر اصلاح

N.M 1963.220/19

Requisition Slip.

No. 405

From
Narain Das Bhagwan Das
CHEMISTS & DRUGGISTS
Anarkali, Lahore.

Dated 191

To
N. D. B. D.
SHAHDARA DEPOT

راغب مراد آبادی کے کلام پر اصلاح

SYED ASGHAR HUSSAIN RAGHIB,
MORADABAD.

Address.

Dated 11th January 1942

کربلا تو نور گاہِ سیّدِ دیں گاہ ہے
[illegible] کی زیارت گاہ ہے

شان و شوکت آلِ اطہر کی ہوا تجھ سے
حسین توحید و رسالت کا آلِ گنجینہ [illegible]
ہے ضیا سے انجم و شمس و قمر تیرا [illegible]
تجھ سے تابندہ نشانِ اوجِ شانِ بوتراب

تجھ پہ آلِ حق و باطل کا ہوا تھا فیصلہ
یاد آیا ہے کہ تسلیم عالمیں و رجب [illegible]
جب ہوا تھا فاطمہ زہرا کا لال
عاشق پروانۂ شمع رسالت [illegible]
وہ سوارِ دوش احمد عاشق دین [illegible]
فاطمہ کا لال وہ نورِ نگاہ بوتراب
سینکڑوں جوہر تجھے کی تیغ [illegible]

سن بگوش ہوش اے بدمست صہبائے خودی!
جان کر دے قربان راہِ عشق میں راغب کوئی

[illegible]

راغب

ضمیمہ نمبر 11 ـ کلیات صائب کی جلد کے اوراق پر یـگانہ کی تحریریں (قلمی)



(صائب)

تدبیر مکنید سایۂ تقدیر زبر دست
در پردۂ هر کار بہ تدبیر نمی شود

میرزا یگانہ لکھنوی

میرزا واجد حسین یگانہ لکھنوی
عثمان آباد - دکن
۸ جون سنہ ۱۹۲۸ ع

صائب

هر کہ در دستش هنر زبان سبقت کند مرد است مرد
ورنہ هر ناقص جوان مرد است در میدان لاف

صائب

از پستان بہ پرستند چو خورشید بلند
گرم شب تا بہ اثر در دل ز یکی تنگی است

از مرگ حذر کردن دو روز روا نیست - روزیکہ قضا باشد و روزیکہ قضا نیست

روزیکہ قضا باشد کوشش نکند سود - روزیکہ قضا نیست درو مرگ روا نیست

بلا لہ طعنہ مستی چہ میزنی صائب - میسر است قدح خوردنش چرا نخورد

محمد رسول الله (569-632)

وفات جناب رسالت مآب صلعم

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ وقت دوپہر ۶۳ برس

مطابق ۸ جون ۶۳۲ء

شہادت مولا علی ۲۷ جنوری ۶۶۱ء

صائب

حرف حق بگذار هر جا که بلند

زین گنه منصور واجب دار شد .

عشق اگرچه کار بیکاران بود — خلافت عمر (634-643)

هر دو عالم بر سر این کار شد

پیری که دم ز عشق زند بس غنیمت است

از شاخ کهنه میوه نورس غنیمت است — لا معلوم

مطلب اعتباری عالم بے آفت است - زود بیرون از در صائب از جہان اعتبار

دل من گرم نگردد به سخن با هر کس - ننهد دور به هر بزم چراغیکه مراست

جگر تشنه محال است که سیراب شود - گر عقیق لب او در دهنم آب شود

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا

ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں — سودا

صائب — تا ز گردش چشم تو شد کار من ای ساقی

ز دستم من بگیر این جام را کز خویشتن رفتم

صفای حسن به دیدن نمی شود آخر

گلی است اینکه به چیدن نمی شود آخر

مگر به لطف خموشم کنی و گرنه چو شمع

زبان من به بریدن نمی شود آخر

فلک ز گردش خود ماندگی نمی داند

جنون ما به دویدن نمی شود آخر

چنان گزیده ز دفع جهان شدم صائب

که وحشتم به رمیدن نمی شود آخر

گر باد مراد است و گر باد مخالف

از جوش طلب سینه دریا نکشیند

هیچ دردی بتر از عافیت دائم نیست

نالگی تازه به از قند مکرر باشد

دوران ناامیدی سر حلقه امید است

صائب ز ناامیدی چون ناامید باشد؟

نشنید زود هر که سپهر از گردن اندازد

چو آتش هر که زاد از اخگر [illegible]

چون گردون [illegible]

گشته [illegible]

لامکانی شو که تبدیل مکان آب و گل

نقل کردن باشد از زندان به زندان دگر

می کنم خویش دل خود را به تمنای وصال

پای مرغ هوای است شکاری که مراست

کار از نگار گذشته یا دل پدید آمده ام

گرچه هست از دگران نقش نگار که مراست

گردون نگردد ما نزند دو سه گردک

[illegible]

گل و زر داری و دو روزه نشاط

سرو و بیجا ملی و عمر دراز

مطلع

در هیچ پرده نیست که نبود نوای تو

عالم پر است از تو و خالی است جای تو

نومید نیستم ز ترازوی عدل حق

زان سرو همچو سبزه از زمین زنده اند

بیچاره فقیر از کلید دگر وا نشود

هر زبان گوش و هر گوش زبانی دارد

هر کجا در دل اشک است - دلش از هر صدا رفته از کار

می زنم لاف خودی صائب سر چشم زخم

گرچه از لاف خودی آینه ام چشم تهی است

نظر ز دور تو خورشید بر نمی دارد

اگرچه خوب تر از خود نمی توان دیدن

درین دو وقت اجابت گشاده پیشانی است

دل شب از تو آنی سپیده دم برخیز

خضر راه حقیقت است مجاز

مکن این در بروی خویش فراز

هیچ دردی بتر از عافیت دائم نیست

نالگی تازه به از قند مکرر باشد

حضور خاطر اگر در نماز [illegible]

شهادت همه روی زمین قضا دارد

رزق آن چنان نوشت است اگر کم فتد [illegible]

از هزار است رهنمونی که به یک بار می رسد

[illegible]

یوسف به زر خرید [illegible]

ضمیمہ نمبر 12 ۔ " گنجینہ " میں کتابت کی غلطیوں کے کاغذات (قلمی)

گنجینہ میں کتابت کی غلطیاں

لالائی آخر کہ جنبش لب کیا ۔ دیکھئے دکھاتا ہے وعدہ [illegible] کیا

نہ دل سے ہو کچھ نور کی بات ہے ۔ ہنسا میں تو کیا اور رو دیا تو کیا

۲۳ ۔ خدا بچائے کہ نازک ہے اس میں [illegible] آئینہ ۔ نازک مزاجوں سے ٹھہرا کے معاملہ کا

۲۵ ۔ خوشی سی ہوگی بہ خواہ میری شادی مرگ ۔ کفن پہن کے جو میں گھر سے ناگہاں نکلا

شادی مرگ بلا اضافت پڑھا جائے شادی مرگ

" اب اپنی روح کی [illegible] عالم بالا ۔ [illegible] روان نکلا

۲۹ ۔ ناخدا زمین بگزر سوئے دیگران بنگر ۔ کار ہی بہ دریا در [illegible] دست و پا زدن تنہا

۳۷ ۔ جواب آیا تو کیا آیا مدعا بار گشتہ آئی ۔ دہن سے آہ نکلی [illegible] خبر ہو کر

۳۸ ۔ ہمارا ذکر [illegible] اپنی طرف دیکھیں ۔ [illegible] رائیگاں ہو کر

۳۹ ۔ چاندنی کی سیر [illegible] آنکھیں مانگ کر ۔ ہیں کدھر [illegible] شبستان بہار

۴۰ ۔ اصحاب آگے قریب نکل [illegible] ۔ [illegible] میں

۴۸ ۔ [illegible]

۵۳ — نہ تھا نہیں یہے پھر نتیجہ کدھر بدگمانی وحشت — بڑھا تو دل ہی وہ دریا کہ اٹھا ہی نہیں
وار پار

۵۴ — حجاب ہو جائے ~~تلوار~~ تلوریا اک بال تو نیز دھار دیکھے

اور ارنی تو کچھ بھی نہیں۔ ہتھیار نہیں تو کچھ بھی نہیں

جتنے کھینچے جاؤ گے اتنا ہی اینٹھتا جاؤں گا۔

انکار کی لذت ~~کیا کہئے~~ ۔ انکار نہیں تو کچھ بھی نہیں
آہاہا

۵۵۔ موج بحر کے خاک اگر آشنا نہ ہو — دنیا ~~بگولہ~~ گردباد (بگولہ) کی آشوب و خانہ ہو

۷۰ دکھائی موت نہ تصویر وعدۂ فردا — ہوا ہے شوق نہ ~~پیرہن~~ سپارۂ دعا غفلت کا

" زمیں پہ نور کے پھول اور گریں دھوپ کے ہی — کفن ملے تو سمجھنا دھنی تھے قسمت کا

" سعادت ابدی مشیت ازلی — ہجوم فضول ہوا کہ یہ حسن قدرت کا

" اسی نے پاک کیا تھا اسی نے پاک کیا (خاک) — خوش نصیب جو پالے پیر کی محبت کا

۷۳ جان دیکر ایک صلح کو ہی ملتو تو کیا (مانا) — اللہ یا جب کر کشوں میں کاتب قدر ہوئے

" خواب شیریں نہ سہی خواب پریشاں ہی سہی — دل بہلنے کا شب غم کوئی ساماں ہو جائے

۷۶ بے خودی بیدلی میں کیا یکیں کیوں ہم بیدا ہی (سکون بیدلی) — مبادا حبیب کوئی نوید ناگہاں آئی

رباعی

۱۶۲ :- کانوں میں آئی کیسی آوازیں — دل کی دنیا میں سنسنی دوڑ گئی

کس نے دکھائی ہے یہ دنیا — دنیا کا کرشمہ دیکھ دنیا تو [illegible]

۱۶۶ :- [illegible] جب ہو مزہ کہ دولت پیش ہو [illegible] — [illegible] جو یہ [illegible] اوس کی ہو [illegible]

(ٹز) سکھ میں جو ~~[illegible]~~ سواد ہے تو دکھ کا درد ~~[illegible]~~ — سکھ ہی سکھ ہو تو پھر اجیرن ہو جائے

۱۷۳ :- ذرّے ذرّے کو نگاہ کر لیتا ہوں — ذرہ ذرہ سہی نگاہ کر لیتا ہوں

وہ حسن کشش کہ داد دیتی ہے نظر — دل تھام کے آہ آہ کر لیتا ہوں

۷۸ – اب دریا کا ہوا ہمیں نہ بچہ دریا کا – کوئی لے گئے گھاٹ پہ دھارا اتر جاتا ہے مجھ

۸۰ – یہاں لگنی شاید بچھڑ دی انکے پھر گئی – پیچھے پھر آئی تھی کچھ آواز ادھر بھی

۸۲ – خدا کرے مصحف دامن پہ جا رہے ہوں – وہ اک تو تصرف کر گیا ماں وارث ورے؟

گل بہار

۱۱۴ دیکھے ہیں بہت چمن لیکن پہلے – کیا گل [illegible] سے ہیں ہنستے

آ زندہ دلان باغ اتنا نہ ہنسو – آنسو بھی نکل آتے ہیں ہنستے ہنستے

۱۱۸ سورج کو گہن میں نہیں دیکھا شاید – تم نے چاند کو گہن میں نہیں دیکھا شاید (بادل)

یا حسن دو روزہ پہ اکڑنے والو – یوسف کو کنویں میں نہیں دیکھا شاید

۱۴۷ – یہاں قدر ہے دیکھو ہر اک چیز کی نہ بول – گنجینہ راز اندھی نگری میں نہ کھول

جسکی جتنی ضرورت اتنی قیمت – ہیرا بھی کنکر ہے کبھی پر انمول

۱۵۵ – ان مردہ پرستوں کا ہے مذہب کیسا – ہر حال میں بدحال یہ مشرب کیسا

کل تک تو اسی گل کے آرزو مند تھے – اب گزری ہوئی کل کا ذکر خراب کیسا

اسی کل کو برا کہتے تھے

۱۵۶ – مجھ کو بس اندیشہ فردا کم ہو – گر آن نشے غفلت ہو تو اوراک ہو

کل کے لئے تیاری قیامت اچھا نہ لگے – منہ پھیر لو اپنا کہ یہ دھوکا کم ہو

کتابیات

(1)

(الف) تصنیفات و تالیفات میرزا یگانہ (بہ اعتبار زمانی ترتیب)

نمبرشمار	کتاب/رسائل	مطبع/مقام اشاعت	سال اشاعت
1	نشتر یاس	مطبع نورالمطالع لکھنو	طبع اوّل 1914ء
2	چراغ سخن	مطبع گلشن لکھنو	طبع اوّل 1914ء
3	چراغ سخن	مطبع نول کشور لکھنو	طبع دوم 1921ء
4	کار امروز (چھ شمارے)	لکھنو	1921ء
5	صحیفہ (ایک شمارہ)	مجیدی پریس کانپور (مقام اشاعت اٹاوہ)	1925ء
6	شہرت کاذبہ المعروف بہ خرافات عزیز	اصح المطابع لکھنو	
		ڈائٹل مطلع النور پریس علی گڑھ	طبع اوّل 1925ء
7	آیات وجدانی	مطبع کریمی لاہور	طبع اوّل 1927ء
8	ترانہ	اردو بک سٹال لاہور	طبع اوّل 1933ء
9	آیات وجدانی	دلی پرنٹنگ ورکس دھلی	طبع دوم 1934ء
10	غالب شکن	مطبع کا نام درج نہیں ،حیدرآباد	طبع اوّل 1934ء
11	غالب شکن دو آتشہ	آرمی پریس دیل باغ آگرہ	طبع دوم 1935ء
12	آیات وجدانی (جدید)	اعظم سٹیم پریس حیدرآباد	طبع سوم 1946ء
13	گنجینہ	قومی دارالاشاعت لاہور	طبع اوّل 1948ء

(ب) یگانہ کے مضامین (بہ اعتبار زمانی ترتیب)

نمبرشمار	مضامین	رسائل/کتب	تاریخ اشاعت
1	آتش و غالب	خیال ، ھاپوڑ	نومبر 1915ء
2	فلسفہ ھمدردی	نظارہ، میرٹھ	دسمبر 1915ء

3	میاں ثاقب کی عروض دانی	خیال، ہاپوڑ	دسمبر 1915ء
		چراغ سخن (مکرر اشاعت)	طبع دوم 1921ء
4	مسئلۂ انتقام	نظارہ، میرٹھ	جنوری 1916ء
5	بعض شعرائے عظیم آباد	نظارہ، میرٹھ	جنوری 1916ء
6	الفاظ مہند بہ عطف و اضافت	نظارہ، میرٹھ	اپریل، مئی 1916ء
7	میاں ثاقب کی حمایت میں	خیال، میرٹھ	جون 1916ء
8	مسرت ہمدردی	نظارہ، میرٹھ	جون 1916ء
9	احسن دہلوی	صلائے عام، دہلی	جولائی 1916ء
10	خواجہ آتش	صلائے عام، دہلی	جولائی 1916ء
11	تمام شعرائے حال کی خدمت میں اپیل	نظارہ، میرٹھ	جولائی 1916ء
12	رسم و رواج کا اثر	نظارہ، میرٹھ	جولائی 1916ء
13	خواجہ آتش	صلائے عام، دہلی	ستمبر 1916ء
14	کلام آتش برنگ صائب	نظارہ، میرٹھ	ستمبر، اکتوبر 1916ء
15	آباد عظیم آبادی	صلائے عام، دہلی	اکتوبر 1916ء
16	حضرت راسخ عظیم آبادی	صلائے عام، دہلی	دسمبر 1916ء
17	ضیا عظیم آبادی	صلائے عام، دہلی	دسمبر 1916ء
18	دامن گلچیں	نظارہ، میرٹھ	جنوری 1917ء
19	مثنوی حسن و عشق	صلائے عام، دہلی	فروری 1917ء
20	سرقہ، توارد، ترجمہ	مخزن، لاہور	اگست 1917ء
21	ملا صائب اصفہانی	مخزن، لاہور	دسمبر 1917ء
22	میاں ثاقب کی ڈھٹائی	مذاق عروض، لکھنو	دسمبر 1917ء
		چراغ سخن (مکرر اشاعت)	طبع دوم 1921ء
23	آتش و غالب (5 اقساط میں)	مخزن، لاہور	مارچ تا جولائی 1918ء
24	میرزا غالب اور میں	مخزن، لاہور	جون 1918ء
25	ناطق کے اعتراضات کے جواب میں	نظارہ، میرٹھ	جولائی 1918ء
	"شہرت کاذبہ المعروف بہ خرافات عزیز (مکرر اشاعت) طبع اول 1925ء		
26	خواجہ آتش	مخزن، لاہور	اگست 1918ء
27	سیاست باطنی	مخزن، لاہور	اکتوبر 1918ء

28	انجمن خاصان ادب لکھنو	مخزن ، لاہور	جولائی 1919ء
29	گلستان سعدی اور نکات عروضی	کہکشاں ، لاہور	مارچ 1920ء
		چراغ سخن (مکرر اشاعت)	طبع دوم 1921ء
30	فلسفۂ وضع السنۃ	مخزن ، لاہور	جون 1920ء
31	تصحیح دیوان عرفی (6 اقساط میں)	کار امروز ، لکھنو	جنوری ، فروری مارچ ، اپریل مئی ، جون جولائی ، اگست ستمبر، اکتوبر نومبر 1921ء
32	شاعران درگور و شاعری در کتاب	کار امروز ، لکھنو	فروری مارچ 1921ء
33	ایثار حسین	کار امروز ، لکھنو	فروری مارچ 1921ء
34	مرزا ذوالقرنین ارمنی	کار امروز ، لکھنو	فروری مارچ 1921ء
35	شاہ عباس صفوی	مخزن ، لاہور	مئی 1921ء
36	کاہلی داخل فطرت ہے	نیاز ، لدھیانہ	فروری 1922ء
37	حواس خمسہ کی نشو ونما	زمانہ ، کانپور	مئی 1922ء
38	تقلید غالب	صحیفہ ، اٹاوہ	جنوری 1925ء
39	معراج الکلام (تبصرہ)	صحیفہ ، اٹاوہ	جنوری 1925ء
40	ہند و فلاسفی	صحیفہ ، اٹاوہ	جنوری 1925ء
41	فلسفۂ جذبات	صحیفہ ، اٹاوہ	جنوری 1925ء
42	تصحیح دیوان عرفی	صحیفہ ، اٹاوہ	جنوری 1925ء
43	اساطین لکھنو	صحیفہ ، اٹاوہ	جنوری 1925ء
44	نشاط روح پر وکیلوں کی مقدمہ طرازی	نیرنگ خیال ، لاہور	اگست 1926ء
45	آیات وجدانی (تبصرہ)	نیرنگ خیال ، لاہور	ستمبر 1927ء
46	بابر اور فتح پنجاب	نیرنگ خیال ، لاہور	نومبر 1927ء
47	ہماری شاعری (تبصرہ)	نیرنگ خیال ، لاہور	مئی 1930ء
48	پروفیسر اکبر حیدری دہلوی ("روح جذبات" پر تبصرہ)	عالمگیر ، لاہور	مارچ 1932ء
49	متروکات کا خبط	عالمگیر ، لاہور	اکتوبر 1933ء
50	گوہر بیگم	باغ و بہار ، ملتان	مئی 1935ء
51	اب کیا ہے	باغ و بہار ، ملتان	جولائی 1935ء

52	ترانہ (2 اقساط میں)	باغ و بہار، ملتان	جولائی، اگست 1935ء
53	میر کا کلام (5 اقساط میں)	زمانہ، کانپور	جون، جولائی، دسمبر 1940ء اپریل، جون 1941ء
54	خواجہ آتش	زمانہ، کانپور	اگست 1940ء
55	یگانہ چنگیزی	نگار، لکھنو	جنوری فروری 1941ء
		نقوش، لاہور (آپ بیتی نمبر)	جون 1964ء
		نگار پاکستان، کراچی (غزل و تنقید نمبر)	دسمبر 1986ء
56	طوفان زندگی	نیرنگ خیال، لاہور	اپریل 1941ء
57	شعرائے حال میں یگانہ کا درجہ	نیرنگ خیال، لاہور	نومبر 1942ء
		" آیات وجدانی "(جدید) (مکرر اشاعت)	طبع سوم 1946ء
58	میرزا یگانہ چنگیزی	آج کل، دہلی	15 ستمبر 1943ء
59	بے حیا اقبال چی	نگار، لکھنو	جولائی 1944ء
60	ادب خبیث	آج کل، دہلی	یکم جنوری 1945ء
		ہفت روزہ " صدق " لکھنو (اقتباس)	9 جون 1945ء
61	ادب خبیث	آج کل، دہلی	یکم اکتوبر 1945ء
62	لکھنو سے للھی	عالمگیر، لاہور	مارچ 1946ء
63	جگر کی شاعری جاپانی مال	آیات وجدانی (جدید)	طبع سوم 1947ء
64	دختران حوّا کا کورس	ایضاً	ایضاً
65	زیٹ زیٹ	ایضاً	ایضاً
66	نغمہ گانا	شاعر، آگرہ	مئی 1947ء
		"نقوش" لاہور (ادبی معرکے نمبر (1)) (مکرر اشاعت)	ستمبر 1981ء
67	حق گو	شعلہ و شبنم، دہلی	ستمبر 1951ء
68	آرٹ اور مذہب	نیرنگ خیال، لاہور	فروری 1952ء
69	خود نوشت	علی گڑھ میگزین، علی گڑھ	1959-60ء، 1960-61ء
		" افکار "کراچی (2 اقساط) (مکرر اشاعت)	اکتوبر، نومبر 1977ء
70	غالب ایک گونگا شاعر	نقوش، لاہور (غالب نمبر)	فروری 1969ء

(ج) یگانہ کے غیر مطبوعہ خطوط

1 یگانہ کے خطوط بہ نام آغا جان

محررہ 18 نومبر 1952ء ، محررہ 12 دسمبر 1952ء

2 یگانہ کا خط بہ نام شیخ انصار حسین، محررہ 7 ستمبر 1953ء

3 یگانہ کا خط بہ نام باقر حسنین رضوی، محررہ 5 ستمبر 1955ء

4 یگانہ کے خطوط بہ نام بلند اقبال

محررہ 24 جولائی 1942ء، محررہ 24 اپریل 1950ء، محررہ 29 مئی 1950ء

محررہ 22 اگست 1952ء، محررہ 2 نومبر 1952ء ، محررہ 10 جون 1953ء

5 یگانہ خطوط بہ نام حیدر بیگ

محررہ 12 اگست 1952ء، محررہ 10 جون 1953ء ، محررہ 31 اکتوبر 1953ء

6 یگانہ کے خطوط بہ نام شعلہ ، دوارکاداس

محررہ 10 جولائی 1928ء، محررہ 20 ستمبر 1928ء، محررہ یکم اکتوبر 1928ء

محررہ 10 جون 1929ء ، محررہ 23 ستمبر 1929ء ، محررہ 28 دسمبر 1932ء

محررہ 7 اگست 1945ء ، محررہ 23 اکتوبر 1945ء، محررہ یکم اگست 1946ء

محررہ 26 ستمبر 1946ء ، محررہ 3 دسمبر 1946ء ، محررہ 26 مارچ 1949ء

محررہ 10 اپریل 1949ء، محررہ 8 جون 1949ء ، محررہ 9 اپریل 1950ء

محررہ 11 جنوری 1952ء، محررہ 18 جنوری 1952ء، محررہ 19 دسمبر 1952ء

محررہ 21 فروری 1953ء، محررہ 30 اپریل 1953ء ، محررہ 18 جولائی 1953ء

محررہ 13 فروری 1954ء، محررہ 24 جون 1954ء، محررہ 29 ستمبر 1954ء

محررہ 6 ستمبر 1955ء،

7 یگانہ کا خط بہ نام شہر یار مرزا، محررہ 8 اکتوبر 1955ء

8 یگانہ کا خط بہ نام مسعود حسن رضوی ادیب، محررہ یکم فروری 1935ء

9 یگانہ کے خطوط بہ نام من موہن تلخ

محررہ 17 دسمبر 1953ء ، محررہ 19 جنوری 1954ء

10 یگانہ کے خطوط بہ یگانہ بیگم

محررہ 6 فروری 1935ء ، محررہ 16 فروری 1935ء ، محررہ 21 اپریل 1952ء

محررہ 22 اگست 1952ء،

(د) یگانہ کے احباب کے خطوط

1 شعلہ کا خط بہ نام یگانہ ، محررہ 28 جنوری 1952ع

2 فہیم بیگ گوالیاری کا خط بہ نام یگانہ ، محررہ 26 نومبر 1926ء

3 شعلہ کے خطوط بہ نام مہہتہ

محررہ 14 جنوری 1952ء، محررہ 8 مئی 1952ء، محررہ 6 جون 1952ء

4 مہہتہ کے خطوط بہ نام شعلہ

محررہ 18 جنوری 1952ء ، محررہ 25 مارچ 1952ء ، محررہ 19 اپریل 1952ء

محررہ 29 اپریل 1952ء ، محررہ 30 مئی 1952ء ،

5 یگانہ بیگم کا خط بہ نام شعلہ ، محررہ 28 جنوری 1952ء

(2)

(الف) امدادی کتب

نمبرشمار	مصنف	کتاب	ناشر
1	آل احمد سرور	نئے اور پرانے چراغ	ادارۂ فروغ اردو لاھور طبع سوم 1955ء
2	// (مرتبہ)	انتخاب کلام میرزا یاس یگانہ چنگیزی	انجمن ترقی اردو ھند علی گڑھ طبع اوّل 1968ء
3	ابوالنصر محمد خالدی	تقویم ھجری و عیسوی	انجمن ترقی اردو کراچی طبع سوم 1974ء
4	احمد سعید ،پروفیسر	حصول پاکستان	ایجوکیشنل امپوریم لاھور 1975ء
5	احمد رفاعی ،ڈاکٹر	جگر مرادآبادی آثار و افکار	انجمن ترقی اردو،کراچی 1979ء
6	ادریس صدیقی	اردو شاعری کا تنقیدی جائزہ	ادریس بک کمپنی کراچی
7	اصغر علی شاہ (مرتبہ)	اردو نظم پر تنقیدی نظر	تاج بکڈپو لاھور 1966
8	اعجاز حسین ،ڈاکٹر	مختصر تاریخ ادب اردو	اردو اکیڈمی سندھ کراچی پہلا پاکستانی ایڈیشن 1956ء
9	انجم اعظمی	ادب اور حقیقت	کراچی اشاعت گھر کراچی 1979ء
10	ایم حبیب خاں (مرتبہ)	اردو کلاسیکی شعراء پر تنقیدی مضامین (*) (حسرت سے فراق تک) جلد سوم	انڈین بک ھاؤس علی گڑھ اکتوبر 1963ء

(*) مذکورہ کتاب میں یگانہ پر مضمون ش[illegible]ے۔

11	جعفر حسین ، مرزا	ادبیات و شخصیات (*)	دانش محل لکھنو 1978ء
12	//	بیسویں صدی کے بعض لکھنوی ادیب اپنے تہذیبی پس منظر میں	اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو 1981ء
13	//	قدیم لکھنو کی آخری بہار	ترقی اردو بیورو نئی دہلی 1981ء
14	جمیل جالبی ، ڈاکٹر	ارسطو سے ایلیٹ تک	نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی 1975ء
15	جوش ملسیانی	منشورات جوش ملسیانی (*)	وملہ پبلی کیشنز بمبئی 1977ء
16	حسن اختر ، ملک ، ڈاکٹر	تاریخ ادب اردو	یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور 1979ء
17	حسن ریاض ، سیّد	پاکستان ناگزیر تھا	کراچی یونیورسٹی کراچی طبع چہارم 1984ء
18	ذوالفقار علی بخاری	سرگذشت	معارف لمیٹڈ کراچی 1966ء
19	رام لعل	اردو افسانے کی نئی تخلیقی فضا	سیمانت پرکاش نئی دہلی 1985ء
20	راہی معصوم رضا	یاس یگانہ جنگیزی	شاہین پبلشرز الہ آباد اگست 1967ء
21	زائر حسین کاظمی (مرتبہ)	خطوط بے خود	سرفراز پریس لکھنو 1977ء
22	سجاد باقر رضوی	تہذیب و تخلیق (*)	مکتبہ جدید لاہور 1966ء
23	//	تیشۂ لفظ	کتابیات ، لاہور 1968ء
24	سلطانہ مہر	سخن ور (تذکرہ شعرائے پاکستان)	ادارہ تحریر کراچی 1979ء
25	سلیم احمد	بیاض	دھنک پبلشرز کراچی
26	سلیم اختر ، ڈاکٹر	ادب اور لاشعور	مکتبہ عالیہ لاہور 1976ء
27	سہیل عمر ، نعمانہ سہیل (مرتبین)	جھلکیاں	مکتبہ الروایت لاہور 1981ء
28	شجاعت علی سندیلوی	تعارف تاریخ اردو	مطبع ندارد ، جدید ایڈیشن طبع دوم 1963ء
29	شرر ، عبدالحلیم	گذشتہ لکھنو (مشرقی تمدن کا آخری نمونہ)	مطبع ندارد ، کراچی 1956ء
30	شعلہ ، دوارکاداس	شعلہ زار	اردو رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی دلّی 1962ء
31	شمیم انہونوی (مرتبہ)	گذشتہ لکھنو	نسیم بک ڈپو لکھنو ، طبع دوم 1974ء
32	ضمیر اختر نقوی	اردو مرثیہ پاکستان میں	سید اینڈ سید کراچی 1982ء

(*) مذکورہ کتاب میں یگانہ پر مضمون شامل ہے۔

33	ضیا عظیم آبادی	میرزا یگانہ چنگیزی حیات اور شاعری	اردو پبلشرز، لکھنو 1980ء
34	ظریف لکھنوی، سید مقبول حسین	کلیات ظریف	بزم کوهسار، شملہ 1942ء
35	ظفرالحسن، مرزا (مرتبہ)	یاد یار مہرباں (زیڈ اے بخاری کی یادیں اور باتیں)	مکتبہ اسلوب کراچی 1983ء
36	عابد علی عابد، سید	اصول انتقاد ادبیات	مجلس ترقی ادب لاہور 1966ء
37	//	اسلوب	/// 1971ء
38	عبادت بریلوی، ڈاکٹر	غزل اور مطالعۂ غزل	انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی 1955ء
39	عبدالباری آسی، مولوی	تذکرہ معرکۂ سخن	نگار بک ایجنسی لکھنو 1932ء
40	عبداللہ، سید، ڈاکٹر	سرسید اور ان کے نامور رفقا	مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1986ء
41	//	اردو ادب (1857ء تا 1966ء)	مکتبہ خیابان ادب لاہور
42	عبدالماجد دریابادی	مقالات ماجد	مطبع و سال اشاعت ندارد
43	علی عباس جلال پوری	روایات فلسفہ	المثال لاہور 1969ء
44	عندلیب شادانی	دور حاضر اور اردو غزل گوئی	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور 1962ء
45	غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر	اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر	جامعہ پنجاب، لاہور 1966ء
46	فراق گورکھپوری	اردو غزل گوئی	ادارہ فروغ اردو لاہور 1955ء
47	///	اندازے	///
48	فرمان فتح پوری، ڈاکٹر	اردو ہندی تنازعہ	نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی 1977ء
49	//	اردو رباعی فنی و تاریخی ارتقا	مکتبہ عالیہ لاہور طبع دوم 1984ء
50	فقیر احمد فیصل (مرتبہ)	انتخاب احتشام حسین	لاہور اکیڈمی لاہور
51	فیاض محمود، گروپ کیپٹن، سید	تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند (دسویں جلد) اردو ادب (پنجم) 1914ء تا 1972ء	پنجاب یونیورسٹی، لاہور 1972ء
52	کالی داس گپتا رضا (مرتبہ)	مکتوبات جوش ملسیانی بنام کالی داس گپتا رضا	وِل پبلی کیشنز بمبئی 1976ء
53	کریم الدین احمد	تنقیدی تحریریں (*)	آئینہ ادب لاہور 1984ء

(*) مذکورہ کتاب میں یگانہ پر مضمون شامل ہے۔

54	گرے کرے کھلر	اردو کا آخری نقاد (*)	نئی دھلی 1982ء
55	مالک رام	وہ صورتیں الٰہی (*)	مکتبہ اردو ادب لاھور طبع دوم 1983ء
56	مجتبیٰ حسین	نیم رخ (*)	پاک پبلشرز لمیٹڈ کراچی 1978ء
57	مجلس ارمغان مالک	ارمغان مالک	مجلس ارمغان مالک نئی دھلی 1971ء
58	مجنوں گورکھپوری	غزل سرا (*)	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دھلی 1964ء
59	محمد اکرام شیخ	رود کوثر	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاھور طبع ھفتم 1979ء
60	//	موج کوثر	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاھور طبع بار دھم 1982ء
61	محمد انوارالحق، مفتی (مرتبہ)	دیوان غالب جدید	مفید عام اسٹیم پریس آگرہ 1921ء
62	محمد حسن عسکری	ستارہ یا بادبان	مکتبہ سات رنگ کراچی 1963ء
63	محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ	اکبر الہ آبادی (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)	مجلس ترقی ادب لاھور 1980ء
64	محمد طفیل	جناب (*)	ادارہ فروغ اردو لاھور 1970ء
65	محمد عتیق صدیقی	ھندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں)	اڈس پبلی کیشنز کراچی 1980ء
66	محمد علی صدیقی	نشانات	ادارہ عصر نو کراچی 1981ء
67	مسعود حسن رضوی ادیب، سید	ھماری شاعری	نظامی پریس لکھنو طبع سیزدھم 1976ء
68	//	آئینۂ سخن فہمی	کتاب نگر لکھنو 1959ء
69	مشفق خواجہ (مرتبہ)	تخلیقی ادب (2) (*)	عصری مطبوعات کراچی 1980ء
70	//	تخلیقی ادب (4) (*)	/// 1985ء
71	ممتاز مرزا (مرتبہ)	مقالات تاثیر	مجلس ترقی ادب لاھور 1978ء
72	نظیر صدیقی	تاثرات و تعصبات (*)	شعبہ تحقیق و اشاعت مدرسۂ عالیہ ڈھاکا، دسمبر 1962ء

(*) مذکورہ کتاب میں یگانہ پر مضمون شامل ھے۔

73	نظیر صدیقی (مرتبہ)	یگانہ چنگیزی (حالات زندگی اور انتخاب کلام)	فیروز سنز لمیٹڈ لاہور 1971ء
74	//	جدید اردو غزل ایک مطالعہ	گلوب پبلشرز لاہور 1984ء
75	نیر مسعود، ڈاکٹر (مرتبہ)	خطوط مشاہیر بہ نام مسعود حسن رضوی ادیب	اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو 1985ء
76	نورالحسن، بی اے	اردو کا معتوب شاعر یاس عظیم آبادی یگانہ چنگیزی	آبگینہ حمایت نگر حیدرآباد 1964ء
77	وحید قریشی، ڈاکٹر (مرتبہ)	مقدمہ شعر و شاعری	مکتبہ جدید لاہور 1953ء
78	وزیر آغا، ڈاکٹر	اردو شاعری کا مزاج	جدید ناشرین لاہور مئی 1965ء
79	هادی حسین	مغربی شعریات	مجلس ترقی ادب لاہور 1968ء
80	یوسف حسین خاں	اردو غزل	آئینہ ادب لاہور، پاکستان میں پہلی مرتبہ اشاعت 1964ء

(ب) انگریزی کتب

Sr. No.	AUTHOR	TITLE	PUBLISHER
1.	Aziz Ahmed	Studies in Islamic Culture in the Indian Environment	Oxford London 1964
2.	James Strachy (Translator)	Group Psycholody and the Analysis of Ego	Hogarth Press London Fifth Edition
3.	Lovelt, Sir Verney	A History of the Indian Nationalist Movement	London 1968
4.	Mohammad Sadiq, Dr.	A History of Urdu Literature	Oxford University Press Karachi Second Edition 1985
5.	Tendulker, D.G.	Mahatma Vol.II	Bombay, 1951

(ج) مضامین

نمبرشمار	مضمون نگار	مضمون	رسالہ، اخبار / تاریخ اشاعت
1	آغا جان	یگانہ کا دور آخریں	سیارہ، کراچی، مارچ 1956ء
2	احمد ھمدانی	یگانہ چنگیزی (*)	تخلیقی ادب (4)، کراچی، جولائی 1985ء
3	ادارہ نیرنگ خیال	نقد و نظر (آیات وجدانی)	نیرنگ خیال، لاھور، جولائی 1927ء
4	اسلم انصاری	یگانہ کے فن کی یگانگت	ھفت روزہ تقاضے، ملتان، 12 جولائی 1964ء
5	اسماعیل احمد مینائی تسنیم	دو میرزا (12 اقساط)	الناظر، لکھنو، جولائی 1935ء تا جون 1936ء
6	اسماعیل حسن خاں	یگانہ کا مرتبہ بحیثیت غزل گو	نقوش، لاھور، ستمبر 1965ء
7	//	یاس عظیم آبادی	ساقی، کراچی، اکتوبر 1965ء
8	اعجاز صدیقی	آہ یگانہ چنگیزی (*)	شاعر، بمبئی، مارچ 1956ء
9	اعظم حسین اعظم، سید	مرزا یگانہ چنگیزی	نقوش، لاھور (شخصیات نمبر) اکتوبر 1956ء
10	افتخار امام	کچھ یگانہ اور ترانہ کے بارے میں	شاعر، بمبئی، ستمبر 1985ء
11	انتظار حسین	باتیں اور ملاقاتیں ۔ یگانہ	روزنامہ مشرق، لاھور (ادبی ایڈیشن) 10 فروری 1981ء
12	انصار حسین، پروفیسر شیخ	میرزا یگانہ ۔ یادیں اور ملاقاتیں	تخلیقی ادب (2)، کراچی، 1980ء
13	انیس اشفاق	یگانہ اور جدید ذھن	دوماھی اکادمی، لکھنو جنوری فروری 1985ء
14	ایم ڈی تاثیر	حضرت اصغر اور ادب آموز	نیرنگ خیال، لاھور، ستمبر 1926ء
15	باقر مھدی	یگانہ آرٹ	آجکل، دھلی، مئی 1956ء
16	باقر رضوی	غزل کا تیسرا نام	محور، دھلی، شمارہ 8، 1964ء
17	بشیشور پرشاد منور لکھنوی	میرزا یگانہ چنگیزی (*)	ھمایوں، لاھور، اپریل 1967ء
18	بلند اقبال بیگم	بھائی ابا	تخلیقی ادب (2)، کراچی، 1980ء
19	تاراچند رستوگی	غالب کومپلیکس اور یگانہ	سہ ماھی اردو ادب، نئی دھلی، شمارہ 1-2، 1982ء

(*) ان مضامین کو ظاھر کرتا ھے جو تحقیق کے دوران زیر مطالعہ رھے لیکن ان کے حوالے مقالے

20	جوش ملسیانی	میرزا یگانہ چنگیزی	آج کل ،دھلی ، یکم اپریل 1985ء
21	حامد حسن قادری	غالب و یگانہ	مہر نیم روز ،کراچی ،مئی 1956ء
22	حرمت الاسلام، سید	یگانہ سخن یگانہ(*)	نیا دور، لکھنو، اکتوبر 1967ء
23	حنیف کیفی، ڈاکٹر	یگانہ غالب شکن یا معتقد غالب	اوراق ،لاھور، اپریل مئی 1987ء
24	حید رعباس حید وسید	یاس عظیم آبادی کا ایک شعر معرض بحث میں (*)	کلیم، دھلی ، فروری 1937ء
25	رام لعل	یگانہ چنگیزی	خبرنامہ اتر پردیش، اردو اکادمی ،لکھنو جنوری فروری 1985ء
26	راھی معصوم رضا	یاس عظیم آبادی(فن اور نظریۂ فن(*)	اردو ادب(2) ، انجمن ترقی اردو علی گڑھ، ستمبر 1963ء
27	//	یاس یگانہ چنگیزی(*)	گگن ، بمبئی ،جولائی 1968ء
28	زھرہ نقی	یگانہ ایک سوانحی مطالعہ	ادب لطیف،لاھور، جون 1968ء
29	سعادت نظیر	یاس یگانہ کی رجائیت	سب رس،کراچی ،فروری مارچ 1979ء
30	سلیم احمد	میرزا یگانہ کی شاعری	ساقی،کراچی ، جنوری فروری 1951ء
31	//	میرزا یگانہ کی شاعری	تخلیقی ادب(2) ،کراچی 1980ء
32	سلیمان اظہر جاوید	یگانہ کی غزل(*)	کتاب، لکھنو، ستمبر 1971ء
33	سلیمان ندوی ،سید	ترانہ	معارف، اعظم گڑھ، اپریل 1934ء روز نامہ امروز ،لاھور، 27 دسمبر 1984ء
34	شعلہ، دوارکاداس	یہ تیس برس کا قصہ ھے	تخلیقی ادب(2) ،کراچی 1980ء
35	شعیب نظام	یگانہ خطوط کے آئینے میں	دو ماھی اکادمی ، لکھنو جنوری فروری 1985ء
36	شمیم حنفی	میرزا یگانہ	///
37	صبا اکبر آبادی	میرزا یگانہ	تخلیقی ادب(4) ،کراچی ،جولائی 1985ء
38	طاھر جمیل	مرزا یگانہ چنگیزی(*)	روز نامہ جنگ ،کراچی ،فروری 1953ء
39	ظہیر فتح پوری	یگانہ	فنون ،لاھور(جدید غزل نمبر) جلد اوّل ، جنوری 1969ء
40	عابد علی عابد ،سید	چند بڑے ادیب	نقوش،لاھور(لاھورنمبر) ، فروری 1962ء
41	عارف لکھنوی	دیکھے ھم نے رنگ بہت ۔ یگانہ چنگیزی (*)	سب رس،کراچی ،جولائی 1985ء

(*) ان مضامین کو ظاھر کرتا ھے جو تحقیق کے دوران زیر مطالعہ رھے لیکن ان کے حوالے مقالے میں نہیں ھیں۔

42	عبدالرشید	موج عظیم آبادی اور یگانہ چنگیزی (*)	ہماری زبان، علی گڑھ، جون 1964ء
43	عبدالقوی دسنوی	اشاریہ یاس یگانہ چنگیزی	سہ ماہی اردو ادب، نئی دہلی 1982ء
44	عتیق احمد	یگانہ ان کی شاعری اور شخصیت (*)	مہر نیم روز، کراچی، فروری 1957ء
45	عشرت رحمانی	ادب خبیث	آج کل، دہلی، 15 مارچ 1945ء
46	عطاء الحق قاسمی	ایک عظیم تخلیقی کارنامہ (*) (روزن دیوار سے)	روزنامہ نوائے وقت، ملتان 11 اگست 1984ء
47	علیم الدین حالی	یگانہ چنگیزی (*)	صبح نو، پٹنہ، فروری 1962ء
48	فاخر حسین، ڈاکٹر	یگانہ بیگانہ	فنون، لاہور، جنوری 1964ء
49	فضل حق	نقد و نظر	آج کل، دہلی، یکم دسمبر 1946ء
50	قاضی امین الرحمان	سواد ر ادب	اورنٹیل کالج میگزین، لاہور فروری 1964ء
51	قدرت نقوی	یگانہ کی زبان	تخلیقی ادب (2)، کراچی 1980ء
52	کے کے کھلر	یگانہ چنگیزی ایک مطالعہ (*)	ہفتہ وار ہماری زبان، دہلی 16 فروری 1982ء
53	مالک رام	مرزا واجد حسین یاس یگانہ لکھنوی (*) (آیات وجدانی پر ایک نظر)	زمانہ، کانپور، فروری 1938ء
54	ماہر القادری	بیگانہ شاعری	ساقی، دہلی، مئی 1934ء
55	محمد رضا انصاری	یگانہ بیتی کچھ سنی کچھ دیکھی	آج کل، دہلی، اگست 1974ء
56	//	یگانہ سے متعلق کچھ یادیں	دو ماہی اکادمی، لکھنو جنوری فروری 1985ء
57	محمد مبین	مرزا یاس یگانہ چنگیزی	قومی زبان، کراچی، جولائی 1980ء
58	مسعود الحسن تابش دہلوی، سید	مرزا یگانہ ـ حیدرآباد دکن کی یادیں	تخلیقی ادب (2)، کراچی 1980ء
59	مضحک دہلوی، علامہ	میرزا یگانہ عقل و خرد سے بیگانہ (الٹا بخیہ)	ساقی، دہلی، اپریل 1934ء
60	معین زلفی	یگانہ چنگیزی اور عشرت رحمانی کی تنقیدات پر ایک نظر	آج کل، دہلی، 15 جولائی 1945ء
61	ممتاز حسین، جونپوری، شیخ	یگانہ اور ان کی یگانہ روزگار شاعری	شعور، کراچی، ساتواں شمارہ 1959ء

(*) ان مضامین کو ظاہر کرتا ہے جو تحقیق کے دوران زیر مطالعہ رہے لیکن ان کے حوالے مقالے

62	ممتاز حسین	یگانہ فن	تخلیقی ادب (2) ،کراچی 1980ء
63	میر ہاشم	یاس یگانہ چنگیزی (ایک جائزہ)	شاعر، بمبئی ، جنوری فروری 1960ء نگار، جولائی 1961ء
64	میکش اکبر آبادی	یگانہ چنگیزی کے ساتھ چند لمحے	نقوش، لاہور، اکتوبر 1958ء ہفت روزہ بے داغ، دہلی ،جنوری 59ء
65	نامعلوم	یگانہ نقاد غالب کی حیثیت سے	سہ ماہی اردو ادب، نئی دہلی شمارہ 1-2 ، 1982ء
66	نخشب جارچوی	میرزا یگانہ چنگیزی	آج کل ، دہلی ، جولائی 1943ء
67	نریش کمار شاد	یاس کی خود پرستی (*)	نیا دور، لکھنو، جولائی 1961ء
68	نشاط قیصر	یگانہ حیات اور شاعری (*)	سب رس ، کراچی ، مارچ 1968ء
69	نقاد	ترانۂ یگانہ	الناظر، لکھنو،مارچ اپریل 1936ء
70	نیر مسعود ،ڈاکٹر	میرزا یگانہ (بہ حوالہ ادیب)	اکادمی ،لکھنو،جنوری فروری 1985ء
71	//	یگانہ کے معرکے	شاعر، بمبئی ، ستمبر 1985ء
72	//	یگانہ کی چند غیر معروف تحریریں	اکادمی ،لکھنو،جنوری فروری 1986ء

نوٹ (*) ان مضامین کو ظاہر کرتا ہے جو تحقیق کے دوران زیر مطالعہ رہے لیکن ان کے حوالے مقالے میں نہیں ہیں۔

(د) رسائل (**)

1 آج کل ، دہلی۔ یکم اپریل 1945ء، مئی 1947ء، ستمبر 1952ء،دسمبر 1952ء
جنوری 1962ء

2 ادب لطیف ، لاہور ۔ جون 1968ء

3 اردو، کراچی (سہ ماہی) شمارہ (1) 1977ء

4 الحمرا، لاہور ۔ اگست 1956ء

5 الفاظ، علی گڑھ (دو ماہی) ۔ جولائی اگست 1983ء

6 پکچر، لاہور (تاجور نمبر) ، جلد 6، شمارہ 5

7 تعمیر، ہریانہ (منشی نول کشور نمبر) ۔ جولائی اگست 1979ء

(**) اس فہرست میں ان رسائل کو شامل نہیں کیا گیا جن میں یگانہ کے مضامین یا یگانہ پر مضامین شائع ہوئے۔

8 چاند ، الہ آباد (ایڈیٹر نمبر) ، نومبر دسمبر 1930ء

9 خیال ، ہاپوڑ ۔ اپریل 1916ء

10 خیال ، میرٹھ ۔ اپریل 1917ء

11 رہنمائے تعلیم، لاہور ۔ مئی 1938ء

12 زمانہ ، کانپور ۔ (جوبلی نمبر) فروری 1928ء، اپریل 1936ء

13 ساقی ، دھلی ۔ فروری 1932ء، جون 1934ء ، جولائی 1934ء

14 ساقی ، کراچی ۔ جون 1955ء، جولائی 1955ء، اگست 1955ء، ستمبر 1955ء
مارچ 1956ء

15 سب رس ، حیدر آباد دکن ۔ اگست 1938ء

16 شباب اردو ، لاہور ۔ اپریل 1923ء

17 شعور ، کراچی ۔ چھٹا شمارہ 1959ء

18 صدق جدید ، لکھنو ۔ (ھفتہ وار) ۔ 27 مارچ 1953ء

19 عالمگیر، لاہور ۔ اپریل 1933ء، دسمبر 1943ء

20 کارواں ، کراچی ۔ جولائی 1956ء

21 کہکشاں ، لاہور ۔ دسمبر 1918ء، جنوری 1919ء، جنوری 1920ء

22 ماہ نو، کراچی ۔ اگست 1950ء ، مارچ 1951ء، نومبر 1955ء، جون 1956ء
جنوری 1967ء

23 مخزن، لاہور ۔ مارچ 1927ء ، اپریل 1927ء

24 مہر نیم روز ، کراچی ۔ مارچ 1956ء

25 نظارہ ، میرٹھ ۔ نومبر 1915ء ، نومبر دسمبر 1916ء

26 نقوش ،لاہور ۔ نومبر 1957ء (مکاتیب نمبر، حصہ دوم) ، اپریل 1968ء (خطوط نمبر)

27 نگار پاکستان ، کراچی ۔ مارچ 1962ء (مصحفی نمبر) ، سالنامہ 1965ء ،
سالنامہ 1967ء (اصناف شاعری نمبر) ، اگست 1984ء

28 نیرنگ خیال ، لاہور ۔ مئی جون 1926ء ، دسمبر 1927ء ، جون 1928ء ،
سالنامہ 1928ء ، سالنامہ 1934ء ، جولائی 1942ء ،
گولڈن جوبلی نمبر 1978ء

29 ھماری زبان ، دھلی (ھفت روزہ) ۔ 8، 15 مارچ 1979ء ،

30 ھمایوں ، لاہور ۔ اپریل 1926ء ، جنوری 1951ء ، جون 1951ء ، جولائی 1956ء

(ق) اخبارات

نمبرشمار	اخبار	تاریخ اشاعت
1	انگارہ، کلکتہ	20 ستمبر 1951ء
2	اودھ پنچ ، لکھنو	12 اپریل 1918ء
3	جنگ، لاہور	15 فروری 1984ء ، 22 مارچ 1984ء
4	قومی آواز، لکھنو	یکم اپریل 1953ء، 6 فروری 1954ء

(3)

(الف) قلمی مسودات

1. ابوالفضل صدیقی کا مضمون " یگانہ چنگیزی "
2. اسماعیل احمد مینائی تسنیم کے " رشحات فکر "
3. انور سدید ،ڈاکٹر کا مقالہ " اردو ادب کی تحریکیں " (ٹائپ مسودہ برائے پی ایچ ڈی)
4. جوش ملیح آبادی کا خط بہ نام یگانہ
5. طاہر تونسوی، ڈاکٹر کا مقالہ " مسعود حسن رضوی ادیب۔حیات اور کارنامے " (قلمی مسودہ برائے پی ایچ ڈی)
6. مرزا فہیم بیگ گوالیاری کا خط بہ نام یگانہ
7. یگانہ بیگم ، رام رتن مہتہ اور دوارکاداس شعلہ کے خطوط

(ب) یگانہ کے قلمی مسودات

1. چھ بیاضیں
2. قطعۂ تاریخ
3. اولاد کی تفصیل ولادت
4. اپنا کیریکٹر
5. خطوط
6. دوارکاداس شعلہ اور راغب مرادآبادی کے کلام پر اصلاحیں

7 کلیات صائب کی جلد کے اوراق پر تحریریں

8 گنجینہ کی کتابت کی غلطیوں کے کاغذات

9 مضمون " آرٹ اور مذہب "

10 غیر مطبوعہ شعر :

بننے کو گرامی بنے اقبال بنے سے — جب جانئے کوئی ظفرعلی‌خاں بن جائے

11 گنجینہ (قلمی نسخہ)

(ج) ملاقاتیں (انٹرویوز)

1 آغا جان سے ملاقات ، مورخہ 10 نومبر 1984ء، بمقام بلند اقبال کی صاحبزادی شہناز اقبال کی رہائش گاہ واقع ناظم آباد کراچی

2 انصار حسین ، ڈاکٹر شیخ سے ملاقات ، مورخہ 8 نومبر 1984ء ، بمقام ان کی رہائش گاہ واقع کراچی یونیورسٹی کیمپس کراچی

3 باقر حسنین رضوی سے ملاقات، مورخہ 9 نومبر 1984ء، بمقام ان کی رہائش گاہ واقع نارتھ ناظم آباد کراچی

4 بلند اقبال سے ملاقات، مورخہ 10 نومبر 1984ء، 25 مئی 1985ء، بمقام شہناز اقبال کی رہائش گاہ

5 راغب مرادآبادی سے ملاقات، مورخہ 9 نومبر 1984ء، بمقام ان کی رہائش گاہ واقع فیڈرل ایریا بی ، کراچی

6 شمیم احمد سے ملاقات ، مورخہ 4 نومبر 1984ء، بمقام شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

7 عبیداللہ علیم سے ملاقات، مورخہ 9 نومبر 1984ء، بمقام نصیر ترابی کی رہائش گاہ واقع انچولی (النور سوسائٹی) کراچی

8 محمد زکریا ، ڈاکٹر خواجہ سے ملاقات، مورخہ 2 اپریل 1985ء، بمقام شعبۂ اردو اورینٹل کالج لاہور

9 نصیر ترابی سے ملاقات ، مورخہ 9 نومبر 1984ء ، بمقام ان کی رہائش گاہ

(د)   خطوط بہ نام راقم

1 اسماعیل احمد مینائی تسنیم کے خطوط (کراچی) محررہ 11 جولائی 1985ء ، 5 اگست 1986ء

2 راغب مرادآبادی کا خط (کراچی) محررہ 24 نومبر 1984ء

3 مالک رام کے خطوط (دھلی) محررہ 7 ستمبر 1984ء، 13 جنوری 1985ء

4 مجتبیٰ حسین کا خط (کوئٹہ) محررہ 27 جون 1985ء

5 نیر مسعود ،ڈاکٹر کا خط(لکھنو) محررہ 17 اپریل 1986ء ، 12 جولائی 1988ء